سلسلہ مطبوعات مجلس
۱۱۸

نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم

پیغمبر خدا نبی رحمت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ وسیرت مبارکہ، جس کی ترتیب وتالیف میں قدیم وجدید معلومات وتحقیقات سے فائدہ اُٹھانے کی امکانی کوشش کی گئی ہے، زمانۂ بعثت کی تصویر، معاصر دنیا، جزیرۃ العرب اور حجاز کا اہم تمدنی، سیاسی وتاریخی پس منظر، واقعات وحالات، ہدایات وتعلیمات اور نتائج واثرات کی مستند روداد، جو ہر دور میں افراد واقوام اور نوع انسانی کی ہدایت ورہنمائی کی طاقت وصلاحیت سے معمور ہے۔

مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ

ترجمہ از عربی
مولانا سید محمد الحسنیؒ

مجلس تحقیقات ونشریات اسلام
ندوۃ العلماء، لکھنؤ

(حقوق طبع بحق مجلس تحقیقات ونشریات اسلام لکھنؤ محفوظ و رجسٹرڈ ہیں)

چودہواں ایڈیشن

۱۴۳۴ھ - ۲۰۱۳ء

نام کتاب	:	نبی رحمت ﷺ
نام مؤلف	:	مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ
کمپوزنگ	:	(حشمت علی) مجلس تحقیقات ونشریات اسلام
صفحات	:	۴۷۲
طباعت	:	کاکوری آفسیٹ پریس، لکھنؤ
تعداد اشاعت	:	۱۱۰۰
قیمت	:	Academy of Islamic Research & Publications مجلس تحقیقات ونشریات اسلام لکھنؤ PRICE 350/-

باہتمام

محمد کلام الدین ندوی

طابع وناشر

مجلس تحقیقات ونشریات اسلام

پوسٹ بکس نمبر ۱۱۹، دار العلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ

فون: 0522-2741539، ای میل: airpnadwa@gmail.com

فہرست عناوین

مضامین	صفحہ
عرض ناشر	
دیباچہ طبع سوم	
دیباچہ طبع دوم	
پیش لفظ	۱۲
عہد جاہلیت ۲۴-۳۹	
مذاہب اور اہل مذاہب پر ایک اجمالی نظر چھٹی صدی عیسوی میں	۲۴
دنیا کے ملکوں اور قوموں پر ایک عمومی نظر	۳۰
مشرقی رومی سلطنت	۳۰
ایرانی شہنشاہی	۳۱
ہندوستان	۳۴
جزیرۃ العرب	۳۷
یورپ	۳۷
گھٹا ٹوپ اندھیرا اور جان لیوا مایوسی	۳۸
عالمگیر فساد	۳۹
محمد رسول اللہ ﷺ جزیرۃ العرب میں کیوں مبعوث ہوئے؟ ۴۰-۵۱	
عرب کا تاریک ترین دور اور ایک مستقل نبی کی بعثت کی ضرورت ۵۲-۶۳	
نبی کی ضرورت	۵۳
جزیرۃ العرب ۵۷-۶۳	
جزیرۃ العرب کے حدود	۵۷
جزیرۃ العرب کے طبعی حالات اور اس کے باشندے	۵۸
تمدنی وثقافتی مراکز	۵۹
اہل عرب کے طبقات اور قسمیں	۵۹
لسانی وحدت	۶۰
جزیرۃ العرب اقوام وملل کی تاریخ میں	۶۱
نبوت اور آسمانی مذاہب سے جزیرہ عرب کا تعلق	۶۲
بعثت سے پہلے ۶۴-۷۴	
حضرت اسماعیلؑ مکہ میں	۶۴
قبیلہ قریش	۶۶
قصی بن کلاب اور ان کی اولاد	۶۷
بنی ہاشم	۶۸
مکہ میں بت پرستی اور اس کا اصل سرچشمہ اور تاریخ	۶۸
اصحاب الفیل کا واقعہ	۷۱
اللہ تعالیٰ کی نظر میں بیت اللہ کی عزت وحرمت پر قریش کا عقیدہ	۷۱
واقعہ فیل اور اس کے اثرات	۷۴
مکہ، بعثت نبوی کے وقت ۷۵-۸۶	
مکہ، ایک اہم شہر	۷۵
مکہ کی تعمیر نو اور اس کے اصل بانی	۷۷
زندگی کی تنظیم اور عہدوں کی تقسیم	۷۷

تجارتی سرگرمیاں اور درآمد و برآمد	۷۸
اقتصادی حالت، اوزان اور پیمانے	۷۹
قریش کا دولت مند طبقہ	۸۱
مکہ کی صنعتیں اور ادب وثقافت	۸۲
جنگی طاقت	۸۳
مکہ جزیرۃ العرب کا ایک بڑا شہر اور اس کا روحانی وسماجی پائے تخت	۸۴
اخلاقی پہلو	۸۴
مذہبی پہلو	۸۵

ولادت باسعادت سے آغاز نبوت تک

۸۷-۹۸

عبداللہ اور آمنہ	۸۷
آپ کی ولادت باسعادت اور عالی نسبی	۸۷
ایام رضاعت	۸۹
بی بی آمنہ اور دادا عبدالمطلب کی وفات	۹۱
چچا ابوطالب کے ساتھ	۹۱
آسمانی تربیت	۹۳
حضرت خدیجہؓ سے رشتہ ازدواج	۹۴
کعبہ کی تعمیر نو اور ایک بڑے فتنہ کا سد باب	۹۵
حلف الفضول	۹۶
مبہم بے چینی	۹۷

بعثت کے بعد ۹۹-۱۴۸

انسانیت کی صبح صادق	۹۹
غار حرا میں	۹۹
بعثت مبارک	۱۰۰
حضرت خدیجہؓ کے گھر میں	۱۰۱
ورقہ بن نوفل کی مجلس میں	۱۰۲
حضرت خدیجہؓ کا قبول اسلام اور ان کا کردار	۱۰۲
حضرت علیؓ اور زید بن حارثہؓ کا قبول اسلام	۱۰۳
حضرت ابوبکرؓ کا قبول اسلام اور دعوت الی اللہ میں ان کا حصہ	۱۰۳
شرفائے قریش کا قبول اسلام	۱۰۳
کوہ صفا پر پہلا اعلان حق	۱۰۴
دعوت وتربیت کا حکیمانہ انداز	۱۰۵
دشمنی وایذا رسانی کا آغاز اور ابوطالب کی مدافعت وشفقت	۱۰۶
رسول اللہ ﷺ اور ابوطالب کا مکالمہ	۱۰۶
اگر میرے داہنے ہاتھ میں وہ سورج رکھیں اور بائیں ہاتھ میں چاند.......	۱۰۷
قریش کے ہاتھوں مسلمانوں پر مظالم	۱۰۷
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قریش کی دشمنی اور ایذا رسانی کی مختلف کوششیں	۱۰۹
حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ کفار قریش کا معاملہ	۱۱۰
لوگوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بدگمان کرنے میں قریش کا تردد وپریشانی	۱۱۱
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایذا رسانی میں قریش کی سنگدلی وبے رحمی	۱۱۲
حضرت حمزہؓ کا قبول اسلام	۱۱۲
عتبہ اور رسول اللہ ﷺ سے بات چیت	۱۱۳
مسلمانوں کی حبشہ کی طرف ہجرت	۱۱۴
قریش کا تعاقب	۱۱۵
جاہلیت کی تصویر کشی اور اسلام کا تعارف جعفر بن ابی طالبؓ کی زبان سے	۱۱۶
حضرت جعفرؓ کی حکمت وبلاغت	۱۱۷
وفد قریش کی ناکامی	۱۱۸

مسلمانوں کا جذبہ احسان شناسی	۱۱۸
حبشہ میں دین کی دعوت اور اسلام کا مفاد	۱۱۸
حضرت عمرؓ کے قبولِ اسلام کا واقعہ	۱۱۹
قریش کی طرف سے بنی ہاشم کا مقاطعہ اور محاصرہ	۱۲۲
شعب ابی طالب میں	۱۲۲
عہد نامہ کی تنسیخ اور مقاطعہ کا خاتمہ	۱۲۲
ابو طالب اور حضرت خدیجہؓ کی وفات	۱۲۳
قرآن مجید کی انقلاب آفرینی و مسیحائی اور قلب سلیم پر اس کے اثرات	۱۲۳
طائف کا سفر اور سخت اذیتوں کا سامنا	۱۲۵
طائف کی اہمیت	۱۲۵
اہل طائف کا سلوک اور آپ کی دعا	۱۲۶
واقعہ معراج	۱۲۷
معراج کے بلند و لطیف مطالب و معانی	۱۲۸
نماز کی فرضیت	۱۳۰
قبائل عرب کو دعوت اسلام	۱۳۰
اسلام کا راستہ	۱۳۰
انصار کے قبول اسلام کا آغاز	۱۳۲
بیعت عقبہ اولیٰ	۱۳۳
انصار کے قبول اسلام کا اصل سبب	۱۳۳
یثرب کی خصوصیات اور اس کے انتخاب کی حکمتیں	۱۳۵
مدینہ میں اسلام کا فروغ	۱۳۸
بیعت عقبہ ثانیہ	۱۳۸
مدینہ ہجرت کرنے کی اجازت	۱۳۹
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف قریش کی سازش اور ناکامی	۱۴۱
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت مدینہ	۱۴۲
عجیب تضاد	۱۴۲
ہجرت سے ایک سبق	۱۴۳
غار ثور کی طرف	۱۴۴
محبت کی کرشمہ سازیاں	۱۴۴
آسمانی کمک اور غیبی امداد	۱۴۵
انسانی تاریخ کا سب سے نازک لمحہ	۱۴۵
"لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا"	۱۴۵
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تعاقب میں سراقہ کی روانگی	۱۴۶
ایک خلاف قیاس اور ماورائے عقل پیش گوئی	۱۴۷
مبارک شخص	۱۴۸

عہد بعثت کے یثرب (مدینہ) پر ایک نظر ۱۴۹-۱۶۷

مکی و مدنی معاشروں کا فرق	۱۴۹
یہود	۱۴۹
مذہبی امور	۱۵۱
یہود کی مذہبی و اخلاقی حالت	۱۵۱
اقتصادیات	۱۵۳
دینی و ثقافتی حالت	۱۵۵
اوس و خزرج	۱۵۷
طبعی و جغرافیائی کیفیت	۱۵۸
دینی حالت اور معاشرتی حیثیت	۱۶۰
اقتصادی اور تمدنی حالت	۱۶۲
یثرب کا پیچیدہ اور ترقی یافتہ معاشرہ	۱۶۶

مدینہ میں ۱۶۸-۱۸۵

مدینہ نے رسول اللہ ﷺ کا استقبال کس طرح کیا	۱۶۸
مسجد قبا اور مدینہ کا پہلا جمعہ	۱۷۰
ابو ایوب انصاریؓ کے گھر میں	۱۷۰

مسجد نبوی اور مکانات کی تعمیر	۱۷۲
مہاجرین اور انصار میں بھائی چارہ کا معاہدہ	۱۷۳
مواخاۃ اور اس کی اہمیت	۱۷۳
حضور کی تحریر اور یہود سے امن وامان کا معاہدہ	۱۷۴
اذان کا حکم	۱۷۴
مدینہ میں نفاق اور منافقین کا ظہور	۱۷۴
یہود کی دشمنی کا آغاز	۱۷۷
قبلہ کی تبدیلی	۱۸۰
مدینہ کے مسلمانوں سے قریش کی چھیڑ چھاڑ	۱۸۱
قتال کی اجازت	۱۸۳
عبداللہ بن جحش کا سریہ اور غزوۂ ابواء	۱۸۲
روزہ کی فرضیت	۱۸۵

بدر کی فیصلہ کن جنگ ۱۸۶-۱۹۹

جنگ بدر کی اہمیت	۱۸۶
انصار کی پیش کش اور ان کی اطاعت.....	۱۸۷
لڑکوں میں جہاد وشہادت کا شوق	۱۸۸
مسلمانوں اور کافروں کی جنگی طاقت کا زبردست فرق	۱۸۹
مشورہ کی اہمیت	۱۸۹
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بحیثیت سپہ سالار	۱۹۰
جنگ کی تیاری	۱۹۱
بارگاہ الٰہی میں آہ وزاری اور دعا ومناجات	۱۹۱
امت کا صحیح تعارف اور اس کے اصل مقام وپیغام کا تعین	۱۹۲
آغاز جنگ	۱۹۳
پہلا شہید	۱۹۳
شوقِ جہاد اور ذوقِ شہادت میں بھائیوں کا مقابلہ اور رسہ کشی	۱۹۴
فتح مبین	۱۹۵
جنگ بدر کے اثرات ونتائج	۱۹۶
ایمان کا رشتہ خون کے رشتہ سے بالاتر	۱۹۶
مسلمانوں نے قیدیوں کے ساتھ کیا سلوک کیا؟	۱۹۷
بچوں کی تعلیم کے معاوضہ میں قیدیوں کی رہائی	۱۹۷
دوسرے غزوات وسرایا	۱۹۸
بنی قینقاع کے ساتھ معاملہ	۱۹۸

غزوۂ احد ۲۰۰-۲۱۶

جاہلی حمیت اور جذبہ انتقام	۲۰۰
احد کے دامن میں	۲۰۱
ہم عمروں میں مقابلہ اور مسابقت	۲۰۲
لڑائی کا آغاز	۲۰۲
حضرت حمزہؓ اور مصعب بن عمیرؓ کی شہادت	۲۰۲
مسلمانوں کا غلبہ	۲۰۳
مسلمانوں کے خلاف جنگ کا پانسہ کیسے پلٹا؟	۲۰۳
محبت اور جاں نثاری کی نئی نظیریں	۲۰۴
مسلمانوں کا دوبارہ جماؤ	۲۰۷
ایک مومنہ کا صبر	۲۰۹
مصعب بن عمیرؓ اور دیگر شہدائے اُحد کس طرح دفن کیے گئے؟	۲۰۹
رسول اللہ ﷺ پر صحابیات کی جاں نثاری	۲۱۰
جاں نثاری اور فرمانبرداری کی ایک مثال	۲۱۰
جان سے زیادہ عزیز	۲۱۱
بئر معونہ	۲۱۳
ایک مقتول کے آخری الفاظ جو قاتل کے قبول اسلام کا سبب بن گئے	۲۱۳
بنی النضیر کی جلاوطنی	۲۱۳
غزوۂ ذات الرقاع	۲۱۵
اس وقت تمہیں کون بچا سکتا ہے؟	۲۱۵

کچھ غزوات جن میں قتال کی نوبت نہیں آئی	۲۱۵

غزوہ خندق یا غزوہ احزاب ۲۱۷-۲۲۶

حکمت مومن کا گمشدہ مال ہے	۲۱۸
مسلمانوں میں ہمدردی ومساوات کی ایک نئی لہر	۲۱۹
تنگی ومحاصرہ کی تاریکی میں اسلامی فتوحات کا نور	۲۲۰
غزوہ خندق میں رسول اللہ ﷺ کے بعض معجزات	۲۲۰
کڑی آزمائش	۲۲۲
جاہلیت کے شہسوار اور اسلام کے شہسوار کا مقابلہ	۲۲۲
ماں اپنے جگر کے ٹکڑے کو جہاد اور شہادت پر آمادہ کرتی ہے	۲۲۳
غیبی نصرت	۲۲۴

غزوۂ بنی قریظہ ۲۲۷-۲۴۰

بنی قریظہ کی عہد شکنی	۲۲۷
بنی قریظہ کی طرف پیش قدمی	۲۲۸
ابولبابہ کی ندامت اور توبہ کی قبولیت	۲۲۹
سعد بن معاذ کی حق پرستی اور بے لاگ فیصلہ	۲۳۰
اسرائیلی شریعت کے مطابق سزا	۲۳۱
عفو درگزر اور سخاوت ودریادلی	۲۳۴
غزوۂ بنی مصطلق اور واقعۂ إفک	۲۳۵

صلح حدیبیہ ۲۴۱-۲۵۰

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خواب اور مکہ میں داخلہ کے لئے مسلمانوں کی تیاری	۲۴۱
مسلمانوں کے مکہ میں داخلہ سے قریش کی پریشانی	۲۴۲
عشق ووفا کا امتحان	۲۴۳
بیعت رضوان	۲۴۳
مذاکرات، ثالثی اور صلح کی کوشش	۲۴۴
معاہدہ وصلح نامہ	۲۴۴
حلم وحکمت کی جامعیت کی ایک مثال	۲۴۵
صلح اور آزمائش	۲۴۵
مسلمانوں کا امتحان	۲۴۶
ذلت آمیز صلح یا کھلی ہوئی فتح؟	۲۴۷
بصورت ناکامی بحقیقت کامیابی	۲۴۷
یہ صلح فتح وظفر میں کیسے تبدیل ہوئی؟	۲۴۸
خالد بن ولیدؓ اور عمرو بن العاصؓ	۲۵۰

سلاطین وامراء کو دعوت اسلام ۲۵۱-۲۷۲

حکیمانہ طرز دعوت	۲۵۱
مکاتب نبوی	۲۵۲
فرامین نبوی میں مکتوب الیہم کے مابہ الامتیاز حالات کی رعایت	۲۵۵
یہ سلاطین کون تھے؟	۲۵۶
قیصر روم ہرقل اول (۶۱۰-۶۴۱ء)	۲۵۶
کسریٰ پرویز (خسرو پرویز ۵۹۰-۶۲۸ء)	۲۵۸
مقوقس	۲۶۰
نجاشی	۲۶۱
ان سلاطین نے نامہائے مبارک کے ساتھ کیا معاملہ کیا؟	۲۶۳
ہرقل اور ابوسفیان کا مکالمہ	۲۶۵
اریسی کون تھے؟	۲۶۷
مکاتیب بنام امرائے عرب	۲۷۱
غزوۂ بنی لحیان اور غزوۂ ذی قرد	۲۷۲

غزوۂ خیبر ۲۷۳-۲۸۳

اللہ کا انعام	۲۷۳
لشکر اسلام نبی کی قیادت میں	۲۷۴
مظفر ومنصور قائد	۲۷۵
شیر خدا اور ایک نامور یہودی شہسوار کا مقابلہ	۲۷۶

محنت کم، اُجرت زیادہ	۲۷۶
آپ کی رفاقت میں نے اس لیے نہیں کی تھی	۲۷۷
خیبر میں قیام کی شرط	۲۷۸
مذہبی رواداری اور کشادہ قلبی	۲۷۹
جعفرؓ ابن ابی طالب کی آمد	۲۷۹
یہود کی ایک مجرمانہ سازش	۲۷۹
غزوۂ خیبر کے اثرات	۲۸۰
مالِ غنیمت	۲۸۱
مہاجرین کی پاک نفسی واحتیاط	۲۸۲
عمرۃ القضاۃ	۲۸۲
لڑکیوں کی پرورش وتربیت میں مقابلہ اور حقوق میں مساوات	۲۸۳
غزوۂ موتہ ۲۸۴-۲۸۹	
مسلمانوں کے سفیر کا قتل اور اس کا شاخسانہ	۲۸۴
رومی قلمرو میں پہلی اسلامی فوج	۲۸۴
ہم دشمن سے تعداد اور قوت کی بنیاد پر نہیں لڑتے	۲۸۵
مجاہدین سربکف	۲۸۵
حضرت خالدؓ کی ماہرانہ قیادت	۲۸۶
آنکھوں دیکھا حال	۲۸۷
جعفر طیارؓ	۲۸۷
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ودلداری	۲۸۸
حملہ کرنے والے، نہ کہ بھاگنے والے	۲۸۸
غزوۂ موتہ اور فتح مکہ کے درمیان	۲۸۸
فتح مکہ ۲۹۰-۳۰۷	
فتح مکہ کا پس منظر	۲۹۰
بنی بکر اور قریش کی عہد شکنی	۲۹۰
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فریاد	۲۹۱
آخری طور پر اتمام حجت	۲۹۱
معاہدہ کی تجدید کے لیے قریش کی کوشش	۲۹۲
ماں باپ اور اولاد پر حضورؐ کو ترجیح	۲۹۲
ابوسفیان کی پریشانی اور ناکامی	۲۹۲
مکہ کی تیاری اور حاطب ابن ابی بلتعہ کا خط	۲۹۳
پروانۂ معافی	۲۹۶
ابوسفیان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے	۲۹۶
معافی کی صدائے عام	۲۹۷
ابوسفیان فتح کے جلوس کا نظارہ کرتے ہوئے	۲۹۷
نیازمندانہ، نہ کہ فاتحانہ داخلہ	۲۹۸
معافی ورحم کا دن ہے خونریزی کا نہیں	۲۹۹
معمولی جھڑپیں	۳۰۰
حرم سے بتوں کی صفائی	۳۰۰
آج حسن سلوک اور پاس وفا کا دن ہے	۳۰۰
توحید حق اور وحدتِ انسانی کا دین	۳۰۱
نبی رحمت	۳۰۲
حدود شرعیہ کے اجراء میں کوئی امتیاز روا نہیں	۳۰۲
اپنے دشمنوں کے ساتھ حسن سلوک	۳۰۳
ہند بنت عتبہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مکالمہ	۳۰۴
تمھارے ہی ساتھ جینا ہے اور تمھارے ہی ساتھ مرنا ہے	۳۰۵
دشمنوں نے آنکھیں بچھائیں اور فاسق وفاجر، متقی وپرہیزگار بن گئے	۳۰۵
جاہلیت کے آثار اور بت پرستی کے نشانات کا خاتمہ	۳۰۶
فتح مکہ کے اثرات	۳۰۶
کمسن امیر	۳۰۷
غزوۂ حُنین ۳۰۸-۳۱۳	
شمع اسلام کو پھونکوں سے بجھانے کی ایک اور ناکام کوشش	۳۰۸

ہوازن کا اجتماع	۳۰۸
اب بت پرستی واپس نہیں آسکتی خواہ کسی شکل میں ہو!	۳۰۹
وادیٔ حنین میں	۳۱۰
دشمنوں کی شماتت اور ضعیف الایمان لوگوں کی لغزشیں	۳۱۰
فتح اور سکینت	۳۱۰
اسلام اور مسلمانوں کے خلاف آخری جنگ	۳۱۲
اوطاس میں	۳۱۲

غزوۂ طائف ۳۱۴-۳۲۰

ثقیف کے باقی ماندہ دستے	۳۱۴
طائف کا محاصرہ	۳۱۴
میدان جنگ میں رحم دلی	۳۱۴
محاصرہ کا خاتمہ	۳۱۵
حنین کے باندی، غلام اور مال غنیمت	۳۱۵
انصار کی محبت اور ان کا ایثار	۳۱۶
قیدیوں کی واپسی	۳۱۷
نرم دلی اور کریم النفسی	۳۱۸
عمرۂ جعرانہ	۳۱۹
اپنی رضا و رغبت سے	۳۱۹
بت پرستی کے ساتھ کوئی سمجھوتہ اور رعایت نہیں	۳۱۹
کعب بن زہیر کا قبول اسلام	۳۲۰

غزوۂ تبوک ۳۲۱-۳۳۶

غزوۂ تبوک کا نفسیاتی اثر اور اس کے اسباب	۳۲۲
غزوہ کا زمانہ اور وقت	۳۲۵
جہاد اور روانگیٔ لشکر میں صحابہؓ کا ذوق وشوق اور جذبہ مسابقت	۳۲۶
لشکر اسلام کی تبوک کی طرف روانگی	۳۲۷
رومیوں سے عربوں کا خوف	۳۲۷
رسول اللہ ﷺ اور ایلہ کے حاکم میں صلح	۳۲۸
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ طیبہ واپسی	۳۲۸
ایک غریب مسلمان کے جنازہ میں	۳۲۸
کعب بن مالک کا ابتلاء اور ان کی کامیابی وسرخروئی	۳۲۹
غزوات پر ایک نظر	۳۳۳
اسلام میں پہلا حج	۳۳۵

وفود کا سال ۳۳۷-۳۴۳

مدینہ میں وفود کی مسلسل آمد اور عرب کی زندگی پر اس کا اثر	۳۳۷
ایک جاہل بت پرست اور نبی ہادی کا مکالمہ	۳۴۲
زکوٰۃ وصدقات کی فرضیت	۳۴۳

حجۃ الوداع ۳۴۴-۳۵۴

حجۃ الوداع اور اس کے وقت کا انتخاب	۳۴۴
حجۃ الوداع کی دعوتی وتبلیغی اور تربیتی اہمیت	۳۴۴
حجۃ الوداع کا تاریخی ریکارڈ	۳۴۴
حجۃ الوداع کا اجمالی جائزہ	۳۴۵
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کیسے کیا؟	۳۴۵
حجۃ الوداع میں رسول اللہ ﷺ کا خطبہ	۳۵۱
خطبۂ عرفہ	۳۵۱

وفات ۳۵۵-۳۷۰

تبلیغ دعوت اور اجرائے شریعت کا نقطۂ عروج اور وصال حق کی تیاری	۳۵۵
قرآن مجید کا دور اور اعتکاف میں اضافہ	۳۵۶
لقائے مولیٰ کا شوق اور دنیا کو وداع	۳۵۷
علالت کا آغاز	۳۵۸
آخری لشکر	۳۵۹

جیش اسامہؓ سے آپ کی دلچسپی واہتمام	۳۵۹
مسلمانوں کے لئے دعا اور ذاتی سربلندی کے شوق اور تکبر سے دور رہنے کی آگاہی	۳۶۰
دنیا سے بے تعلقی اور مال کے بچ جانے سے کراہت	۳۶۱
نماز کا اہتمام اور حضرت ابوبکرؓ کی امامت	۳۶۱
خطبۃ الوداع	۳۶۲
انصار کے ساتھ حسن سلوک کی وصیت	۳۶۲
مسلمانوں کی صف بستہ جماعت پر آپ کی آخری نگاہ	۳۶۳
قبروں کی پرستش اور ان کو عبادت گاہ و مسجد بنانے کی مذمت وممانعت	۳۶۴
آخری وصیت	۳۶۴
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے کس حال میں تشریف لے گئے؟	۳۶۵
صحابۂ کرامؓ نے آپ کی وفات کی خبر کس طرح سنی؟	۳۶۵
حضرت ابوبکرؓ کا فیصلہ کن اور جرأت مندانہ قدم	۳۶۷
حضرت ابوبکرؓ کی بیعت خلافت	۳۶۸
مسلمانوں نے اپنے رسول کو کس طرح الوداع کہا؟	۳۶۹
ازواجِ مطہرات واولاد اطہار ۳۷۱-۳۷۹	
ازواج مطہرات	۳۷۱
تعدد ازدواج پر ایک نظر	۳۷۳
آپ کی اولاد واحفاد	۳۷۷
غالیانہ خوش عقیدگی اور شخصیت پرستی کا استیصال	۳۷۸
اخلاق وشمائل ۳۸۰-۴۳۵	
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاقِ عالیہ، اوصافِ کریمہ اور حلیۂ مبارک	۳۸۰
تعلق مع اللہ	۳۸۴
آپ کی نگاہ میں متاعِ دنیا کی حیثیت اور اس سے آپ کی بے رغبتی	۳۸۵
خلق خدا کے ساتھ	۳۸۸
اعتدالِ فطرت اور سلامتِ ذوق	۲۹۲
اپنے گھر میں اہل وعیال کے ساتھ	۳۹۳
خطرات اور آزمائشوں میں سب سے آگے اور انعام واکرام میں سب سے پیچھے	۳۹۴
لطافتِ شعور اور جذبات کی بلندی وپاکیزگی	۳۹۶
کرم گستری اور تحمل وبُردباری	۳۹۸
آپ کی تواضع	۴۰۲
شجاعت، دلآوری اور شرم وحیا	۴۰۳
شفقت ومحبت ورحمت عامہ	۴۰۵
کامل، عالمگیر اور لازوال نمونہ	۴۰۷
”وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِيْنَ“	۴۰۹
اشاریہ (انڈکس)	۴۳۶

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرض ناشر

الحمدللہ ''نبی رحمت'' کا چوتھا ایڈیشن قارئین کے سامنے پیش کرتے ہوئے ہم سعادت ومسرت محسوس کررہے ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کا خاص فضل وکرم ہے کہ اس نے اس سعادت سے سرفراز فرمایا۔

یہ اللہ کا خاص فضل وانعام ہی تو ہے کہ اس نے سب سے پہلے مصنف مدظلہ کو بچوں کے لئے ''قصص النبیین'' لکھنے کی توفیق عطا فرمائی اور اس سلسلہ کو اللہ نے غیر معمولی قبولیت سے نوازا۔ (۱)

ہندوستان میں شائع عربی ایڈیشن کے علاوہ اس وقت عالم عربی میں اس کا پندرہواں ایڈیشن پڑھا جارہا ہے۔ اس مبارک سلسلہ کی تکمیل افضل الرسل، خاتم النبیین حضور اکرم کی سیرت مبارکہ پر ہوئی۔ السیرۃ النبویۃ کے نام سے کتاب کا پہلا اور دوسرا ایڈیشن قاہرہ اور قطر سے شائع ہوا۔ اسکے بعد سے اب تک دارالشروق (جدہ) سے کتاب کے دس ایڈیشن شائع ہوچکے ہیں۔ (۲)

زیرنظر کتاب ''نبی رحمت'' کے چوتھے ایڈیشن میں وہ اضافے شامل ہیں جو مصنف نے عربی ایڈیشن میں کئے تھے۔ اگرچہ یہ اضافے زیادہ نہیں ہیں لیکن اہم اور قیمتی ہیں، ایک حقیقت پسند اور باخبر مصنف کی یہی خصوصیت ہوتی ہے کہ وہ کسی تصنیف کو حرف آخر نہیں سمجھتا، اس لئے وہ ہمیشہ اپنا مطالعہ تازہ اور Uptodate رکھتا ہے۔ نئی تحقیقات اور جدید ترین معلومات سے استفادہ کرتا ہے۔ نبی رحمت کے مصنف کی حس اس معاملہ میں دوسرے مصنفین سے کچھ زیادہ ہی تیز ہے، وہ اپنی علمی وادبی اور تاریخی تحقیقات میں بڑے دقیقہ رس اور الفاظ کے انتخاب میں انتہائی ذکی الحس واقع ہوئے ہیں۔ اس سب کے باوجود کسی تصنیف کو اشاعت کے مرحلے تک پہنچا کر وہ مطمئن نہیں ہوتے بلکہ ان کا علمی سفر جاری رہتا ہے۔ یہ ان کا عمیق ذوق اور مزاجی خصوصیت ہے۔

---

(۱) انگریزی، فرنچ، ترکی، اسپین، بنگالی اور اردو میں ترجمے ہوئے۔ یورپ وامریکہ اور جنوبی افریقہ میں قائم اسلامی مدارس کے نصاب میں یہ کتاب داخل ہے۔

(۲) گیارہواں عربی ایڈیشن نئے اضافوں کے ساتھ مجلس نے ہندوستانی شائقین کے لئے شائع کردیا ہے، ندوۃ الشباب العالمیہ (ریاض) کی فرمائش پر تو نوجوانوں میں تقسیم کے لئے دارالشروق نے ایک ایڈیشن پچاس ہزار کی تعداد میں شائع کیا تھا۔

مجلس نے اپنے کام کا آغاز ڈاکٹر محمد آصف قدوائی مرحوم کی کتاب ''مقالات سیرت'' کی اشاعت سے کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ کی عنایتِ خاص کی بدولت مجلس کو سیرت کے مبارک موضوع پر ایسی مکمل کتاب پیش کرنے کی توفیق ملی ہے۔ ایک طرف جدید تعلیم یافتہ طبقہ کے ذوق و مزاج، نفسیات اور اس کی ضرورتوں کے عین مطابق ہے تو دوسری طرف مجلس کی ترقی کے لیے باعث خیر و برکت بھی۔ انگریزی و ہندوستانی میں متعدد ایڈیشن نکل چکے ہیں۔ اس کتاب کو بے تکلف غیر مسلموں کو دیا جا سکتا ہے۔

الحمد لله الذی بعزته و جلاله تتم الصالحات (۱)

ناشر
مجلس تحقیقات ونشریات اسلام
۱۰ر شوال ۱۴۲۶ھ

---

(۱) علامہ سید سلیمان ندوی کی شہرۂ آفاق کتاب خطبات مدراس کا انگریزی ترجمہ اور کاروان مدینہ (انگریزی) شائع کر کے مجلس نے سیرت کے موضوع پر جدید تعلیم یافتہ طلبہ کے لئے لٹریچر تیار کرایا ہے۔

دیباچہ طبع سوم

الحمد لله رب العالمين والصلوٰة والسلام على سيد المرسلين وخاتم النبيين، محمد وآله وصحبه أجمعين ومن تبعهم بإحسان إلى يوم الدين.

امابعد! مؤلف ''نبی رحمت'' کا قلب وقلم اللہ تعالیٰ کے اس احسان کے شکر میں سجدہ ریز ہیں، اوراس کے ثناخواں، کہ "السيرة النبوية" عربی کا ساتواں اور ''نبی رحمت'' (اردو کا تیسرا) ایڈیشن پیش کرنے کی سعادت حاصل ہورہی ہے، عربی میں "السيرة النبوية" ۱۳۹۷ھ (۱۹۷۷ء) میں شائع ہوئی تھی، اوراس کا ساتواں ایڈیشن ۱۴۰۷ھ (۱۹۸۷ء) میں دارالشروق (جدہ) سے نکلا ہے۔

عام ناظرین کے علاوہ موضوع سے خصوصی ومبصرانہ واقفیت اور اشتغال رکھنے والے افراد، تعلیم وتربیت کے ماہرین اور علمی اداروں کی طرف سے کتاب کی جو قدر افزائی ہوئی اس پر مؤلف اللہ کا شکر ادا کرتا ہے، عربی سیرت کا اردو، ہندی، انگریزی، ترکی اور انڈونیشی زبان میں بھی ترجمہ اوران زبانوں کے وسیع حلقے میں اس کی اشاعت ہوئی، اور عربی سیرت نے خاص طور پر متعدد مؤقر عرب جامعات (یونیورسٹیز) کے نصاب میں جگہ پائی، اس عرصہ میں مؤلف کو سیرت نبویؐ اوراس کے تاریخی وجغرافی، تمدنی واجتماعی پہلوؤں سے متعلق نئی کتابوں، اور عربی، اردو، انگریزی کے جدید مواد سے استفادہ کا موقع ملا اوراس نے ان کی روشنی میں کتاب میں جابجا قیمتی اضافے کیے، کہیں کہیں کے واقعات کے پس منظر پر مزید روشنی ڈالی، اور تقابلی مطالعہ کے نتائج پیش کیے، نیز سیرت کے واقعات کے بعض وہ تاریخی، علمی اور دعوتی پہلو اجاگر کیے جو پہلے ایڈیشن میں رہ گئے تھے۔

مؤلف سیرت نے ابتدا ہی سے مجرد وقائع نگار، اور ضابطہ کے ایک مؤرخ کی حیثیت سے صرف واقعات ومعلومات کی بے جان وخشک فہرست مرتب کردینے پر اکتفانہیں کی، بلکہ واقعات سیرت اور اقدامات وارشادات نبویؐ سے ان دوررس وحکیمانہ نتائج اور ان بلیغ وعمیق اشارات کی طرف بھی متوجہ کرنے کی کوشش کی جو سیرالانبیاء اور خصوصاً سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت ودعوت کے مطالعہ، نفسیات انسانی، علم الاخلاق، وعلم الاجتماع میں بڑی اہمیت رکھتے ہیں، اور جن سے

ہر زمانہ اور ہر مقام میں دعوت وتربیت کے کام، قوموں اور نسلوں کی رہنمائی اور زندگی کے پیچ در پیچ مسائل ومشکلات کی عقدہ کشائی میں بیش قیمت فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی توفیق سے یہ ایڈیشن سیرت کے قدیم بنیادی مواد کے ساتھ موضوع سیرت سے متعلق نئے معلومات، تاریخی تفحص، اور علمی تحقیق پر مشتمل ہے، اسی کے ساتھ اس میں ایمانی ودینی جذبات کی تسکین، اور ذات نبوی سے قلبی وروحانی ربط وتعلق کی تقویت کا سامان بھی ہے، جو سیرت نبوی کی کتاب کی اصل سوغات، اور زندگی کی اصل قیمت ولذت ہے۔ ؎

در خرمن کائنات کردیم نگاہ
یک دانہ محبت است باقی ہمہ کاہ

یہ باتیں بغیر کسی مبالغہ ورنگ آمیزی کے پیش کی گئی ہیں کہ سیرت کو ان کی ضرورت نہیں، اس کا جمال جہاں آرا قلب ودماغ کو موہنے اور متاثر کرنے کی ذاتی صلاحیت رکھتا ہے ؎

تکلف سے بری ہے حسن ذاتی
قبائے گل میں گل بوٹا کہاں ہے

اخیر میں مؤلف ایک بار پھر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہے کہ اس نے اس کو اس کی مہلت وتوفیق دی اور اس کے لیے اسباب فراہم کیے کہ وہ اپنی کتاب میں کچھ اضافے کرسکا، اسی طرح ''دارالشروق'' اور اس کے فاضل ومحترم مالک محبّ گرامی قدر شیخ محسن احمد باروم کے حسن توجہ کا بھی ممنون ہے، اور اللہ سے ان دونوں کے لیے دائمی توفیق اور حسن قبول کی دعا کرتا ہے۔

والسلام

ابوالحسن علی ندوی

ندوۃ العلماء لکھنؤ

۲۸/شعبان ۱۴۰۰ھ

۲۸/اپریل ۱۹۸۰ء

دیباچہ طبع دوم

الحمد للّٰہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علی سید المرسلین، وخاتم النبیین، محمد وآلہ وصحبہ أجمعین.

ناچیز مصنف کی زبان وقلم اللہ تبارک وتعالیٰ کے اس انعام کے شکر اور اس کی حمد سے قاصر ہیں کہ سیرت نبویؐ کے سلسلہ کی یہ ایک کوشش (جس کو اپنی نسبت عالی کی بنا پر حقیر وناچیز لکھنے کی کسی طرح ہمت نہیں ہوتی) علمی ودینی حلقوں میں ناقابل اعتنا نہیں ٹھہری، کتاب اصلاً عربی زبان میں لکھی گئی تھی، جو سیرت کی مفصل ومبسوط، قدیم وجدید، عالمانہ اور محققانہ ہر طرح کی تصنیفات سے مالا مال ہے، اس کتاب کا اختتام ۵/ذی قعدہ ۱۳۹۶ھ (۲۹/اکتوبر ۱۹۷۶ء) کو ہوا تھا، لیکن چار برس کی مختصر مدت نہیں گزرنے پائی تھی کہ اس کے تین ایڈیشن قاہرہ اور بیروت سے شائع ہوئے، ہر ایڈیشن کئی کئی ہزار کا تھا، اور دیکھتے دیکھتے وہ عالم عربی کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک پھیل گیا، مصنف کے لیے سب سے بڑی سعادت اور شکر وفخر کی بات یہ ہے کہ یہ کتاب اس سرزمین میں مقبول ہوئی، جہاں اس حیات طیبہ کا ایک ایک لمحہ گزرا تھا، اور ان تعلیم گاہوں اور تعلیمی مرکزوں میں داخل نصاب ہوئی، جو مہبط وحی، اور مولد ومرقد رسول سے قریبی نسبت رکھتے تھے۔ ع

بریں مژدہ گر جاں فشانم رواست

عربی سے اردو میں ترجمہ کی خدمت مصنف کے لخت جگر قرۃ عین برادر زادۂ عزیز سید محمد الحسنی مدیر "البعث الاسلامی" نے بڑے شوق، اور پورے آداب کے ساتھ انجام دی، یہ ان کے ترجمہ کے سلسلہ کی آخری کڑی تھی، اس کی طباعت کے بعد وہ زیادہ دن اس دنیا میں نہیں رہے، اور ان پر ہندوستان میں سیرت نبویؐ کے مصنف عظیم علامہ شبلی نعمانی کا یہ شعر صادق آتا ہے ؎

مگر اب لکھ رہا ہوں سیرت پیغمبر خاتم
خدا کا شکر ہے یوں خاتمہ بالخیر ہونا تھا

کتاب کے ترجمہ پر مصنف نے اس وقت نظر ڈالی جب اس میں (نزول الماء کی شکایت کی وجہ سے) قلمی مسودات کے پڑھنے اور کتابت وطباعت کی غلطیوں کو پکڑنے کی پوری صلاحیت نہ تھی،

جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس میں کچھ فروگزاشتیں ایسی رہ گئیں جن کو خود مصنف یا غور اور ہمدردی کے ساتھ ایک ایک لفظ پڑھنے والا ناقد ہی پکڑ سکتا تھا، مصنف اپنی بڑھی ہوئی مصروفیات اور پے در پے طویل سفروں کی وجہ سے اس پر نظر ثانی کرنے کے لیے جلد وقت نہیں نکال سکا، اب الحمدللہ اس کو اس کی توفیق اور فرصت ہوئی، اس نے اردو ترجمہ کو لفظاً لفظاً پڑھا، جہاں ضرورت پیش آئی اصل کتاب اور عربی مآخذ سے مقابلہ کیا، اور کتاب کو طبع ثانی کے لیے پورے طور پر تیار کر دیا، بعض مقامات پر (خصوصاً حواشی میں) چند مفید اور ضروری اضافے بھی کیے، متعدد اہل علم قارئین نے بعض مقامات پر توجہ دلائی جو نظر ثانی کے محتاج تھے، مصنف ان سب دوستوں کا بھی شکر گزار ہے اور وہ خدا کے یہاں اجر و ثواب کے بھی مستحق ہیں، جنھوں نے بعض اہم غلطیوں اور فروگزاشتوں کی نشاندہی کی، اس سلسلہ میں مولانا برہان الدین سنبھلی استاد تفسیر و حدیث دارالعلوم ندوۃ العلماء خاص طور پر قابل ذکر و شکر ہیں۔

اب کتاب کا یہ دوسرا ایڈیشن انسانی و امکانی سعی کے مطابق زیادہ صحیح اور مکمل شکل میں قارئین کے سامنے پیش کیا جا رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ اس سعی کو قبول فرمائے اور کتاب کو لکھنے والے، ترجمہ کرنے والے، پڑھنے والے، اور اس کی طباعت و اشاعت میں کسی قسم کا حصہ لینے والوں کے لیے نجات اور ترقی درجات کا ذریعہ بنائے۔ آمین

ابوالحسن علی ندوی

دائرہ شاہ علم اللہ، رائے بریلی

۲۲ محرم الحرام ۱۴۰۱ھ

یکم دسمبر ۱۹۸۰ء

پیش لفظ

الحمد لله رب العالمین والصلاۃ والسلام علی سید المرسلین وخاتم
النبیین محمد وآله وصحبه أجمعین، ومن تبعهم بإحسان إلیٰ یوم الدین

وہ پہلا مکتب اور مدرسہ جہاں سب سے پہلے مصنف کتاب کا داخلہ ہوا وہ سیرت نبوی کا مدرسہ ہے، اس مبارک مدرسہ میں اس کا داخلہ اس ابتدائی عمر میں ہوا جس میں بچے عام طور پر مکتب اور مدرسہ میں داخل نہیں کیے جاتے، یہ اس کے گھرانے اور خاندانی ماحول اور فضا کا نتیجہ تھا جو وہاں قائم تھی، سیرت کو اس ثقافت اور کلچر کے ایک اہم اور بنیادی عنصر کی حیثیت حاصل تھی، جس سے بہرہ مند اور آراستہ ہونا گھر کے بچوں اور لڑکوں کے لیے اس عہد میں ضروری خیال کیا جاتا تھا، اس میں اس بچے کی چھوٹی موٹی لائبریری کو بھی بڑا دخل ہے، جو نظم ونثر دونوں طرح کی کتابوں پر مشتمل تھی، اور برابر گردش میں رہتی تھی، اس کے بعد اس میں سب سے بڑا حصہ اس کے برادر اکبر ڈاکٹر حکیم مولوی سید عبدالعلی صاحبؒ کی حکیمانہ تربیت اور رہنمائی کا ہے، اس کا فائدہ یہ تھا کہ اس نے بہت کم سنی اور نوعمری میں اردو میں سیرت کی وہ بہترین کتابیں پڑھ لیں جس میں عربی زبان کے بعد سیرت کا سب سے بڑا ذخیرہ ہے اور عہدِ آخر میں اس پر سب سے بڑا کام ہوا ہے۔(۱)

جب عربی زبان وادب کا کچھ ذوق پیدا ہوا تو اس نے اپنی ساری توجہ سیرت کے عربی مآخذ پر مرکوز کردی، ان میں سرفہرست دو کتابیں تھیں، ایک ابن ہشام کی کتاب ''السیرۃ النبویۃ'' دوسرے امام ابن القیم کی کتاب ''زادالمعاد'' اس نے ان کتابوں کو صرف علمی یا روایتی طریقہ سے پڑھنے پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ یہ کہنا صحیح ہوگا کہ انھیں کتابوں میں اپنی زندگی کے شب وروز بسر کیے، یہی وہ وقت تھا جب اس کا دل ایمان ویقین کی حلاوت سے آشنا ہوا، اور جذبۂ شوق ومحبت کو نئی غذا ملی اور اسکی از سرنو آبیاری ہوئی، اس لیے کہ سیرت کے موثر واقعات تربیت ورہنمائی کا سب سے طاقتور ذریعہ اور انسان کے قلب

(۱) جس کی دلچسپ کہانی مصنف نے اپنی عربی کتاب "الطریق الی المدینه" میں "الکتاب الذی لاأنسیٰ فضله" کے عنوان سے سنائی ہے، اور اس میں خاص طور پر قاضی محمد سلیمان صاحب منصور پوری مرحوم کی مقبول کتاب ''رحمۃ للعالمین'' کے مطالعہ کے گہرے اثرات کا ذکر کیا ہے۔

ودماغ کے لیے (قرآن مجید کے بعد) سب سے زیادہ اثر انگیز اورحیات آفریں سرچشمہ ہیں، ان دونوں کتابوں کے بعدعربی اورانگریزی میں سیرت کی جوقدیم وجدید کتابیں اس کی دسترس میں تھیں، وہ بھی برابر مطالعہ میں آتی رہیں، یہی وجہ ہے کہ سیرت اس کی کتابوں اورتحریروں کی ہمیشہ سب سے بڑی بنیادرہی، اسی کے دم قدم سے اس کا سارا سوز وساز اورآب ورنگ تھااوراسی کے نقش قدم کے طفیل اس کے نقوش قلم میں تازگی تھی، اپنے مقاصد ومطالب کی وضاحت کے لیے اس کوقوی سے قوی تر دلائل اور بلیغ سے بلیغ مثالیں سیرت کے جمال وکمال ہی سے ملتی تھیں،اور سیرت ہی سے اس کی طبع میں روانی وجولانی پیدا ہوتی تھی،اوراس کی خوابیدہ صلاحیتیں بیدار ہوتی تھیں، اس کی کوئی قابل ذکر تحریرایسی نہیں جس پراس جمالِ محمدی کا کوئی پرتو اور سیرتِ نبوی کے گہرے مطالعہ اورفکر وتدبر کا کوئی عکس نہ ہو۔

سیرت کے مختلف پہلوؤں اورگوشوں اور بعثت محمدی کی عظمت اوراس کے محیرالعقول اثرات ونتائج پراس کے یہ مقالات وخطبات ''کاروان مدینہ''(۱) میں یکجا کردیئے گئے ہیں۔

مصنف نے اس طویل عرصہ میں بہت سی کتابیں لکھیں، لیکن خاص سیرت کے موضوع پر کوئی مستقل کتاب اس کے قلم سے نہ نکل سکی، حالانکہ اس کواس بات کا احساس تھا کہ اس موضوع پر ایک ایسی کتاب کی شدید ضرورت ہے جوایک طرف عصری اورعلمی اسلوب میں لکھی گئی ہو،اوراس میں قدیم وجدید دونوں قسم کے مآخذ سے پورا استفادہ کیا گیا ہو، دوسری طرف سیرت کے اولین اوراصل (ORIGINAL) مآخذ پراس کی بنیاد ہو،اورقرآن وحدیث سے اس میں سرِ موانحراف نہ کیا گیا ہو، وہ موسوعی (ENCYCLOPAEDIC) طرز پرنہ لکھی گئی ہو،جس میں سارے معلومات بغیر کسی نقد وتمحیص کے بھردیئے جاتے ہیں، اور ہرطرح کا ضروری وغیرضروری مواد پیش کردینا ضروری سمجھا جاتا ہے، یہ وہ طرزِ تصنیف اوراسلوب تحریر ہے جس کے دورآخر کے اکثر مصنفین اور بعض متقدمین بھی عادی رہے ہیں، یہ طرز بہت سے ایسے غیرضروری اشکالات وسوالات پیدا کرتا ہے، جن سے سیرت نبوی بری وبے داغ ہے، اورجس میں یہ بادیہ پیمائی اورآشفتہ سری کی مسلمانوں کوکوئی ضرورت نہیں، اس لیے کہ تحقیق وتنقیح کا قلم (تجدد پسندانہ رجحانات اور مستشرقین کی تشکیک کا کوئی اثر قبول کیے بغیر) اپنا کام کرچکا ہے، اس کے ساتھ وہ ان دینی مسلمات وحقائق کے ساتھ ہم آہنگ ہوجن کی روشنی ورہبری کے بغیر آسمانی کتابوں، انبیاء کی سیرت، معجزات اورغیبی واقعات وحقائق کوصحیح طور پر سمجھنا

---

(۱) کتاب کے تین عربی ایڈیشن مدینہ منورہ، لکھنؤ اوردمشق سے اوراردو میں دوایڈیشن لکھنؤ اورکراچی سے شائع ہوچکے ہیں، عربی میں اس کا نام "الطریق إلی المدینه" ہے۔

مشکل ہے، اور جو اس اصول پر کاربند اور اس عقیدہ کا حامل ہو کہ یہ ایک نبی کی سیرت ہے، جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے دنیا میں مبعوث کیا گیا ہے، اور جس کو ہر دم و ہر لحظہ خدا کی نصرت و تائید حاصل تھی نہ کہ کسی بڑے قومی لیڈر اور ملی رہنما کے حالاتِ زندگی، یہ وہ سیرت ہے جو ہر منصف مزاج تعلیم یافتہ شخص (خواہ وہ مسلم ہو یا غیر مسلم) کے سامنے کسی تحفظ (RESERVATION) استثناء اور کسی تاویل کا سہارا لیے بغیر پیش کی جا سکے، چنانچہ مصنف نے اس کتاب میں خود ان واقعات و حالات اور سیرت کے اصل و بنیادی مواد پر زیادہ اعتماد کیا ہے اور اس کو اس کا موقع دیا ہے کہ وہ خود اپنی زبان سے بولے اور پڑھنے والے کے دماغ و دل اور ذہن و نظر میں اپنا راستہ خود بنائے، ان منہ سے بولتی ہوئی صداقتوں اور زندہ حقیقتوں کو فلسفہ کا رنگ دینے، واقعات کی تاویل کرنے، اور اس کے لیے طویل و عریض مضمون باندھنے کی اس میں زیادہ کوشش نہیں کی گئی ہے، واقعہ یہ ہے کہ سیرت اپنے حسن و جمال، اپنی موزونیت و لطافت اور اپنی اثر انگیزی و دل آویزی کے لیے کسی بڑے آدمی کی سفارش، کسی حکیم کے علم و دانش اور کسی ادیب اور صاحبِ قلم کے انداز نگارش یا رنگینی بیان کی محتاج نہیں، اس کے لیے زیادہ سے زیادہ ایک مصنف کو جس چیز کی ضرورت ہوتی ہے، وہ حسنِ بیان، حسنِ ترتیب اور حسنِ انتخاب ہے۔

پھر اس میں عقل و جذبات دونوں کی بیک وقت اور شانہ بشانہ جلوہ گری اور کارفرمائی ہونی چاہیئے، ایسا نہ ہو کہ عالمانہ بحث اور معروضی نقد و جائزہ جذبۂ محبت اور ذوق و شوق کی کیفیت کو سرد و افسردہ کر دے جو سیرت کے جمالِ جہاں آرا سے لطف اندوز ہونے اور اپنے دیدۂ و دل کو اس سے روشن اور منور کرنے کی ایک ناگزیر ضرورت اور اس سے صحیح و کامل استفادہ اور اسکے مسائل، احکام اور واقعات کو صحیح طور پر سمجھنے اور صحیح نتائج تک پہونچنے کی لازمی شرط ہے، اگر سیرت کی کوئی کتاب اس جذباتی اور ایمانی عنصر سے خالی ہے تو یہ سمجھنا چاہیئے کہ وہ چوب خشک کا مصنوعی ڈھانچہ ہے جس میں زندگی کی حرارت اور نمی موجود نہیں، اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ یہ جذباتی و ایمانی عنصر عقل سلیم کے تقاضوں پر غالب نہ آجائے جن کی اہمیت عصر حاضر نے خاص طور پر بڑھا دی ہے، نہ وہ منطق کے صحیح، معقول اور قابل فہم اصولوں کے منافی ہو، نہ عقیدہ اور تقلید پر مبنی ایسا خراجِ عقیدت اور خراج تحسین ہو جس کو صرف قوی الایمان پشتینی مسلمان اور وہ علماء راسخین قبول و تسلیم کر سکیں جن کی بیرونی دنیا اور جدید ثقافت سے کوئی رسم و راہ نہیں، یہ عقیدت و محبت بلاشبہ ایک عطیۂ خداوندی اور نعمت خداداد ہے لیکن یہ بات ہمیں کبھی نہ بھولنا چاہیئے کہ وہ بہرحال اس نبیؐ کی سیرت ہے جس کو رحمۃ للعالمین بنا کر دنیا کے تمام انسانوں اور نوع انسانی کے تمام طبقوں کی طرف بھیجا گیا ہے، اسلئے اس کو اس طبقہ کے افراد

کے لیے ممنوع یا مہر بند نہیں کیا جا سکتا، جن کو حالات نے اس اسلامی وایمانی ماحول میں نشو ونما حاصل کرنے کا موقع نہیں دیا، اور تقدیر الٰہی کا فیصلہ ہوا کہ وہ غیر اسلامی ماحول ہی میں پیدا ہوں، وہیں ان کی نشو ونما ہو، پھر لطف الٰہی ان کی مساعدت کرے، اور سیرت محمدی کا کوئی معطر و جاں نواز جھونکا اپنی دل آرائی و مسیحائی کے ذریعہ ان کو اس جگہ سے اٹھا کر اسلام کے سایۂ رحمت اور ایمان کی بارگاہ میں پہنچا دے، واقعہ یہ ہے کہ ان غیر مسلموں کا حق سیرت پر ان مسلمانوں سے ہر گز کم نہیں جو پہلے ہی سے اسلام و ایمان کے سایہ رحمت میں ہیں، اس لیے کہ دوا وعلاج کی تندرست سے زیادہ ایک بیمار کو ضرورت ہے، دریا کے اس پار رہنے والے کو پل کی جتنی حاجت ہوگی اتنی حاجت پل کے اسی طرف رہنے والے کو کیوں کر ہو سکتی ہے؟

مصنف سیرت نگاری کے وقت اس ماحول اور اس عہد کو بھی کسی طرح نظر انداز اور فراموش نہیں کر سکتا، جس میں نبوت محمدی کا آفتاب پہلی بار طلوع ہوا، اس لیے اس عہد کی عالم گیر جاہلیت کی پوری تصویر کشی بھی ضروری ہے جو چھٹی صدی مسیحی میں ہمیں ساری دنیا پر محیط نظر آتی ہے، اس میں یہ بھی دکھانا ہوگا کہ اس زمانہ میں فساد، اخلاقی بگاڑ اور انسان کی بے چینی و اضطراب کس درجہ پر پہونچ چکا تھا، اس کی اخلاقی، سماجی، معاشی اور سیاسی حالت کیا تھی؟ تخریب و فساد کے کیا کیا اسباب و عوامل اس وقت کی دنیا میں کار فرما تھے، اور کیسی کیسی ظالمانہ حکومتیں، مسخ شدہ مذاہب، انتہا پسندانہ و خیالی فلسفے، تباہ کن تحریکیں اور دعوتیں اپنا کام کر رہی تھیں، جب مصنف نے اپنی کتاب "ماذا خسر العالم بانحطاط المسلمین" (۱) کی تمہید اور اس کے مقدمہ کے طور پر عہد جاہلیت کی ذرا تفصیل کے ساتھ تصویر کھینچنے کی کوشش کی تو اس قدر دشواری کا سامنا کرنا پڑا جو اسے آج تک یاد ہے، اس کو اس کے لیے ان تمام مغربی مآخذ کا جائزہ لینا پڑا جن میں ظہور اسلام کے وقت کے متمدن ملکوں اور اقوام عالم کی تاریخ بیان کی گئی تھی، اس نے ان تمام ضخیم کتابوں سے ان منتشر حالات کو اس طرح جمع کیا جیسے چیونٹیوں کے منھ سے شکر کے دانے اکٹھا کیے جائیں۔ (۲)

یہ تمہید جو کسی قدر تفصیل کے ساتھ لکھی گئی ہے، اور سیرت کا مطالعہ کرنے والے کے لیے روشنی کا کام کرتی ہے، اور اس کے سامنے بعثت محمدی کی عظمت و وسعت اور منصب نبوت کی نزاکت و اہمیت اور اس کے عظیم الشان نتائج کی مکمل تصویر پیش کرتی ہے، عہد حاضر کے سیرت نگار کے لیے بہت ضروری

(۱) جس کے اردو ترجمہ کا نام "انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر" ہے۔

(۲) ملاحظہ فرمائیں "انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر" باب "بعثت سے پہلے" شائع کردہ "مجلس تحقیقات و نشریات اسلام لکھنؤ"۔

ہے، اور اس کا کام اس وقت تک مکمل قرار نہیں دیا جائے گا جب تک اس میں بحث وتحقیق کا یہ انداز اختیار نہ کیا گیا ہو، اور آغاز اسلام کے وقت عہد جاہلیت کا نقشہ اور اس کے فساد واضطراب، اخلاقی پستی اور خود فراموشی وخودکشی کی زندہ ومتحرک تصویر پوری امانت داری کے ساتھ بے کم وکاست پیش نہ کی گئی ہو۔

یہی اس ماحول اور اس شہر کا نقشہ تھا جہاں اسلام کی پہلی کرن چمکی، جہاں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت ہوئی اور دعوتِ حق کے قافلہ نے پہلا قدم آگے بڑھایا، جہاں آپ کی عمر مبارک کے ۵۳ سال گذرے اور جہاں تیرہ سال دعوتِ اسلام کے سخت وجاں گداز مرحلوں میں بسر ہوئے، سیرت کا مطالعہ کرنے والے کے لیے یہ ضروری ہے کہ اس زمانہ میں عقل وشعور اور تہذیب وتمدن کی جو سطح تھی، اس سے باخبر ہو، نیز اس ملک کے اجتماعی اور سیاسی اور دینی ومذہبی حالات اس کے اقتصادی وسیاسی ڈھانچہ اور حربی اور عسکری طاقت کی نوعیت سے بھی واقف ہو تاکہ اس ملک کے باشندوں کے صحیح رجحانات، ان کے مزاج وافتادِ طبع، ان کے ذہن ونفسیات کو اچھی طرح سمجھ سکے، اور اس کو ان دشواریوں اور رکاوٹوں کا پورا اندازہ ہو سکے جو اسلام کی ترقی وپیش قدمی کی راہ میں حائل ہو رہی تھیں۔

یہی بات بلکہ اس سے کچھ زیادہ ہی یثرب کے بارہ میں کہی جا سکتی ہے، جہاں اسلام مکہ سے منتقل ہوا، جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرامؓ نے ہجرت فرمائی اور تقدیر الٰہی نے اس کو اسلام کا اولین مرکز قرار دیا، اس لیے اس کے پس منظر کو سمجھے بغیر اسلام کی کامیابیوں اور کامرانیوں کا پورا اندازہ نہیں کیا جا سکتا، ان حالات کو جانے بغیر ہم سمجھ ہی نہیں سکتے کہ اسلام نے ان افراد کی کیا اور کس طرح تربیت کی، ان کو کیسے حیات نوبخشی، مختلف مسائل کو کس طرح حل کیا، متضاد ومتحارب عناصر کو کس طرح شیر وشکر کیا، اس سلسلہ میں نبوت محمدی کا کارنامہ کیا تھا؟ اس نے ٹوٹے ہوئے دلوں کو جوڑنے اور روٹھے ہوئے انسانوں کو ملانے، اور ان کی تعلیم وتربیت اور تزکیہ وتطہیر کا فریضہ کس طرح انجام دیا، یہ بات صرف اسی وقت سمجھی جا سکتی ہے، جب آدمی کے سامنے اس عجیب وغریب اور پیچیدہ ماحول کی پوری تصویر ہو جس کا سامنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو کرنا پڑا، بہت سے واقعات اور فیصلے جو حدیث وسیرت کے مطالعہ میں آدمی کی نظر سے گزرتے ہیں، اس وقت تک سمجھے ہی نہیں جا سکتے جب تک مدینہ کی اجتماعی، اقتصادی اور سیاسی حالت، وہاں کی زمین کی خاصیت، اس کے جغرافیہ، اس کے گردونواح، وہاں کی انفرادی اور علاقائی طاقتوں، ان کے باہمی تعلقات وروابط، معاہدوں اور عہد ناموں، اور ہجرت سے قبل کے معاملات اور قومی وملکی دستور اور رسم ورواج کا قاری کو علم نہ ہو، اگر کوئی شخص ان تمام باتوں سے بالکل ناواقف ہو کر سیرت کی کتابوں میں اپنا سفر شروع کرتا ہے تو اس کی مثال ایک سرنگ میں چلنے والے

کی سی ہوگی، جس کو اپنے دائیں بائیں اور آغاز و منزل کسی چیز کی خبر نہ ہو۔

یہی اصول اس وقت کی معاصر و متمدن حکومتوں اور پڑوسی ریاستوں پر بھی منطبق ہوتا ہے، اس لیے کہ ناظرین کے سامنے دعوتِ اسلامی کے اس اقدام کی اہمیت اور اس کی حوصلہ مندی اور خطر پسندی کی کوئی صاف و واضح تصویر اس وقت تک آ ہی نہیں سکتی جب تک اس کو ان حکومتوں کے حجم اور قوت و شوکت کا اندازہ نہ ہو جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوت اسلام دی اور ان کے نام فرامین جاری کیے، اور ان کی تہذیب و ثقافت، عسکری قوت، فارغ البالی اور مرفہ الحالی، نیز ان کے سلاطین کی مطلق العنانی، رعب و دبدبہ اور شان و شوکت کا صحیح علم نہ ہو، جدید معلومات نے ان حکومتوں اور قوموں کی تاریخ، اور ان کے معاشرہ پر خاصی روشنی ڈال دی ہے، اور بہت سے ان حالات اور حقائق کا پردہ چاک کر دیا ہے، جو عہد قدیم میں لوگوں کے سامنے نہیں آئے تھے، یا زیادہ صاف اور واضح نہ ہو سکے تھے، اس زمانہ کے سیرت نگار کے لیے یہ ضروری ہوگا کہ وہ اپنے کام میں ان تمام معلومات سے پوری مدد لے اور تاریخ و جغرافیہ اور تقابلی مطالعہ (COMPARATIVE STUDIES) کے میدان میں جو جدید ترین UP-TO-DATE مباحث و معلومات اب تک سامنے آئے ہیں، ان سے پورا فائدہ اٹھائے۔

مصنف کو ان تمام باتوں کا احساس تھا، اور سیرت نگاروں کی ناقابل فراموش خدمات اور مختلف زمانوں اور مختلف زبانوں میں ان کے قلم سے نکلنے والی تحریروں کی قیمت و افادیت کا پورا اعتراف بھی! اس نے اپنی سعادت سمجھ کر یہ کوشش کی کہ وہ بھی سیرت نبوی پر ایک نئی کتاب لکھ کر اس محبوب و جلیل القدر موضوع کے مصنفین کی نورانی فہرست میں شامل ہو جائے۔

لیکن تنگیٔ وقت اور ضعفِ بصارت کی وجہ سے مصنف کی تفصیل و اطمینان کے ساتھ اس موضوع پر قلم اٹھانے کی ہمت نہ ہوتی تھی، اس لیے کہ اس کو اس کا خوب تجربہ تھا کہ کسی بڑے آدمی کی سیرت (نبی اور سید الاولین والآخرین واشرف المرسلین کا معاملہ تو اس سے کہیں برتر و بالا ہے) مصنفین کے لیے سب سے مشکل اور نازک موضوع ہے، مصنف کو مشہور و اہم شخصیات کے سوانح حیات اور متقدمین و متاخرین کے حالات زندگی اور کارنامے لکھنے اور بیان کرنے کا شاید اپنے بہت سے معاصرین اور رفقاء سے زیادہ اتفاق ہوا ہے، اس نے آغاز نوجوانی بلکہ لڑکپن ہی سے جب سے قلم پکڑنا سیکھا، اہل حق مصلحین امت اور اصحابِ دعوت و عزیمت کے حالات و تراجم پر لکھنا شروع کر دیا، اور اپنے قلم سے سیر و تراجم کے موضوع پر کئی ہزار صفحے سیاہ اور اپنے نصیب کو روشن کیا، اور بچپن

ہی سے ان اسلاف کرام اور ائمہ رشد و ہدایت کے ساتھ زندگی گزاری، اور خدا کا شکر ہے کہ اس سلسلہ میں بہت کچھ پڑھنے کا موقع ملا، اور بہت کچھ لکھنے کی توفیق ہوئی، ان سب وجوہ کی بنا پر اس کو اس موضوع کی نزاکت اور اس ذمہ داری کی اہمیت کا اندازہ تھا، اکثر ایسا ہوتا ہے کہ کسی مصنف پر کوئی خاص رجحان یا ذوق ایسا غالب آتا ہے کہ وہ اپنے ممدوح کو (کبھی شعوری اور غیر شعوری طور پر) اپنے اس ذوق ورجحان کے تابع کر دیتا ہے، اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس کی یہ تصنیف اور تحریر صرف اس رجحان اور ذوق کی نمائندگی کرتی ہے، جو اس وقت مصنف پر حاوی تھا، کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ وہ اپنے ممدوح کی تصویر کشی کے ارادہ سے قلم اٹھاتا ہے لیکن بجائے اس کے خود اپنی تصویر اتار دیتا ہے، وہ اس کے حالات وسوانح پر معروضی اور بے لاگ طریقہ سے روشنی ڈالنا چاہتا ہے لیکن اس کو اپنے ذاتی میلانات و تجربات اور اپنے نقطۂ نظر کی عینک سے دیکھنے اور ان حالات وواقعات کو اپنے مخصوص پیمانوں سے ناپنے لگتا ہے۔

جس کا علم النفس اور اخلاقیات کے کوچہ سے کبھی گذر ہوا ہے، معاصر شخصیتوں کے مطالعہ ومشاہدہ کا اسے کبھی موقع ملا ہے، اور اس نے ایک طویل عرصہ ان کی رفاقت وصحبت میں گذارا ہے، وہ بآسانی اندازہ کر سکتا ہے کہ نفس انسانی کی تہہ تک پہونچنا، اور اس کے وسیع آفاق اور فضائے محیط کا علم، پھر اس کی جامع اور نازک تصویر کشی علوم ادبیہ اور اسالیب بیانیہ کی سب سے دشوار، نازک اور بہت جلد متاثر ہونے والی صنف ہے، اور اس کا تھوڑا بہت حق وہی ادا کر سکتا ہے، جو نفس انسانی کے احساسات وجذبات، اس کے سوز وساز، سرور وشوق، اس کی روح کی تپش اور دل کے گداز سے بہت کچھ واقف ہو، اور یہ محسوس کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو کہ اس کی راتیں کیسے کٹتی ہیں، اور اس کے دن کس طرح گزرتے ہیں، وہ اپنے گھر میں کیا نظر آتا ہے اور اپنے رفقاء ودوستوں سے کس طرح پیش آتا ہے، اس نے اس کو صلح وجنگ میں بھی دیکھا ہو، اور اشتعال اور سکون، تنگی وراحت، اور ضعف وقوت میں بھی، اس لیے کہ انسان کے اندر بہت سے ایسے جذبات واحساسات اور اس کے جمال وکمال کے بہت سے ایسے نادیدہ ونا شنیدہ پہلو بھی ہیں جن کے لیے انسانی لغت میں ابھی تک الفاظ وضع نہیں کیے جا سکے، اور جن کی منظر کشی وترجمانی کے لیے لغت کا بڑے سے بڑا ذخیرہ کفایت نہیں کرتا۔ ع

بسیار شیوہاست بتاں را کہ نام نیست

سیرت نبوی دوسرے افراد بنی آدم میں (بشمول انبیاء وغیر انبیاء) اپنی نزاکت ولطافت، وسعت وجامعیت، زندگی کی نازک سے نازک تفصیلات اور دقیق سے دقیق معانی ومطالب اور دل کی دھڑکنوں اور پیشانی کی سلوٹوں اور نفس انسانی کی مختلف حالتوں کے احاطہ واستیعاب اور اس کی مکمل

تشریح وترجمانی میں سب سے ممتاز اور بلند مقام رکھتی ہے، ایسا دراصل علم حدیث کی وجہ سے ممکن ہوسکا، جس کی کوئی نظیر دوسرے انبیاء یا تاریخ انسانی کی عظیم شخصیتوں میں کہیں نہیں ملتی، سیرت وشمائل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاؤں، دن ورات کے مختلف حصوں میں آپ کے اوراد واذکار اور خدا کے حضوور آپ کی آہِ سحر گاہی اور گریۂ نیم شبی اور اس امت اور پوری انسانیت کے لیے آپ کی بیقراری ودل سوزی کے جو عجیب نمونے آپ کے ادعیۂ مسنونہ کے وسیع ذخیرہ (۱) میں ہمیں نظر آتے ہیں، اس کو بھی اس میں بڑا دخل ہے، اسی طرح آپ کے اقوال ماثورہ اور جوامع الکلم اور آپ کے باکمال وصف نگاروں اور اہل بیت کرام نے آپ کے جو شمائل وخصائل عادات ومعمولات، اور روزمرہ کی زندگی کے واقعات بیان کیے ہیں، ادبیات عالم اور تاریخ وانساب کے وسیع لٹریچر نے اس سے زیادہ نازک تصویر کشی اور منظر نگاری اور انسانی خدوخال اور اس کی اخلاقی بلندیوں اور لطافتوں کی اس سے عمیق اور عظیم ترجمانی اب تک ریکارڈ نہیں کی، (۲) اس لحاظ سے سیرت کے موضوع پر کتاب کی تصنیف میں کسی طرح کی دشواری اور ابہام، مفروضات قائم کرنے اور قیاس سے کام لینے کی بالکل ضرورت نہیں جو مصلحین وقائدین کے تذکرے میں بہت پیش آتی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت ان سب سے زیادہ مکمل بھی ہے اور حسین بھی، اس کی بنیاد قرآن مجید کے وہ صریح نصوص، تاریخ کی ناقابل تردید شہادتیں آپ کا جمال صوری ومعنوی، شمائل وخصائل، عادات وعبادات اور اخلاق ومعاملات کی وہ واضح، روشن اور متعین تفصیلات وجزئیات ہیں جن سے زیادہ کا تصور نہیں کیا جاسکتا، بایں ہمہ وہ حقیقت اور امر واقعہ سے بھی اتنی قریب ہیں جس سے زیادہ تصور ناممکن ہے۔

لیکن ان تمام باتوں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ اور مصلحین عالم کے سوانح وحالات زندگی بلکہ خود دوسرے انبیاء کرام کی سیرت میں اس قدر فرق وتفاوت اور سیرت محمدی کی اس گیرائی اور ہمہ گیری اور جہاں آرائی کے باوجود جو کمال نبوت اور کمالِ آدمیت کی سدرۃ المنتہیٰ اور معراج ہے، ہم اس کا اعتراف کرنے پر مجبور ہوتے ہیں کہ آپ کی زندگی اور مکارم اخلاق کی صحیح

---

(۱) اس کی تفصیل کے لئے مصنف کا مقالہ ''سیرت محمدی دعاؤں کے آئینہ میں'' ملاحظہ فرمائیں جس میں سیرت سے ان دعاؤں کا تعلق، انسانی زندگی کے حقائق اور انسانی نفسیات واخلاقیات سے آپ کی گہری واقفیت اور اس کے باریک سے باریک اور نازک سے نازک پہلوؤں کی کامل رعایت کا اندازہ ہوتا ہے، یہ مقالہ ایک مستقل رسالہ کی شکل میں کئی بار شائع ہو چکا ہے۔

(۲) تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں مصنف کی کتاب ''منصب نبوت اور اس کے عالی مقام حاملین'' مضمون ''محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت وحیات قیامت تک کے انسانوں کے لئے قابل تقلید نمونہ واُسوہ اور اس کے لئے غیبی انتظامات''۔ ساتواں خطبہ ص ۲۰۸۔۲۱۲۔

تصویر اور آپ کے ان معجزات کا استیعاب و تفصیل جن کی جلوہ ریزی آپ کی پوری سیرت و دعوت اور انفرادی و اجتماعی زندگی میں نظر آتی ہے، اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور اللہ کے بندوں کے ساتھ آپ کا معاملہ، آپ کا حسن صورت و سیرت و کمال ظاہر و باطن، آپ کی محبت و شفقت اور دل داری و دلنوازی، آپ کی دعائیں اور خدا سے عرض حال، بنی نوع انسان اور انسانیت کے مستقبل کے لیے آپ کی بے قراری و دل سوزی، آپ کی فصاحت و بلاغت، علم و حکمت اور کمال و جامعیت کی ان روشن و جاں نواز نشانیوں اور زندہ و لافانی معجزوں کا مفصل و مکمل بیان قریب قریب ناممکن ہے، سیر و شمائل کی کتابوں نے اس سلسلہ میں جو کچھ پیش کیا ہے وہ (ان کے کمال دیدہ وری و عرق ریزی کے اعتراف کے ساتھ) آپ کے جمالِ سیرت و کمالِ نبوت کا صرف ایک ہلکا سا عکس ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپ ہی کے ساتھ مخصوص فرمایا تھا، زیادہ سے زیادہ اس کے متعلق یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ ان کی سعی محمود ہے کہ انھوں نے اس قدر ضبط و اتقان اور غایت درجہ اہتمام کے ساتھ ان حالات کو قلم بند کیا، اور اس کی بہترین جزاء اللہ تعالیٰ ان کو عطا فرمائے گا، یہ ایسی مشترک، عالم گیر اور غیر مختتم دولت ہے جس میں ہر فرد بشر، ہر انسانی نسل، اور انسانوں کا ہر گروہ اور ہر طبقہ ہدایت و روشنی اور اتباع و پیروی میں اپنا حصہ رسدی پا سکتا اور اپنے طالعِ خفتہ کو بیدار کر سکتا ہے:۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُو اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا (سورۃ الاحزاب ۲۱)

تم کو پیغمبر خدا کی پیروی کرنی بہتر ہے یعنی اس شخص کو جس کو خدا سے ملنے اور روز قیامت کے آنے کی امید ہو اور وہ خدا کا کثرت سے ذکر کرتا ہو۔

شاید یہی اسباب و وجوہ تھے جن کی وجہ سے سیرت نبوی کے موضوع پر کسی نئی تالیف کی مجھے اب تک ہمت نہ ہو سکی، اور میں اس عظیم الشان کام کو اپنی حیثیت سے بہت بلند سمجھتا رہا، میرے بعض فاضل اور محترم دوستوں (۱) نے مجھے اس بات پر آمادہ کرنے کی کوشش بھی کی کہ عربی زبان میں سیرتِ نبوی پر ایک ایسی کتاب تیار کروں جس میں نئی نسل کے ذہن اور ذوق اور اس کے فہم اور نفسیات کی موجودہ سطح کا خیال رکھا گیا ہو، نیز ان نئے تقاضوں اور ضرورتوں اور اس طرز تحقیق اور طرز کلام کی اس میں پوری رعایت ہو جو موجودہ دور میں رائج ہے، اس لیے کہ ہر زمانہ کا ایک خاص اسلوب بیان اور زبان ہوتی ہے جس کا لحاظ ضروری ہوتا ہے، دواؤں اور غذاؤں کی بھی خاص خوراکیں اور ایک خاص

---

(۱) بالخصوص مصنف کے فاضل و محترم دوست شیخ محمد محمود الصوّاف رکن مجلس تاسیسی رابطۂ عالم اسلامی مکہ مکرمہ و مشیر وزارت تعلیم حکومت سعودیہ۔

ترتیب ہوتی ہے، جو حالات کے ساتھ بدلتی رہتی ہے، لیکن یہ سب کچھ (جیسا کہ اوپر اشارے کیے جا چکے ہیں) سیرت کو اپنی خواہشات واغراض اور ان علمی نظریات کا تابع بنائے بغیر ہونا چاہئے جو صبح وشام بدلتے رہتے ہیں، اور اس کو ان شبہات واعتراضات کی ہر آمیزش اور آلودگی سے پاک وصاف ہونا چاہئے جو اکثر مذہبی تعصب، کم علمی وناواقفیت یا سیاسی مفادات واغراض سے پیدا ہوتے ہیں۔

آخر میں اللہ تعالیٰ نے مجھے اس معاملہ میں شرح صدر نصیب فرمایا، اور میں پوری یکسوئی اور توجہ کے ساتھ اس کام میں مشغول ہوگیا، بلکہ یہ کہنا صحیح ہوگا کہ میرے سارے لمحات اور سانسیں اسی ماحول میں گذرنے لگیں، میں نے اس سلسلہ میں نہ صرف سیرت وحدیث کی کتابیں پڑھنا شروع کیں بلکہ قدیم اور جدید لٹریچر میں جو بھی کام کی چیز مجھے ملی میں نے اس سے پورا فائدہ اٹھانے کی کوشش کی، اس کے بعد میں نے اس موضوع پر جو سب سے زیادہ مستند کتابیں لکھی گئی ہیں، اس پر اعتماد کرتے ہوئے اس مبارک کام کا آغاز کیا، عہد حاضر میں اس موضوع پر جو کچھ کام ہوا ہے اور مغربی زبانوں کے اہم مآخذ سے بھی (جن سے سیرت کے بہت سے پہلوؤں کی وضاحت ہوتی ہے، اور اس عہد پر اور ان حکومتوں اور سلطنتوں نیز اس زمانہ کے معاشرہ اور سوسائٹی پر روشنی پڑتی ہے) استفادہ کی کوشش کی گئی، (۱) اور اس کی کوشش کی کہ کتاب علمی اور تربیتی ودعوتی دونوں پہلوؤں کی جامع ہو، اور ان میں سے کوئی ایک پہلو دوسرے پہلو پر غالب نہ آجائے، نیز اس میں وہ زندہ، منہ سے بولتے ہوئے، اور زندگی وحرارت سے بھرے ہوئے اقتباسات زیادہ سے زیادہ پیش کیے جائیں جن سے اسوۂ نبویؐ کے اتباع اور پیروی کا جذبہ پڑھنے والے میں خود بخود پیدا ہوتا ہے، اور جن کی نظیر کسی انسان کی سیرت، کسی عظیم سے عظیم شخصیت کے سوانح، کسی نسل اور قوم کی تاریخ اور کسی دعوت وتحریک اور دین ومذہب کے نقشہ میں نہیں ملتی، یہ سب کسی رنگ آمیزی، داستان طرازی اور تزئین وآرائش کے بغیر قاری کے سامنے رکھ دیا جائے کہ جمالِ فطرت اور حسن حقیقت کو ظاہری رنگ وروغن، اور مہکتے ہوئے تازہ پھولوں کو مصنوعی رنگ وبو کی ضرورت نہیں ہوتی۔ ع

روئے دل آرام را حاجتِ مشاطہ نیست

شوال ۱۳۹۵ھ سے شوال ۱۳۹۶ھ (اکتوبر ۱۹۷۵ء تا اکتوبر ۱۹۷۶ء) تک مجھے اس موضوع کے سوا (بعض اضطراری حالات کو چھوڑ کر) کسی اور چیز سے سروکار نہیں رہا، درمیان میں کچھ وقفے کسی بیماری کے حملے اور مشرق ومغرب کے بعض طویل دوروں کے نذر ہوئے، اللہ تعالیٰ کے لطف وکرم سے

---

(۱) عربی ودیگر زبانوں کے مآخذ کا انڈکس کتاب کے آخر میں ملاحظہ کریں۔

غرّۂ شوال ۶ ۱۳۹۶ھ میں یہ کتاب تکمیل کو پہونچی اور اب قارئین کے ہاتھوں میں ہے۔

اس موقع پر ان دو فاضل دوستوں کا شکریہ ادا کرنا ضروری ہے جن سے مجھے اس کتاب کی تالیف میں بڑی مدد ملی، ایک مولانا برہان الدین سنبھلی استاذ حدیث و تفسیر دار العلوم ندوۃ العلماء جن سے احادیث کی تخریج اور تلاش و جستجو نیز کتب سیرت کے بعض مقامات کی تحقیق میں مجھے قیمتی مدد ملی، اللہ تعالیٰ ان کو اس کی جزائے خیر عطا فرمائے، دوسرے سید محی الدین صاحب جنھوں نے مغربی مآخذ کے مطالعہ، تاریخ عالم نیز مختلف دائرۃ المعارف، (ENCYCLOPAEIDIAS) کی چھان بین میں میری بیش قیمت مدد کی مصنف ان کے اس گرانقدر تعاون کا معترف اور ان کی محنت و سعی اور اخلاص کے لیے شکر گزار ہے۔

اپنی معذوری کی بنا پر عرصہ سے معمول ہے کہ مضامین اور کتابیں میں املا کراتا ہوں اس لیے اس کتاب میں بھی مجھے اپنے بعض عزیز طلبہ سے مدد لینی پڑی بالخصوص عزیزان محمد معاذ اندوری ندوی اور علی احمد گجراتی اور عزیزی مولوی نور عالم امینی ندوی استاذ دار العلوم ندوۃ العلماء نے تحریر و کتابت کے اس فرض کو انجام دیا، اللہ تعالیٰ ان کو اس کا صلہ عطا فرمائے۔

سیرت کی اس کتاب کے لیے نقشوں کا بھی خاص اہتمام کیا گیا ہے کہ ان سے بہت سی ایسی حقیقتیں آسانی کے ساتھ سمجھ میں آجاتی ہیں، جو بعض اوقات طویل عبارتوں سے بھی سمجھ میں نہیں آتیں، یہ نقشے تاریخی معلومات اور اس عہد کی تاریخ کے مطالعہ کی روشنی میں تیار کیے گئے ہیں اور کوشش کی گئی ہے کہ وہ فنی و علمی حیثیت سے ہر طرح مکمل اور عہد کے مطابق ہوں، اس سلسلہ میں ہمارے عزیز دوست محمد حسن صاحب انصاری (ایم، اے جغرافیہ) جناب پروفیسر محمد شفیع صاحب پرووائس چانسلر و صدر شعبہ جغرافیہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ و کارکنان شعبہ جغرافیہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ نے بڑی دلچسپی لی، خدا انھیں جزائے خیر دے کہ انھوں نے اس کام کو سیرت نبوی کی ایک خدمت سمجھ کر انجام دیا، عزیزی مولوی محمد رابع ندوی مصنف ''جغرافیہ جزیرۃ العرب'' و صدر شعبہ ادب عربی دار العلوم ندوۃ العلماء کے قیمتی مشورے بھی اس کام میں شامل رہے، اللہ تعالیٰ ان سب دوستوں اور عزیزوں کو جزائے خیر دے اور ان کی سعی کو مشکور فرمائے۔

مصنف کی دوسری اہم تصنیفات و مضامین کی طرح عربی سے اردو میں کتاب کے ترجمہ کی خدمت مصنف کے برادر زادۂ عزیز سید محمد الحسنی سلمہٗ مدیر ''البعث الاسلامی'' نے اپنی ایک بڑی سعادت سمجھ کر انجام دی، اس کام کے لیے وہ ہر طرح سے موزوں اور اس کے لیے وہ دل و جان سے حاضر تھے، اللہ تعالیٰ ان کی اس سعی محمود کو قبول فرمائے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس کتاب سے نفع پہونچائے، اس عمل کو اپنی قبولیت سے نوازے اور اس کو آخرت کا ذخیرہ اور سیرت پاک کے مطالعہ اور اس سے استفادہ اور زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھانے کا ذریعہ ووسیلہ بنائے، اگر یہ کتاب کسی صاحبِ ایمان کے دل میں شوق ومحبت کی ایک چنگاری بھی بھڑکا دیتی ہے، اور کسی غیر مسلم کے دل میں اس کو پڑھ کر اس نبی رحمت ﷺ کی سیرت مطہرہ کی طرف کوئی کشش، آپ ﷺ کی محبت کی کوئی لہر اور اسلام کو سمجھنے کا جذبہ بیدار کر دیتی ہے، اور اس سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ خدا کے یہاں قبول اور مصنف کے لیے ذریعہ مغفرت اور وسیلہ شفاعت ہو تو وہ سمجھے گا کہ اس کی محنت ٹھکانے لگی، اور اس کو یہ کہنے کا حق ہوگا۔ ع

شادم از زندگی خویش کارے کردم

ابوالحسن علی حسنی ندوی

دائرہ حضرت شاہ علم اللہ۔ رائے بریلی

روز جمعہ

۱۳۹۶/۱۱/۵ھ

۱۹۷۶/۱۰/۲۹ھ

عہد جاہلیت

مذاہب اور اہل مذاہب پر ایک اجمالی نظر چھٹی صدی عیسوی میں

چھٹی صدی عیسوی میں دنیا کے بڑے مذاہب، قدیم مذہبی صحیفے اور ان کے احکام وقوانین (جنھوں نے مذہب، اخلاق اور علم کے میدان میں مختلف موقعوں پر اپنا مخصوص کردار ادا کیا تھا) بازیچۂ اطفال بن چکے تھے، اور تحریف کے علم برداروں، منافقوں اور ناخداترس و بے ضمیر مذہبی رہنماؤں کی ذاتی اغراض کا نشانہ اور حوادثِ زمانہ کا اس طرح شکار ہو چکے تھے کہ ان کی اصل شکل وصورت کا پہچاننا مشکل بلکہ ناممکن تھا، اگر ان مذاہب کے اولین بانی وعلم بردار اور ان کے انبیاء کرام دوبارہ واپس آ کر اس حالت کو دیکھتے تو ان مذاہب کو خود نہ پہچان سکتے اور ان کا انتساب اپنی طرف کرنے پر ہرگز تیار نہ ہوتے۔(۱)

یہودی مذہب چند بے جان رسموں اور روایات کا نام تھا، جن میں زندگی کی کوئی رمق باقی نہ تھی، علاوہ بریں یہودیت بجائے خود ایک نسلی مذہب ہے جس کے پاس دنیا کے لئے کوئی پیغام، اقوام عالم کے لیے کوئی دعوت اور انسانیت کے لیے چارہ سازی ومسیحائی کا کوئی سامان نہیں ہے۔

یہ مذہب اپنے عقیدۂ توحید میں بھی (جو مختلف مذاہب اور قوموں میں اس کا امتیازی شعار رہا ہے جس میں اس کی عزت وشرف اور زمانۂ قدیم میں بنی اسرائیل کی دوسری قوموں پر فضیلت کا راز پنہاں ہے، اور جس کی وصیت حضرت ابراہیم اور حضرت یعقوب علیہما السلام نے اپنے بیٹوں کو کی تھی) ثابت قدم نہ رہ سکا، یہودیوں نے اپنی پڑوسی قوموں کے اثر سے یا غالب وفاتح قوموں کے دباؤ سے ان کے بہت سے عقائد قبول کر لیے اور ان کی بہت سی عادتیں اور مشرکانہ، بت پرستانہ اور جاہلی روایات اختیار کر لیں، اس کا اعتراف بعض منصف مزاج یہودی مورخین خود کرتے ہیں ''جیویش

(۱) ان قدیم قوموں (جو بڑے مشہور مذاہب کی علم بردار رہی ہیں) کے مذہبی صحیفے جس بے دردی و بے رحمی کے ساتھ تحریف کا شکار ہوئے بلکہ جس طرح ان کی صورت وحقیقت مسخ کی گئی اور بعض اوقات ان کو مکمل طور پر تباہ وبرباد کیا گیا، اس کی تفصیل مستند تاریخی شواہد ودستاویزات اور خود ان کے علماء ومذہبی رہنماؤں کے اعترافات کی روشنی میں عہد عتیق اور عہد جدید کے اسفار سے لے کر ایران کی مذہبی کتاب ''اوستا'' اور ہندوستان کے ویدوں تک، مصنف کی کتاب ''منصب نبوت اور اس کے عالی مقام حاملین'' کے ساتویں خطبہ (ختم نبوت) ص ۲۲۸-۲۴۲ میں ملاحظہ فرمائیں، شائع کردہ ''مجلس تحقیقات ونشریات اسلام لکھنؤ''۔

انسائیکلوپیڈیا'' کا مقالہ نگار لکھتا ہے۔

''بت پرستی کے خلاف نبیوں کا غیظ وغضب یہ ظاہر کرتا ہے کہ دیوتاؤں کی پرستش اسرائیلی عوام کے دلوں میں گھر کر چکی تھی، اور بابل کی جلاوطنی سے واپس آنے کے وقت تک پوری طرح اس کا استیصال نہیں ہوا تھا، وہم پرستی اور سحر کے ذریعہ بہت سے مشرکانہ خیالات اور رسوم دوبارہ عوام نے قبول کر لیے تھے، تالمود سے بھی اس امر کی شہادت ملتی ہے، کہ بت پرستی میں یہود کے لیے بڑی جاذبیت اور کشش تھی'' (۱)

بابل کی تالمود (۲) (جو یہودیوں میں حد درجہ مقدس سمجھی جاتی ہے اور بعض اوقات توریت پر بھی اس کو ترجیح دی گئی ہے اور جو چھٹی صدی عیسوی میں یہودیوں میں مقبول ورائج تھی) کم عقلی، بدزبانی، خدا کے حضور جسارت وگستاخی، حقائق ومسلمات اور دین وعقل کے ساتھ تمسخر کے ایسے عجیب وغریب نمونوں سے بھری ہوئی ہے، جن کو دیکھ کر اس صدی میں یہودی معاشرہ کی ذہنی پستی اور مذہبی ذوق کے بگاڑ کا پورا اندازہ ہوتا ہے۔ (۳)

عیسائیت اپنے دور اول ہی میں انتہا پسندوں کی تحریف، جاہلوں کی تاویل اور رومی نصرانیوں کی بت پرستی کا شکار ہوگئی تھی، حضرت مسیحؑ کی سادہ وپاکیزہ تعلیمات اس تمام ملبہ کے نیچے دفن تھیں، توحید اور اخلاص کے ساتھ اللہ کی عبادت کا نور گھرے بادلوں کے اندر چھپ چکا تھا۔

چوتھی صدی کے آخر میں عیسائی سوسائٹی میں تثلیث کا عقیدہ کس طرح سرایت کر گیا تھا، اس کے متعلق ایک عیسائی فاضل لکھتا ہے:۔

''یہ عقیدہ کہ خدائے واحد تین اقانیم سے مرکب ہے، عیسائی دنیا کی پوری زندگی اور افکار میں چوتھی صدی کے آخر ہی میں سرایت کر چکا تھا، اور طویل عرصہ تک سرکاری اور تسلیم شدہ عقیدہ کی حیثیت سے جس کو پوری مسیحی دنیا مانتی تھی باقی رہا، یہاں تک کہ انیسویں صدی عیسوی کے نصف ثانی میں اس عقیدہ کے تغیر اور اس شکل تک پہونچنے کا راز فاش ہوا'' (۴)

JEWISH ENCYCLOPEDIA,VOL. XII P.P. 568-69(۱)

(۲) تالمود کے معنی ہیں یہودیوں کے مذہب اور آداب کی تعلیم کی کتاب، یہ دراصل علماء یہود کی کتاب شریعت ''المشنا'' کے شروح وحواشی کا مجموعہ ہے جو مختلف زمانوں میں رائج رہا ہے۔

(۳) تفصیل کے لئے دیکھئے ''یہودی تالمود کی روشنی میں'' از ڈاکٹر روہلنگ، اور اسی سے اس کا عربی ترجمہ "الکنز المرصود فی قواعد التلمود" از ڈاکٹر یوسف حنا۔

(۴) ماخوذ از NEW CATHOLIC ENCYCLOPEDIA, VOL. 14, 1967 مقالہ ''تثلیث مقدس'' ج ۱۴ ص ۲۹۵ باختصار۔

ایک معاصر عیسائی مورخ نے عیسائی سوسائٹی میں بت پرستی کے آغاز اور اس کی نو بہ نوشکلوں اور دوسری مشرک و بت پرست قوموں کی (ان کے مذہبی وقومی شعائر، عادات واطوار اور تہواروں اور تقریبوں میں) اندھی تقلید، مرعوبیت یا جہالت کی بنیاد پر ان کی ہو بہو نقل کرنے کا جذبہ اور اس معاملہ میں عیسائیوں کی جدت طرازی، اور تفنن طبع کا خوب ذکر کیا ہے، وہ اپنی کتاب ''مسیحیت علم جدید کی روشنی میں'' (THE HISTORY OF CHRISTIANITY IN THE LIGHT OF MODERN KNOWLEDGE) میں لکھتا ہے:۔

> ''بت پرستی ختم تو ہوئی مگر تباہ نہیں ہوئی بلکہ جذب کر لی گئی، تقریباً سب ہی کچھ جو بت پرستی میں تھا، عیسائیت کے نام سے چلتا رہا، جن لوگوں کو اپنے دیوتاؤں اور مشاہیر سے ہاتھ دھونے پڑے تھے، انھوں نے غیر شعوری طور پر بہت آسانی سے کسی شہید کو پرانے دیوتاؤں کے اوصاف سے متصف کر کے کسی مقامی مجسمہ کو اس کا نام دے دیا، اور اس طرح کافرانہ مسلک اور دیومالا ان مقامی شہداء کے نام پر منتقل ہوگئی اور خدائی اوصاف سے متصف اولیاء کے عقیدے کی بنیاد پڑ گئی، ان اولیاء نے ایک جانب تو آرایوسین کے عقائد کی بنا پر انسان اور خدا کے درمیان شان ایزدی رکھنے والے انسانوں کی شکل اختیار کر لی اور دوسری جانب یہ قرون وسطیٰ کے تقدس اور پارسائی کے نشان بن گئے، بت پرستانہ تیوہار قبول کر کے ان کے نام بدل دیے گئے یہاں تک کہ ۴۰۰ء تک پہنچتے پہنچتے سورج دیوتا کے قدیم تیوہار نے مسیح کے یوم پیدائش کی شکل اختیار کر لی'' (۱)

چھٹی صدی عیسوی جس وقت شروع ہوئی اس وقت شام وعراق کے عیسائیوں اور مصر کے عیسائیوں کی جنگ پورے شباب پر تھی، یہ جنگ حضرت مسیح کی حقیقت و ماہیت کے موضوع پر ہو رہی تھی، اور اس کی وجہ سے مدارس، کلیسا اور گھر سب متحارب کیمپ میں تبدیل ہو گئے تھے جو ایک دوسرے کی تکفیر میں مشغول اور ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یہ دو مذہبوں یا دو مخالف قوموں کی جنگ ہے، (۲) اس کی وجہ سے عیسائیوں کو اس کی فرصت نہ تھی کہ عالم گیر فساد کے

---

(۱) REV. JAMES HOUSTON BAXTER IN THE HISTORY OF CHRISTIANITY IN THE LIGHT OF MODERN KNOWLEDGE (GLASGOW. 1929) P. 407

(۲) دیکھئے ALFRED J. BUTLER کی کتاب "ARABS" CONQUEST OF EGYPT AND THE LAST THIRTY YEARS OF ROMAN DOMINION" (OXFORD 1902),P.P. 44-45

انسداد اور اصلاحِ حال کی کوشش کرتے اور انسانیت کو فلاح ونجات کا پیغام دیتے۔

مجوسی (ایران کے پارسی) قدیم زمانہ سے عناصر اربعہ (جس میں سب سے بڑا عنصر آگ تھا) کی عبادت کرتے تھے اور انھوں نے اس کے لیے مخصوص آتش کدے اور مخصوص عبادت گاہیں تعمیر کی تھیں، آتش پرستی ملک کے طول وعرض میں عام تھی، اس کے لیے بہت منظم اور دقیق قوانین واحکام مقرر تھے جن پر عمل درآمد لازمی تھا، آگ کی پرستش اور سورج کی تقدیس کے سوا ہر عقیدہ ومذہب وہاں مٹ چکا تھا، مذہب ان کے نزدیک چند رسموں یا چند قدیم روایات سے زیادہ حیثیت نہ رکھتا تھا، جن کو وہ مخصوص مقامات میں ادا کرتے تھے، عبادت گاہوں سے باہر وہ بالکل آزاد تھے، جہاں وہ اپنی مرضی اور خواہشِ نفس کے مطابق زندگی گزارتے تھے، ایک مجوسی اور ایک بے دین، بے ضمیر و بے کردار شخص میں کوئی فرق باقی نہ رہ گیا تھا۔(۱)

''ایران بعہد ساسانیان'' کے مصنف آرتھر کرسٹین سین نے اس زمانہ کے مذہبی فرائض اور ذمہ داریوں پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا ہے کہ:۔

> ''سرکاری ملازمین کے لیے لازمی تھا کہ وہ دن میں چار بار سورج کی پوجا کریں چاند کی آگ کی اور پانی کی پوجا اس کے علاوہ تھی، سونے جاگنے، نہانے، جنیو پہننے، کھانے پینے، چھینکنے، حجامت بنوانے اور ناخن ترشوانے، قضاء حاجت اور شمع جلانے ہر کام کے لیے دعائیں تھیں، اور ان کا کرنا ان پر ضروری تھا، ان کو اس کا بھی حکم تھا کہ آگ کسی وقت بجھنے نہ پائے، اور آگ پانی ایک دوسرے سے نہ ملیں، دھات کو زنگ نہ لگے، اس لیے کہ معدنیات بھی ان کی نگاہ میں مقدس تھیں۔(۲)
>
> اہل ایران آگ کی طرف رخ کر کے عبادت کرتے تھے، ایران کے آخری بادشاہ یزدگرد نے ایک مرتبہ سورج کی قسم کھاتے ہوئے یہ جملہ کہا تھا کہ ''میں سورج کی قسم کھاتا ہوں جو سب سے بڑا معبود ہے'' اس نے ان عیسائیوں کو جنھوں نے عیسائیت سے توبہ کر لی تھی، اس کا پابند کیا تھا کہ وہ اپنی سچائی ثابت کرنے کے لیے سورج کی پوجا کریں (۳)، اہل ایران ہر زمانہ میں ثنویت کا شکار رہے، حتی کہ یہ انکی علامت اور پہچان بن گئی، وہ دو خداؤں کے قائل تھے، ایک روشنی یا خیر کا خدا جس کو وہ آہورمزدا یا یزداں کہتے تھے، دوسرا ظلمت یا شر کا خدا جس کا نام انھوں نے اہرمن تجویز کیا تھا، ان کا عقیدہ تھا کہ ان دونوں خداؤں میں باہمی کش مکش اور طاقت آزمائی برابر جاری ہے''(۴)

---

(۱) ایران بعہد ساسانیان ص ۱۵۵

(۲) ایران بعہد ساسانیان (ترجمہ اردو از فرنچ) بقلم پروفیسر محمد اقبال اورنٹیل کالج لاہور ص ۱۵۵

(۳) ایضاً ص ۱۸۶۔۱۸۷ (۴) ایران بعہد ساسانیان باب (مذہب زردشت: سرکاری مذہب) ص ۱۸۳۔۲۳۳۔

ایرانی مذہب کے ان مورخین نے ان کے معبودوں کے متعلق جو کہانیاں لکھی ہیں اور پورا علم الاصنام MYTHOLOGY تیار کردیا ہے وہ اپنی بوالعجبی، عجائب پسندی اور تفصیلات وجزئیات میں یونانی یا ہندوستانی دیومالا سے کسی طرح کم نہیں''(۱)

بودھ مذہب جو ہندوستان اور وسط ایشیاء میں پھیلا ہوا تھا وہ بھی ایک ایسے بت پرستانہ مذہب میں تبدیل ہو چکا تھا کہ بت اس کے جلو میں چلتے تھے، جہاں اس کے قافلہ کا پڑاؤ ہوتا وہاں گوتم بدھ کی مورتی نصب کی جاتی اور دیکھتے دیکھتے ایک معبد تیار ہو جاتا (۲)، اہل علم واصحاب نظر کو اس مذہب اور اس کے بانی کے بارے میں ابھی تک یہ شبہ ہے کہ آسمان وزمین اور خود انسان کے خالق خدا کے وجود پر بھی ان کا عقیدہ وایمان تھا یا نہیں، ان کو حیرت ہے کہ ایمان وعقیدہ کے بغیر یہ عظیم مذہب کیسے قائم رہ سکا (۳)۔

جہاں تک ہندو مذہب کا تعلق ہے وہ دیوی دیوتاؤں کی کثرت میں دوسرے مذاہب سے بہت آگے ہے چھٹی صدی میں بت پرستی اپنے پورے شباب پر تھی، معبودوں کی تعداد اس صدی میں (۳۳) کروڑ تک بتائی جاتی ہے، غرض ہر عظیم یا ہیبت ناک یا نفع پہونچانے والی شے معبود تھی، بت تراشی اور مجسمہ سازی کا فن بھی نقطۂ عروج پر تھا اور اس میں طرح طرح کی جدت طرازیاں کی جاتی تھیں۔(۴)

ایک ہندو فاضل (C.V.VAIDYA) اپنی کتاب ''ہسٹری آف میڈیول ہندو انڈیا (HISTORY OF MEDIAEVAL HINDU INDIA) میں راجہ ہرش (۶۰۶-۶۴۸ء) کے بارے میں لکھتے ہیں، یاد رہے کہ یہ وہ زمانہ ہے جس کے بعد ہی جزیرۃ العرب میں اسلام کا ظہور ہوا:۔

> ''اس زمانہ میں ہندو مذہب اور بدھ مت دونوں ہی یکساں طور پر بت پرست تھے، بلکہ شاید بدھ مت بت پرستی میں ہندو مذہب سے بھی آگے بڑھ گیا تھا، یہ مذہب حقیقتاً خدا کے انکار سے شروع ہوا، لیکن آخر کار اس نے بدھ کو ہی سب سے بڑا خدا بنالیا، بعد میں اور دوسرے خداؤں مثلاً BODHISATVAS کا اضافہ ہوتا گیا اور خصوصاً مہایانا مذہب (اسکول) میں بت پرستی نے حتمی طور پر قدم جمالیے، ہندوستان میں اسے اس قدر عروج حاصل ہوا کہ بعض مشرقی زبانوں میں بدھ کا نام ہی

---

(۱) دیکھئے ''ایران بعہد ساسانیان'' ص ۲۰۴-۲۰۹

(۲) دیکھئے کتاب ''ہندوستانی تمدن'' اردو از ایشور اٹو پا ص ۲۰۹، پروفیسر تہذیب ہند حیدرآباد یونیورسٹی، نیز کتاب DISCOVERY OF INDIA از پنڈت جواہر لال نہرو ص ۲۰۱-۲۰۲

(۳) دیکھئے بودھ مذہب پر مقالہ ''انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا''

(۴) دیکھئے آر۔سی دت کی کتاب ANCIENT INDIA ج ۳ ص ۲۷۶ اور : L.S.S, O'MALLEY POPULAR HINDUISM-THE RELIGION OFTHE MASSES, (CAMBRIDGE, 1935) P.P.6-7

بت کے ہم معنی ہوگیا۔(۱)

اس میں شبہ نہیں کیا جاسکتا کہ بت پرستی اس زمانہ میں ساری دنیا میں پھیلی ہوئی تھی بحراوقیانوس سے بحرالکاہل تک دنیا بت پرستی میں غرق تھی، عیسائیت، سامی مذاہب، بدھ مت گویا بتوں کی تعظیم وتکریم میں ایک دوسرے سے بازی لے جانے کی کوشش میں مصروف تھے۔(۲)

ایک اور ہندو فاضل اپنی کتاب POPULAR HINDUISM THE RELIGION OF THE MASSES میں لکھتے ہیں:۔

> ''خداسازی کا عمل یہیں پر ختم نہیں ہوگیا بلکہ مختلف زمانوں میں اس خدائی اکاڈمی یا کونسل میں اتنی بڑی تعداد کا اضافہ ہوگیا کہ اس کا شمار مشکل ہے، ان میں بہت سے ہندوستان کے قدیم باشندوں کے معبود تھے، جن کو ہندو مذہب کے دیوتاؤں اور خداؤں کے ساتھ شامل کرلیا گیا تھا، ان کی کل تعداد تیس ملین (۳ کروڑ) بتائی جاتی ہے''(۳)

جہاں تک ان عربوں کا تعلق ہے جو عہد قدیم میں دین ابراہیمی کے حامل تھے، اور جن کی سرزمین میں خدا کا سب سے پہلا گھر تعمیر ہوا وہ نبوت اور انبیاء کرام سے بعد زمانی اور جزیرہ نمائے عرب میں محصور رہنے کی وجہ سے بہت گھٹیا درجہ کی بت پرستی میں مبتلا تھے، جس کی نظیر ہندوستان کے بت پرستوں اور مشرکوں کے سوا اور کہیں نہیں ملتی، وہ شرک میں بھی بہت آگے تھے، اور خدا کو چھوڑ کر بہت سے معبود انھوں نے تجویز کرلیے تھے اور یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ خود ساختہ معبود کائنات کے نظم وانتظام میں خدا کے ساتھ شریک ہیں، اور نفع نقصان پہونچانے اور زندہ رکھنے اور مارنے کی ذاتی صلاحیت اور قدرت رکھتے ہیں، چنانچہ پوری عرب قوم بتوں کی پرستش میں ڈوب چکی تھی، ہر قبیلہ اور علاقہ کا علاحدہ معبود تھا، بلکہ یہ کہنا صحیح ہوگا کہ ہر گھر صنم خانہ تھا۔(۴)

خود کعبہ کے اندر اور اس کے صحن میں (جس کو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے تعمیر کیا تھا) تین سو ساٹھ بت تھے (۵)، وہ بتوں اور معبودوں کی عبادت آگے بڑھ کر ہر قسم کے پتھروں کو پوجنے لگے تھے، اور فرشتوں اور جنوں اور ستاروں کو بھی اپنا معبود سمجھتے تھے، ان کا عقیدہ تھا کہ فرشتے خدا کی بیٹیاں ہیں، جن خدا کے شریک ہیں، اس وجہ سے وہ ان کی طاقت اور اثر کے قائل تھے اور ان کی عبادت کرنا ضروری سمجھتے تھے۔(۶)

---

(۱) VOL. I, POONA, 1924, P. 101 فارسی اور اُردو ادب میں بت کا لفظ جس کثرت سے استعمال کیا گیا ہے، اس کی تصدیق ہوتی ہے، یوں بھی بدھ اور بُت صوتی حیثیت سے ایک دوسرے کے مشابہ ہیں۔

(۲) C.V. VAIDYA : HISTORY OF MEDIAEVAL HINDU INDIA VOL. I, (POONA (1924) P. 101

(۳) L.S.S. O'MALLEY C.I.E.I.C.S. POPULAR HINDUISM-THE RELIGION OF THE MASSES (CAMBRIDGE, 1935) PP. 6-7

(۴) دیکھئے کتاب الاصنام لابن الکلبی ص ۳۳، (۵) صحیح بخاری (کتاب المغازی) باب فتح مکہ، (۶) کتاب الاصنام ص ۴۴

دنیا کے ملکوں اور قوموں پر ایک عمومی نظر

یہ ان مذاہب کا حال تھا جو اپنے اپنے زمانہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف بلانے کے لیے آئے تھے، جہاں تک ان متمدن ممالک کا تعلق ہے جہاں عظیم الشان حکومتیں قائم تھیں، علوم وفنون کا بازار گرم تھا، اور جو تہذیب وتمدن، صنعت وحرفت اور علوم وفنون کا مرکز سمجھے جاتے تھے، وہاں مذاہب کی شکل بالکل مسخ ہو چکی تھی اور انھوں نے اپنی اصل حقیقت اور قدر و قیمت اور قوت وافادیت کھودی تھی، اور مصلحین اور معلمین اخلاق دور دور نظر نہ آتے تھے۔

مشرقی رومی سلطنت

مشرق کی رومن شہنشاہی (۱) میں ٹیکسوں کی اتنی بھرمار تھی کہ اہل ملک اپنی حکومت پر ہر غیر ملکی حکومت کو ترجیح دینے لگے تھے بار بار انقلابات اور بغاوتیں ہوتی تھیں، صرف ۵۳۲ء کے ایک فساد میں قسطنطنیہ کے تیس ہزار آدمی قتل کئے گئے (۲)، ان کا سب سے بڑا مشغلہ اور دلچسپی کسی نہ کسی ذریعہ سے مال حاصل کرنا پھر عیش وعشرت میں اس کو خرچ کرنا تھا، تفریح وتعیش میں وہ اتنا آگے بڑھ گئے تھے کہ اس کی سرحدیں درندگی وبربریت سے مل گئی تھیں (۳)۔

CIVILIZATION PAST AND PRESENT کے مصنفین نے بازنطینی سوسائٹی کے اس عجیب تضاد اور اخلاقی فساد، تفریح طبع اور تعیش کے عشق پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا ہے کہ:۔

> ''بازنطینیوں کی سماجی زندگی میں زبردست تضاد پایا جاتا تھا، مذہبی رجحان ان کے ذہنوں میں گہرے طور پر پیوست ہو چکا تھا، ترک دنیا اور رہبانیت سلطنت کے

---

(۱) مشرقی رومی سلطنت کا ذکر تاریخ میں بازنطینی سلطنت کے نام سے آتا ہے، عرب اس کو روم کہتے ہیں جس عہد کا ہم ذکر کررہے ہیں۔ اس کی قلم رو میں حسب ذیل ممالک شامل تھے، یونان، بلقان، ایشیائے کوچک، سیریا وفلسطین، پورا بحر روم کا علاقہ اور کل شمالی افریقہ۔ اس کا پایۂ تخت قسطنطنیہ تھا، اس سلطنت کا آغاز ۳۹۵ء میں ہوا، اور اختتام ۱۴۵۳ء میں جب قسطنطنیہ پر عثمانی ترکوں کا قبضہ ہو گیا۔

(۲) انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، مقالہ "JUSTINIAN"

(۳) ملاحظہ ہو EDWARDS GIBBON : DECLINE AND FALL OF THE ROMAN EMPIRE

طول وعرض میں پھیلی ہوئی تھی اور معمولی درجہ کا شہری بھی عمیق مذہبی مباحث میں گہری دلچسپی لیتا تھا، اور اسی کے ساتھ سبھی لوگوں کے روزمرہ کی زندگی پر اسرار پسندی اور باطنیت کی چھاپ لگی ہوئی تھی، لیکن اس کے برعکس یہی لوگ ہر قسم کے کھیل تماشوں کے غیر معمولی شائق بھی تھے، زبردست سرکس کے میدان تھے، جس میں اسی ہزار تماش بینوں کے بیٹھنے کی جگہ تھی جہاں رتھوں کے دوڑ کے زوردار مقابلے ہوا کرتے تھے، عوام کو "نیلے" اور "ہرے" دوگروہوں میں بانٹ دیا گیا تھا، بازنطینیوں میں حسن سے پیار بھی تھا، اور ظلم وخباثت کا رجحان بھی، ان کے کھیل تماشے اکثر خونریز اور اذیت رساں ہوتے تھے، ان کی اذیتیں ہولناک اور ان کے خواص کی زندگی عیش وطرب، سازش، تکلفات اور برائیوں سے مرکب تھی" (۱)

مصر (جو دولت مند بازنطینی سلطنت کی ایک ریاست تھی) زبردست مذہبی مظالم اور بدترین سیاسی استبداد کا شکار تھا، اور اسی کے ساتھ ساتھ وہ بازنطینی سلطنت کی خوش حالی کا بڑا ذریعہ اور سرچشمہ بھی تھا، اس کی مثال اس گائے کی سی تھی جس کو اچھی طرح دوہا جائے اور چارہ کم سے کم دیا جائے (۲)۔

شام جو بازنطینی شہنشاہی کی دوسری ریاست تھی، اہل روما کی توسیع پسندی اور ہوس ملک گیری کا شکار تھا، جہاں صرف طاقت کے سہارے غیر ملکیوں کی طرح حکومت کی جاتی تھی، اور محکوم رعیت کو کبھی شفقت ومحبت سے واسطہ نہ پڑتا تھا، افلاس کا حال یہ تھا کہ اکثر شامی اپنا قرض ادا کرنے کے لیے اپنے بچوں کو فروخت کر دیتے تھے، مختلف نوع کے مظالم اور حق تلفیوں، غلام بنانے اور بیگار لینے کا عام رواج تھا (۳)۔

ایرانی شہنشاہی

مذہب زردشت، جس نے مزدائیت کی جگہ لی، ایران کا قدیم مذہب ہے، زردشت جو اس مذہب کا بانی تھا، ساتویں صدی قبل مسیح میں ظاہر ہوا، ایرانی شہنشاہی مشرق کی رومن شہنشاہی سے (رومۃ الکبریٰ سے علیحدگی کے بعد) اپنے رقبہ، ذرائع آمدنی اور شان وشوکت میں زیادہ بڑی تھی، اس کی بنیاد ۲۲۴ء میں اردشیر کے ہاتھوں پڑی، اپنے عروج کے زمانہ میں اسیریہ، خوزستان، میڈیا، فارس، آذربائیجان، طبرستان، سرخس، مرجان، کرمان، مرو، بلخ، سغد، سیستان، ہرات، خراسان، خوارزم، عراق اور یمن سب اس کی قلم رو

T. WALTER WALL BANK AND ALASTAIR. M. TAYLOR. CIVILIZATION. (۱)
PAST AND PRESENT (1954). P. 261-62

(۲) تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو الفرڈ بٹلر کی کتاب THE ARAB CONQUEST OF EGYPT. اور
HISTORIANS, HISTORY OF THE WORLD, VOL. VII

(۳) تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو "خطط الشام" از کرد علی ج ۱ ص ۱۰۱

میں شامل تھے، کسی زمانہ میں گذرگاہ دریائے سندھ کے درمیانی اضلاع اور اس کے دہانے کے آس پاس کے صوبے یعنی کچھ، کاٹھیاواڑ مالوہ ان کے پرے کے علاقے بھی اس کے زیرنگیں تھے۔

طیسفون (المدائن) جو اس شہنشاہی کا پایہ تخت اور شہروں کا ایک مجموعہ تھا، جیسا کہ اس کے عربی نام سے اندازہ ہوتا ہے، پانچویں صدی میں اور اس کے بعد کے زمانہ میں اپنے تمدن وترقی اور تعیش واسراف کے آخری نقطہ پر تھا (تفصیل کے لیے دیکھئے "ایران بعہد ساسانیان" از پروفیسر آرتھر کرسٹن سین)

مذہب زرتشتی اول روز سے نور وظلمت اور خیر وشر کی کش مکش اور بھلائی کے خدا اور برائی کے خدا کے درمیان مسلسل معرکہ آرائی کے تصور پر قائم تھا، تیسری صدی عیسوی میں "مانی" اس مذہب کے ریفارمر اور مصلح کی حیثیت سے سامنے آیا، (۱) اس کے بعد شاہ پور (اردشیر بانی دولت ساسانیان م ۲۴۱ھ کے بعد کا حکمراں) پہلے اس مذہب کا پیرو وداعی، اور پھر اس کا مخالف ہوگیا، اس لیے کہ مانی دنیا سے شروفساد کا مادہ ختم کرنے کے لیے تجرد کی زندگی کا داعی تھا، اس کی دعوت یہ تھی کہ نور وظلمت کا امتزاج بجائے خود ایک ایسا شر اور ایسی برائی ہے، جس سے انسان کو چھٹکارا حاصل کرنا ضروری ہے، اس نے فنائیت اور عدم سے جلد ہم آغوش ہونے ظلمت پر نور کے غلبہ کے لیے نسل انسانی کے سلسلہ کو ختم کرنے اور ازدواجی تعلقات کو ختم کرنے کا راستہ اختیار کیا، اس نے کئی سال جلاوطنی میں گزارے پھر ایران واپس آیا، اور بہرام اول کے عہد میں مارا گیا، لیکن اس کی تعلیمات اس کی موت کے بعد بھی زندہ رہیں، اور ایرانی طرزِ فکر اور ایرانی سوسائٹی کو طویل عرصہ تک متاثر کرتی رہیں۔

پانچویں صدی عیسوی کے آغاز میں "مزدک" ظاہر ہوا، اور اس نے مال ودولت اور عورت میں مکمل مساوات اور اشتراک کی کھلی ہوئی دعوت دی اور یہ چیزیں تمام انسانوں کے لیے بلاکسی قید ولحاظ کے جائز کردی گئیں، اس کی دعوت نے جلد ہی قوت پکڑلی، حالت یہ ہوگئی کہ لوگ جس کے گھر میں چاہتے بے تکلف گھس جاتے اور اس کے مال واسباب اور عورتوں پر زبردستی قبضہ کرلیتے، ایک قدیم ایرانی دستاویز میں جو نامہ تنسر کے نام سے موسوم ہے، ان حالات کی تصویر کشی کی گئی ہے جو مزدکیت کے عروج اور تسلط واقتدار کے زمانہ میں نظر آتے ہیں:۔

> "ناموس ادب کا پردہ اٹھ گیا، ایسے لوگ پیدا ہوگئے جن میں نہ شرافت تھی نہ عمل، نہ ان کے پاس موروثی جاگیر تھی، اور نہ انھیں خاندان اور قوم کا غم تھا، نہ ان میں صنعت تھی نہ حرفت، نہ انھیں کسی قسم کی فکر دامن گیر تھی اور نہ ان کا کوئی پیشہ تھا، چغلی اور

---

(۱) "مانی" کی تعلیمات اور دعوت وفلسفہ کو سمجھنے کے لئے "ایران بعہد ساسانیان" کا چوتھا باب بعنوان "پیغمبر مانی اور اس کا مذہب" ملاحظہ کریں۔ ص ۲۳۳۔۲۶۹۔

شرارت میں مستعد اور دروغ بیانی اور تہمت میں مشاق تھے، یہی ان کا ذریعہ معاش تھا، اور اسی کو وہ تحصیل مال وجاہ کا وسیلہ بناتے تھے'' (۱)

آرتھر کرسٹن سین اپنی کتاب ''ایران بعہد ساسانیان'' میں لکھتا ہے:۔

''نتیجہ یہ ہوا کہ ہر طرف کسانوں کی بغاوتیں برپا ہوگئیں، لوٹ مار کرنے والے امراء کے محلوں میں گھس جاتے تھے، مال واسباب لوٹ لیتے تھے، عورتوں کو پکڑ لے جاتے تھے، اور جاگیروں پر قبضہ کر لیتے تھے، زمینیں رفتہ رفتہ غیر آباد ہوگئیں، اس لیے کہ یہ نئے جاگیردار زراعت سے بالکل ناواقف تھے'' (۲)

ان سب باتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ قدیم ایران میں انتہا پسندانہ دعوتوں اور تحریکوں کو قبول کرنے کی عجیب وغریب صلاحیت تھی، اور وہ ہمیشہ شدید عمل اور ردِ عمل کے اثر میں رہا اور فلسفہ لذتیت (۳)، اور آخری درجہ کی رہبانیت اور نفس کشی کے درمیان ہمیشہ ہچکولے کھاتا رہا، کبھی وہ خاندانی وموروثی جاگیردارانہ نظام یا مذہبی اجارہ داری کے دباؤ میں رہا، کبھی بے قید اشتراکیت اور مطلق العنان انارکی ولاقانونیت کے مہیب سایہ میں، اس کی وجہ سے اس میں وہ توازن، اعتدال اور سکون وسنجیدگی کبھی پیدا نہ ہوسکی جو فطری وصحت مند معاشرہ کے لیے ضروری ہے۔

اس شہنشاہی میں (خاص طور پر ساسانی عہد اقتدار میں چھٹی صدی تک) حالت بہت بگڑ چکی تھی، پورا ملک ان سلاطین کے رحم وکرم پر تھا جو موروثی طور پر تخت وتاج کے مالک بنتے تھے، اور اپنے کو عام انسانوں سے بالاتر سمجھتے تھے، بادشاہ آسمانی خداؤں کی نسل سے تسلیم کیا جاتا تھا خسرو دوم پرویز اپنے نام کے ساتھ حسب ذیل القاب لکھتا تھا:۔

''خداؤں میں انسانِ غیر فانی اور انسانوں میں خدائے لاثانی، اس کے نام کا بول بالا، آفتاب کے ساتھ طلوع کرنے والا، شب کی آنکھوں کا اجالا'' (۴)

ملک کی تمام دولت اور آمدنی کے وسائل ان بادشاہوں کی ملکیت سمجھے جاتے تھے، دولت جمع کرنے، تحائف ونوادر اور قیمتی اشیاء اکٹھا کرنے کے جنون، معیار زندگی کی بلندی اور جدت طرازی، زندگی سے لطف اندوز ہونے اور تفریح وتعیش کے شوق، دولت مند بننے اور دنیا کے مزے اڑانے کی

---

(۱) از نامہ تنسر طبع مینوی ص ۱۳۔

(۲) از نامہ تنسر طبع مینوی، ص ۷۴

(۳) یونانی فلسفی (EPICURUS) کا نکالا ہوا فلسفہ ومذہب تھا اس کا کہنا تھا کہ لذّت ہی سب کچھ ہے، اور وہی سب سے بڑی چیز ہے۔

(۴) ایران بعہد ساسانیان، ص ۳۳۹۔

ریس اتنی آگے بڑھ چکی تھی کہ اس پر خیال آرائی اور شاعری کا شبہ ہونے لگتا ہے، اور اس کا تصور صرف وہی شخص کرسکتا ہے جس نے قدیم ایران کی تاریخ اور شعر و ادب کا گہری نظر سے مطالعہ کیا ہو، اور شہر مدائن، ایوانِ کسریٰ، بہار کسریٰ (۱) (وہ قالین جس پر موسم بہار میں شاہانِ ایران شراب نوشی کیا کرتے تھے) تاج کسریٰ اور ایرانی بادشاہوں سے وابستہ خدم و حشم، بیویوں اور لونڈیوں، خدمت گار لڑکوں باورچیوں اور خانساماؤں، پرندوں اور درندوں کے سدھانے والے، اور سامان شکار، اور ظروف و برتنوں کی ان افسانوی تفصیلات و جزئیات (۲) سے واقف و باخبر ہو، اس کا اندازہ صرف اس ایک واقعہ سے کیا جاسکتا ہے کہ جب اسلامی فتوحات کے نتیجہ میں ایران کا آخری تاجدار یزدگرد اپنے دارالحکومت مدائن سے فرار ہوا تو اس حالت میں بھی اس کے ساتھ ایک ہزار باورچی ایک ہزار مغنی، ایک ہزار چیتوں کے منتظم اور ایک ہزار شکروں کی دیکھ بھال کرنیوالے اور خدم و حشم اور مصاحبین کی ایک بڑی تعداد تھی، اتنے بڑے لاؤ لشکر کے باوجود بھی وہ اس تعداد کو کم اور خود کو ایک انتہائی معمولی اور حقیر پناہ گزیں سمجھتا تھا، وہ محسوس کرتا تھا کہ مصاحبین و ملازمین کی تعداد اور تعیش و تفریح کے سامان کی کمی کے باعث اس کی حالت انتہائی قابل رحم ہے (۳)۔

دوسری طرف غریب عوام سخت مفلوک الحال اور مصیبت زدہ تھے، اور اپنی قسمت کو روتے تھے، ان کو جسم و جان کا رشتہ باقی رکھنے کے لیے بھی سخت جدوجہد کرنی پڑتی تھی، مختلف قسم کے ٹیکسوں، طرح طرح کی بندشوں اور بیڑیوں نے ان کی زندگی کو عذابِ جان بنادیا تھا، اور وہ مویشیوں کی طرح زندگی گزار رہے تھے، اس مصیبت سے تنگ آکر اور ان ٹیکسوں اور لازمی فوجی بھرتی سے عاجز ہوکر بہت سے کسانوں نے اپنے کھیتوں کو خیرباد کہہ دیا اور راہبوں کی خانقاہوں اور معبدوں میں پناہ لی (۴)، وہ مشرقی ساسانی سلطنت اور مغربی بازنطینی سلطنت کی طویل وخون آشام جنگوں میں (جو تاریخ کے مختلف وقفوں میں ہوتی رہیں، اور جن میں نہ عوام کی کوئی مصلحت اور نہ ان کو اس سے کوئی دلچسپی تھی) حقیر ایندھن کی طرح کام آتے رہے۔

ہندوستان

ہندوستان جو عہد قدیم میں ریاضیات، فلکیات اور طب و فلسفہ میں دنیا میں بڑا نام پیدا کرچکا

---

(۱) اس کی تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو، تاریخ طبری، ج ۴، ص ۱۷۸

(۲) دیکھئے شاہین مکاریوس کی ''تاریخ ایران'' عربی طبع ۱۸۹۸ء، ص ۹۸ (۳) ایضاً

(۴) دیکھئے ''ایران بعہد ساسانیان'' کا پانچواں باب

تھا، اس کے متعلق مورخین کی عام رائے یہ ہے کہ اس کا مذہبی، اخلاقی اور اجتماعی طور پر سب سے تاریک اور بدترین دور چھٹی صدی عیسوی کے آغاز سے شروع ہوتا ہے(۱)، بے حیائی اور عیاشی سے ان کی عبادت گاہیں بھی پاک نہ تھیں اور ان کاموں میں کوئی عیب نہ سمجھا جاتا تھا، اس لیے کہ مذہب نے ان کو تقدیس اور عبادت کا رنگ دے دیا تھا(۲)، عورت کی کوئی قیمت اور عزت وعصمت باقی نہ رہی تھی، شوہر اپنی بیوی کو جوئے میں ہار جاتا تھا(۳)، اگر اس کا شوہر مر جاتا تھا تو وہ زندہ درگور کی مانند ہوتی تھی، نہ شادی کر سکتی تھی، نہ اس کو کوئی عزت واحترام کی نگاہ سے دیکھتا تھا، شوہر کے انتقال پر عورت کے ستی ہوجانے کا اعلیٰ اور خوش حال خاندانوں میں رواج تھا، اور اس کا مقصد اظہارِ وفاداری اور ننگ وعار سے گلوخلاصی تھا، یہ بدترین رسم انگریزی اقتدار کے بعد ہی ختم کی جاسکی(۴)۔

ہندوستان اپنے پڑوسیوں اور دنیا کے دوسرے ملکوں کی برادری میں طبقاتی عدم مساوات اور انسانوں کے درمیان فرق وامتیاز میں بہت آگے تھا، یہ ایک سخت اور بے رحمانہ نظام تھا جس میں نرمی اور لچک کی کوئی گنجائش نہ تھی، اس امتیازی سلوک کو مذہب اور عقیدہ کی سند اور پشت پناہی حاصل تھی اور آرین حملہ آوروں کی مصلحت اور مذہب اور تقدس کے اجارہ دار برہمنوں کے مفاد کا بھی یہی تقاضا تھا، یہ نظام ان پیشوں کی بنیاد پر قائم تھا، جو مختلف برادریوں اور ذاتوں میں نسلی طور پر چلے آرہے تھے، اس کے پیچھے اس ملکی، سیاسی اور مذہبی قانون کی طاقت تھی، جس کو ان ہندو قانون سازوں نے وضع کیا تھا جو مذہبی حیثیت کے بھی مالک تھے، یہ قانون بلاکم وکاست پورے معاشرہ پر نافذ تھا، اور اس کو زندگی کا دستور العمل سمجھا جاتا تھا، اس نے ہندوستان کے باشندوں کو چار طبقوں میں تقسیم کردیا تھا۔

۱۔ مذہب کے اجارہ دار اور پُروہت جن کو برہمن کہا جاتا تھا۔

۲۔ سپاہی اور فوج میں بھرتی ہونے والے افراد یعنی چھتری۔

۳۔ زراعت پیشہ اور تجارت کرنے والے یعنی ویش۔

۴۔ نوکر چاکر اور خدمت گار یعنی ''اچھوت''

یہ آخری طبقہ (جو سب سے بڑی تعداد میں تھا) پستی کی آخری منزل میں تھا، اس کے متعلق یہ تصور تھا کہ یہ وہ خالق کائنات کے پاؤں سے پیدا ہوا ہے، اس لیے اسکا کام صرف ان تینوں طبقوں

---

(۱) دیکھئے "ANCIENT INDIA"، ج ۳ مؤلفہ آر، سی، دت

(۲) ملاحظہ ہو ستیارتھ پرکاش از دیانند سرسوتی، ص ۳۴۴۔

(۳) دیکھئے مہابھارت کا ابتدائی حصہ۔

(۴) دیکھئے فرانسیسی سیاح برنیر کا سفرنامہ نیز قرون وسطیٰ کے راجگان کی تاریخ۔

کی خدمت کرنا اوران کو آرام وراحت پہونچانا ہے۔

اس قانون نے برہمنوں کو اتنے حقوق دے دیئے تھے اوران کو اتنا بلند رتبہ عطا کیا تھا، جس میں کوئی دوسرا ان کے برابر نہ تھا، برہمن کے سارے گناہ معاف تھے خواہ وہ تینوں دنیاؤں کو اپنے گناہوں اور بدکرداریوں سے گندہ اور تباہ وبرباد کردے، اس پر کوئی ٹیکس نہیں لگایا جاسکتا تھا، اس کو کسی صورت میں بھی سزائے موت نہیں دی جاسکتی تھی، اس کے برعکس اچھوت نہ کچھ کما سکتے تھے نہ جمع کرسکتے تھے، نہ کسی برہمن کے قریب بیٹھ سکتے تھے، نہ اس کے بدن کو چھو سکتے تھے، نہ مقدس کتابوں کا پڑھنا ان کے لیے جائز تھا(۱)۔

اہل حرفہ اور خدمت کرنے والے طبقہ کے لوگ (جو چنڈال کہلاتے تھے) شہر سے باہر رہتے تھے، رات کو (خواہ کوئی موسم ہو) ان کا شہر میں رہنا ممکن نہ تھا، شہر کی چہاردیواری میں طلوع آفتاب کے بعد وہ کام کرنے کے لیے داخل ہوتے تھے، اور غروب سے پہلے ان کو باہر نکل جانا پڑتا تھا(۲)۔

پورا ملک انتشار کا شکار تھا، اور ٹکڑے ٹکڑے ہورہا تھا، اس میں سینکڑوں ریاستیں اور حکومتیں تھیں جو اکثر برسرِ پیکار رہتی تھیں، بدامنی اور بدانتظامی اور رعیت کی طرف سے بے پرواہی اور ظلم واستبداد عام تھا۔

علاوہ بریں یہ ملک دنیا سے کٹ کر زندگی گزار رہا تھا، اس پر جمود طاری تھا، وہ عادات وروایات اور رسم ورواج کے سخت شکنجہ میں گرفتار، طبقاتی کش مکش اور ناہمواری کا شکار، اور خون، نسل اور نسب کے تعصبات سے زار ونزار ہورہا تھا، ایک ہندو مورخ ودیادھر مہاجن سابق پروفیسر تاریخ، پنجاب یونیورسٹی کالج، اسلام کی آمد سے قبل ہندوستان کی حالت پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

> ’’ہندوستان کے عوام ساری دنیا سے کٹے ہوئے تھے، وہ اپنے آپ میں مگن اور دنیا کے حالات سے بے خبر تھے، اور اس بے خبری نے ان کی پوزیشن بہت کمزور کردی تھی، ان میں جمود پیدا ہوچکا تھا، اور ہزیمت وانحطاط کے آثار نمایاں تھے، اس زمانہ کے ادب میں کوئی جان نہیں تھی، فن تعمیر، مصوری اور دوسرے فنون لطیفہ میں بھی انحطاط تھا، ذات پات کی پابندیاں شدید تھیں، بیواؤں کی شادی نہیں کی جاتی تھی، اور کھانے پینے کے سلسلہ میں شدید پابندیاں تھیں، اچھوت بستیوں کے باہر رہنے پر مجبور تھے‘‘(۳)

---

(۱) اس قانون کی تفصیلات اور دفعات جاننے کے لئے منوشاستر کا مطالعہ کریں۔ باب ۱۔۲۔۸۔۹۔۱۰۔۱۱۔

(۲) قطب الدین ایبک کے عہد میں (۱۲۰۶ء - ۱۲۱۰ء) یہ جابرانہ نظام ختم ہوا، اور شہر کی چہاردیواری طبقاتی تقسیم کی نشانی ہونے کے بجائے ’’شہر پناہ‘‘ بن کر رہ گئی، اور شہروں میں امراء کے محلات، اور فقراء کے جھونپڑے ایک ساتھ نظر آنے لگے۔

(۳) VIDYADHAR MAHAJAN : MUSLIM RULE IN INDIA, (NEW DELHI 1970), P. 33

جزیرۃ العرب

عربوں کے اخلاق بھی بہت بگڑ چکے تھے، وہ شراب اور جوئے کے رسیا تھے، ان کی قساوت قلبی اور حمیت جاہلی کا اندازہ ان کے لڑکیوں کو زندہ دفن کر دینے سے کیا جاسکتا ہے، قافلوں کو لوٹنا، اور بے گناہوں کو تہ تیغ کرنا ان کا محبوب مشغلہ تھا، عورت کی ان کے یہاں کوئی عزت باقی نہ تھی، مکان کے دوسرے سامان و اسباب کی طرح یا مویشیوں کی طرح جہاں چاہتی منتقل کی جاتی، یا ورثہ میں ملتی، کچھ کھانے مردوں کے ساتھ مخصوص تھے، عورتیں ان کو استعمال نہیں کرسکتی تھیں، آدمی جتنی عورتوں سے چاہتا شادی کرسکتا تھا، بعض لوگ اپنی اولاد کو افلاس اور معاشی پریشانی کے خوف سے قتل کر ڈالتے تھے۔(۱)

قبائلی اور نسلی، خاندانی اور خونی عصبیت اور جنبہ داری بے حد شدید تھی، جنگ ان کی گھٹی میں پڑی تھی، اور ایک دوسرے کو قتل کرنا ان کے لیے ایک کھیل اور تفریح تھا ایک معمولی واقعہ اکثر بڑی خوں ریز اور طویل جنگوں کا سبب بن جاتا، بعض جنگوں کا سلسلہ ۴۰-۴۰ سال چلا اور ہزاروں آدمی اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھے (۲)۔

یورپ

یورپین قومیں جو شمال و مغرب کے اندر دور تک آباد تھیں، جہالت و ناخواندگی کے مہیب سایہ میں تھیں، اور خوں ریز جنگوں میں مشغول، وہ تمدنِ انسانی کے کارواں سے بہت پیچھے اور علوم و فنون کی دنیا سے بہت دور تھیں، نہ بیرونی دنیا کو ان سے کوئی سروکار تھا نہ ان کو بیرونی دنیا سے کوئی مطلب، ان کے جسم گندے اور دماغ اوہام و خرافات سے بھرے ہوئے تھے (۳)، وہ نظافت کی طرف توجہ اور پانی کا استعمال کم سے کم کرتے تھے، ان کے پادری اور راہب جسم کو اذیت پہونچاتے اور انسانوں سے فرار (۴) میں نہایت درجہ متشدد اور انتہا پسند تھے، ان کے یہاں ابھی تک یہی بات طے نہیں ہوئی تھی کہ عورت انسان ہے یا حیوان؟ اس کے اندر ابدی و غیر فانی روح ہے یا نہیں؟ اس کو ملکیت اور بیع و شرا کا حق حاصل ہے یا ان میں سے کسی بات کا وہ حق نہیں رکھتی؟ ROBERT BRIFFAULT لکھتا ہے:۔

”پانچویں صدی سے لے کر دسویں صدی تک یورپ پر گہری تاریکی چھائی

---

(۱) تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو قرآن مجید کتب حدیث، اشعار عرب، حماسہ و سبع معلقات وغیرہ۔

(۲) دیکھئے شعر جاہلی ایام عرب اور اخبار عرب کے سلسلہ کی کتب۔

(۳) THILLY : HISTORY OF PHILOSOPHY, (NEW YORK 1945)

(۴) LECKY, W.E.H. HISTORY OF EUROPEAN MORALS. (NEW YORK 1855)

ہوئی تھی، اور یہ تاریکی تدریجاً زیادہ گہری اور بھیانک ہوتی جارہی تھی اس دور کی وحشت و بربریت زمانۂ قدیم کی وحشت و بربریت سے کئی درجہ زیادہ بڑھی چڑھی تھی، کیونکہ اس کی مثال ایک بڑے تمدن کی لاش کی تھی جو سڑ گئی ہو، اس تمدن کے نشانات مٹ رہے تھے، اور اس پر زوال کی مہر لگ چکی تھی، وہ ممالک جہاں یہ تمدن برگ و بار لایا اور گذشتہ زمانہ میں اپنی انتہائی ترقی کو پہنچ گیا تھا جیسے اٹلی، فرانس، وہاں تباہی، طوائف الملوکی اور ویرانی کا دور دورہ تھا'' (۱)

گھٹاٹوپ اندھیرا اور جان لیوا مایوسی

مختصراً یہ کہا جاسکتا ہے کہ چھٹی صدی عیسوی جس میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی تاریخ کا بدترین دور تھا، اور انسانیت کے مستقبل اور اس کی بقا و ترقی کے لحاظ سے انتہا درجہ تاریک اور مایوس کن۔

مشہور انگریز مصنف H. G. WELLS نے بھی ساسانی اور بازنطینی حکومتوں کے ذکر میں اس عہد کی تصویر کھینچی ہے، اس کے الفاظ یہ ہیں:۔

''سائنس اور سیاسیات دونوں ان برسرپیکار اور زوال پذیر حکومتوں میں موت کی نیند سوچکے تھے، ایتھنس کے متاخرین فلسفیوں نے اپنی تباہی تک جو اس پر مسلط کردی گئی تھی، عہد قدیم کے ادبی سرمایہ کو اگرچہ بغیر سوچے سمجھے، مگر بے انتہا عقیدت کے ساتھ، محفوظ رکھا تھا، لیکن اب دنیا میں انسانوں کا کوئی طبقہ ایسا باقی نہیں رہا تھا، جو عہد قدیم کے شرفاء کی طرح جری اور آزاد خیالی کا حامی ہوتا، اور قدماء کی تحریروں کی طرح تلاش و تحقیق یا جرأت مندانہ اظہار خیال کا حامل ہوتا، اس طبقہ کے ختم ہونے کی خاص وجہ سیاسی اور سماجی افراتفری تھی، لیکن ایک وجہ اور بھی تھی، جس کے باعث اس عہد میں ذہن انسانی کند اور بنجر ہوچکا تھا، ایران اور بازنطینہ دونوں ملکوں میں عدم رواداری کا دور تھا، دونوں حکومتیں ایک نئے انداز کی مذہبی حکومتیں تھیں، جس میں آزادانہ اظہار خیال پر کڑے پہرے بٹھادیئے گئے تھے''۔

بازنطینی شہنشاہی پر ایرانی شہنشاہی کے حملہ اور بازنطینیوں کی فتح کا کسی قدر تفصیل سے ذکر کرنے کے بعد چھٹی صدی عیسوی میں سماجی و اخلاقی پستی پر روشنی ڈالتے ہوئے مصنف لکھتا ہے:۔

''اگر کوئی سیاسی پیشین گو ساتویں صدی کے آغاز میں دنیا کا جائزہ لیتا تو اس نتیجہ پر

THE MAKING OF HUMANITY. P. 1164(1)

پہونچتا کہ صرف چند صدیوں کی بات ہے کہ پورا یورپ اور ایشیا منگولوں کے زیر اقتدار آجائے گا، مغربی یورپ میں نہ کوئی نظم تھا اور نہ اتحاد، بازنطینی اور ایرانی حکومتیں ایک دوسرے کو تباہ کرنے پر تلی ہوئی تھیں، ہندوستان بھی منقسم اور تباہ حال تھا"(۱)

عالمگیر فساد

غرض بعثت محمدیؐ کے زمانہ میں پوری انسانیت خودکشی کے راستہ پر تیزی کے ساتھ گامزن تھی ،انسان اپنے خالق اور مالک کو بھول چکا تھا اور خود اپنے آپ کو اور اپنے مستقبل اور انجام کو فراموش کر چکا تھا، اس کے اندر بھلائی اور برائی اور زشت وخوب میں تمیز کرنے کی بھی صلاحیت باقی نہیں تھی، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ انسانوں کے دماغ ودل کسی چیز میں کھو چکے ہیں، ان کو دین وآخرت کی طرف سر اٹھا کر دیکھنے کی بھی فرصت نہیں، اور روح وقلب کی غذا، اخروی فلاح، انسانیت کی خدمت اور اصلاحِ حال کے لیے ان کے پاس ایک لمحہ خالی نہیں، بسا اوقات پورے پورے ملک میں ایک شخص ایسا نظر نہ آتا جس کو اپنے دین کی فکر ہو، جو خدائے واحد کی پرستش کرتا ہو اور کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہراتا ہو، جس کے جگر میں انسانیت کا درد ہو اور اس کے تاریک وہولناک انجام پر کچھ بے چینی ہو، یہ صورت حال اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی ہو بہو تصویر تھی کہ:۔

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيقَهُمْ بَعْضَ الَّذِي عَمِلُوا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ. (سورۂ روم ـ ٤١)

خشکی اور تری میں لوگوں کے اعمال کے سبب فساد پھیل گیا ہے، تاکہ خدا ان کو ان کے بعض عملوں کا مزہ چکھائے عجب نہیں کہ وہ باز آجائیں۔

---

(۱) A SHORT HISTORY OF THE WORLD (LONDON 1924), P.P. 140-41, 144.

مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمْ

جزیرۃ العرب میں کیوں مبعوث ہوئے؟

اللہ تعالیٰ کی مشیت وحکمت کا فیصلہ تھا کہ انسانیت کی ہدایت ونجات کا یہ آفتاب جس سے ساری کائنات میں روشنی پھیلی، جزیرۃ العرب کے افق سے طلوع ہو جو دنیا کا سب سے تاریک خطہ تھا اور جس کو اس تیز روشنی کی سب سے زیادہ ضرورت تھی۔

اللہ تعالیٰ نے اس دعوت کے لیے عربوں کا انتخاب اس لیے کیا اور ان کو ساری دنیا میں اس کی تبلیغ واشاعت کا ذمہ دار بنایا کہ ان کے دلوں کی تختی بالکل صاف تھی، اس میں پہلے سے کچھ نقوش تحریر اور نقش ونگار موجود نہ تھے، جن کو مٹانا مشکل ہوتا، برخلاف رومیوں، ایرانیوں یا ہندوستانیوں کے جن کو اپنی ترقی، علوم وفنون، اور اپنے تہذیب وتمدن اور فلسفہ پر بڑا ناز اور غرور تھا، اور اس کی وجہ سے ان کے اندر کچھ ایسی نفسیاتی گرہیں، اور فکری وذہنی پیچیدگیاں پیدا ہوگئی تھیں، جن کا دور ہونا آسان نہ تھا، عربوں کے دل ودماغ کی سادہ تختیاں صرف ان معمولی اور ہلکی پھلکی تحریروں سے آشنا تھیں جن کو ان کی جہالت وناخواندگی اور بدوی زندگی نے ان میں ثبت کر دیا تھا، اور جن کا دھونا اور مٹانا اور ان کی جگہ پر نئے نقش قائم کرنا بہت آسان تھا، موجودہ علمی اصطلاح میں وہ ''جہل بسیط'' یا ''جہل سادہ'' کا شکار تھے، اور یہ وہ غلطی ہے جس کا مداوا ہو سکتا ہے، دوسری متمدن اور ترقی یافتہ قومیں ''جہل مرکب'' میں مبتلا تھیں جس کا علاج اور تدارک اور اس کو دھو کر کے نئے حروف لکھنے کا کام ہمیشہ بے حد دشوار ہوتا ہے۔

یہ عرب اپنی اصل فطرت پر تھے، مضبوط اور آہنی ارادہ کے مالک تھے، اگر حق بات ان کی سمجھ میں نہ آتی تو وہ اس کے خلاف شمشیر تک اٹھانے میں کوئی تکلف نہ کرتے اور اگر حق کھل کر سامنے آجاتا تو وہ اس سے دل وجان سے زیادہ محبت کرتے، اس کو گلے سے لگاتے اور اس کے لیے جان تک دینے میں پس وپیش نہ کرتے۔

یہ عربی نفسیات اور ذہن سہیل بن عمرو کے ان الفاظ میں جھلکتا ہے جو صلح حدیبیہ کے معاہدہ کی تحریر کے وقت ان کی زبان سے نکلے، معاہدہ کا آغاز ان الفاظ سے ہوتا تھا، ''ھذا ما قاضی علیہ محمد

رسول الله " (یہ وہ ہے جس کا فیصلہ محمد رسول اللہ نے کیا) انھوں نے کہا کہ "والله لو كنا نعلم أنك رسول الله ما صددناك عن البيت و لا قاتلناك" (واللہ اگر ہم یہ جانتے اور مانتے کہ آپ خدا کے رسول ہیں تو نہ آپ کو بیت اللہ سے روکتے نہ آپ سے جنگ کرتے)۔ یہ ذہن ومزاج عکرمہ بن ابی جہل کے الفاظ میں بھی جھلک رہا ہے، یرموک کی لڑائی پورے شباب پر تھی، اور عکرمہ پر سخت دباؤ پڑ رہا تھا، جب رومی یلغار کرتے ہوئے عکرمہ کی طرف بڑھے تو انھوں نے ان کو للکار کر کہا کہ عقل کے دشمنو! (جب تک بات میری سمجھ میں نہیں آئی) میں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے مقابلہ میں ہر جگہ صف آراء رہا، آج میں تم سے بھاگوں گا؟ پھر انھوں نے پکار کر کہا کہ ہے کوئی جو موت پر مجھ سے بیعت کرے؟ کچھ لوگ آئے اور بیعت کی پھر وہ آگے بڑھ کر لڑنے لگے یہاں تک کہ زخمی ہوئے اور شہادت پائی (۱)۔

یہ عرب بڑے حقیقت پسند، سنجیدہ وسلیم الطبع، صاف گو، سخت کوش وسخت جان تھے، وہ نہ دوسروں کو فریب دیتے تھے، نہ اپنے کو فریب میں رکھنا پسند کرتے تھے، سچی اور پکی بات کے عادی، بات کی لاج رکھنے والے اور پختہ ارادہ کے مالک تھے، اس کا ایک واضح نمونہ اور ثبوت بیعت عقبۂ ثانیہ میں ہمیں نظر آتا ہے جس کے بعد ہی مدینہ طیبہ ہجرت کا آغاز ہوا۔

ابن اسحاق روایت کرتے ہیں کہ "جب اوس وخزرج عقبہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کرنے کے لئے جمع ہوئے تو عباس بن عبادہ الخزرجی نے (اپنی قوم کو خطاب کرتے ہوئے) کہا: "اے اہل خزرج! کیا تمہیں معلوم ہے کہ تم حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کس چیز پر بیعت کر رہے ہو؟ انھوں نے جواب دیا ہاں! کہنے لگے کہ تم ان سے احمر واسود ہر قسم کے لوگوں سے جنگ پر بیعت کر رہے ہو (یعنی بہت بڑی تعداد اور مختلف اصناف کے لوگوں سے) اگر تم ایسا خیال کرتے ہو کہ تمہارے مال لوٹ لئے جائیں گے اور تباہ وبرباد کر دیئے جائیں گے، تمہارے اشراف اور سرداران قبیلہ قتل کر دیئے جائیں گے تو تم ان کو دشمنوں کے حوالہ کر کے علیحدہ ہو جاؤ گے، اگر ایسا ہے تو ابھی اس بات کو ختم کر دو، اس لئے کہ اگر تم نے ایسا کیا تو واللہ دنیا وآخرت دونوں جگہ کی رسوائی ہے، اور اگر تمہارا فیصلہ یہ ہے کہ جس چیز کے لئے تم نے ان کو دعوت دی ہے اس کو پورا کرو گے خواہ تمہارا سارا مال واسباب تہس نہس ہو جائے اور تمہارے سردار واشراف قتل کر دیئے جائیں تو اپنا ہاتھ ان کے ہاتھ میں دو، اس وقت اس میں خدا کی قسم دنیا وآخرت دونوں جگہ کی کامیابی وبھلائی ہے، ان لوگوں نے جواب دیا کہ مال ودولت کی تباہی اور سرداروں کے قتل ہر چیز پر ہم آپ سے بیعت کرتے ہیں، لیکن

(۱) تاریخ طبری، ج ۴ ص ۳۶

اس کا صلہ یا رسول اللہ اگر ہم نے یہ عہد پورا کیا کیا ملے گا؟ آپ نے فرمایا جنت کہنے لگے ہاتھ بڑھایئے، آپ نے اپنا دست مبارک آگے کیا اور ان سب نے آپ سے بیعت کی (۱)۔

اور واقعہ یہ ہے کہ انھوں نے اس عہد کو جس پر آپ سے بیعت کی تھی پورا کیا، حضرت سعد بن معاذؓ نے اپنے مشہور جملے میں ان سب کی ترجمانی کی تھی کہ "خدا کی قسم اگر آپ چلتے چلتے برک الغماد (۲) تک پہونچ جائیں تب بھی ہم آپ کے ساتھ چلتے رہیں گے، اگر آپ اس سمندر کو عبور کرنا چاہیں گے تو ہم آپ کے ساتھ سمندر میں کود جائیں گے" (۳)

عزم وارادہ کی یہ پختگی اور سچائی، عمل کی سنجیدگی اور حق کے سامنے سر تسلیم خم کردینے کا مزاج اور طبیعت اس جملہ سے بھی عیاں ہے جو اسلامی افواج کے مشہور قائد اور سپہ سالار عقبہ بن نافعؓ سے منسوب ہے، جب ان کی فتوحات اور پیش قدمیوں کی راہ میں بحراوقیانوس (اٹلانٹک) (۴) حائل ہوا تو اس موقع پر انھوں نے کہا کہ "خدایا یہ بحر زخار حائل ہے، ورنہ جی چاہتا ہے کہ برابر آگے بڑھتا جاؤں اور بحر و بر میں تیرے نام کی منادی کردوں" (۵)

اس کے برخلاف یونان، روم اور ایران کے لوگ زمانہ سازی اور ہوا کے رخ پر چلنے کے عادی تھے، کوئی ظلم وزیادتی، ان کے اندر تحریک پیدا کرنے سے قاصر تھی، کوئی اصول پسندی اور حقیقت ان کے لئے کشش نہ رکھتی تھی، کوئی دعوت اور عقیدہ ان کے خیالات وافکار اور احساسات وجذبات پر اس طرح طاری نہ ہوتا تھا کہ وہ اس کے لئے اپنی ہستی کو فراموش کردیں اور اپنے عیش اور دنیاوی لذتوں کو خطرہ میں ڈال دیں۔

عرب تہذیب وتمدن اور تعیش وآرام طلبی کی پیدا کی ہوئی ان تمام بیماریوں اور خرابیوں سے محفوظ تھے، جن کا علاج بڑا دشوار ہوتا ہے، اور جو کسی ایمان وعقیدہ کے لئے گرم جوشی وجاں فروشی میں ہمیشہ حائل ہوتی ہیں، اور اکثر آدمی کے پیروں میں بیڑیاں ڈال دیتی ہیں۔

ان کے اندر صداقت بھی تھی دیانت بھی، اور شجاعت بھی، منافقت اور سازش ان کے مزاج

---

(۱) سیرت ابن ہشام، ج ۱، ص ۴۴۶، (طبع مصطفیٰ البابی الحلبی) طبع دوم

(۲) برک الغماد کے متعلق مختلف اقوال ہیں، ایک قول یہ ہے کہ وہ یمن کا کوئی دُور دراز مقام ہے سُہیلی کہتے ہیں کہ اس سے مراد حبش ہے مقصد یہ ہے کہ اگر آپ بعید ترین مقام تک بھی لے جائیں گے تو ہم ہمرکابی میں جائیں گے اور ساتھ نہ چھوڑیں گے۔

(۳) زاد المعاد۔ ج ۱ ص ۳۴۲-۳۴۳، سیرت ابن ہشام، ج ۱ ص ۶۱۵، بخاری ومسلم میں بھی یہ روایت آئی ہے۔

(۴) مسلمان مؤرخین اور مصنفین عام طور پر اس کو بحر ظلمات سے یاد کرتے ہیں۔

(۵) کامل ابن اثیر، ج ۴، ص ۴۶

سے مناسبت نہ رکھتی، بے جگری سے لڑنے والے، گھوڑوں کی پیٹھ پر زیادہ وقت گزارنے والے، سخت قوت مدافعت اور قوت برداشت کے مالک، سادہ زندگی کے عادی، شہ سواری اور فنون جنگ کے عاشق، جو ایک ایسی قوم کے لئے ضروری شرط ہے جس کو دنیا میں کوئی بڑا کارنامہ انجام دینا ہو، خصوصاً اس دور میں جب معرکہ آرائیوں اور مہم جوئیوں کا سلسلہ جاری ہو اور بہادری و شجاعت کا عام چلن ہو۔

دوسری بات یہ کہ ان کی فکری و عملی قوتیں اور فطری صلاحیتیں محفوظ تھیں، اور خیالی فلسفوں، بے فائدہ منطقی بحثوں اور موشگافیوں، علم کلام کے دقیق و نازک مضامین یا مقامی و علاقائی خانہ جنگیوں میں ضائع نہیں ہوئی تھیں، یہ ایک نوخیز اور اس لحاظ سے ''محفوظ'' قوم تھی، اور زندگی و حرارت، جوش و نشاط اور عزم و آہنی ارادہ سے بھرپور تھی۔

آزادی و مساوات، فطرت اور مناظر فطرت سے محبت اور سادگی و سادہ دلی اس کی گھٹی میں پڑی تھی، اس کو کبھی کسی غیر ملکی اقتدار کے سامنے جھکنا نہ پڑا تھا، یہ قوم غلامی اور ایک انسان کے دوسرے انسان پر حکم چلانے کے معنی سے نا آشنا تھی، اس کو ایرانی و رومی شہنشاہیوں کے تکبر اور انسان اور انسانیت کو نگاہِ حقارت سے دیکھنے کا کبھی تجربہ نہ ہوا تھا، اس کے برخلاف ایرانی سلاطین (جو جزیرۃ العرب کے پڑوس میں تھے) مافوق البشر سمجھے جاتے تھے، اگر ایرانی بادشاہ فصد کھلواتا یا کوئی دوا استعمال کرتا تو دار السلطنت میں اعلان کر دیا جاتا کہ آج بادشاہ سلامت نے فصد کھلوائی ہے یا دوا استعمال کی ہے، اس اعلان کے بعد شہر میں نہ کوئی پیشہ ور اپنے پیشہ میں مشغول ہوتا اور نہ کوئی سرکاری درباری آدمی کوئی کام کر سکتا (۱)، اگر اس کو چھینک آتی تو اس کے لئے کسی کو دعائیہ کلمات کہنے کا حق نہ تھا، وہ خود اگر دعا کرتا تو آمین بھی نہیں کہہ سکتا تھا، اگر وہ اپنے وزراء و امراء میں کسی کے گھر فروکش ہوتا تو یہ دن بہت غیر معمولی اور اہم سمجھا جاتا اور اس دن سے اس خاندان کی نئی تقویم اور نئی جنتری شروع ہوتی، اور خطوط میں نئی تاریخ ڈالی جاتی، ایک معینہ مدت کے لئے ٹیکس معاف کر دیئے جاتے، وہ شخص مختلف قسم کے اعزازات و انعامات اور معافیوں و ترقیوں سے نوازا جاتا محض اس بنیاد پر کہ بادشاہ نے اپنی تشریف آوری سے اس کو سرفراز کیا (۲)۔

یہ ان آداب اور لوازم تعظیم و بندگی کے علاوہ ہے جس کا بجالانا ارکان سلطنت اور اہل دربار اور دوسرے تمام اشخاص کے لئے ضروری تھا، مثلاً ان کے سامنے ہاتھ باندھے کھڑے

---

(۱) ملاحظہ ہو ایران بعہد ساسانیان، ص ۵۳۵-۵۳۶

(۲) ایضاً ص ۵۴۴

رہنا(۱) (یعنی سینہ پر ہاتھ رکھ کرادب کے ساتھ سر نیاز خم کر دینا) ان کے سامنے اس طرح مؤدب کھڑا رہنا جس طرح نمازوں میں خدا کے سامنے کوئی کھڑا ہوتا ہے، یہ اس بادشاہ کے عہد کا تذکرہ ہے، جو نوشیرواں عادل کے نام سے شہرۂ آفاق ہے یعنی خسرو اول (۵۳۱۔ ۵۷۹ھ) اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ ایران کے ان شہنشاہوں کا کیا حال ہوگا جوظلم وسفاکی اور بے رحمی میں مشہور زمانہ تھے۔

آزادیٔ خیال اور اظہار رائے (نہ کہ تنقید ونکتہ چینی) وسیع ایرانی سلطنت میں تقریباً مفقود تھی، طبری نے اس سلسلہ میں ''نوشیروان عادل'' کی ایک دلچسپ حکات بیان کی ہے، جس سے ہمیں اندازہ ہوتا ہے کہ ایرانی شہنشاہی میں آزادیٔ رائے اور اظہار خیال پر کتنی سخت پابندی تھی، اور دربار شاہی میں لب کشائی کی قیمت کیا ادا کرنی پڑتی تھی، اس واقعہ کو ''ایران بعہد ساسانیان'' کے مصنف نے طبری کے حوالہ سے قلم بند کیا ہے:۔

> ''اس نے ایک کونسل منعقد کی اور دبیر خراج کو حکم دیا کہ لگان کی نئی شرحیں باآواز بلند پڑھ کر سنائے، جب وہ پڑھ چکا تو خسرو نے دودفعہ حاضرین سے پوچھا کہ کسی کو کوئی اعتراض تو نہیں ہے؟ سب چپ رہے جب بادشاہ نے تیسری مرتبہ یہی سوال کیا تو ایک شخص کھڑا ہوا اور تعظیم کے ساتھ پوچھنے لگا کہ آیا بادشاہ کا یہ منشا ہے کہ ناپائدار چیزوں پر دائمی ٹیکس لگائے، جو بمرور زمانہ ناانصافی پر منتہی ہوگا؟ اس پر بادشاہ للکار کر بولا کہ اے مرد معلون وگستاخ! تو کن لوگوں میں سے ہے؟ اس نے جواب دیا کہ میں دبیروں میں سے ہوں، بادشاہ نے حکم دیا کہ اس کو قلم دانوں سے پیٹ پیٹ کر مار ڈالو اس پر ہر ایک دبیر نے اپنے اپنے قلم دان سے اس کو مارنا شروع کیا یہاں تک کہ وہ بیچارہ مرگیا، اس کے بعد سب نے کہا کہ ''اے بادشاہ! جتنے ٹیکس تو نے ہم پر لگائے ہیں، وہ ہمارے نزدیک سب انصاف پرمبنی ہیں'' (۲)۔

ہندوستان میں عزت وناموس کی تذلیل وتوہین اوران پس ماندہ طبقوں کی تحقیر (جن کو فاتح آرین قوم اور ملکی قانون نے ایک کمترین مخلوق قرار دیا تھا اور جو پالتو جانوروں سے صرف اس بات

---

(۱) اس کے لئے عربی میں ایک مستقل محاورہ بن گیا تھا کہتے تھے، کفر فلان یعنی جھکتے ہوئے اپنا ہاتھ سینہ پر رکھ کر تعظیماً سر جھکا دینا، یہ ایران کا عام رواج تھا، اور وہیں سے یہ اصطلاح نکلی اور لغت عرب میں داخل ہوئی ہے ''لسان العرب'' میں ہے کہ کفر کے معنی ہیں ایرانی کا اپنے بادشاہ کی تعظیم کرنا اور اہل کتاب کی تکفیر یہ ہے کہ تسلیم وآداب کے طور پر آدمی اپنا سر جھکا دے، انھوں نے جریر کے اس شعر سے استناد کرتے ہوئے فضعوا السلاح وکفروا التکفیر لکھا ہے کہ جیسے کوئی دیہاتی کسان اپنے مکھیا اور ذمہدار کے سامنے سینہ پر ہاتھ رکھ کر ادباً اپنا سر جھکا دیتا ہے (لسان العرب، ج ۷، ص ۴۶۶، مادہ کفر)

(۲) ایران بعہد ساسانیان، ص ۵۱۱، ماخوذ از ترجمہ پروفیسر محمد اقبال۔

میں مختلف تھے کہ دو پیروں پر چلتے تھے، اور آدمیوں جیسی شکل رکھتے تھے) تصور سے ماوراء ہے، اس قانون میں یہ باقاعدہ دفعہ موجود تھی کہ اگر کوئی شودر کسی برہمن کو نقصان پہونچانے کے لئے ہاتھ اٹھائے یا لاٹھی اٹھائے تو اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے اگر اس کو لات مارے تو اس کا پیر کاٹ دیا جائے اگر یہ دعویٰ کرے کہ وہ اس کو تعلیم دے سکتا ہے تو اس کو کھولتا ہوا تیل پلایا جائے (۱)، اس قانون کی رو سے کتے، بلی، مینڈک، گرگٹ، کوے، الو اور اس اچھوت طبقہ کے فرد کے قتل کا جرمانہ برابر تھا (۲)۔

رومی بھی اس معاملہ میں ایرانیوں سے کچھ زیادہ مختلف نہ تھے، اگر چہ بے شرمی اور تذلیل انسانیت میں یہ بلند درجہ ان کو حاصل نہ تھا، ایک مغربی مورخ VICTOR CHOPART اپنی کتاب THE ROMAN WORLD میں لکھتا ہے:-

> ''قیصر معبود سمجھے جاتے تھے، یہ بات موروثی وخاندانی طور پر نہ تھی، بلکہ جو بھی تخت وتاج کا ملک ہوتا وہ خدا تسلیم کرلیا جاتا تھا، اگر چہ اس میں ایسی کوئی نشانی اور علامت نہ ہوتی جو اس کو اس درجہ پر فائز ہونے کی طرف اشارہ کرتی (AUGUSTUS) کا شاہانہ لقب ایک شہنشاہ سے دوسرے شہنشاہ تک دستور وقانون کے بموجب منتقل نہیں ہوتا تھا، بلکہ رومی ایوانِ حکومت کا صرف اتنا کام تھا کہ ہر اس حکم پر جو شمشیر کی دھار پر صادر ہو صادر کر دیا کرے، یہ شہنشاہی صرف ایک فوجی آمریت (ڈکٹیٹر شب) کی ایک شکل تھی'' (۳)

اگر اس کا موازنہ عربوں کی اس حریت پسندی، عزت نفس اور ادب وتعظیم میں اعتدال سے کیا جائے جو ظہور اسلام سے قبل ان کے اندر ملتا ہے تو دونوں قوموں کے مزاج اور عربی وعجمی معاشرہ کا فرق اچھی طرح واضح ہو جائے گا، وہ بعض اوقات اپنے بادشاہوں کو "أبیت اللعن" و "عم صباحا" (۴) جیسے الفاظ سے خطاب کرتے تھے، یہ آزادی اور خودی شناسی اور اپنی عزت وناموس کی حفاظت وپاسبانی عربوں میں اس درجہ پر تھی کہ وہ اپنے ملوک وامراء کے بعض مطالبوں اور فرمائشوں کو پورا کرنے سے بھی بعض اوقات عذر کر دیتے تھے، اس سلسلہ میں یہ دلچسپ واقعہ تاریخ میں آتا ہے کہ ایک عرب بادشاہ نے بنی تمیم کے ایک شخص سے ایک گھوڑی جس کا نام ''سکاب'' تھا، طلب کی تو اس

---

(۱) منوشاستر (دسواں باب)

(۲) آر، سی، دت، ص ۳۲۲-۳۴۳۔

(۳) THE ROMAN WORLD (LONDON 1928)P. 418.

(۴) ''ابیت اللعن'' دعائیہ جملہ ہے، معنی یہ ہیں کہ آپ عیب سے محفوظ رہیں ''عم صباحا'' آپ اچھی طرح صبح کریں۔

نے دینے سے صاف انکار کر دیا اور یہ مشہور شعر کہے جس کا مطلع یہ ہے ؎

أبیت اللعن ان سکاب علق　　نفیس لا تعار ولا تباع

اور مقطع یہ ہے ؎

فلا تطمع أبیت اللعن فیها　　ومنعکها بشی یستطاع (۱)

یہ آزادی وخودنگری بلندیٔ نفس، اور شرافت وحوصلہ مندی عوام کے سب طبقوں میں موجود تھی، اور مردوں اور عورتوں دونوں میں پائی جاتی تھی، اس کا ایک نمونہ ہمیں حیرہ کے بادشاہ عمرو بن ہند کے قتل کے واقعہ میں نظر آتا ہے یہ واقعہ عرب مورخین نے اس طرح بیان کیا ہے کہ عمرو بن ہند نے مشہور عرب شہسوار اور شاعر عمرو بن کلثوم کی دعوت کی اور یہ خواہش کی کہ اس کی ماں بادشاہ کی ماں کے ساتھ دعوت میں شریک ہو، چنانچہ عمرو بن کلثوم بنو تغلب کی ایک جماعت کے ساتھ جزیرہ سے حیرہ کی طرف روانہ ہوا، اور اس کی ماں لیلی بنت مہلہل بھی بنی تغلب کے کچھ ذمہ داروں کے ساتھ روانہ ہوئی، عمرو بن ہند کا خیمہ حیرہ اور فرات کے درمیان نصب کیا گیا، ایک طرف عمرو بن ہند اپنے خیمہ میں داخل ہوا اور دوسری طرف لیلیٰ اور ہند خیمہ کے ایک علیحدہ کمرہ میں جمع ہوئیں، عمرو بن ہند نے اپنی ماں سے کہہ دیا تھا کہ جب کھانا لگ جائے تو نوکروں کو ذرا علیحدہ کر دینا اور کوئی ضرورت ہو تو لیلیٰ سے کام لینا، چنانچہ عمرو بن ہند نے دسترخوان لگانے کا حکم دیا، پھر کھانا لگوایا، اس درمیان میں ہند نے لیلیٰ سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا کہ بہن! ذرا یہ طباق تو مجھے اٹھا دو لیلیٰ نے کہا کہ "جس کو ضرورت ہو وہ خود اٹھائے" اس نے دوبارہ مانگا اور اصرار کرنے لگی اس وقت لیلیٰ نے صدا لگائی، ہائے کیا ذلت کی بات ہے، اے بنی تغلب! یہ آواز عمرو بن کلثوم نے سنی تو اس کی آنکھوں میں خون اتر آیا اس نے لپک کر عمرو بن ہند کی تلوار جو سامنے لٹک رہی تھی اٹھائی اور اس کے سر پر ماردی، اس کے ساتھ بنو تغلب نے خیمہ کو لوٹ لیا اور جزیرہ کی طرف واپس آئے، اسی واقعہ پر عمرو بن کلثوم نے وہ مشہور قصیدہ کہا جس کا شمار سبعہ معلقہ میں کیا جاتا ہے (۲)۔

اسی طرح جب مغیرہ بن شعبہ مسلمانوں کے سفیر بن کر رستم کے دربار میں گئے تو وہ اپنی پوری شان وشوکت اور لوازم امارت کے ساتھ اپنے تخت پر بیٹھا تھا، مغیرہ ابن شعبہؓ عربوں کی عادت کے

(۱) دیوان الحماسہ باب الحماسہ، ص ۶۷۔۶۸ شعر کا مطلب یہ ہے کہ "اے بادشاہ! یہ بہت قیمتی اور نفیس گھوڑی ہے، نہ اس کو عاریتاً دیا جاسکتا ہے، نہ اسے بیچا جاسکتا ہے، اس کو حاصل کرنے کی آپ کوشش نہ کریں، اس کا آپ سے روکنا میرے لئے ممکن ہے"۔

(۲) کتاب الشعر والشعراء لابن قتیبہ، ص ۳۶۔

موافق اسی کے ساتھ اس کے تخت پر گاؤں تکیہ کے پاس بیٹھ گئے، اس کے درباری فوراً ان پر ٹوٹ پڑے، اور ان کو نیچے اتار لائے، اس پر انھوں نے کہا کہ ہم کو تو یہ خبریں ملی تھیں کہ تم لوگ بہت عقل مند ہو لیکن مجھے تم سے زیادہ بیوقوف کوئی نظر نہیں آتا، ہم عرب تو سب سے برابری کا معاملہ کرتے ہیں، ہم میں سے کوئی کسی کو غلام نہیں بناتا سوائے حالت جنگ کے، میرا گمان تھا کہ تم بھی اپنی قوم سے اسی طرح مساوات و برابری کا معاملہ کرتے ہوگے، اس سے بہتر یہ تھا کہ تم مجھے پہلے ہی مطلع کر دیتے کہ تم نے آپس میں ایک دوسرے کو خدا بنا رکھا ہے، اور یہ معاملہ تمہارے ساتھ طے نہ ہو سکے گا، اس صورت میں ہم تم سے یہ برتاؤ نہ کرتے اور نہ تمہارے پاس آتے، لیکن تم نے ہمیں خود دعوت دی ہے (۱)۔

جزیرۃ العرب میں آخری نبی کی بعثت کا دوسرا سبب جزیرۃ العرب اور مکہ میں کعبہ کا وجود تھا، جس کو حضرت ابراہیم وحضرت اسماعیل علیہما السلام نے اس لئے تعمیر کیا تھا کہ ایک اللہ کی عبادت کی جائے، اور یہ جگہ ہمیشہ کے لئے توحید کی دعوت کا مرکز بنے۔

اِنَّ اَوَّلَ بَيۡتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِىۡ بِبَكَّةَ (۲) مُبٰرَكاً وَّهُدًى لِّلۡعٰلَمِيۡنَ. (۳)

پہلا گھر جو لوگوں کے عبادت کرنے کے لئے مقرر کیا تھا، وہی ہے جو مکہ میں ہے بابرکت اور جہان کے لئے موجب ہدایت۔

بائبل (عہد عتیق) میں اس قدر تحریف کے باوجود ''وادی بکہ'' کے الفاظ آج تک موجود ہیں، لیکن مترجمین نے اسکو ''وادی البکاء'' بنادیا ہے اور علم کے بجائے نکرہ کردیا ہے ''مزامیر داؤد'' کے الفاظ جو عربی میں آتے ہیں وہ یہ ہیں:۔

''طوبیٰ لأناس عزهم بك، طرق بيتك فى قلوبهم عابرين فى وادى البكاء يصيرونه ينبوعاً۔ (مزامیر (٤)، ٨٤۔ ٥۔ ٦۔ ٧)

''مبارک وہ انسان جس میں قوت تجھ سے ہے، ان کے دل میں تیری راہیں ہیں وہ بکا کی وادی میں گذرتے ہوئے اسے ایک کنواں بناتے (کتاب مقدس، برٹش اینڈ فارن بائبل سوسائٹی)۔

لیکن علمائے یہود کو صدیوں کے بعد احساس ہوا کہ یہ ترجمہ غلط ہے چنانچہ (JEWISH

---

(۱) تاریخ طبری، ج ۴، ص ۱۰۸۔

(۲) بکہ بلد حرام کا نام ہے، اس کے بکہ اور مکہ دونوں نام آتے ہیں اس لئے کہ عربی زبان میں میم اور ب میں اکثر تبادلہ ہوتا رہتا ہے، جیسے، لازم اور لازب اور ملیط اور بلیط۔

(۳) سورۂ آل عمران آیت، ۹۶

(۴) الکتاب المقدس فی ساحة استور من مدینة نیویارک لندن، سن ۱۸۰۷ء۔

ENCYCLOPEDIA) میں یہ اعتراف موجود ہے کہ وہ ایک مخصوص وادی ہے جس میں پانی نہ ملتا تھا اور جس نے یہ (مذکورہ بالا) عبارت لکھی ہے اس کے ذہن میں ایک ایسی وادی کی تصویر تھی جس کے خاص قدرتی حالات تھے جس کی ترجمانی اس نے ان الفاظ سے کی ہے(۱)۔

ان صحیفوں کے انگریزی مترجموں نے ترجمہ صحت واحتیاط کا عربی مترجموں سے زیادہ ثبوت دیا ہے، انھوں نے ''بکہ'' کا لفظ اسی طرح باقی رکھا ہے جیسا کہ اصل صحیفہ میں تھا انھوں نے اس کو حرف ''B'' نہ کہ ''b'' سے لکھا ہے جیسے عام طور پر اسماء واعلام کو لکھا جاتا ہے، یہ انگریزی ترجمہ درج ذیل ہے(۲)۔

(BLESSIED IS THE MAN WHOSE STRENGTH IS IN THEE IN WHOSE HEART ARI THE WAYS OF THEM WHO PASSING THROUGH THE VALIEY OF BACA MAKI IT A WELL PSALM 84:5-6)

(مبارک باد ہے ان لوگوں کو جن کی عزت وقوت تیرے ساتھ ہے، جن کے دلوں میں تیرے راستے ہیں، جو وادی بکہ کو عبور کریں گے اور اس کو ایک کنواں بنائیں گے)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت مبارکہ حضرت ابراہیم واسماعیل علیہما السلام کی اس دعا کا نتیجہ تھی جو انھوں نے کعبہ کی بنیادیں رکھتے اور اس کی تعمیر کرتے وقت کی تھی، یہ دعا یہ ہے۔

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ. (سورۂ بقرہ۔۱۲۹)

اے ہمارے پروردگار! ان لوگوں میں انھیں میں سے ایک پیغمبر مبعوث کیجیو جو ان کو تیری آیتیں پڑھ پڑھ کر سنایا کرے اور کتاب اور دانائی سکھایا کرے اور ان کے دلوں کو پاک صاف کیا کرے، بے شک تو غالب اور صاحب حکمت ہے''۔

اللہ تعالیٰ کی سنت ہے کہ وہ اپنے مخلصین وصادقین اور اپنی ذات عالی سے لولگانے والوں اور دامنِ احتیاج پھیلانے والوں کی دعا ضرور قبول کرتا ہے انبیاء ومرسلین کا رتبہ تو اس سے بھی اونچا ہے، صحف سماویہ اور اخبار صادقہ ان مثالوں سے لبریز ہیں، خود توریت میں اس کا ثبوت موجود ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یہ دعا قبول کی، کتاب پیدائش (۲۰) کے صاف الفاظ یہ ہیں:۔

''اور اسماعیل کے حق میں میں نے تیری سنی، دیکھ میں اسے برکت دوں گا، اور

VOL. H.P. 415.(۱)

(۲) ماخوذ از تفسیر ماجدی از مولانا عبدالماجد دریابادی، ورحمۃ للعالمین۔ از قاضی سلیمان منصورپوری۔ جلد اول۔

اسے برومند کروں گا اور اسے بہت بڑھاؤں گا اور اس سے بارہ سردار پیدا ہوں گے اور میں اسے بڑی قوم بناؤں گا"۔

اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ اپنے بارہ میں فرمایا کرتے تھے کہ "انا دعوة ابراهيم وبشرى عيسىٰ(۱)" (میں ابراہیمؑ کی دعا اور عیسیٰؑ کی بشارت ہوں) توریت میں (اس کی تحریف کے باوجود) اب تک اس کے شواہد ملتے ہیں کہ یہ دعا قبول ہوئی، کتاب استثناء (۱۸۔۱۵) میں موسیٰ علیہ السلام کی زبان سے یہ الفاظ نقل کیے گئے ہیں۔

"يقيم لك الرب الهك نبياً من وسطك من اخوتك مثلى له تسمعون"

ترجمہ: خداوند تیرا خدا تیرے لئے تیرے ہی درمیان سے تیرے ہی بھائیوں میں سے میری مانند ایک نبی برپا کرے گا، تم اس کی طرف کان دھریو۔

"اخوتك" (تیرے ہی بھائیوں) کا لفظ خود بتارہا ہے کہ اس سے مراد بنی اسماعیل ہیں، جو بنی اسرائیل کے ابناء عم تھے، اسی صحیفہ میں دو آیتوں کے بعد یہ الفاظ درج ہیں۔

"قال لى الرب قد أحسنوا فيما تكلموا أقيم لهم نبياً من وسط اخوتهم مثلك واجعل كلامى فى فمه فيكلمهم بكل ما أوصيه به" (سفر التثنه۔۱۸۔۱۷۔۸)

''اور خداوند نے مجھے کہا کہ انھوں نے جو کچھ کہا سو اچھا کہا، میں ان کے لئے ان کے بھائیوں میں سے تجھ سا ایک نبی برپا کروں گا، اور اپنا کلام اس کے منھ میں ڈالوں گا اور جو کچھ میں اسے فرماؤں گا وہ سب ان سے کہے گا''۔

"أجعل كلامى فى فمه" (اپنا کلام اس کے منھ میں ڈالوں گا) کے الفاظ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی متعین طور پر نشان دہی کرتے ہیں، اس لئے کہ آپ ہی وہ تنہا نبی ہیں جن پر اللہ تعالیٰ کا کلام لفظاً ومعناً نازل ہوا، اور اللہ تعالیٰ نے اس کا اعلان بھی فرمایا۔

وَمَايَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى (سورۂ نجم ۔۳۔٤)

اور نہ خواہش نفس سے منھ سے بات نکالتے ہیں، یہ قرآن تو حکم خدا ہے جو ان کی طرف بھیجا جاتا ہے۔

دوسری جگہ آتا ہے۔

لَايَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ ،تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ.(سورۂ حٰمٓ

(۱) مسند امام احمد۔

سجدہ:٤٢)

اس پر جھوٹ کا دخل نہ آگے سے ہوسکتا ہے، نہ پیچھے سے، دانا اور خوبیوں والے خدا کی اتاری ہوئی ہے۔

اس کے برخلاف انبیاء بنی اسرائیل کے صحیفے اس کا بالکل دعویٰ نہیں کرتے کہ وہ لفظاً ومعناً دونوں طرح اللہ کا کلام ہیں، ان کے علماء بھی ان کو انبیاء کی طرف منسوب کرنے میں تکلف سے کام نہیں لیتے، جیویش انسائیکلو پیڈیا میں آتا ہے کہ:۔

> ''کتاب مقدس (عہد قدیم) کی پہلی پانچ کتابیں (جیسا کہ قدیم یہودی مذہبی روایات ہمیں بتاتی ہیں) موسیٰؑ کی تالیف ہیں، آخری آٹھ آیات کو مستثنیٰ کرکے (جن میں موسیٰ کے انتقال کا واقعہ بیان کیا گیا ہے) ربّی (یہودی عالم) اس تضاد، اور ایک دوسرے سے مختلف روایات پر غور کرتے رہتے ہیں، جو ان صحیفوں میں آئی ہیں، اور اس میں اپنی حکمت وذہانت سے اصلاح کرتے رہتے ہیں(۱)''۔

جہاں تک اناجیل اربعہ کا تعلق ہے جن کو ''عہد جدید'' کہا جاتا ہے ان کو لفظاً ومعناً کلام الٰہی ہونے سے دور کا بھی واسطہ نہیں، اس کا اطمینان ہر وہ شخص کرسکتا ہے، جس کی ان کتابوں پر نظر ہے، واقعہ یہ ہے کہ یہ کتابیں سوانح ووقائع کی کتابیں زیادہ معلوم ہوتی ہیں، خدا کی نازل کردہ کتابیں جو وحی والہام پر مبنی ہوں کم۔(۲)

اس کے بعد جزیرۃ العرب کے مخصوص جغرافیائی محل وقوع کا نمبر آتا ہے جس نے اس کو سب سے موزوں مرکز دعوت کی شکل دے دی ہے، جہاں سے یہ دعوت وپیغام ساری دنیا کو پہونچایا جاسکتا ہے، اور ساری قوموں کو خطاب کیا جاسکتا ہے، ایک طرف وہ براعظم ایشیاء کا ایک حصہ ہے دوسری طرف براعظم افریقہ اور اس کے بعد یورپ سے بھی قریب ہے اور یہ سب وہ علاقے ہیں، جو تہذیب وتمدن، علوم وفنون اور مذاہب وافکار کا ہمیشہ مرکز رہے، اور جہاں بڑی وسیع، اور طاقتور سلطنتیں قائم ہوئیں، پھر یہ علاقہ تجارتی کاروانوں کی گذرگاہ بھی تھا، جس کے ذریعہ مختلف ممالک کے لوگ ایک دوسرے سے ملتے تھے، یہ کئی براعظموں کو جوڑتا تھا، اور ایک جگہ کی مخصوص اشیاء اور پیداوار دوسری جگہ

---

(1) JIWISH INCYCLOPEDIA VOL. 9, P. 589

(۲) تفصیل کے لئے ملاحظہ کریں ہماری کتاب ''منصب نبوت'' کا ساتواں خطبہ ''ختم نبوت''، فصل ''آسمانی صحیفے اور قرآن علم وتاریخ کی روشنی میں''۔

جہاں اس کی ضرورت تھی منتقل کرتا تھا(۱)، یہ جزیرہ نمائے عرب دو زبردست برسرِپیکار طاقتوں کے درمیان واقع تھا، عیسائی طاقت اور مجوسی طاقت، مغرب کی طاقت اور مشرق کی طاقت، لیکن اس کے باوجود اپنی آزادی اور اپنی شخصیت کی اس نے ہمیشہ حفاظت کی اور اپنے چند سرحدی مقامات اور بعض قبائل کو چھوڑ کر اس نے کبھی ان طاقتوں کی ماتحتی قبول نہیں کی وہ نبوت کی ایک ایسی عالمی دعوت کا بجا طور پر مرکز بن سکتا تھا جو بین الاقوامی خطوط پر قائم ہو، انسانیت کو بلند سطح سے خطاب کر سکے، ہر قسم کے سیاسی دباؤ اور غیر ملکی اثرات سے بالکلیہ آزاد ہو۔

ان سب وجوہ کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے جزیرۃ العرب اور مکہ مکرمہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت، وحی آسمانی کے نزول اور دنیا میں اسلام کی اشاعت کے عالم گیر مرکز اور نقطۂ آغاز کے طور پر منتخب فرمایا۔

اَللّٰهُ أَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَه (سورة الانعام ـ ١٢٤)

اور اللہ تعالیٰ زیادہ جانتا ہے کہ اس کا پیغام کہاں اور کس کے حوالہ کیا جائے۔

---

(۱) ڈاکٹر حسین کمال الدین نے جو ریاض یونی ورسٹی کے انجینئرنگ کالج میں سول انجینئرنگ کے شعبہ کے صدر ہیں اپنے ایک پریس انٹرویو میں کہا کہ وہ ایک نئے جغرافیائی نقطۂ نظر پر پہونچ چکے ہیں جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مکہ مکرمہ روئے زمین پر (خشکی کے حصہ) کے مرکز کی حیثیت رکھتا ہے انھوں نے اپنی تحقیق کا آغاز ایک ایسے نقشہ سے کیا جس میں مکہ مکرمہ سے دوسرے مقامات کی مسافتیں دکھائی گئی تھیں، ان کا مقصد اس سے دراصل ایک ایسے کم قیمت آلہ کی تیاری تھی جو سمت قبلہ کا تعین کر سکے، اسی درمیان میں ان پر یہ حقیقت واضح ہوئی ہے کہ مکہ مکرمہ ٹھیک دنیا کے وسط میں واقع ہے اسی تحقیق سے ان پر یہ راز بھی منکشف ہوا کہ مکہ مکرمہ کو بیت اللہ کا مرکز اور ہدایت آسمانی کا نقطۂ آغاز بنانے میں خدا کی مصلحت کیا تھی (روزنامہ الاہرام، ۵/جنوری ۱۹۷۷ء)

عرب کا تاریک ترین دور
اور ایک مستقل نبی کی بعثت کی ضرورت

ان صلاحیتوں اور خوبیوں کے باوجود جن سے اللہ تعالیٰ نے عربوں کو سرفراز کیا تھا اور جن کی وجہ سے بعثت محمدی اور ظہور اسلام کے لئے ان کا انتخاب فرمایا تھا، جزیرۃ العرب میں بیداری اور بے چینی کے کوئی آثار نظر نہ آتے تھے اور حنفاء(۱) اور تلاشِ حق کا جذبہ رکھنے والے چند نفوس باقی رہ گئے تھے جو انگلیوں پر گنے جا سکتے تھے، اور جن کی حیثیت برسات کی اندھیری اور ٹھٹھری ہوئی رات میں جگنوؤں سے زیادہ نہ تھی جو نہ کسی گم گشتہ کو راہ دکھا سکتے ہیں نہ کسی کو گرمی و حرارت پہنچا سکتے ہیں۔

یہ دور جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی، جزیرۃ العرب کی تاریخ کا بھی تاریک ترین دور تھا، یہ ملک ظلمت وانحطاط کی اس آخری منزل پر تھا، جب اصلاح کی امید ختم ہو جاتی ہے، یہ وہ سخت وجاں گداز اور سنگین مرحلہ تھا، جو کسی نبی کو تبلیغ کے راستہ میں پیش آیا ہوگا۔

سیرت نبوی کے ایک انگریز مصنف (SIR WILLIAM MUIR) نے جو اسلام اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارہ میں اپنی خوردہ گیری اور عیب چینی میں مشہور ہے، اس دور کی خوب تصویر کھینچی ہے، اور مغربی مصنفین کے اس نقطۂ نظر کی تردید کی ہے کہ آپ کی بعثت سے قبل لاوا بالکل پک چکا تھا، محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف اتنا کیا کہ بروقت اور صحیح جگہ پہونچ کر اس کو آگ دکھادی، چنانچہ یہ لاوا پھوٹ پڑا، وہ کہتا ہے۔

> ''محمد کے عنفوان شباب کے زمانہ میں جزیرہ نمائے عرب بالکل ناقابل تغیر تھا، شاید اس سے زیادہ نا امیدی کی حالت کسی اور زمانہ میں نہیں تھی'' (۲)

یہی مصنف دوسری جگہ لکھتا ہے:۔

> ''فروغ عیسائیت کی معمولی کوششوں نے عرب کی اوپری سطح پر وقتاً فوقتاً معمولی

---

(۱) حنفاء ان کو کہتے ہیں جو بت پرستی چھوڑ چکے تھے، اور اپنی سمجھ کے مطابق ابراہیمی عقیدہ پر قائم تھے۔

(۲) WILLIAM MUTR THE LIFE OF MOHAMMED VO. I. LONDON (858) P. CCXXXV-III

ارتعاش تو پیدا کیا تھا، اور نسبتاً شدید تر یہودی اثرات کبھی کبھی اندرونی سطح میں بھی نظر آجاتے تھے، لیکن مقامی بت پرستی اور اسماعیلیوں کی توہم پرستی کا تیز دھارا ہر سمت سے کعبہ کی جانب امڈ کر آرہا تھا، اور اس کا واضح ثبوت مہیا کر رہا تھا کہ مکہ کا مذہب اور طریقۂ عبادت عربوں کے ذہن پر شدت کے ساتھ اور بلا شرکتِ غیرے قابض ہو چکا تھا"۔(۱)

اسی تاریخی حقیقت کا باسورتھ اسمتھ (BOSWORTH SMITH) نے اختصار لیکن طاقت اور وضاحت کے ساتھ اظہار کیا ہے، وہ لکھتا ہے:۔

"سب سے زیادہ فلسفیانہ رجحان رکھنے والا ایک مورخ کہتا ہے کہ ان تمام انقلابات میں جنہوں نے انسانیت کی عمرانی تاریخ پر لافانی نقوش چھوڑے ہیں، ان میں کسی کا ظہور عقلِ انسانی کے لئے اتنا غیر متوقع نہ تھا جتنا کہ عرب کے اس مذہب کا۔

ہمیں پہلی ہی نظر میں یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ علم تاریخ (اگر علم تاریخ نام کی کوئی چیز ہے) اس سے قاصر ہے کہ وہ اسباب وعلل کی ان کڑیوں کو تلاش کرے جن کا تلاش کرنا اس کا فرض ہے"(۲)۔

نبی کی ضرورت

چھٹی صدی عیسوی کے وسط میں حالات کا بگاڑ اتنا بڑھ گیا تھا اور انسانیت کی پستی اس حد کو پہونچ چکی تھی کہ اب وہ کسی مصلح، ریفارمر اور معلم اخلاق کے بس کی بات نہ تھی، مسئلہ ایک عقیدہ کی تصحیح کا، کسی مخصوص عادت کو بدلنے کا یا کسی طریقۂ عبادت کی ترویج کا یا کسی معاشرہ کی سماجی اصلاح کا نہ تھا، اس کے لئے وہ مصلح اور معلمین اخلاق کافی تھے جن سے کوئی زمانہ اور کوئی علاقہ کبھی خالی نہیں رہا، مسئلہ یہ تھا کہ جاہلیت کے مشرکانہ وبت پرستانہ اور انسانیت کے اس مہلک اور تباہ کن ملبہ کو کس طرح ہٹایا اور صاف کیا جائے جو صدیوں اور نسلوں سے تلے اوپر جمع ہورہا تھا، اور جس کے نیچے انبیاء کرام کی صحیح تعلیمات اور مصلحین کی مساعی اور خدمات دفن تھیں، پھر اس کی جگہ پر وہ نئی مستحکم اور عظیم الشان، وسیع وعریض اور بلند وبالا عمارت کیسے قائم کی جائے، جس کے سایۂ رحمت میں ساری انسانیت کو پناہ مل سکے، مسئلہ یہ تھا کہ وہ انسان کیوں کر بنایا جائے جو اپنے پیش روانسان سے ہر چیز میں جدا ہو اور ایسا نظر

---

(۱) WILLIAM MUIR THE LIFE OF MAHOMMED VIL. I. LONDON 1858.P. CCXXXIX

(۲) MOHAMMED AND MOHAMMEDANISM (LONDON, 1876) P. 105

آ ئے کہ وہ ابھی ابھی وجود میں آیا ہے، یا اس کو نئی زندگی ملی ہے۔

أَوَمَنْ كَانَ مَيْتاً فَأَحْيَيْنٰهُ وَجَعَلْنَا لَهُ نُوراً يَمْشِي بِهِ فِي النَّاسِ كَمَنْ مَّثَلُهُ فِي الظُّلُمٰتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا. (سورۂ انعام۔ ۱۲۲)

بھلا جو پہلے مردہ تھا پھر ہم نے اس کو زندہ کیا اور اس کے لئے روشنی کردی جس کے ذریعہ لوگوں میں چلتا پھرتا ہے کہیں اس شخص جیسا ہوسکتا ہے جو اندھیرے میں پڑا ہوا ہو اور اس سے نکل ہی نہ سکے۔

یہ مسئلہ فساد کی جڑ کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ختم کرنے اور بت پرستی کی بنیاد کو بیخ و بن سے اس طرح اکھاڑ پھینکنے کا تھا کہ دور دور اس کا کوئی اثر اور نشان باقی نہ رہ جائے اور عقیدۂ توحید نفس انسانی کی گہرائیوں میں عملاً اس طرح پیوست اور راسخ کر دیا جائے کہ اس سے زیادہ تصور کرنا مشکل ہے، اس کے اندر اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی اور عبادت کا رجحان، انسانیت کی خدمت اور حق پرستی کا جذبہ اور ہر غلط خواہش اور شوق کو لگام دینے کا ملکہ اور اس کی صلاحیت وقوت پیدا کی جائے مختصر یہ کہ انسانیت کو (جو خودکشی پر آمادہ تھی بلکہ اس کے لئے پر تول چکی تھی، اور اس میں اپنی دانست میں اس نے کوئی کسر نہ چھوڑی تھی) کمر پکڑ کے دنیا و آخرت کے جہنم سے بچایا جائے، اور اس کو شاہراہ پر ڈالا جائے جس کا پہلا سرا وہ حیات طیبہ ہے، جو عارفین و اہل ایمان کو اس دنیا ہی میں نصیب ہوتی ہے، اور دوسرا اور انتہائی سرا وہ ہمیشہ رہنے والی جنت ہے جس کا تقویٰ کی زندگی اختیار کرنے والوں سے وعدہ کیا گیا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے احسان کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں جو ارشاد فرمایا ہے، اس سے بڑھ کر اس صورت حال کی کوئی تصویر اور ترجمانی نہیں ہوسکتی ہے، ارشاد ہے۔

وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنْتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ إِخْوَاناً، وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَأَنْقَذَكُمْ مِنْهَا. (سورۂ آل عمران۔ ۱۰۳)

اور خدا کی اس مہربانی کو یاد کرو جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے، تو اس نے تمہارے دلوں میں الفت ڈال دی اور تم اس کی مہربانی سے بھائی بھائی ہوگئے اور تم آگ کے گڑھے کے کنارے تک پہونچ چکے تھے تو خدا نے تم کو اس سے بچالیا۔

بنی نوع انسان کی پوری تاریخ میں ہمیں اس سے زیادہ نازک اور پے چیدہ کام اور اس سے بڑی اور عظیم الشان ذمہ داری نظر نہیں آتی جو ایک نبی اور فرستادۂ الٰہی کی حیثیت سے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ڈالی گئی، نہ کوئی کھیتی اتنی زرخیز ثابت ہوئی اور برگ و بار لائی جیسی آپ کی، نہ کوئی کوشش و سعی اتنی بار آور ثابت ہوئی جتنا آپ کی سعی انسانیت عامہ کے حق میں مفید و حیات بخش ثابت ہوئی، یہ عجائبات

تاریخ کا سب سے بڑا عجوبہ، اور دنیا کا سب سے بڑا معجزہ ہے، اسکی شہادت مشہور فرانسیسی ادیب اور شاعر نے بھی بڑی قوت وبلاغت اور وضاحت وصراحت کے ساتھ دی ہے، یہ ادیب لیمر ٹائن (LAMARTIN) ہے، وہ نبوت محمدی کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے کہتا ہے:۔

''کسی بھی انسان نے کبھی بھی شعوری یا غیر شعوری طور پر اپنے لئے اتنا رفیع الشان مقصد منتخب نہیں کیا اس لئے کہ یہ مقصد انسان کی طاقت سے باہر تھا، توہمات اور خوش اعتقادیوں کو جو انسان اور اس کے خالق کے درمیان حجاب بن گئی تھیں، زیروزبر کرنا، انسان کو خدا کے حوالہ کرنا اور خدا کی چوکھٹ پر انسان کو لانا، اس زمانہ کی اصنام پرستی کے مادی خداؤں کی جگہ خدائے واحد کے پاکیزہ اور عقلی تصور کو از سر نو بحال کرنا، یہ تھا وہ عظیم مقصد کسی انسان نے کبھی بھی ایسے عظیم الشان کام کا جو کسی صورت سے انسانی طاقتوں کے بس کا نہ تھا، اتنے کمزور ذرائع کے ساتھ بیڑا نہیں اٹھایا''

آگے لکھتا ہے:۔

''اس سے بھی زیادہ آپ کا یہ کارنامہ ہے کہ آپ نے قربان گاہوں، دیوتاؤں، مذاہب، تصورات، عقائد اور نفوس کے اندر ایک تہلکہ ڈال دیا، ایک ایسی کتاب کو اساس بنا کر جس کا ہر حرف قانون کی حیثیت رکھتا ہے آپ نے ایسی روحانی ملت کی تشکیل کی جو ہر نسل اور ہر زبان کے افراد پر مشتمل ہے، اس ملت اسلامیہ کی امت کی خصوصیت، جسے محمدؐ نے ہمارے لئے ورثہ میں چھوڑا ہے، یہ ہے: اسے جھوٹے خداؤں سے سخت نفرت ہے، اور مادہ سے مبرا خدا سے شدید لگاؤ، یہی محبت اسے خدائے واحد کی اہانت کے خلاف انتقام پر مجبور کردیتی ہے، اور یہی محبت محمدؐ کے متبعین کی خوبیوں کی بنیاد بنتی ہے، اپنے عقائد کو ایک تہائی دنیا سے تسلیم کرالینا بے شک آپ کا معجزہ تھا، لیکن زیادہ صحیح تو یہ ہے کہ یہ ایک فرد کا نہیں بلکہ عقل کا معجزہ ہے خدا کی توحید کے تصور کا ایسے دور میں اعلان کرنا جب کہ دنیا لاتعداد ضمنی خداؤں کی پرستش کے بوجھ سے دبی ہوئی تھی، بذات خود ایک قوی معجزہ تھا، محمد کی زبان سے جیسے ہی اس عقیدہ کا اعلان ہوا، بتوں کے تمام قدیم معبدوں میں خاک اڑنے لگی، اور ایک تہائی دنیا ایمانی حرارت سے لبریز ہوگئی'' (۱)

یہ عمومی اور ہمہ گیر انقلاب اور انسانیت کی حیات نو یا تعمیر نو کا عظیم الشان کام نئی رسالت کا

---

(۱) لیمر ٹائن LAMARTINE ہسٹوری ڈی لاٹرکی HISTORY DI LA TURQUIE جلد دوم، ص ۲۷۶۔۲۷۷ پیرس (۱۸۵۴ء) ماخوذ از ''اسلام ان دی ورلڈ'' تصنیف ڈاکٹر زکی علی لاہوری (۱۹۴۷ء) ص ۱۶۔۱۵۔

طالب تھا جو تمام رسالتوں اور نبوتوں سے بڑھ کر ہو اور ایسے نبی کا خواستگار تھا جو ہدایت اور دین حق کا پرچم آفاق عالم میں ہمیشہ کے لئے بلند کر دے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

لَمْ يَكُنِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَالْمُشْرِكِيْنَ مُنْفَكِّيْنَ حَتّٰى تَاْتِيَهُمُ الْبَيِّنَةُ، رَسُوْلٌ مِّنَ اللّٰهِ يَتْلُوْا صُحُفاً مُّطَهَّرَةً، فِيْهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ. (سوره بينه۔ ١ ـ ٣)

جو لوگ کافر ہیں یعنی اہل کتاب اور مشرک، وہ کفر سے باز رہنے والے نہ تھے، جب تک کہ ان کے پاس کھلی دلیل نہ آتی، یعنی خدا کے پیغمبر جو پاک اوراق پڑھتے ہیں جن میں مستحکم آیتیں لکھی ہوئی ہیں۔

جزیرۃ العرب(۱)

جزیرۃ العرب کے حدود

جزیرۃ العرب اپنے طول وعرض میں دنیا کا سب سے بڑا جزیرہ نما ہے، علمائے عرب مجازاً اس پر جزیرۃ العرب کا اطلاق کرتے ہیں (۲)، اس کے تین طرف پانی ہے، یہ ملک ایشیا کے جنوب مغرب میں واقع ہے، اس کے مشرق میں خلیج عرب ہے، جسے یونانی خلیج فارس کے نام سے جانتے ہیں، اس کے جنوب میں بحر ہند ہے اور اسکے مغرب میں بحر احمر ہے جیسا کہ ان جدید نقشوں میں دکھایا جاتا ہے، اور یونانی ولاطینی اصطلاح میں اس کو خلیج عرب (SINUS ARABICUS) کے نام سے نمایاں کیا جاتا ہے، اور قدیم عربی کتابوں میں بحر قلزم کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اس کی شمالی حدود وہ مفروضہ سرحدی خط ہے جو (علمائے عرب کی اصطلاح میں) خلیج عقبہ سے خلیج عرب میں شط العرب کے دہانے تک گذرتا ہے۔

مسلمانوں کے جزیرۃ العرب کو پانچ قسموں پر تقسیم کیا جاتا ہے۔ ا۔حجاز، جوایلہ (عقبہ) سے یمن تک ہے اور ان کی رائے میں حجاز اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ اس پہاڑی سلسلے پر مشتمل ہے، جو تہامہ کو (جو بحر احمر کے ساحل کی نشیبی زمین ہے) نجد سے الگ کرتا ہے، ۲۔ تہامہ جس کا ابھی بیان ہوا، ۳۔ یمن، ۴۔ نجد۔ یہ وہ مرتفع حصہ ہے جو حجاز کے پہاڑوں سے شروع ہو کر مشرق میں صحرائے بحرین تک چلا جاتا ہے، یہ وسیع و مرتفع علاقہ ہے جس میں بہت سے ریگستان اور پہاڑ واقع ہیں،

(۱) ہم نے اس حصہ میں قارئین سیرت کے لئے انہی بنیادی معلومات کا انتخاب کیا ہے جنھیں جاننا ضروری ہے جیسے اس خطے کی طبعی حالت وجغرافیہ، اقوام و مذاہب کی تاریخ میں اسکا مقام، اس کے باشندوں کے رجحانات وغیرہ، اس طرح سیرت کا مطالعہ کرنے والا اس ماحول سے بالکل ناواقف نہیں رہے گا، جس میں کار نبوت کی عظیم مہم انجام دی گئی، یہ مضمون ان قدیم وجدید کتابوں سے ماخوذ ہے، جو جزیرۃ العرب پر لکھی گئی ہیں ہم نے خاص طور پر ڈاکٹر جواد علی کی کتاب المفصل فی تاریخ العرب قبل الاسلام (ا۔۹) سے زیادہ استفادہ کیا ہے، اس سے زیادہ تفصیل کا محل وہ کتابیں ہیں، جو جزیرۃ العرب کے جغرافیہ پر لکھی گئی ہیں، یا تمدن عرب اور تاریخ ادب عربی سے متعلق ہیں ان کی تعداد بہت ہے۔

(۲) ملک عرب کے لئے جزیرۃ العرب کا استعمال قدیم زمانہ سے عام ہے حقیقتاً قدیم زمانہ میں جزیرۃ اور جزیرہ نما کے درمیان فرق کرنے اور ان کے لئے علیحدہ لفظ بولنے کا رواج نہ تھا، بعض اہل علم نے اس کو جدید جغرافیائی اصطلاح میں جزیرہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے جس کا ایک نمونہ علامہ خضری کی کتاب "تاریخ الامم الاسلامیہ" حصہ اول میں دیکھا جاسکتا ہے، لیکن یہ کوشش تکلف سے خالی نہیں اور اس میں جزیرۃ العرب کے حدود کو بہت دور تک لے جانے کی ضرورت پڑتی ہے۔

۵۔عروض! اس کے مشرق میں بحرین، اور مغرب میں حجاز ہے، اسے عروض یمن اور نجد کے درمیان میں ہونے کی وجہ سے کہتے ہیں، اسے یمامہ بھی کہا جاتا ہے(۱)۔

جزیرۃ العرب کے طبعی حالات اور اس کے باشندے

اس پورے جزیرہ نما پر صحرائیت کا غلبہ ہے اور طبعی عوامل اور ارضیاتی حوادث اور اپنے جغرافی جائے وقوع کے سبب اس پر خشکی غالب ہے، اسی وجہ سے ماضی اور زمانۂ حال میں اس کے باشندوں کی تعداد بہت کم رہی ہے، اور متمدن معاشرے اور بڑی مرکزی حکومتیں وجود میں نہ آسکیں، بدویت اور اس کے دیہاتی رنگ، انفرادیت کے شدید رجحان، قبائل کے جنگ وجدال کے سبب تمدن سرسبز علاقوں اور ان جگہوں میں سمٹ کر رہ گیا ہے جہاں اچھی بارش ہوتی یا سوتے اور چشمے پھوٹتے تھے، یا جہاں پانی سطح زمین سے قریب ہوتا اور اس میں کنویں کھودے جاسکتے تھے، اس لئے کہنا چاہئے کہ جزیرۃ العرب میں زندگی کی سرگرمی پانی کی بدولت باقی رہتی تھی، چنانچہ قافلے اسی کا رخ کرتے اور اسی کی تلاش میں رہتے ، اور رفطرت اعراب کو ہر جگہ سے لاکر شاداب علاقوں میں جمع کردیتی تھی، وہ کسانوں کی طرح زمین سے ایک جگہ چمٹے نہیں رہتے تھے بلکہ کسی سرزمین پر وہ اسی وقت تک قیام پذیر رہتے تھے، جب تک وہاں جانوروں کے لئے گھاس چارہ اور ان کے لئے پانی رہتا تھا، اور جب یہ سہولت ختم ہوجاتی تو وہ نئی جگہوں کی تلاش میں چل پڑتے تھے۔

اس وجہ سے ان کی زندگی جفاکشی اور سختی کا نمونہ تھی، اور ان کی سوسائٹی قبیلہ کی شکل اختیار کرلیتی، قبیلہ ایک بدوی کے لئے حکومت وقومیت کے مرادف ہوتا تھا اور یہ قبائلی زندگی راحت طلبی اور استقرار واستحکام سے ناآشنا ہوتی اور صرف قوت کی زبان سمجھتی، یہ ایسی زندگی تھی جو انسانوں کے لئے مشقت ومصیبت ہی لاتی تھی، اور پڑوس کی متمدن آبادیوں کے لئے بھی خطرہ بنی رہتی تھی، چنانچہ وہ آپس میں بھی لڑتے رہتے تھے، اور اس سے فرصت پاکر متمدن آبادی سے برسرِ پیکار ہوجاتے تھے، لیکن دوسرے لحاظ سے ایک عرب اپنے قبیلے کے آداب وروایات کے سلسلے میں بڑا وفادار اور مخلص ہوتا تھا، وہ موقع پر ایسا شریف النفس میزبان ہوتا جو مہمانی کے تمام فرائض بخوشی انجام دیتا، جنگی معاہدوں کا پابند ہوتا، دوستی کا حق ادا کرتا اور رسم ورواج کا آخری حد تک احترام کرتا تھا، ان تمام خصوصیات کی گواہی ان کے شعر وادب حکم وامثال اور اقدار واطوار سے بکثرت ملتی ہے۔

---

(۱) راویان جغرافیہ اس تقسیم کی سب سے پرانی روایت حضرت عبداللہ بن عباسؓ تک پہونچاتے ہیں۔

ایک عرب مساوات کا دلدادہ، حریت کا عاشق، حقیقت پسند، فعال اور عملی انسان ہوتا تھا، وہ رکیک اور پست حرکتوں سے پرہیز کرتا تھا، وہ اپنی محدود زندگی اور بدویت پر نہ صرف راضی بلکہ نازاں اور اپنے مقدر پر خوش اور مطمئن تھا، مذہب سے ان کا علاقہ اکثر کمزور ہوتا، ان کا ایمان اپنے قبائلی رسوم اور آبائی روایات پر اس سے کہیں زیادہ پختہ ہوتا تھا، ان کا اخلاقی نصب العین ان شریفانہ ومردانہ صفات سے عبارت تھا جسے وہ لفظ "مروءت" سے تعبیر کرتے اور اپنے شعروادب میں جس کے گیت گاتے اور کلمہ پڑھتے ہیں۔

تمدنی وثقافتی مراکز

ان جگہوں میں جہاں بارش، چشمے یا کنووں کا پانی وافر طور پر ہوتا وہاں قریوں اور دیہاتوں اور موسمی بازاروں اور میلوں کی شکل میں ایک تمدن وجود میں آجاتا تھا، ان چیزوں کا عربوں کی زندگی پر عمومی اثر پڑتا تھا، زندگی کے ان مرکزوں میں وہ معاشرے اور ماحول پیدا ہوتے جن کا خاص رنگ اور مستقل طرز ہوتا جن میں آب وہوا، صنعتوں اور پیشوں اور اس معاشرہ کے اقتصادی حالات کا الگ الگ رنگ نمایاں ہوتا تھا، چنانچہ مکہ میں ایک خاص معاشرہ تھا، جس کا امتیاز بالکل الگ تھا، اسی طرح اہل حیرہ، اہل یثرب کے معاشرے اپنی اپنی خصوصیات رکھتے تھے، یمن کا معاشرہ عرب معاشروں میں اپنے مخصوص حالات، قدیم تمدنی تاریخ اور نئے سیاسی وجوہ سے سب سے زیادہ ترقی یافتہ تھا، اور غلہ کی پیداوار، جانوروں کی پرورش، معدنیات سے استفادہ، محلوں اور قلعوں کی تعمیر میں بہت بڑھا ہوا تھا، صنعتوں اور ضروریات زندگی کے لئے وہ باہر سے سامان اور آلات درآمد کرتا اور عراق، شام اور افریقہ سے تجارتی تعلقات بھی رکھتا تھا۔

اہل عرب کے طبقات اور قسمیں

راویوں اور مورخوں کا قدیم عربوں کی اس تقسیم پر تقریباً اتفاق ہے کہ وہ تین قسموں پر مشتمل ہے، ا۔عرب بائدہ (جو اسلام سے پہلے ختم ہو چکے تھے) ۲۔عرب عاربہ (بنوقحطان جو عرب بائدہ کے بعد ہوئے) ۳۔عرب مستعربہ (حضرت اسماعیلؑ کی اولاد جو حجاز میں آباد ہوئی) وہ نسب کے لحاظ سے اہل عرب کی دو قسمیں کرتے ہیں۔ ا۔قحطانی جن کی آبادی کا ابتدائی مرکز یمن تھا، اور ۲۔عدنانی جو پہلے حجاز میں آباد تھے، اسی طرح ماہرین انساب عدنان کی دو شاخیں بتاتے ہیں، ایک ربیعہ دوسری مضر، قحطانی وعدنانی قدیم زمانہ سے ایک دوسرے کے رقیب وحریف تھے، اسی طرح ربیعہ ومضر کے درمیان بھی صدیوں سے عداوت ومقابلہ چلا آرہا تھا، ماہرین انساب کا اس پر اتفاق ہے قحطانی اصل اور زیادہ قدیم ہیں، اور عدنانی

ان کی شاخ ہیں (۱)، جنھوں نے ان سے عربی سیکھی، اور پھر حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد نے حجاز میں ہجرت کے بعد اپنالیا، حضرت اسمٰعیلؑ عرب مستعربہ یعنی عدنانیوں کے جدامجد ہیں۔

اہل عرب انساب کا خاص خیال رکھتے اور اسے بڑی اہمیت دیتے ہیں، جس کا اعتراف عجمی اہل نظر نے بھی ہمیشہ کیا ہے، چنانچہ ایرانی سپہ سالار اعظم رستم نے اپنے درباریوں کو (جب وہ مسلمانوں کے سفیر حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کے پھٹے کپڑوں اور خستہ حالی کے سبب حقارت کی نظر سے دیکھ رہے تھے) تنبیہ کی کہ تم عجیب احمق ہو، عرب کھانے اور لباس کو اہمیت نہیں دیتے بلکہ وہ اپنے حسب ونسب کی حفاظت کرتے ہیں (۲)۔

لسانی وحدت

اس وسیع ملک کے لئے (جو ایک برصغیر کے برابر ہے) یہ بات ذرا بھی تعجب خیز نہ ہوتی کہ اس میں زبانوں کی کثرت اور تنوع ہوتا کیونکہ قبیلوں کے درمیان خاصے طویل فاصلے ہیں، اور اس لئے بھی کہ جنوبی علاقے کے لوگ شمالی علاقے کے لوگوں سے اور مشرقی علاقے کے لوگ مغربی علاقے کے لوگوں سے مشکل سے ملتے تھے، قبائلی عصبیت اور نسلی احساس برتری کا بھی شکار رہتے تھے، اور روم وایرانی سرحدوں کے قریب رہنے والے عرب قبائل ان کی زبانوں سے قدرتاً کم وبیش متاثر بھی تھے اور یہ ناگزیر بھی تھا، چنانچہ انھیں اسباب کی وجہ سے وسط یورپ اور ہندوستان کے تحت براعظم میں زبانوں کی حیرت انگیز حد تک کثرت ہے دستور ہند میں تسلیم شدہ قومی زبانوں کی تعداد پندرہ ہے، اس میں بعض مستقل زبانیں بھی ہیں جن کے بولنے والوں کو ترجمان کی ضرورت پڑتی ہے یا انگریزی سے کام لینا پڑتا ہے۔

لیکن جزیرۃ العرب کا اپنی وسعت اور قبائل کی کثرت کے باوجود شروع سے طرّہ امتیاز رہا ہے کہ ظہور اسلام سے اس وقت تک اس کی ایک ہی مشترک زبان عربی ہے، جو ہمیشہ سے اس جزیرہ کے رہنے والے بدوی اور متمدن قحطانی وعدنانی لوگوں کے بول چال اور باہمی تعلقات کی زبان رہی ہے، جس میں اگرچہ لہجوں اور مقامی بولیوں کا قدرتی اختلاف موجود ہے، (جو فلسفۂ زبان، جغرافی اور علیحدگی پسندیدگی کے رجحانات سے پیدا ہوتا ہے، فاصلوں سے لہجوں کا فرق پیدا ہونا ناگزیر بھی ہے)

---

(۱) عصر حاضر کے بعض محققین کی رائے ہے کہ اصل عرب عدنانی ہیں اور وہی پہلے عرب عاربہ ہیں جب کہ اکثر مورخین کا خیال اس کے برعکس ہے، ان محققین کا کہنا ہے کہ یہ تقسیم جاہلی نصوص پر مبنی نہیں بلکہ اسلامی دور میں لکھی ہوئی کتابوں سے ماخوذ ہے، اور اس کی بیشتر روایتیں ان راویوں کے اقوال پر مبنی ہیں، جو قحطانی اور یمنی نسل سے تعلق رکھتے تھے، واللہ اعلم۔

(۲) البدایۃ والنہایۃ ابن کثیر، ج ۷، ص ۴۰۔

تاہم اس میں ایک لسانی وحدت بھی موجود رہی ہے، دعوت اسلامی کے لئے سہولت، اشاعت اسلام میں سرعت اور پھیلی ہوئی اکائیوں کو فصیح (قرآنی) عربی زبان میں مخاطب کرنے اور اس سے متاثر کرنے میں اس نے اہم کردار ادا کیا ہے۔

جزیرۃ العرب اقوام وملل کی تاریخ میں

آثار قدیمہ سے یہ پتہ چلتا ہے کہ جزیرۃ العرب میں قدیم حجری عہد (CHELLEAN) سے انسانی آبادی کا نشان ملتا ہے اور جو سب سے پرانے آثار پائے گئے ہیں اس عہد حجری کے اولین زمانہ سے تعلق رکھتے ہیں، عربوں کا ذکر توریت میں بھی آیا ہے جس سے عبرانیوں کے عربوں سے تعلقات کا پتہ چلتا ہے، توریت میں عربوں کا ذکر اس کی تاریخ ۷۵۰، ۲۰۰ ق م سے متعلق ہے، اس طرح تلمود میں بھی عربوں کی طرف اشارے ہیں، جوزی فس فلافیوس کی کتاب میں (جو ۳۷ تا ۱۰۰ میں زندہ تھا) عربوں کے متعلق قیمتی معلومات اور نبطیوں کے حالات ملتے ہیں، بعض غلطیوں اور غلط فہمیوں کے باوجود جو ان قدیم تحریروں میں پائی جاتی ہیں، اسلام سے پہلے لکھی جانے والی یونانی ولاطینی کتابوں میں بھی تاریخی حالات وواقعات اور اہم جغرافی معلومات دستیاب ہوتے ہیں، ان میں بہت سے ایسے عربی قبائل کا نام بھی ملتا ہے کہ اگر یہ کتابیں نہ ہوتیں تو ہم ان سے واقف نہیں ہو سکتے تھے، اسکندریہ ان اہم مرکزوں میں شمار ہوتا تھا، جہاں عربوں کے حالات اور عادات اور ملک کی پیداوار کی کیفیت معلوم کرنے کا خاص اہتمام تھا تا کہ وہاں کی چیزوں کو بحرِ روم کے ساحل پر واقع ملکوں کے تاجروں تک پہنچایا جاسکے۔

عربوں کا ذکر کرنے والے سب سے قدیم یونانی اخیلس (۵۲۵۔۴۵۶ ق م) اور ہیرڈوٹس (۴۸۰۔۴۲۵ ق م) ہیں، ان کے علاوہ عہد قدیم کے کچھ اور مصنفین بھی ہیں، جن کے بیانات میں عربوں اور بلاد عرب کی طرف اشارے موجود ہیں، ان میں بطلیموس کا نام نمایاں ہے جو اسکندریہ میں دوسری صدی مسیحی میں ہوا ہے، اور جس نے ریاضی میں ''المجسطی'' لکھی ہے جو عربی درسیات کی ایک معروف کتاب ہے، مسیحی مآخذ میں بھی عرب جاہلیت اور عرب اسلام سے متعلق خاصا مواد ہے، اگرچہ وہ زیادہ تر مسیحیت، اس کی اشاعت اور اس کے مرکزوں کی تفصیلات پر مشتمل ہے۔

توریت میں جن عربوں کا ذکر آیا ہے وہ اعراب یعنی بدوی عرب ہیں، اس لئے کہ اس میں عرب بادیہ ہی کے اوصاف کا ذکر ہے، اس طرح یونانیوں، رومیوں کی کتابوں اور اناجیل میں جہاں ایسی صفات کا ذکر ہے، ان سے مراد بدوی عرب ہی ہیں جو رومن امپائر اور یونانی سرحدوں پر یورش

کرتے رہتے، قافلوں کو لوٹتے اور تاجروں اور مسافروں سے ٹیکس وصول کرتے رہتے تھے، سسلی کے دیدروس نے عربوں کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ آزادی کے عاشق، کھلی فضا میں زندگی گزارنے والے، آزادارادے اور آزادیٔ مطلق کے قائل ہیں، اسی لئے ہیروڈوٹس نے ان کے بارے میں لکھا ہے، وہ ہر اس قوت کا مقابلہ کرتے ہیں جو انھیں غلام بنانے اور ذلیل کرنے کی کوشش کرتی ہے، آزادی عربوں کا وہ امتیاز ہے جس کے لئے وہ یونانی اور لاطینی اہل قلم کی نظروں میں ممتاز رہے ہیں۔

اس طرح عرب وہند کے تعلقات ایک دوسرے سے واقفیت اور تجارتی وثقافتی لین دین بہت پرانا ہے، اور اسلام اور اس کی فتوحات سے بہت پہلے کی چیز ہے، ایشیائی ممالک میں ہندوستان عربوں سے سب سے زیادہ واقف اور جغرافی واقتصادی لحاظ سے اس کے قریب تھا جیسا کہ ہندوستانی اور عربی مآخذ اور جدید تحقیقات سے پتہ چلتا ہے(۱)۔

نبوت اور آسمانی مذاہب سے جزیرۂ عرب کا تعلق

جزیرۃ العرب بہت سی نبوی دعوتوں اور انبیاء کا گہوارہ رہا ہے، قرآن کہتا ہے:۔

وَاذْكُرْ أَخَا عَادٍ، إِذْ أَنْذَرَ قَوْمَهُ بِالْأَحْقَافِ وَقَدْ خَلَتِ النُّذُرُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهِ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا اللَّهَ، إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ. (سورۃ الاحقاف۔ ۲۱)

اور قوم عاد کے بھائی (ہود) کو یاد کرو جب انھوں نے اپنی قوم کو سرزمین احقاف میں ہدایت کی، اور ان سے پہلے اور پیچھے بھی ہدایت کرنے والے گذر چکے تھے کہ خدا کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو مجھے تمہارے بارے میں بڑے دن کے عذاب کا ڈر لگتا ہے۔

اس آیت میں حضرت ہود مراد ہیں جو عاد کی طرف بھیجے گئے ہیں، اور مورخین کے قول کے مطابق عاد کا تعلق عرب بائدہ سے تھا، اور وہ ''احقاف'' میں رہتے تھے ''حقف'' ریت کے بلند ٹیلے کو کہتے ہیں، عاد کی بستیاں جزیرہ کی جنوبی بلندیوں پر تھیں جو آج کل ''ربع خالی'' کے جنوب مغرب میں حضرموت کے قریب واقع ہے، ان میں نہ اب زندگی ہے، نہ کوئی آبادی ہے، جب کہ ایک زمانہ میں وہ سرسبز وشاداب علاقے اور گلزار شہر تھے جن میں عاد جیسی جابر قوم آباد تھی، انھیں اللہ نے تیز آندھی سے ہلاک کردیا جس نے انھیں ریتیلے طوفان میں ڈھک لیا تھا(۲)۔

---

(۱) تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو ''عرب وہند کے تعلقات'' از مولانا سید سلیمان ندوی، جو اس موضوع پر سب سے بہتر اور مفصل کتاب ہے۔

(۲) تفصیل کے لئے الحاقۃ کی آیت ٦۔ ۷ سامنے رہے۔

آیت یہ بھی بتا رہی ہے کہ حضرت ہودؑ اس علاقے میں آنے والے پہلے اور آخری نبی نہ تھے، ان سے پہلے اور بعد بھی انبیاء آتے رہے تھے، اس لئے قرآن کہتا ہے "وَقَدْ خَلَتِ النُّذُرُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖٓ".

اسی طرح قوم ثمود کے نبی حضرت صالحؑ کی بعثت بھی جزیرۃ العرب میں ہوئی، ثمود "الحجر" میں رہتے تھے، جو تبوک اور حجاز کے درمیان ایک بستی ہے، حضرت اسمٰعیلؑ پیدائش کے بعد ہی مکہ آ گئے تھے، وہ وہیں رہے، اور وہیں انتقال فرمایا، اور اگر جزیرہ کو وسعت دے کر مدین کو بھی اس میں شامل کرلیا جائے، تو حضرت شعیبؑ بھی عرب ہی ثابت ہوتے ہیں، اس لئے کہ مدین، شام کے علاقے میں ارض عرب کے حدود پر تھا، مورخ ابوالفداء لکھتا ہے:۔

> "اہل مدین عرب تھے، اور مدین میں رہتے تھے جو ارض معان سے قریب اور شام کے ان اطراف میں تھا جو حجاز سے ملے ہوئے ہیں اور بحیرہ لوط کے نزدیک تھا، اور قوم لوط کے بعد ہی ان کا زمانہ ہے"۔

عرب کی سرزمین بہت سے انبیاء ومرسلین کا مرجع وماویٰ بنی تھی، جن پر اللہ کی زمین اپنی کشادگی کے باوجود تنگ کردی گئی تھی، اور وہ اپنے وطن میں پردیسی بن کر رہ گئے تھے، چنانچہ ان حضرات نے اس دور دراز سرزمین کا انتخاب کیا جو جابر بادشاہوں اور ظالم حاکموں کے اثر سے دور تھی، جیسا کہ حضرت ابراہیمؑ کے ساتھ مکہ اور حضرت موسیٰؑ کے ساتھ مدین میں پیش آیا، اس کے علاوہ بہت سے مذاہب کو جب اپنے مرکزوں میں پھلنے پھولنے کا موقع نہ ملا تو وہ اس جزیرہ میں آ کر آباد ہوگئے، چنانچہ یہود کی ایک بڑی جماعت رومیوں کے ظلم سے تنگ آ کر یمن ویثرب آ گئی اور نصرانیت نے قیاصرۂ روم کے ظلم وسفا کی سے بھاگ کر نجران میں پناہ لی (۱)۔

---

(۱) مضمون کے اس آخری حصہ میں ہم نے شیخ محمد ابوزہرہ کی کتاب "خاتم النبیین" جلد اول اور فصل "ارض النبوۃ الاولی ھی ارض العرب" سے استفادہ کیا ہے۔

بعثت سے پہلے

حضرت اسماعیلؑ مکہ میں

سیدنا ابراہیم علیہ السلام مکہ کی طرف آئے، جو خشک اور بے آب وگیاہ پہاڑیوں میں گھرا ہوا تھا، اس میں پانی، کھیتی، غلہ اور ضروریات زندگی میں سے کوئی ایسی چیز موجود نہ تھی جو انسانی زندگی کو برقرار رکھنے کے لئے ضروری ہے، ان کے ساتھ ان کی بیوی ہاجرہ اور صاحبزادے اسماعیل بھی تھے، یہ سفر دراصل دنیا میں پھیلی ہوئی بت پرستی سے ہجرت اور ایک ایسے مرکز کی تاسیس کے لئے کیا جارہا تھا، جہاں اللہ تعالیٰ کی عبادت کی جائے اور دوسرے لوگوں کو بھی اس کی دعوت دی جائے، اور یہ مرکز ہدایت کا ایک روشن مینار، انسانوں کی جائے پناہ وجائے امن، اور توحید، حنیفیت اور دین خالص کی دعوت کا نقطۂ آغاز بن سکے۔(۱)

اللہ تعالیٰ نے ان کے اس عمل خالص کو قبول فرمایا، اس خشک وادی میں خوب برکت عطا فرمائی، اور اس چھوٹے سے مبارک خاندان کے لئے جو صرف ماں بیٹے پر مشتمل تھا (جن کو حضرت ابراہیمؑ اس دور افتادہ اور بے آب وگیاہ صحرا میں خدا کے بھروسہ پر چھوڑ گئے تھے) پانی کا ایک چشمہ جاری فرمادیا تھا جو بئر زمزم کہلایا اور اللہ تعالیٰ نے اس میں بہت برکت دی۔

اسماعیلؑ جب کچھ بڑے ہوئے اور چلنے پھرنے اور دوڑنے بھاگنے لگے تو حضرت ابراہیمؑ نے اللہ تعالیٰ کی محبت پر ان کی محبت کو قربان کرنا چاہا اور ان کو ذبح کرنے کا ارادہ کیا، اس لئے کہ خواب میں ان کو اس کی ہدایت کی گئی تھی، سعادت مند فرزند نے ارشاد الٰہی کے سامنے سر تسلیم خم کردیا اور خوش دلی واطمینان کے ساتھ اس پر تیار ہوگئے، لیکن اللہ تعالیٰ نے ذبح عظیم (۲) (بڑی قربانی) کو اس کا فدیہ بنادیا اور ان کو محفوظ ومامون رکھا تاکہ دعوت الی اللہ میں وہ اپنے والد کا ہاتھ بٹاسکیں اور خاتم النبیین اور سید المرسلین کے جد امجد بننے نیز اس امت مسلمہ کے مورث اعلیٰ بننے کا شرف ان کو حاصل ہو جس پر دعوت الی اللہ اور جہاد فی سبیل اللہ کی ذمہ داری قیامت تک کے لئے ڈالی گئی ہے۔

---

(۱) قرآن مجید (سورۂ البقرہ وسورۂ ابراہیم)

(۲) قرآن مجید، سورۂ صافات۔

حضرت ابراہیمؑ مکہ واپس ہوئے اور باپ بیٹے دونوں نے مل کر اللہ کے گھر کی تعمیر شروع کی، ان کی دعا یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ اس گھر کو قبول کرے اور اس میں برکت عطا فرمائے اور وہ دونوں اسلام پر جئیں اور مریں، اور ان کی وفات کے بعد ان کی اولاد کو یہ دولت اور میراث حاصل ہو، وہ اس دعوت کی صرف حفاظت اور پاسبانی ہی نہ کریں اور ہر خطرہ بلکہ ہر نگاہ بد اور راستے کے ہر کانٹے اور پتھر سے اس کو دور رکھیں، بلکہ اس دنیا میں اس کے داعی اور علم بردار بن کر رہیں، اس کو ہر چیز پر ترجیح دیں، اس کی راہ میں کسی قربانی سے دریغ نہ کریں، یہاں تک کہ یہ دعوت سارے عالم میں پھیل جائے، اور اللہ تعالیٰ ان کی اولاد میں ایک ایسا نبی پیدا کرے جو اپنے جد اعلیٰ ابراہیم علیہ السلام کی دعوت کو از سر نو زندہ کرے اور اس کام کی تکمیل کرے جس کو وہ شروع کر رہے ہیں:۔

وَإِذْ يَرْفَعُ إِبْرَاهِيمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَإِسْمٰعِيلُ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا، إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ، رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَا أُمَّةً مُسْلِمَةً لَّكَ وَأَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا إِنَّكَ أَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ، رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ. (سورہ بقرہ۔ ۱۲۷۔۱۲۹)

اور جب ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ بیت اللہ کی بنیادیں اونچی کر رہے تھے تو دعا کیے جاتے تھے کہ ہمارے پروردگار ہم کو اپنا فرمانبردار بنائے رکھیو، اور ہماری اولاد میں سے بھی ایک گروہ کو اپنا مطیع بناتے رہیو! اور پروردگار ہمیں ہمارے طریق عبادت بتا، اور ہمارے حال پر (رحم کے ساتھ) توجہ فرما! بیشک تو توجہ فرمانے والا مہربان ہے، اے ہمارے پروردگار، ان لوگوں میں انھیں میں سے ایک پیغمبر مبعوث کیجیو، جو ان کو تیری آیتیں پڑھ پڑھ کر سنایا کرے اور کتاب اور دانائی سکھایا کرے اور (ان کے دلوں) کو پاک صاف کیا کرے، بے شک تو غالب اور صاحب حکمت ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ بھی دعا فرمائی تھی کہ یہ گھر ہمیشہ ہمیشہ امن وسکون کا گہوارہ رہے اللہ تعالیٰ ان کی اولاد کو بتوں کی پرستش سے محفوظ رکھے جس سے زیادہ نفرت وکراہیت ان کو کسی چیز سے نہ تھی، اور جس سے بڑا خطرہ وہ اپنی آئندہ نسل کے لئے کسی چیز کو نہ سمجھتے تھے، اس لئے کہ انبیاء کرام کے بعد ان کی قوموں کا انجام ان کی نظر کے سامنے تھا اور انھوں نے دیکھا تھا کہ ان کی مسلسل کوششوں اور عظیم قربانیوں کے باوجود یہ قومیں کس طرح ان کے راستہ سے ہٹ گئیں اور ان کے دنیا سے تشریف لے جاتے ہی شیطانوں، مفسدوں اور اپنے اپنے وقت کے دجالوں، بتوں کے پجاریوں اور جاہلیت کے علم برداروں نے ان کو شکار کیا اور لقمۂ تر بنایا۔

انھوں نے اللہ تعالیٰ کے حضور اس تمنا کا بھی اظہار کیا کہ ان کی اولاد اور اولاد کی اولاد میں

اس دعوت اور جہاد سے برابر رشتہ قائم رکھے اور ان کی بت شکنی، شرک و بت پرستی سے نفرت و بیزاری، راہ حق میں مسلسل محنت اور جدوجہد، اپنے بت تراش و بت فروش والد کے مقابلہ میں ان کی صف آرائی، حق گوئی و دل سوزی اور ان کی ہجرت اور ترک وطن کو ہمیشہ یاد رکھے، اور یہ محسوس کرے کہ اتنے نازک اور اہم کام کے لئے اس ویرانے اور ریتیلی وسنگلاخ زمین (جو نہ کھیتی کے لائق تھی نہ تہذیب وتمدن کی پرورش اور ترقی کا اس میں کوئی سامان تھا) کے انتخاب کا راز کیا ہے اور دنیا کے بڑے بڑے آباد وگلزار شہروں اور تجارت وزراعت، صنعت وحرفت کے مرکزوں پر جہاں ہر طرح کے اسباب عیش اور سامان راحت موجود تھے، اس دور افتادہ گمنام خطہ کو کیوں ترجیح دی گئی ہے؟

انھوں نے اپنے اللہ سے یہ بھی دعا کی کہ ان کی اولاد کو محبوبیت ودل نوازی، مقبولیت وشہرت اور مرجع خلائق اور مرکز آفاق بننے کا شرف حاصل ہو، لوگوں کے دل بے ساختہ ان کی طرف کھنچیں اور وہ دنیا کے کونے کونے سے آکر اپنی محبت وعقیدت کا خراج ان کو پیش کریں، رزق خود بخود ہر طرف سے ان کو پہونچتا رہے، اور میوے اور پھل نیز ہر طرح کے ثمرات اور کوششوں کے بہترین نتائج اور فوائد ومنافع ان کو حاصل ہوں:۔

وَاِذْ قَالَ اِبْرَاهِيْمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ آمِناً وَّاجْنُبْنِيْ وَبَنِيَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ، رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِيْراً مِّنَ النَّاسِ، فَمَنْ تَبِعَنِيْ فَاِنَّهٗ مِنِّيْ، وَمَنْ عَصَانِيْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ، رَبَّنَا اِنِّيْ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِيْ بِوَادٍ غَيْرِ ذِيْ زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ، رَبَّنَا لِيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ فَاجْعَلْ اَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِيْ اِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُوْنَ. (سورۂ ابراهيم ـ ٣٥ـ٣٧)

اور جب ابراہیم نے دعا کی کہ میرے پروردگار اس شہر کو (لوگوں کے لئے) امن کی جگہ بنادے اور مجھے اور میری اولاد کو اس بات سے کہ بتوں کی پرستش کرنے لگیں بچائے رکھ، اے پروردگار انھوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کیا، سو جس شخص نے میرا کہا مانا وہ میرا ہے اور جس نے میری نافرمانی کی تو تو بخشنے والا مہربان ہے، اے پروردگار! میں نے اپنی اولاد کو میدان (مکہ) میں جہاں کھیتی نہیں، تیرے عزت وادب والے گھر کے پاس لا بسایا ہے، اے پروردگار تا کہ یہ نماز پڑھیں تو لوگوں کے دلوں کو ایسا کردے کہ ان کی طرف جھکے رہیں اور ان کو میووں سے روزی دے تا کہ تیرا شکر کریں۔

قبیلۂ قریش

یہ ساری دعائیں اور تمنائیں ایک ایک کر کے پوری ہوئیں، اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کی اولاد میں برکت عطا فرمائی، یہ ابراہیمی عربی خاندان خوب برگ وبار لایا اور پھیلا، اسماعیل علیہ السلام

نے قبیلۂ جرہم (۱) میں رشتہ کیا جو عرب عاربہ میں شمار کیا جاتا تھا، اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں بہت برکت ہوئی یہاں تک کہ انھیں میں عدنان پیدا ہوئے جن کا سلسلۂ نسب حفظ واحتیاط، اور تواتر واجماع کے لحاظ سے انساب عرب میں سب سے زیادہ روشن اور ممتاز ہے۔

عدنان کی بھی کثیر اولاد ہوئی جن میں معد بن عدنان زیادہ مشہور ہیں، معد کی اولاد میں مضر نامور ہوئے اور ان کی اولاد میں فہر بن مالک نے خاندان کا نام روشن کیا، فہر بن مالک بن النضر کی اولاد کا نام ''قریش'' پڑ گیا، اور یہ نام ان کے سارے ناموں پر اس طرح غالب آیا کہ یہ قبیلہ قریش کہلانے لگا، اہل عرب نے قریش کی عالی نسبی، سیادت وامارت، فصاحت وبلاغت، قوت بیانیہ، اخلاق عالیہ، شجاعت وحوصلہ مندی پر پورا اتفاق کرلیا، اور اب یہ ایک ایسی حقیقت بن گئی جو ضرب المثل کی طرح مشہور اور اختلاف سے بالاتر سمجھی گئی ہے، اور اس میں دو رائیں نہیں ہیں (۲)۔

قُصیّ بن کلاب اور ان کی اولاد

فہر کی اولاد میں قصی بن کلاب پیدا ہوئے اور مکہ کی سرداری قبیلہ جرہم کے ہاتھ میں رہی یہاں تک خزاعہ جو بیت اللہ کے نگراں اور محافظ تھے، ان پر غالب آئے، اس کے بعد قصی بن کلاب کا ستارہ اقبال بلند ہوا، اور ان کی صلاحیتیں اور خدمات سامنے آئیں اور بیت اللہ کی خدمت کا یہ منصب ان کے حوالہ کیا گیا، قریش کے سارے افراد ان کے ساتھ مل گئے اور انھوں نے قبیلہ خزاعہ کو مکہ سے بے دخل کر کے اس کا نظم وانتظام اپنے ہاتھ میں لے لیا، قصی بن کلاب بہت ہر دل عزیز ومقبول سردار تھے، بیت اللہ کی دربانی وپاسبانی ان کے ذمہ تھی، اس کی کلید ان ہی کے قبضہ میں تھی، اور ان کی اجازت کے بغیر کوئی اس میں داخل نہ ہوسکتا تھا، اسی کے ساتھ زمزم کا سقایہ اور رِفادہ (۳) یعنی حجاج کی سالانہ ضیافت، ندوہ یعنی ان کی وہ مجلس جو مختلف مشوروں اور لڑائیوں میں پرچم کے علمبردار اور لشکر کے قائد کے انتخاب وغیرہ کے لئے حسب ضرورت ہوتی تھی، سب چیزیں ان کے دائرہ اختیار میں تھیں اور اس طرح مکہ کا سارا شرف اور ہر قسم کی فضیلت ان کو حاصل ہوگئی تھی۔

---

(۱) کہا جاتا ہے کہ قبیلہ جُرہُم وہ سب سے پہلا قبیلہ ہے جس نے مکہ میں اقامت کی اور اس کا سبب پانی کے اس نہ ختم ہونے والے سرچشمہ کا وجود تھا، بعض روایات میں آتا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے اپنی بیوی ہاجرہ اور اپنے لڑکے اسماعیل کو اس وادی میں چھوڑ کر، ہجرت فرمائی اس وقت یہ قبیلہ یہاں موجود تھا۔

(۲) تفصیل کے لئے دیکھئے سیرت ابن ہشام، ج۔۱، اور سیر وانساب کی دیگر کتابیں۔

(۳) رفادہ اس کھانے اور دعوت کو کہتے ہیں جو حُجاج کے لئے اس بنیاد پر ہر سال کی جاتی تھی کہ وہ رحمان کے مہمان ہیں۔

ان کی اولاد میں عبد مناف نے زیادہ عزت و وجاہت حاصل کی، ان کے سب سے بڑے صاحبزادے ہاشم تھے، اور سقایہ و رِفادہ کا یہ کام ان کے ذمہ رہا، یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا عبدالمطلب کے والد تھے، عبدالمطلب کو سقایہ و رفادہ کا یہ منصب بلند اپنے چچا المطلب بن عبد مناف سے حاصل ہوا، انھوں نے اپنی قوم میں جو عزت و نیک نامی اور وجاہت و ہر دل عزیزی پائی وہ اب تک ان کے آباء و اجداد میں کسی اور کے حصہ میں نہ آئی تھی (۱)۔

بنی ہاشم

بنی ہاشم قبیلۂ قریش کی سنہری اور اہم کڑی تھے، تاریخ و سیر کی کتابوں نے ان کے جو واقعات و حالات ہمارے لئے محفوظ کر دیئے ہیں (اور وہ اصل حقیقت سے بہت کم ہیں) اگر ہم ان کا جائزہ لیں تو ہمیں اندازہ ہوگا کہ ان میں شریفانہ انسانی احساسات کی کتنی نمود تھی، اور ہر چیز میں اعتدال، عقل سلیم، بیت اللہ کی نگاہ میں جو وقعت و حرمت ہے، اس کا پورا احساس، ظلم و حق تلفی سے گریز، عالی ہمتی، کمزوروں و مظلوموں کے ساتھ شفقت و ہمدردی، سخاوت و شجاعت، مختصر یہ کہ عربوں کے نزدیک الفروسیۃ (شہسواری) کے جتنے اوصاف عالیہ اور صفات حمیدہ ہیں، اور اس میں جتنے بلند و لطیف معانی پوشیدہ ہیں، ان کا جلوہ ان کی سیرت میں ہمیں نظر آتا ہے، یہ وہ سیرت و کردار ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آباء کرام کے ہر طرح شایان شان ہے، اور آپ نے جس اعلیٰ و بلند اخلاق کی اپنے قول و عمل سے دعوت دی اس کے ساتھ ہم آہنگ، سوائے اس کے کہ وہ انقطاع وحی کے دور میں تھے، اور جاہلیت کے عقائد و عبادات میں اپنی قوم کے ساتھ بہر حال شریک و سہیم تھے۔

مکہ میں بت پرستی اور اس کا اصل سرچشمہ اور تاریخ

قریش کا قبیلہ ابراہیم خلیل اللہ اور اپنے جد اعلیٰ اسماعیلؑ کے دین پر برابر قائم اور توحید اور خدائے واحد کی عبادت پر ثابت قدم رہا، یہاں تک کہ عمرو بن لحی الخزاعی کا دور آیا، یہ پہلا شخص تھا، جس نے حضرت اسماعیلؑ کے دین میں تغیر کیا، بتوں کو نصب کیا، جانوروں کی تعظیم اور ان کو "سائبہ (۲)"

---

(۱) السیرۃ النبویۃ لابن ہشام۔ (ج ۱، (اولاد عدنان)

(۲) سیرت ابن ہشام، ج ۱، ص ۷۶۔۷۷، حدیث میں آتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے عمرو بن عامر الخزاعی کو دیکھا کہ وہ جہنم میں اپنی آنتیں گھسیٹتا ہوا چل رہا ہے، یہ وہ پہلا شخص تھا جس نے جانوروں کو بتوں کے نام سانڈ بنا کر چھوڑنے کی بنیاد ڈالی (بخاری و مسلم، احمد) محمد بن اسحاق سے دوسری جگہ مروی ہے کہ وہ پہلا شخص تھا، جس نے دین اسماعیل کو بدلا، بت نصب کئے، اور جانوروں کو سائبہ کرنے کا رواج ڈالا، چھوڑا یا سانڈ جو استعمال میں نہ آئے اور بتوں کے لئے وقف سمجھا جائے۔

بنانے کا رواج ڈالا اور حلال وحرام کے نئے قاعدے وضع کئے جن کا احکام الٰہی سے کوئی تعلق نہ تھا، اور جو شریعت ابراہیمی سے بالکل جدا تھے، یہ قصہ یوں کھڑا ہوا کہ یہ شخص مکہ سے شام گیا اور یہ دیکھا کہ وہاں کے لوگ بتوں کو پوجتے ہیں، یہ بات اس کو بہت پسند آئی اور اس نے کچھ بت وہاں سے حاصل کر کے مکہ میں نصب کئے اور لوگوں کو ان کی تعظیم اور پرستش کا حکم دیا(۱)۔

یہ بات بھی ممکن اور قرین قیاس ہے کہ وہ شام جاتے ہوئے ''تبراء'' سے گزرا ہو جس کو قدیم مورخ اور جغرافیہ داں ''بطراء'' اور ''بطرہ (PATRA)'' کہتے آئے ہیں، یہ شرق اردن کے جنوب میں واقع مشہور پہاڑی قصبہ ہے جس کا ذکر رومیوں اور یونانیوں کے یہاں ملتا ہے، کہا جاتا ہے کہ اس کو نبطیوں نے جو اصلاً عرب تھے، ہزاروں سال پہلے تعمیر کیا تھا، یہ لوگ مصر، شام، وادی فرات اور رومہ کے سفر برابر کرتے رہتے تھے، اور ہوسکتا ہے وادی فرات جاتے ہوئے وہ حجاز سے ضرور گزرتے ہوں، یہ لوگ کھلی ہوئی بت پرستی میں مبتلا تھے، پتھروں سے بت تراشتے اور اس کی پوجا کرتے تھے، مؤرخین کا خیال ہے کہ شمالی حجاز کا مشہور بت ''لات'' جو سب سے اہم سمجھا جاتا تھا دراصل ''بتراء'' ہی سے برآمد کیا گیا تھا، اور اہم اور خاص بتوں میں شامل کرلیا گیا تھا(۲)۔

اس کی تصدیق فلپ ہٹی (P K. HITTI) کی کتاب HISTORY OF SYRIA سے بھی ہوتی ہے، جس میں ان نبطی علاقوں (موجودہ شرق اردن) پر روشنی ڈالی گئی ہے، اس کا کہنا ہے کہ:۔

> ''ان معبودوں کا سردار ''ذوالشراء'' تھا، جو ایک مستطیل ستون یا سیاہ مربع پتھر سے مشابہ تھا، ''لات'' جس کی عرب پرستش کرتے تھے، دراصل ''ذی الشراء'' ہی سے متعلق تھا، دوسرے نبطی بت جن کا ذکر ان تاریخی آثار اور قدیم نبطی تحریروں اور نقوش میں ملتا ہے، وہ ''مناۃ'' اور ''عُزّیٰ'' ہیں ان تحریروں میں ہُبل کا ذکر بھی ملتا ہے(۳)''

---

(۱) کتب تاریخ کے مطالعہ سے یہ بات ثابت ہوئی ہے کہ عمرو بن لحی کا نانا مکہ کا آخری حاکم تھا، یہ وراثت عمرو بن لحی کو ملی، ازرقی نے اس شان وشوکت کا ذکر کیا ہے جو عمرو بن لحی کو حاصل تھی، اور جو اس سے پہلے کم کسی حاکم کو دور جاہلیت میں حاصل ہوئی تھی (۴۹۔۱۳۳) جمرۃ أنساب العرب ص ۲۳۵، میں ہے کہ وہ پہلا شخص ہے جس نے دین اسماعیلی کو بدل دیا، اور کھلی ہوئی بت پرستی کی دعوت دی، اور پہلا شخص ہے جس نے مناسک حج میں تبدیلی پیدا کی، تاریخی مراجع کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا زمانہ ظہور اسلام سے ساڑھے چار صدی پہلے کا ہے۔

(۲) مصنف نے ۱۹ر اگست ۱۹۷۳ء کو رابطۂ عالم اسلام کے وفد کی رکن کی حیثیت سے یہ جگہ خود دیکھی ہے، اور پہاڑوں میں تراشے گئے بت پرستی کے معاملہ کی کثرت خاص طور پر نوٹ کی ہے تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو مصنف کا سفرنامہ ''دریائے کابل سے دریائے یرموک تک''۔

(۳) P. K. HITTI HISTORY OF SYRIA, P. 382-83

یہ خیال رہے کہ یہ وہ زمانہ ہے جس میں بت پرستی کی مختلف قسمیں جزیرۃ العرب کے چاروں طرف اور بحر و بر کے علاقہ میں پھیل رہی تھیں اور حضرت مسیحؑ اور ان کے حواریوں کی دعوت ظاہر نہ ہوئی تھی، جس نے بت پرستی کی یہ پیش قدمی روکی اور اس کی تیزی و سرگرمی کو کم کیا، رہ گئی یہودیت تو وہ محدود نسلی مذہب تھا، جو اسرائیل کے اندر منحصر تھا اور بنی اسرائیل کے سوا کسی اور کو توحید کی دعوت دینے کی اجازت اس میں نہ تھی (DELACYO. LEARY) اپنی کتاب ''عرب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے پہلے'' میں لکھتے ہیں:۔

> ''یہ کہنا کچھ غلط نہ ہوگا کہ بتوں کی عبادت دراصل شام کی دین ہے جو جزیرۃ العرب کو شامی و یونانی مخلوط روایات سے ملا ہے جو شام میں عام تھیں اور شاید عرب کے بقیہ حصوں میں ان کا زیادہ رواج اور چلن نہ تھا'' (۱)

اسی طرح بت پرستی وادی فرات اور جزیرۃ العرب کے مشرق میں عام تھی اور چونکہ اس علاقہ سے جزیرۃ العرب کے تجارتی تعلقات اور دوستانہ روابط تھے، اس لئے کچھ بعید نہیں کہ جزیرۃ العرب میں بت پرستی پھیلنے میں اس علاقہ کا بھی حصہ ہو (GEORGES ROUX) نے اپنی کتاب ''قدیم عراق'' میں اس کی صراحت کی ہے کہ عراق کی قدیم تاریخی تحریریں یہ ظاہر کرتی ہیں کہ بت پرستی وہاں تیسری صدی عیسوی اور اس کے بعد تک عام تھی، یہ ملک ان بتوں اور معبودوں کا مرکز تھا، جس میں غیر ملکی بت بھی تھے اور مقامی بھی (۲)۔

ایک روایت یہ بھی ہے کہ قریش میں بت پرستی کا آغاز تدریجی طور پر ہوا، اس کی ایک توجیہ مؤرخین عرب کے بیان سے بھی ہو سکتی ہے کہ پہلے وہ لوگ جب مکہ سے کہیں سفر کرتے تھے، تو حرم کے کچھ پتھر تبرک کے طور پر ''تعظیماً'' اپنے ساتھ لے لیتے تھے۔

اس کے بعد جو پتھر ان کو زیادہ پسند آتے اس کی عبادت کرنے لگتے، ان کی اولاد اور نئی نسل، اس تفصیل سے بھی ناواقف تھی، اس نے کھلی ہوئی بت پرستی اختیار کر لی اور جس طرح اور دوسری گمراہ قومیں تھیں، اسی طرح یہ بھی گمراہی میں جا پڑیں، تاہم عہد ابراہیمی کے کچھ باقی ماندہ اعمال اور روایات کو وہ اپنے سینہ سے لگائے رہے، مثلاً بیت اللہ کی تعظیم، طواف، حج اور عمرہ (۳)، اقوام و مذاہب کی

---

(۱) ARABIA (۲) ANCIENT

(۳) ان کی تفصیل ان بتوں کے نام اور ان کے مقامات نیز اس سلسلہ کے واقعات اور بت تراشی کے محرکات و اسباب کو سمجھنے کے لئے "کتاب الاصنام" للکلبی اور "بلوغ الارب فی معرفة احوال العرب" از علامہ سید محمود شکری الآلوسی، ج ۲، بعنوان (ذکر شئی من اخبار الاصنام و سبب اتخاذ العرب لها) ملاحظہ کریں، ص ۲۰۰۔۲۱۵۔

مرحلہ وار تاریخ اور وسائل سے مقاصد تک اور مقدمات سے نتائج تک ان کی بتدریج منتقلی کے جائزے سے ان مؤرخین کی اس بات کی تصدیق ہوتی ہے کہ عربوں میں اور خاص طور پر قریش میں بت پرستی کا آغاز کس طرح ہوا، بعض دوسری مسلم قوموں اور فرقوں میں تصویروں، شبیہوں اور مزارات سے وابستگی اور تعظیم وتقدیس میں جس طرح غلو سے کام لیا گیا، اس کی تاریخ سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے، اسی لئے اسلامی شریعت نے وہ تمام راستے اور چور دروازے پہلے ہی سے بند کردیئے ہیں جو شرک یا اشخاص اور مقامات وآثار کی تقدیس وتعظیم میں غلو کی طرف لے جاتے ہیں (۱)۔

اصحاب الفیل کا واقعہ

اسی زمانہ میں ایک اتنا بڑا واقعہ پیش آیا جس سے بڑا واقعہ عربوں کی تاریخ میں کبھی نہ ہوا تھا، یہ اس بات کی دلیل تھی کہ کوئی بہت بڑی بات مستقبل قریب میں ہونے والی ہے، اور اللہ تعالیٰ عربوں کے ساتھ خیر کا ارادہ رکھتا ہے، اور کعبہ کی شان اس طرح دوبالا ہونے والی ہے کہ وہ شان اور عظمت دنیا کی کسی عبادت گاہ اور کسی اور گھر کو حاصل نہ ہوگی، اور اس کے ساتھ اس سے تاریخ مذاہب اور انسانیت کے مستقل کا وہ ابدی پیغام، اور لافانی کردار وابستہ ہے جس کو اسے انجام دینا اور تکمیل تک پہونچانا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی نظر میں بیت اللہ کی عزت وحرمت پر قریش کا عقیدہ

قریش کے لوگ یہ عقیدہ اور ایمان رکھتے تھے کہ اس گھر کی اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں ایک خاص

---

(۱) شریعت اسلامی اور احادیث صحیحہ میں اسکے دلائل اتنی بڑی تعداد میں ہیں کہ ان کا شمار کرنا مشکل ہے، ان ہی میں سے ایک مشہور حدیث ہے ''لاتتخذ واقبری عیداً'' (میری قبر کو عید اور جشن کی جگہ نہ بنانا نہ اس پر میلہ لگانا) ایک اور حدیث ہے کہ "لاتشد الرحال الا الی ثلاثة مساجد" (صرف تین مسجدیں ہیں جہاں با قاعدہ زیارت کی نیت کر کے سفر کرنا جائز ہے) دوسری حدیث ہے "لاتطرونی کما اطرت النصاریٰ المسیح بن مریم" میری اس طرح حد سے بڑھی ہوئی مدح سرائی نہ کرو جس طرح نصاریٰ نے مسیح بن مریم کی کی ہے، اس طرح کی بکثرت احادیث وارد ہوئی ہیں، جاندار کی تصویر سازی کی حرمت میں دراصل یہی حکمت اور روح پوشیدہ ہے، قدیم زمانہ میں بہت سی قومیں اپنے بزرگوں کی تصاویر کی محبت وتعظیم سے مجسمہ سازی اور بالآخر بت تراشی اور بت پرستی تک پہونچی ہیں، ابن کثیرؒ آیت مندرجہ ذیل کی تفسیر میں لکھتے ہیں "وَقَالُوا لَا تَذَرُنَّ اٰلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَّلَا سُوَاعًا، وَّلَا يَغُوثَ وَيَعُوقَ وَنَسْرًا": محمد بن قیس راوی ہیں آدم اور نوح کے درمیان وہ بزرگ اور صالح اشخاص تھے، جن کے متبعین اور عقیدت مندوں کی خاصی تعداد تھی، جب ان کا انتقال ہوا تو ان مریدین ومتبعین نے سوچا اگر ہم ان کی کوئی شبیہ یا تصویر بنائیں تو اس سے ان کی یاد تازہ ہوگی، اور عبادت میں زیادہ ذوق وسرور حاصل ہوگا، اس خیال سے انھوں نے ان کی تصاویر بنائیں، جب یہ نسل بھی ختم ہوئی اور نئی نسل آئی تو شیطان نے اس کو یہ سکھایا پڑھایا کہ ان کے آباء واجداد دراصل ان تصویروں اور شبیہوں کی عبادت کرتے تھے، اور ان ہی کی برکت سے بارش ہوتی تھی، رفتہ رفتہ یہ ان کی باقاعدہ پرستش کرنے لگے اور کھلی ہوئی بت پرستی کا رواج ہوگیا۔

قدر ومنزلت ہے، اور وہی اس کا حامی وناصر اور نگہبان و پاسبان ہے، ان کا یہ عقیدہ اور ایمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا اور قریش کے سردار عبدالمطلب اور حبشہ کے بادشاہ ابرہہ کی گفتگو سے پوری طرح عیاں ہے، اس کا قصہ یہ ہے کہ ان کے دوسو اونٹ ابرہہ نے لے لئے تھے، وہ اس کے لئے ابرہہ سے ملنے گئے اور اندر آنے کی اجازت چاہی، ابرہہ نے ان کی بہت عزت کی، اپنے تخت سے اتر آیا، پہلو میں بٹھایا، اور ضرورت دریافت کی، انھوں نے کہا کہ میرے دوسو اونٹ جو بادشاہ نے لیے ہیں وہ واپس لینا چاہتا ہوں، بادشاہ نے عبدالمطلب کے اس حقیر ذاتی مطالبہ پر اپنی حیرت واستعجاب ظاہر کرتے ہوئے کہا تم دوسو اونٹوں کی بات کرتے ہو جو میں نے لے لیے ہیں، اور اس گھر کی فکر نہیں کرتے جس پر تمہارا اور تمہارے آباء واجداد کا دین قائم ہے، اور جس کو ڈھانے کے لئے میں یہاں آیا ہوں، اس کے لئے تم کوئی گفتگو نہیں کرتے؟

عبدالمطلب نے بڑی خود اعتمادی کے ساتھ جواب دیا کہ میں تو اونٹوں کا مالک ہوں (اس لئے اس کی فکر کرتا ہوں) جو گھر کا مالک ہے وہ آپ اس کی حفاظت کرے گا۔

اس نے کہا "کہ وہ مجھ سے کہاں بچ سکتا ہے!"

انھوں نے جواب دیا "انت و ذاك" یہ تم جانو اور وہ (گھر کا مالک اور رب) جانے (۱)۔

اس کے بعد جو کچھ پیش آیا اس کی تفصیل آگے آئے گی، اور اس سے یہ ظاہر ہو گیا کہ اب کسی حملہ آور کی مجال نہیں کہ اس کو بری نظر سے دیکھے اور اس پر دست درازی کرے، بے شک اپنے گھر اور اپنے دین کی حفاظت اللہ تعالیٰ ہی کے ذمہ تھی، اور اس کام کی تکمیل اسی کو کرنی تھی۔

اس اہم واقعہ کا خلاصہ یہ ہے کہ ابرہۃ الاشرم جو نجاشی (شاہ حبشہ) کا "صنعاء" میں عامل (گورنر اور حاکم) تھا، اس نے صنعاء میں ایک بڑا گرجا تعمیر کیا اور اس کا نام (القلیس) رکھا، مقصد یہ تھا کہ عربوں کے حج کا رخ اس طرح پھیر دیا جائے، اس کے لئے یہ بات بہت تکلیف دہ تھی کہ کعبہ بندگان خدا کی پناہ گاہ اور مرکز ومرجع کی حیثیت سے باقی رہے، اور لوگ دور دراز مقامات سے کارواں در کارواں وہاں حاضر ہوں، وہ چاہتا تھا کہ یہ رتبۂ بلند اور مرکز گرجا کو حاصل ہو۔

یہ بات عربوں کے لئے بہت شاق تھی، اس لئے کہ کعبہ کی محبت ان کی گھٹی میں پڑی تھی اور وہ کسی گھر، معبد اور مذہبی مرکز کو اس کے برابر نہ سمجھتے تھے، اور اس کو چھوڑ کر کوئی بڑی سے بڑی دولت لینے پر تیار نہ تھے، اس مسئلہ نے ان کے دل ودماغ کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا اور وہ ہر جگہ موضوع سخن بن گیا،

---

(۱) سیرت ابن ہشام، ص ۴۹-۵۰

اسی درمیان میں کنانی اس کام کے لئے نکل کھڑا ہوا، اور اس گرجا میں جا کر قضائے حاجت کی اور اس کو نجس کر دیا، اس سے ایک نیا ہنگامہ کھڑا ہو گیا، ابرہہ کو اس بات پر بے حد غصہ آیا اور اس نے اسی وقت قسم کھائی کہ وہ خود کعبہ پر حملہ آور ہو گا اور اس کو گرائے بغیر اطمینان کی سانس نہ لے گا (۱)۔

ابرہہ لشکر لے کر چلا اور ہاتھیوں کی ایک بڑی تعداد اپنے ساتھ لے لی، عربوں نے ہاتھیوں کے بارے میں پہلے سے بہت کچھ سن رکھا تھا، یہ خبر ان پر بجلی بن کر گری اور وہ اس حملہ سے بے حد خائف ہوئے اور کوشش کی کہ کسی طرح اس لشکر کو آگے بڑھنے سے روکا جائے، لیکن ان کو جلد ہی اندازہ ہو گیا کہ ابرہہ اور اس کے لشکر جرار کا مقابلہ ان کی طاقت سے باہر ہے، چنانچہ یہ معاملہ انھوں نے اللہ کے سپرد کیا، ان کو پورا یقین تھا کہ اس گھر کا جو مالک اور رب ہے وہ اس کی خود پاسبانی کرے گا۔

قریش نے لشکر کی دست درازیوں اور مظالم سے بچنے کے لئے پہاڑیوں اور وادیوں میں پناہ لی اور منتظر رہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے گھر کی حرمت و ناموس کے لئے کیا کرتا ہے، عبدالمطلب اور ان کے ساتھ قریش کے کچھ لوگ باب کعبہ کا حلقہ پکڑ کر خدا کے حضور آہ وزاری میں مشغول ہو گئے اور ابرہہ اور اس کے لشکر کی ہزیمت کے لئے نصرت خداوندی کی دعا کی، ادھر ابرہہ اپنے لاؤ لشکر کے ساتھ کعبہ کی طرف بڑھا، اپنے ہاتھی کو جس کا نام ''محمود'' تھا اس نے حملہ کے لئے تیار کیا، لیکن مکہ کے راستہ ہی میں ہاتھی ایک جگہ بیٹھ گیا اور مارنے کے باوجود اس نے اٹھنے سے انکار کر دیا، جب انھوں نے اس کا رخ یمن کی طرف کیا تو وہ فوراً اٹھا اور بہت تیزی سے دوڑنے لگا، اس وقت اللہ تعالیٰ نے سمندر کی طرف چڑیوں کے جھنڈ بھیجے، ہر چڑیا اپنے پنجوں میں پتھر لئے ہوئے تھی، یہ پتھر جس کو لگتے اس کو ہلاک کر دیتے، یہ دیکھ کر اہل حبشہ جس راستے سے آئے تھے، اس پر تیزی سے واپس بھاگے، اور چڑیوں کے پتھروں سے گرتے گئے اور ہلاک ہوتے گئے، ابرہہ کا جسم بھی چھلنی ہو گیا، وہ اس کو اٹھا کر اپنے ساتھ واپس لے جانے لگے تو اس کا ایک ایک پور گرنے لگا یہاں تک کہ صنعاء پہنچ کر

(۱) ہوسکتا ہے کہ ابرہہ کے حملہ اور فوج کشی کا سبب محض ایک عبادت گاہ کی بے حرمتی و اہانت سے زیادہ وسیع و اہم ہو اور وہ مکہ کو فتح کرنے کی نیت رکھتا ہو، تا کہ شام سے یمن کا ربط قائم ہو جائے اور عیسائی حکومت کے قدم جزیرۃ العرب میں مضبوطی سے جم جائیں، یہ اقدام روم اور حبش کے عین مفاد میں تھا، اس لئے کہ وہ دونوں عیسائیت سے تعلق رکھتے تھے، یہ منصوبہ خواہ اس کے اسباب جو بھی ہوں، اس گھر اور مرکز کو راستہ سے ہٹائے اور مکہ کو اس روحانی پیشوائی سے بے دخل کئے بغیر ممکن نہ تھا جس کے لئے تقدیر کا فیصلہ یہ تھا کہ اسے تمام انسانوں کے لئے سرچشمۂ ہدایت، جائے پناہ اور آخری نبوت کا مرکز بننا ہے لیکن مشیت الٰہی کا فیصلہ کچھ اور تھا، اس کا بھی احتمال ہے کہ رومیوں ہی نے ابرہہ کو فتح مکہ پر اکسایا ہو اور اس کے پیچھے بعض سیاسی مقاصد کے حصول کا جذبہ ہو، مثلاً ایرانی اثرات کو کمزور کرنا، اس لئے کہ جزیرۃ العرب میں رومیوں کے اثر و نفوذ کا مقابلہ تنہا ایرانی ہی کر رہے تھے۔

اس نے بہت بری طرح جان دی(۱)۔

یہ واقعہ قرآن مجید میں بھی بیان کیا گیا ہے:۔

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحَابِ الْفِيْلِ، اَلَمْ يَجْعَلْ كَيْدَهُمْ فِيْ تَضْلِيْلٍ، وَّاَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا اَبَابِيْلَ، تَرْمِيْهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّيْلٍ، فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّاْكُوْلٍ.(سورۂ فیل، ۱۔۵)

کیا تم نے نہیں دیکھا کہ تمہارے پروردگار نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا کیا، کیا ان کا داؤں غلط نہیں کیا، اوران پر جھلڑ کے جھلڑ جانور بھیجے، جوان پر کھنگر کی پتھریاں پھینکتے تھے، توان کو ایسا کر دیا جیسا کھایا ہوا بھُس۔

واقعۂ فیل اوراس کے اثرات

جب اللہ تعالیٰ نے اہل حبشہ کو مکہ سے ناکام ونامراد واپس کیا اوران پر یہ عذاب نازل ہوا جس کا ذکر ابھی گزرا ہے، تو عربوں کے دلوں میں قدرتی طور پر قریش کی بڑی عظمت پیدا ہوگئی، وہ کہنے لگے کہ بے شک یہ اللہ والے ہیں، ان کی طرف سے اللہ تعالیٰ نے دشمن کو شکست دی اوران کو لڑنا بھی نہ پڑا، ان کے دل میں کعبہ کی عظمت پہلے سے دوچند ہوگئی اوراس کی عند اللہ حرمت وعزت پران کا ایمان اور بڑھ گیا(۲)۔

یہ اللہ تعالیٰ کی کھلی ہوئی نشانی اور معجزہ تھا اوراس بات کا پیش خیمہ کہ مکہ میں ایک ایسے نبی کا ظہور ہونے والا ہے جو کعبہ کو بتوں کی نجاست سے پاک کرے گا، اس کے ہاتھوں اس کی شان دوبالا ہوگی، اس کے دین کا اس گھر سے بہت گہرا اورابدی ولازوال تعلق رہے گا، اس واقعہ سے یہ بھی اندازہ ہوتا تھا کہ اس نبی کی بعثت اور ظہور کا مبارک دن کچھ دور نہیں ہے۔

عربوں میں اس واقعہ کو بجا طور پر بہت اہمیت حاصل ہوئی اوراس سے انھوں نے نئی تاریخ شروع کی، چنانچہ ان کی تحریروں میں اس کا رواج ملتا ہے کہ یہ بات عام الفیل (یعنی فیل والے سال میں) پیش آئی، فلاں شخص عام الفیل میں پیدا ہوا، یہ واقعہ عام الفیل کے اتنے سال کے بعد کا ہے، عام الفیل ۵۷۰ء کے مطابق ہے(۳)۔

---

(۱) دیکھئے واقعہ فیل سیرت ابن ہشام، ج۱،ص۴۳۔۵۷۔

(۲) سیرت ابن ہشام، ج۱،ص۵۷

(۳) لوگوں میں عام طور پر یہ مشہور ہے کہ ابرہہ کا مکہ پر حملہ بعثت سے چالیس سال پیشتر کا ہے، اور ولادت مبارک اسی حملہ کے سال ہوئی، یہ وہ سال ہے جو "عام الفیل" کے نام سے مشہور ہے، اور وہ ۵۷۰ء یا ۵۷۱ء کے مطابق ہے۔ لیکن بعض راویوں کی تحقیق اورقول اس کے خلاف ہے تفصیل کے لئے ڈاکٹر جواد علی کی کتاب "المفصل في تاريخ العرب قبل الاسلام" کی تیسری جلد کی طرف رجوع کیا جائے۔(ص۵۰۷۔۵۰۸)

مکّہ - بعثت نبویؐ کے وقت

مکہ، ایک اہم شہر

بہت سے وہ لوگ جو زمانہ بعثت کے حالات سے اچھی طرح واقف نہیں ہیں، اور عربوں کی تاریخ، سماجی زندگی، ان کے ادب اور شاعری اور قبائلی روایات پر ان کی زیادہ گہری نظر نہیں ہے، یہ سمجھتے ہیں کہ مکہ بعثت نبوی کے وقت ایک چھوٹا سا گاؤں تھا، جہاں زندگی عقلی، اجتماعی اور تمدنی ہر لحاظ سے دورِ طفولیت میں تھی، وہ قبائل کی چند آبادیوں کا نام تھا، جہاں بالوں کے بنے ہوئے خیموں اور ڈیروں میں (جن کے چاروں طرف اونٹوں، بھیڑ بکریوں اور گھوڑوں کے باندھنے کی جگہیں تھیں) ان کی گزر بسر تھی، وہ زیادہ تر وادیوں کے کنارے اور پہاڑوں کے دامن میں پھیلے ہوئے تھے، ان کا کھانا سوکھی روٹی یا اونٹ کا گوشت تھا جو وہ ٹھیک سے پکانا بھی نہیں جانتے تھے، اونٹ کے بالوں سے بنے ہوئے کپڑے پہنتے تھے، ان کے کھانے پینے میں کوئی تنوع تھا نہ لباس میں کوئی خوش نمائی، نہ زندگی میں گرمی اور حرارت، نہ احساس میں نزاکت و لطافت، نہ خیال میں بلند پردازی۔

مکہ کی یہ تاریک اور حقیر تصویر جو سیرت و تاریخ کی عام کتابوں میں پیش کی گئی ہے، اور وہ زیادہ تر عجمی زبانوں میں لکھی گئی ہیں، اس تاریخی حقیقت کے خلاف ہے، جو تاریخ کی کتابوں اور ادب اور جاہلی اشعار میں ملتی ہے، اور جس میں مکہ اور باشندگان مکہ کی عادات و روایات اور دستور و قوانین کا (جو ابتدائی بدویانہ زندگی سے ابتدائی شہری اور تمدنی زندگی کے دور میں داخل ہو چکے تھے) خاکہ پیش کیا گیا ہے۔

یہ تصویر قرآن مجید کے ان اوصاف و اسماء سے بھی کوئی مطابقت نہیں رکھتی جس میں مکہ کو ''ام القریٰ'' کے نام سے یاد کیا گیا ہے:۔

وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ قُرْآناً عَرَبِيّاً لِّتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا وَتُنْذِرَ يَوْمَ الْجَمْعِ لَارَيْبَ فِيْهِ، فَرِيْقٌ فِي الْجَنَّةِ وَفَرِيْقٌ فِي السَّعِيْرِ. (سورۂ شوریٰ۔۷)

اور اس طرح تمہارے پاس قرآن عربی بھیجا تاکہ تم بڑے گاؤں (یعنی مکہ) کے رہنے والوں کو اور جو لوگ اس کے اردگرد رہتے ہیں ان کو راستہ دکھاؤ اور انھیں قیامت کے دن کا بھی جس میں کچھ شک نہیں ہے، خوف دلاؤ، اس روز ایک فریق بہشت میں ہوگا، اور ایک فریق دوزخ میں۔

دوسری جگہ اس کے متعلق یہ ارشاد ہے:۔

وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ، وَطُوْرِ سِيْنِيْنَ، وَهٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ. (سورۂ تین، ۱۔۳)

انجیر کی قسم اور زیتون کی اور طورِ سینین کی اور اس امن والے شہر کی۔

ایک جگہ آیا ہے:۔

لَا اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ، وَاَنْتَ حِلٌّ بِهٰذَا الْبَلَدِ. (سورۂ بلد۔ ۱۔۲)

اس شہر (مکہ) کی قسم اور تم اسی شہر میں تو رہتے ہو۔

واقعہ یہ ہے کہ مکہ پانچویں صدی عیسوی کے وسط ہی میں دورِ جہالت سے دورِ تہذیب میں داخل ہو چکا تھا، اگر چہ یہ تہذیب اپنے محدود دائرہ میں تھی، یہ شہر ایک ایسے نظام کے ماتحت تھا جو باہمی تعاون واتحاد، اجتماعی وعمومی مفاہمت اور تقسیم کار کی بنیاد پر قائم تھا، اور یہ نظام قصی بن کلاب کے ہاتھوں قائم ہوا تھا، جن کی پانچویں پشت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

ابتداء میں مکہ کی آبادی قدرتی طور پر بہت محدود تھی، یہ مقام دو پہاڑیوں ''جبل ابوقبیس'' (جو صفا پہاڑی کے اوپر واقع تھا) اور ''جبل احمر'' کے درمیان واقع تھا، جس کو جاہلیت میں ''اعرف'' کہتے تھے، اور جو وادی قعیقعان کے بالکل سامنے تھا، لیکن بیت اللہ کی بدولت اور اس کے خادموں اور پاسبانوں اور مکہ کے باشندوں کو عام طور پر جو عزت ووجاہت حاصل تھی نیز وہاں جو غیر معمولی امن وسکون تھا، اس کی وجہ سے ان قبائل کے لئے مکہ میں بڑی کشش تھی، چنانچہ اس کی آبادی زمانہ کے ساتھ خود بخود بڑھتی گئی، خیموں اور چھولداریوں کی جگہ پتھر یا گارے کے بنے ہوئے مکانات تعمیر ہوگئے اور آبادی وآبادکاری کی یہ لہر مسجد حرام سے مکہ کی بالائی ونشیبی وادیوں تک پھیل گئی، ابتداء میں یہ لوگ اپنے مکانات کی چھتیں بھی بیت اللہ کی طرح مربع شکل کی نہ بناتے تھے، اور محسوس کرتے تھے کہ یہ ایک طرح کی بے ادبی ہے، آہستہ آہستہ اس کا وہ اہتمام باقی نہیں رہا اور اس میں بڑی گنجائش پیدا کر لی گئی، تاہم مکانات بیت اللہ سے اس وقت بھی احتراماً بلند نہ کئے جاتے تھے۔

بعض راویوں کا بیان ہے کہ اہل مکہ احترام وتعظیم میں اپنے مکانات گول بناتے تھے، پہلا شخص جس نے مربع مکان بنوایا وہ حمید بن زہیر ہے، اس کے عمل کو اہل قریش نے ناپسند کیا۔

مکہ کے مالداروں اور سرداروں کے مکانات پتھر کے بنے ہوئے ہوتے تھے، اور ان میں کئی کمرے ہوتے تھے، اور آمنے سامنے دو دروازے ہوتے تھے تاکہ گھر کے ایک حصہ میں مہمانوں کی موجودگی کے وقت عورتیں دوسرے دروازے سے نکل سکیں۔

مکہ کی تعمیر نو اور اس کے اصل بانی

مکہ کی اس توسیع وترقی اور تعمیر نو میں سب سے بڑا ہاتھ قصی بن کلاب کا تھا، اس لئے کہ انھوں نے سب سے پہلے قریش کو اس مقصد سے متحد کیا، اور رہائش کے لئے جگہوں کی باقاعدہ حد بندی کی جس کو عربی اصطلاح میں رباع (۱) کہتے ہیں، قریش کی مختلف برادریوں اور خاندانوں کو ان مکانات میں آباد کیا، ان کی اولاد نے مکہ کی آراضی کی تقسیم اور حد بندی کا کام جاری رکھا، خود بھی آباد ہوئے اور زمینیں دوسروں کے ہاتھ فروخت کیں، اور خرید وفروخت اور تعمیرات کا یہ سلسلہ بغیر کسی اختلاف وتنازعہ کے قریش اور دوسری برادریوں کے درمیان چلتا رہا۔

زندگی کی تنظیم اور عہدوں کی تقسیم

قصی اپنی قوم اور اہل مکہ دونوں پر حاوی تھے حجابۃ (بیت اللہ کی دربانی) سقایہ (۲) (سبیل اور پانی وغیرہ کا انتظام) رفادۃ (حجاج بیت اللہ کی سالانہ دعوت عام) ندوۃ (مجلس شورہ) اور لواء یعنی جنگی امور، سب ان ہی کے ہاتھ میں تھے۔

انھوں نے دار الندوہ کو مسجد حرام سے بالکل متصل تعمیر کیا، اور اسکا دروازہ کعبہ کی طرف نکالا، یہ قصی بن کلاب کا گھر بھی تھا، اور قریش کے مشوروں اور فیصلوں اور مکہ کی سوسائٹی کا مرکز بھی، قریش کا کوئی فرد مرد یا عورت شادی کرنا چاہتا، کسی اہم اور فوری معاملہ میں مشورہ کی ضرورت ہوتی، کسی قبیلہ کے خلاف اعلان جنگ کرنا ہوتا یا اس کی تیاری کا مرحلہ آتا حتیٰ کہ کوئی بچی جب بڑی ہوتی تو اس کو اوڑھنی اوڑھانے کی بھی رسم یہیں انجام دی جاتی، قصی کی شخصیت کو ان کی زندگی میں اور مرنے کے بعد بھی دین ومذہب جیسی عظمت حاصل رہی جس کی سند کے بغیر کوئی کام نہ ہوسکتا تھا، قانون یہ تھا کہ دار الندوہ میں بنی قصی کے علاوہ دوسرے قبیلوں کے وہی اشخاص آسکتے ہیں، جن کی عمر چالیس سے کم نہ ہو، البتہ بنی قصی اور ان کے حلیف قبائل کے سب افراد بڑے ہوں یا چھوٹے اس میں شریک ہونے کا حق رکھتے تھے، دار الندوہ میں جن برادریوں اور خاندانوں کو شرکت کی اجازت تھی وہ تھے ہاشم، امیہ، مخزوم، جمح، سہم، تیم، عدی، اسد، نوفل، زہرہ یہ دس مختلف خاندان کے لوگ تھے۔

---

(۱) ابو الولید الازرقی (م ۲۲۳ھ) نے اپنی کتاب "اخبار مکہ" میں اس کی پوری تفصیل بیان کی ہے، رباع مکانات اور اس کے گرد وپیش کے حصوں کو کہتے ہیں، واحد ربع ہے فتحہ کے ساتھ۔

(۲) حجاج کے لئے پانی کے کچھ حوض تیار کئے جاتے تھے جس کو کھجور اور کشمش وغیرہ سے شیریں بنایا جاتا اور یہ لوگ جب مکہ آتے تو یہی پانی پیتے۔

ان کے انتقال کے بعد عہدوں کی نئی تقسیم ہوئی، بنی ہاشم کو سقایہ، بنی امیہ کو قریش کا پرچم "عقاب" بنی نوفل کو رفادہ (۱)، بنی عبد الدار کو لواء، سدانۃ اور حجابۃ اور بنی اسد کو مشاورت کا قلم دان دیا گیا۔

قریش کے مختلف اشخاص میں جو صاحب الرائے اور اصحاب وجاہت تھے، ان میں یہ ذمہ داریاں تقسیم تھیں (حضرت) ابوبکر (صدیقؓ) (جو بنی تیم میں سے تھے) کے پاس دیت، تاوان اور جرمانہ وغیرہ تھا، خالد بن الولیدؓ کے پاس جو بنی مخزوم میں تھے، قبہ اور اعنہ کا قلم دان تھا، قبہ اس خیمہ کو کہتے ہیں جس میں فوجی ضروریات کا سامان رکھا جاتا تھا، اعنہ وہ سامان تھا جو جنگ کے دوران قریش کے گھوڑوں پر رہتا تھا، عمر بن الخطابؓ کے پاس سفارت تھی، جب کسی قبیلہ سے جنگ مقصود ہوتی تو ان کو سفیر بنا کر فریق مخالف کے پاس بھیجا جاتا، اگر کوئی برادری ان پر فخر کرتی تو اس کے مقابلہ کے لئے ان کا انتخاب ہوتا، اور سب اس پر راضی رہتے، صفوان بن امیہ (بنی جمح) کے ذمہ ایسار و ازلام (۲) کا کام تھا، کوئی بڑا اقدام اس عمل کے بغیر نہ کیا جاتا، حارث بن قیس کے سپرد نظم و انتظام اور بتوں کے نام پر جمع کیا ہوا مال تھا، یہ ذمہ داریاں اور اعلیٰ مناصب ان کو آباء و اجداد سے نسلی طور پر حاصل ہوئے تھے۔

تجارتی سرگرمیاں اور درآمد و برآمد

قریش تجارتی اغراض سے دو سفر کرتے تھے، ایک شام کی طرف موسم گرما میں دوسرا یمن کی طرف موسم سرما میں، اشہر حرم (رجب، ذی قعدہ، ذی الحجہ، محرم) ان کے نزدیک عزت و حرمت کے مہینے سمجھے جاتے تھے، اور ان میں جنگ سے احتراز کیا جاتا، ان میں ان کے بازار بیت اللہ کے پہلو میں حرم شریف کے اندر لگتے تھے، اور جزیرۃ العرب کے دور، دراز مقامات سے لوگ اس میں ذوق وشوق کے ساتھ شریک ہوتے تھے، اور اس میں ان کو ضروریات زندگی کا پورا سامان ملتا تھا، مکہ کی تاریخ میں ہمیں جن بازاروں کا ذکر ملتا ہے، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہاں کے باشندے تمدن و ترقی کی کس سطح پر تھے، ان بازاوں میں ایک بازار عطر فروشوں کے لئے مخصوص تھا، ایک مختلف پھلوں کے لئے، ایک رطب کے لئے، ایک بازار صرف حجاموں کے لئے تھا، یہ سب بازار بہت کشادہ اور وسیع ہوتے تھے، جس میں گیہوں، گھی، شہد، اور مختلف اجناس جو تجارتی قافلے باہر سے لاتے تھے، بڑی

---

(۱) رفادہ اس کھانے کو کہتے ہیں جو حجاج کے لئے بطور ضیافت کے تیار کیا جاتا تھا، اس کی شکل یہ تھی کہ قریش ہر سال کچھ مقرر کردہ رقم اس کے اخراجات کے لئے قصی کو پیش کرتے تھے (الخضری، ۳۶)

(۲) ایسار و ازلام۔ جوئے کے دو پانسے جو کسی معاملہ میں کسی پہلو کو ترجیح دینے کے لئے پھینکے جاتے ان پر مختلف علامتیں ہاں، نہیں لکھی رہتیں۔

مقدار میں موجود رہتی تھیں، یمامہ اہل مکہ کے لئے غلہ کی منڈی تھی (۱)، ان بازاروں کے علاوہ خاص ایک گلی جوتوں کی دکانوں کے لئے اور ایک کپڑوں کے لئے مخصوص تھی۔

اہل مکہ کی کچھ تفریح گاہیں بھی تھیں جہاں گرمی کے دنوں میں سرشام مکہ کے خوش باش وخوش طبع نوجوان جمع ہوتے تھے جو زیادہ دولت منداور نازونعم کے عادی تھے وہ سردیاں مکہ میں گزارتے تھے، اور گرمیاں طائف میں، مکہ کے کچھ نوجوان بھی خوش پوشا کی وجامہ زیبی اور تجمل وآرائش میں مشہور تھے، ان میں سے بعض کی پوشاکیں کئی کئی سو درہم میں تیار ہوتیں۔

تجارتی سرگرمیاں اور نقل وحرکت مکہ میں پورے عروج پر تھی، وہاں کے تاجر افریقہ وایشیاء کے مختلف ممالک کا سفر کرتے رہتے تھے، اور ہر ملک کے نوادرات، تحفے اور مشہور ومخصوص اشیاء یا وہ چیزیں جن کی ان کے ملک کو ضرورت تھی اپنے ہمراہ لاتے تھے، افریقہ سے جو چیزیں وہ درآمد کرتے تھے، ان میں گوند، ہاتھی دانت، سونا، آبنوس کی لکڑی، یمن سے کھالیں، اگربتی ولوبان، اور کپڑے، عراق سے گرم مسالے، ہندوستان سے سونا، ٹین، جواہرات، ہاتھی دانت، صندل کی لکڑی، گرم مسالے اور زعفران، مصر وشام سے مختلف قسم کے تیل غلہ واجناس، اسلحہ اور ریشم اور شرابیں شامل ہیں۔

وہ بعض سلاطین وامراء کو مکہ کی خاص مصنوعات، سوغات کے طور پر بھی بھیجا کرتے تھے، ان میں سب سے زیادہ خاص چیز چمڑا ہوتا تھا، چنانچہ جب قریش نے حبشہ کے بادشاہ نجاشی کے پاس اپنے دونمایندے عبداللہ بن ربیعہ اور عمرو بن العاص بن وائل کو بھیجا اور جو مسلمان وہاں ہجرت کر گئے تھے، ان کو واپس لینے کی کوشش کی تو انھوں نے مکہ کے خاص تحفہ کے طور پر اس کو چمڑا بھی دیا تھا۔

عورتیں بھی تجارتی کاروبار کرتی تھیں، اور شام اور دوسرے ممالک میں ان کے تجارتی قافلے جایا کرتے تھے، حضرت خدیجہ بنت خویلد اور حنظلیۃ ام ابی جہل اس میں زیادہ مشہور تھیں، اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے:۔

لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوا، وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ. (سورۂ النساء ۳۲)

مردوں کو حصہ ہے اپنی کمائی سے اور عورتوں کو حصہ ہے اپنی کمائی سے۔

اقتصادی حالت، اوزان اور پیمانے

ان وجوہ کی بنا پر مکہ تجارت میں آگے تھا، اہل مکہ میں سے متعدد افراد بہت خوش حال اور

---

(۱) چنانچہ جب ثمامہ بن اثال نے (جو بنی حنیفہ کے ایک سردار تھے) اسلام لانے کے بعد مکہ گیہوں لے جانے پر پابندی لگادی تو قریش کو بہت دشواری کا سامنا کرنا پڑا، اور انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک عرض داشت لکھی کہ آپ ثمامہ کو غلہ لانے لے جانے پر پابندی ہٹا لینے کا حکم دیں آپ نے ایسا ہی کیا (زاد المعاد، ج ۱، ص ۳۷۷، وصحیح مسلم)

فارغ البال تھے، اوران کے پاس خاصا سرمایہ اکٹھا ہوگیا تھا، اس کا ثبوت اس سے بھی ملتا ہے کہ قریش کا تجارتی کارواں جوغزوۂ بدر کے موقعہ پرشام سے واپس آیا، وہ ایک ہزاراونٹوں پر مشتمل تھا، اوراس پر پچاس ہزاردینار کا مال واسباب لدا ہوا تھا۔

اہل مکہ رومانی اور بازنطینی اورایرانی وساسانی سکے استعمال کرتے تھے، مکہ اور جزیرۃ العرب میں اس وقت رائج سکے دوقسم کے تھے، ایک درہم، دوسرے دینار، درہم کی دوقسمیں تھیں، ایک قسم وہ تھی جس پر فارس کانقش اورمہر تھی اس کو"بغلیۃ" اور"سوداء دامیہ" کہتے تھے، دوسری قسم وہ تھی جس پر روم کانقش تھا، اوراس کوزیادہ تر"طبریۃ" اور"بیزنطیہ" کہتے تھے، وہ سب چاندی کے سکے تھے، ان کے مختلف اوزان تھے، اسی لئے اہل مکہ ان کے شمار پرنہیں بلکہ وزن پرمعاملہ کرتے تھے، علماء کے اقوال سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ درہم جس کا شریعت میں اعتبار ہے جوکہ پچپن دانوں کے ہم وزن ہے، اور دس درہم سات مثقال سونے کے مساوی ہے، اورخالص سونے کا ایک مثقال بہتر دانوں کے ہم وزن ہے، اوراسی پر(جیسا کہ ابن خلدون نے لکھا ہے)سب کا اجماع ہے۔

عہد نبوت میں جو سکے رائج تھے اور جن کا استعمال تھا، وہ اکثر چاندی کے ہوتے تھے، علماء کا قول ہے کہ اس زمانہ میں چاندی کارواج تھا، سونے کا نہیں۔(مصنف ابن ابی شیبہ ج۳ص۲۲۲)

جہاں تک دینار کا تعلق ہے، وہ سونے کا ہوتا تھا، اور جاہلیت اوراسلام کے ابتدائی دور میں شام اورحجاز میں اس کارواج تھا، یہ سب سکے رومی تھے، جوروم ہی میں ڈھالے جاتے تھے، اوران پر بادشاہ روم کی تصویر ہوتی تھی، اوراس کا نام رومی زبان میں کندہ ہوتا تھا، جیسا کہ ابن عبدالبر نے "التمہید" میں لکھا ہے، لفظ دینار دراصل ایک قدیم رومی سکہ(DENARIUS) سے عربی زبان میں آیا ہے، اور بعض مغربی ممالک میں یہ لفظ اب تک رائج ہے، اورانجیل میں اس کا ذکر متعدد بار آیا ہے، دینار کا وزن ایک مثقال کے برابر مانا جاتا تھا، اورخالص سونے کا ایک مثقال جیسا کہ اوپر گذرچکا ہے، متوسط جو کے بہتر(۷۲)دانوں کے ہم وزن مانا گیا تھا اور یہ مشہور ہے کہ جاہلیت اور اسلام کی کسی عہد میں اس میں تغیر نہیں ہوا، دائرۃ المعارف الاسلامیہ میں ہے کہ بازنطینی دینار ۴ء۲۵ گرام کے برابر ہوتا ہے(۱)، مستشرق زمباور کی تحقیق یہ ہے کہ مکہ کا مثقال ۴ء۲۵ گرام کے برابر ہوتا ہے(دیکھئے مادہ دینار ج۹،ص۲۷۰)درہم اور دینار کے مابین تناسب ۱۰/۷ تھا۔

---

(۱)بعض محققین کا کہنا ہے کہ اس دور میں دینار کا معیاری وزن وہی تھا جو بوزنطی صولدیوس کا تھا، یعنی تقریباً ۴ء۵۵ گرام، خلیفہ عبدالملک کی اصلاحات کے بعد اس کا وزن گھٹا کر ۴ء۲۵ کردیا گیا۔

جہاں تک اس کے تبادلہ کا تعلق ہے، حدیث، فقہ، تاریخ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں ایک دینار دس درہم کے مساوی تھا، ابوداؤد میں عمرو بن شعیب سے مروی ہے کہ "دیت" کی قیمت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ۸۰۰ دینار یا آٹھ ہزار (۸۰۰۰) درہم تھی، اس کے بعد صحابہ کا اسی پر عمل رہا، یہاں تک کہ اسی پر امت کا اجماع ہوگیا، مشہور احادیث میں درہم کے نصاب اور اس کی واجب مقدار کے بارہ میں جو صراحت آئی ہے، اور جمہور فقہاء کی بھی یہی رائے ہے، اس سے اس کا پورا ثبوت ملتا ہے کہ سونے کا نصاب بیس دینار ہے، اور اس سے ہمیں یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ عہد جاہلیت اور آغاز اسلام میں ایک دینار کی قیمت دس درہم یا اس کے مساوی سکوں کے برابر تھی۔

امام مالکؒ نے موطا میں لکھا ہے کہ "وہ صحیح مسلک جس میں ہمارے نزدیک کوئی اختلاف نہیں ہے، یہ ہے کہ زکوٰۃ بیس دینار پر یا دو سو درہم پر واجب ہے" (۱)

ناپ تول کے جو پیمانے اس زمانہ میں رائج تھے، ان میں صاع، مُدّ، رطل، اوقیہ اور مثقال تھے، اور انھیں میں سے کچھ نئی قسمیں انھوں نے اور نکالی تھیں، علم الحساب سے بھی ان کو واقفیت تھی، حصوں اور میراث کی تقسیم میں قرآن نے ان کے اسی حساب پر اعتماد کیا ہے۔

قریش کا دولت مند طبقہ

جن گھرانوں میں خوشحالی اور مالی فراوانی تھی، ان میں بنواُمیہ اور بنومخزوم خاص طور پر قابل ذکر ہیں، اشخاص میں ولید بن المغیرۃ، عبدالعزیٰ (ابولہب) ابواحیحہ بن سعد بن العاص بن امیہ (جس کا ابوسفیان کے قافلہ میں تیس ہزار دینار کے بقدر حصہ تھا) عبداللہ بن ربیعہ المخزومی جیسے امیر و رئیس لوگ تھے، ان میں عبداللہ بن جدعان التیمی زیادہ نامور اور مشہور تھے، جن کے متعلق یہ آتا ہے کہ وہ سونے کے پیالہ میں پانی پیتے تھے، اور ان کا پورا لنگر خانہ تھا، جس میں غریبوں اور بھوکے لوگوں کو کھانا کھلایا جاتا تھا، عباس بن عبدالمطلب کا شمار بھی قریش کے دولت مند لوگوں میں تھا، وہ اپنی دولت لوگوں پر خوب خرچ کرتے تھے اور سودی لین دین بھی کرتے تھے، یہاں تک کہ اسلام کا غلبہ ہوا، سود کی حرمت نازل ہوئی، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقعہ پر سودی رقوم کے خاتمہ کا اعلان فرمایا، اور اس کا آغاز اپنے چچا عباس بن عبدالمطلب سے کیا اور ارشاد ہوا کہ "پہلا سود جس کو میں ساقط کرتا ہوں وہ عباس بن عبدالمطلب کا سود ہے"۔

---

(۱) مستفاد از "بلوغ الارب فی معرفۃ احوال العرب" آلوسی "التراتیب الاداریۃ"، عبدالحی الکتانی، "فقہ الزکاۃ" یوسف القرضاوی۔ تفسیر ماجدی۔

ان میں ایسے تعیش پسند دولت مند بھی تھے، جن کے گھروں میں شبینہ محفلیں گرم رہتی تھیں، کمرے فرش فروش سے آراستہ، دسترخوان سجے ہوئے، اور بادہ وجام کا دور چلتا ہوا۔

سرداران قوم کی محفلیں زیادہ تر بیت اللہ کے سامنے جمتی تھیں، جہاں شعروشاعری ہوتی، جاہلیت کے ممتاز شعراء جیسے لبید بن ربیعہ وغیرہ اس میں شریک ہوتے، یہ بھی ذکر آتا ہے کہ عبدالمطلب کا فرش کعبہ کے سایہ میں بچھتا تھا، ان کے لڑکے ان کے ادب واحترام میں فرش کے باہر چاروں طرف بیٹھتے اور جب تک وہ نہ آجاتے کوئی فرش پر نہ بیٹھتا۔

مکہ کی صنعتیں اور ادب وثقافت

اہل مکہ کی نظر میں صنعت وحرفت کی زیادہ اہمیت نہ تھی، بلکہ وہ اس کو حقارت سے دیکھتے تھے، اور اپنے لئے باعث ننگ وعار سمجھتے تھے، عام طور پر صنعت وحرفت غلاموں یا عجمیوں کے ساتھ مخصوص سمجھی جاتی تھی، تاہم بعض صنعتیں جن کی انھیں سخت ضرورت تھی، وہاں موجود تھیں، اور مکہ کے بعض لوگ ان سے متعلق تھے، روایت میں آتا ہے کہ حضرت خباب بن الارت تلواریں تیار کرتے، تعمیرات وغیرہ میں جس کی ضرورت ہر شخص کو پیش آتی ہے رومی اور ایرانی مزدوروں سے کام لیا جاتا تھا۔

ناخواندگی وہاں عام تھی، لیکن کچھ لکھنے پڑھنے والے موجود تھے، قرآن مجید نے اسی لئے ان کو ''اُمی'' یعنی ناخواندہ سے تعبیر کیا ہے ''هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْأُمِّيّنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ'' (الجمعہ۔۲) (وہی ہے جس نے ناخواندہ لوگوں میں انھیں میں سے ایک پیغمبر بھیجا)۔

مکہ والے پورے جزیرۃ العرب میں حسن ذوق، لطافت طبع اور آرائش وتجمل میں ممتاز سمجھے جاتے تھے، جیسا کہ تقریباً ہر قدیم تہذیب رکھنے والے دارالسلطنت اور پایۂ تخت کا حال ہوتا ہے۔

جہاں تک ان کی زبان کا تعلق ہے اس کو سند اور میزان کا درجہ حاصل تھا اور جزیرۃ العرب کے اطراف واکناف میں اسی پر اعتماد کیا جاتا تھا، مکہ کے باشندے سب سے زیادہ فصیح وبلیغ، اور قادرالکلام تھے اور ابتذال وسوقیانہ پن نیز عجمی اثرات سے بہت دور اور محفوظ رہتے، تناسب اعضاء، جسمانی ساخت، حسن وجمال نیز اعتدال وتوازن میں بھی دوسرے علاقوں کی بہ نسبت وہ زیادہ ممتاز تھے، اور جوانمردی وعالی ظرفی کے ان اعلیٰ صفات کے حامل تھے، جس کو عربی میں ''الفتوۃ'' اور ''المروۃ'' سے تعبیر کیا جاتا ہے، اور جن کا ذکر عرب شعراء اور خطباء نے بار بار کیا ہے، اس لئے وہ خیر وشر دونوں میدانوں میں سب کے استاد تھے۔

ان کی دلچسپی کے موضوعات میں بالترتیب، انساب، اخبار عرب، شعروشاعری، علم نجوم، پچھتر، پرندوں سے شگون لینے اور کسی قدر طب وعلاج جوان کے مجربات اور بزرگوں کی روایات پر مبنی

تھا، اور بہت کچھ شہسواری، گھوڑوں کی پہچان، اس کے اعضاء وصفات سے گہری واقفیت اور قیافہ شناسی جیسے علوم شامل ہیں، علاج ومعالجہ کے جو طریقے ان میں رائج تھے، ان میں داغنے، فاسد عضو کو کاٹنے، فصد کھلوانے، پچھنا لگوانے اور استعمال ادویہ کا ذکر آتا ہے۔

جنگی طاقت

جہاں تک جنگی طاقت کا تعلق ہے، قریش طبعاً امن پسند اور عافیت کوش تھے، دوسری معاصر قوموں کی طرح ان کی معیشت کا زیادہ تر انحصار تجارت کے فروغ، قافلوں کی مستقل آمدورفت، بازاروں، اور منڈیوں کی تنظیم اور تاجروں اور سیاحوں کی آمد پر تھا، جس سے ان کی مذہبی عظمت واہمیت میں بھی اضافہ ہوتا تھا، اور اقتصادی منفعت بھی حاصل ہوتی تھی، اور ہر طرح کا رزق مختلف جہتوں سے وہاں پہونچتا رہتا تھا، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

فَلْيَعْبُدُوا رَبَّ هٰذَا الْبَيْتِ، الَّذِيْ اَطْعَمَهُمْ مِنْ جُوْعٍ، وَّاٰمَنَهُمْ مِنْ خَوْفٍ. (سورۃ الایلاف: ۳،۴)

تو چاہئے بندگی کریں اس گھر کے رب کی، جس نے ان کو کھانا دیا بھوک میں، اور امن دیا ڈر میں۔

عرب کی طویل اور خوں ریز جنگوں کی وجہ سے بھی جن کا سلسلہ تیس تیس چالیس چالیس برس تک جاری رہا اور جن کے نتیجہ میں (جیسا کہ جاہلی شاعر زہیر بن ابی سلمیٰ نے اپنے معلقہ میں اس کا تذکرہ کیا ہے) ہزاروں بچے یتیم اور ہزاروں عورتیں بے سہاگ اور بیوہ ہوگئیں، وہ جنگ کے خوفناک نتائج اور اسکے دوررس اثرات سے ناواقف نہ تھے، وہ مکہ کی ''حرب الفجار'' اور مدینہ کی جنگ ''بُعاث'' کا حشر دیکھ چکے تھے کہ ان کا ان دونوں شہروں کی تمدنی، اقتصادی اور اخلاقی زندگی پر کیا اثر پڑا تھا، اس لئے ایک حقیقت پسند انسان کی حیثیت سے وہ عرب کے دوسرے جنگجو قبائل کی طرح (جن کا پیشہ ہی جنگ تھا) بلاضرورت جنگ کو دعوت دینے کے لئے تیار نہ تھے۔

دوسرے الفاظ میں، ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ قریش (جب تک ان کی قبائلی ومذہبی غیرت کو للکارا نہ جائے) ''بقائے باہم'' کے اصول پر کاربند تھے، لیکن اسی کے ساتھ وہ قابل لحاظ فوجی طاقت کے بھی مالک تھے، شجاعت وبہادری میں ضرب المثل اور شہسواری میں فرد، چنانچہ "الغضبة المضرية" (مضری غصہ) پورے جزیرۃ العرب میں معروف تھا، اور زبان وادب اور محاورات وامثال میں شامل ہوگیا تھا۔

قریش نے اپنی اس ذاتی طاقت پر بس نہیں کیا، بلکہ وہ ''احابیش'' کی قابلِ لحاظ قوت سے بھی فائدہ اٹھاتے رہے جو کہ مکہ کے اطراف میں رہنے والے بعض عرب قبائل، کنانہ اور خزیمہ بن

مدرکہ کے بطن سے تھے، خزاعہ قریش کے حلیف تھے، اس کے علاوہ قریش کے پاس غلاموں کی بھی بڑی تعداد تھی جو تمام لڑائیوں میں ان کے پرچم کے نیچے رہتے تھے، وہ بیک وقت کئی ہزار جنگ جو میدان میں جھونک دیتے تھے، غزوہ احزاب میں یہ تعداد دس ہزار تک جا پہونچی تھی، اور یہ عہدِ جاہلیت کی تاریخ میں جزیرۃ العرب کی سب سے بڑی جنگی نفری تھی۔

مکہ جزیرۃ العرب کا ایک بڑا شہر اور اس کا روحانی وسماجی پایۂ تخت

اس مذہبی حیثیت ومرکزیت، معاشی فارغ البالی، تجارتی سرگرمیوں اور تمدن ومعیشت میں ترقی کی وجہ سے مکہ جزیرۃ العرب کا ایک بڑا شہر بن گیا تھا، اور یمن کے مشہور شعر صنعاء سے آنکھیں ملا رہا تھا، اور جب چھٹی صدی عیسوی کے وسط میں صنعاء پر یکے بعد دیگر حبشہ اور ایران کا تسلط ہو گیا اور حیرہ اور غسان کی ریاستوں کی بھی وہ سابقہ شان وشوکت جاتی رہی تو اس وقت مکہ نے جزیرۃ العرب کے ایک ایسے مذہبی اور سماجی پایۂ تخت کی حیثیت اختیار کر لی جس میں اس کا کوئی شریک وہمسر نہ تھا۔

اخلاقی پہلو

مکہ کا اخلاقی پہلو بہت کمزور تھا سوائے ان چند جاہلی روایات واقدار کے جن کو وہ اپنے سینہ سے چمٹائے ہوئے تھا، جوئے کا کاروبار ان میں عام تھا اور وہ اس پر فخر کرتے تھے، شراب نوشی عام طور پر رائج تھی، عیش وطرب اور رقص ونغمہ کی محفلیں بکثرت آراستہ ہوتی تھیں اور دورِ جام چلتا تھا، بہت سے فواحش، ظلم وسفا کی، حق تلفی وناانصافی اور ناجائز کمائی ان کے معاشرہ میں بری نظر سے نہ دیکھی جاتی تھی۔

اس اخلاقی پستی کی (جو عام طور پر جزیرۃ العرب اور خاص طور پر اہل مکہ میں ہمیں نظر آتی ہے) سب سے سچی اور نازک تصویر وہ ہے جو قریش ہی کے ایک فرزند اور مکہ کے اصلی وقدیم ساکن جعفر بن ابی طالب نے نجاشی کے سامنے پیش کی تھی، اور اس وقت کی عربی معاشرت اور جاہلی کردار کا نقشہ کھینچا تھا، ان کا بیان یہ تھا کہ:۔

''اے بادشاہ! ہم جاہلیت والی قوم تھے، بتوں کی پرستش کرتے تھے، مردار کھاتے تھے، ہر طرح کی بے حیائی کرتے تھے، رشتوں کو توڑتے تھے، پڑوسی کے ساتھ برا سلوک کرتے تھے، اور طاقت ور کمزور کو کھاتا تھا(۱)''۔

---

(۱) سیرت ابن ہشام، ج ا، ص ۳۳۶، جاہلی معاشرہ کی خصوصیات وتفصیلات کے لئے ڈاکٹر جواد علی کی کتاب المفصل فی تاریخ العرب قبل الاسلام، کے حصہ چہارم کے عنوان ''المجتمع العربی'' کے تحت مضمون کا مطالعہ کیا جائے۔ (ص ۱۷۱، ۴۱۴)

مذہبی پہلو

مذہبی پہلو (اخلاقی وتمدنی زاویہ نگاہ سے) اور زیادہ کمزور تھا، اس کی وجہ یہ تھی کہ عہد نبوت سے ان کا فاصلہ بہت بڑھ چکا تھا، جہالت عام تھی، بت پرستی جو انھوں نے اپنے پڑوس کی قوموں سے سیکھ لی تھی، دلوں میں گھر کر چکی تھی، بتوں سے ان کو ایک قسم کا عشق ہو گیا تھا، چنانچہ صرف کعبہ کے اندر اور صحن میں تین سو ساٹھ بت تھے، جن میں سب سے بڑا ہُبل تھا، جس کو مخاطب کرتے ہوئے ابوسفیان نے جنگ احد میں کہا تھا، اُعلُ ہُبل (ہُبل کی بڑائی ہو) یہ جوف کعبہ کے اندر ایک گڑھے کے اوپر تھا، جس میں نذرانے وغیرہ جمع ہوتے تھے، یہ بت سرخ عقیق کا بنا ہوا تھا، انسان کی شکل میں تھا، جس کا دایاں ہاتھ ٹوٹا ہوا تھا، قریش نے اس کو اسی طرح سے پایا تا، اس میں انہوں نے سونے کا ہاتھ لگوادیا تھا، کعبہ کے سامنے دو بت رہتے تھے جن میں ایک کا نام ''اُساف'' تھا دسرے کا ''نائلہ'' ایک کعبہ سے بالکل ملا ہوا تھا، دوسرا زمزم کے پاس تھا، قریش نے کعبہ کے قریب والے بت کو بھی دوسرے بت کے پاس منتقل کردیا، یہ وہ جگہ ہے جہاں عرب قربانی وغیرہ کرتے تھے، صفا پر بھی ایک صنم تھا، جس کا نام تھا ''نهيك مجاود الريح'' مروہ پر جو بت نصب تھا، اس کا نام ''مطعم الطير'' تھا۔

مکہ کے ہر گھر میں ایک بت تھا، جس کی یہ گھر والے عبادت کرتے تھے، عزیٰ عرفات سے قریب تھا، اور اس پر ایک معبد بنادیا گیا تھا، یہ قریش کے نزدیک تمام بتوں سے زیادہ معزز اور بڑا تھا، وہ ان بتوں کے سامنے تیروں سے فال نکالا کرتے تھے، ''الخلصة'' مکہ کے نشیب میں نصب تھا اس بت کو ہار پہنائے جاتے تھے، جو اور گیہوں کا نذرانہ اس کو پیش کیا جاتا تھا، اس کو دودھ سے نہلایا جاتا تھا، اس کے لئے قربانی کی جاتی تھی، اور اس پر شتر مرغ کے انڈے لٹکائے جاتے تھے، بت مکہ میں گلی گلی آواز دے کر بیچے جاتے تھے، دیہات کے لوگ پسند کرتے، خریدتے اور اپنے گھر کی زینت بناتے۔

اس طرح یہ قوم (اپنی ساری جواں مردی، وفاداری وجانثاری اور اپنے کریمانہ عربی اوصاف کے باوجود) بت پرستی، بتوں سے عشق وشیفتگی، اوہام وخرافات سے وابستگی، صحیح دینی مفہوم سے ناواقفیت اور پاکیزہ، نظیف ولطیف دین حنیف اور ملت ابراہیمی سے دوری وبے تعلقی کے اس پست درجہ پر تھی، جہاں دنیا کی بہت کم قومیں ہوں گی (۱)۔

یہ چھٹی صدی کے وسط کا مکہ ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اور اس کے

---

(۱) ''المفصل فی تاریخ العرب قبل الاسلام'' کی چھٹی جلد کے عنوان ''ادیان العرب'' میں مفصل معلومات وجزئیات آئی ہیں، ملاحظہ ہو، ص ۵، ۴۴۹۔

سرد و تاریک اُفق سے آفتابِ اسلام کے طلوع سے پہلے ہمیں نظر آتا ہے(۱)۔

اللہ تعالیٰ نے بالکل صحیح ارشاد فرمایا ہے:۔

لِتُنْذِرَ قَوْماً مَّآ اُنْذِرَ اٰبَآءُ هُمْ فَهُمْ غٰفِلُوْنَ. (سورۂ یسٓ۔٦)

(یہ خدائے غالب و مہربان نے نازل کیا ہے) تاکہ تم ان لوگوں کو جن کے باپ دادا کو متنبہ نہیں کیا گیا تھا، متنبہ کر دو، وہ غفلت میں پڑے ہوئے ہیں۔

(۱) اس فصل میں تفسیر وحدیث میں آنے والے اشارات کی رہنمائی سے نیز متفرق معلومات میں حسب ذیل کتب سے مدد لی گئی ہے "کتاب الاصنام" للکلبی (م۲۰۶ھ) سیرت ابن ہشام (م۲۱۳ھ) "اخبار مکہ" از امام ابی الولید محمد الازرقی (م۲۲۳ھ) "بلوغ الارب فی معرفة احوال العرب" سید محمود شکری الآلوسی (م۱۳۴۲ھ) نیز "تاریخ مکہ" از استاد احمد سباعی اور کتاب "مکة والمدینه فی الجاهلیة وعهد الرسول" از استاذ ابراہیم الشریف۔

ولادت باسعادت سے آغاز نبوت تک

عبداللہ اور آمنہ

قریش کے سردار عبدالمطلب کے دس صاحبزادے تھے، جو سب ممتاز اور نامور تھے، عبداللہ اپنے سب بھائیوں میں بہت ستودہ صفات اور مرکزی حیثیت کے مالک تھے (۱)، ان کے والد نے ان کی شادی بنی زہرہ کے سردار وہب کی صاحبزادی آمنہ سے کی جو اس وقت اپنی عالی نسبی اور عزت ووجاہت میں قریش کی سب سے محترم خاتون سمجھی جاتی تھیں (۲)۔

تاریخی طور پر یہ بات ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے والد محترم عبداللہ بن عبدالمطلب کی وفات آپ کی ولادت سے قبل پیش آئی، وہ شام سے واپس آرہے تھے راستہ میں علیل ہوئے جب یثرب (مدینہ منورہ) پہنچے جو آپ کے ننہالی اعزہ بنی عدی ابن النجار کا وطن تھا، تو وہاں حالت جوانی میں وفات پائی، آپ کی عمر کے بارے میں مختلف روایات ہیں، واقدی نے ۲۵ سال لکھی ہے، اس سے بھی کم عمر بعض روایات میں آئی ہے، بعض روایات میں یہ ہے کہ ان کی وفات آپ کی ولادت کے بعد (باختلاف مدت) ہوئی (بلاذری، انساب الاشراف للطبری)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شکم مادر میں تھے کہ آپ کے والد عبداللہ کا انتقال ہوگیا، حضرت آمنہ کو آپ کی ولادت سے پہلے ایسی بہت سی نشانیاں اور آثار نظر آئے جن سے معلوم ہوتا تھا کہ ان کے فرزند کی مستقبل میں بڑی شان ہونی ہے (۳)۔

آپ کی ولادت باسعادت اور عالی نسبی

آپ ﷺ کی ولادت شریفہ ۱۲/ربیع الاول (۴) عام الفیل (مطابق ۵۷۰ عیسوی) دوشنبہ کے

---

(۱) ابن ہشام، ج۱، ص ۱۰۸۔ (۲) ایضاً، ص ۱۱۰

(۳) ابن ہشام، ج۱، ص ۱۵۸۔ (۴) مشہور روایت یہی ہے لیکن فلکیات کے مشہور مصری عالم اور محقق محمود پاشا کی تحقیق یہ ہے کہ آپ کی ولادت شریفہ دوشنبہ کے دن ۹ ربیع الاول کو واقعہ فیل کے پہلے سال ہوئی جو ۲۰/اپریل ۵۷۱ عیسوی کے مطابق ہے۔ بعض روایات میں آیا ہے کہ ولادت باسعادت ۵۶۹ء میں ہوئی، قاضی محمد سلیمان منصور پوری صاحب نے اپنی کتاب رحمۃ للعالمین میں ذکر کیا ہے کہ ولادت شریفہ ۹/ربیع الاول عام الفیل میں ہوئی، جو ۲۲/اپریل ۵۷۱ء کے مطابق ہے۔

دن ہوئی، یہ تاریخ انسانیت کا سب سے روشن اور مبارک دن تھا۔

آپؐ کا نسب مبارک اس طرح ہے، محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبدمناف بن قصی بن کلاب بن مرۃ بن کعب بن لوئی بن غالب بن فہر بن مالک بن النضر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان۔

عدنان کا نسب سیدنا اسماعیل بن ابراہیم علیہما السلام تک پہونچتا ہے(۱)، جب آپؐ کی ولادت ہوئی تو آپ کی والدہ ماجدہ نے آپؐ کے دادا کو یہ اطلاع بھجوائی، وہ آئے محبت سے آپ کو دیکھا اور گود میں لے کر کعبہ کے اندر داخل ہوئے اور اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کی اور دعا کی (۲)، اور آپ کا نام ''محمدؐ'' رکھا یہ نام بالکل نیا تھا، چنانچہ عربوں کو اس پر بہت تعجب ہوا (۳)۔

مصنفین سیرت کی ایک بڑی تعداد اور فن حدیث پر وسیع و عمیق نظر رکھنے والے مصنفین نے ولادت نبویؐ کے مسعود و مبارک موقع پر بہت سی ان خارق عادت اور طاقت بشری سے خارج علامتوں کے ظہور کا ذکر کیا ہے جو اہل نظر کو اس طرف متوجہ کرتی تھیں کہ عالم انسانی اور حیات بشری میں دین واخلاق، قافلۂ انسانی کی رفتار اس کے رُخ اور انجام کے ایک نئے دور کی خبر دیتی ہیں، جو ولادت مبارکہ سے شروع ہونے والا ہے، یہ کچھ خارق عادت واقعات تھے جو اہل نظر، قلب سلیم اور قوت استنتاج رکھنے والے افراد کو متوجہ کرتے تھے۔

ان میں ایوان کسریٰ کے حرکت وارتعاش میں آجانے، اس کے چودہ (۱۴) کنگوروں کے گر جانے، بحیرۂ ساوہ کے خشک ہوجانے اور ایران کے ان آتش کدوں کے بجھ جانے کا ذکر آتا ہے جن کی ایرانی پرستش کرتے تھے، اور جو ایک ہزار سال سے کبھی بجھے نہیں تھے۔

حافظ بیہقیؒ نے اپنی کتاب دلائل النبوۃ ج ۱، ص ۱۲۶-۱۳۰، اور ابن جریر و ابن عساکر نے

---

(۱) سیرت ابن ہشام، ج ۱، ص ۱-۲، نیز سیرت تاریخ اور انساب کی دیگر اہم کتب، ہم نے عدنان تک آپؐ کا نسب یہاں درج کیا ہے جس میں کوئی اختلاف نہیں ہے،

(۲) سیرت ابن ہشام، ج ۱، ص ۱۵۹، ۱۶۰

(۳) ابن کثیر، ج ۱، ص ۲۱۰ و ابن ہشام ص ۱۵۸، سہیلی کی کتاب ''الروض الانف'' اور ابن فورک کی ''الفصول'' سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے پوری تاریخ میں صرف تین اشخاص ایسے ملتے ہیں جنھوں نے اہل کتاب سے یہ سن کر کہ جزیرۃ العرب میں ایک نبی ظاہر ہونے والے ہیں، جن کا نام محمد ہوگا ان کو یہ بھی بتایا جاتا تھا کہ اس کا وقت قریب ہے، ان کی بیویاں حمل سے تھیں، اس وقت اس لالچ میں انھوں نے یہ نذر مانی کہ لڑکا ہوا تو اس کا نام محمد رکھیں گے، چنانچہ انھوں نے ایسا ہی کیا، بعض لوگوں نے اس سے بھی زیادہ تعداد بیان کی ہے، لیکن راقم سطور کا خیال ہے کہ مسئلہ ابھی بہت تحقیق طلب ہے، اس لئے کہ قریش کے ہر فرد نے اس پر حیرت اور تعجب کا اظہار کیا تھا، نیز اس روایت کی فنی جانچ پڑتال کی بھی ضرورت ہے۔

مخزوم ابن ہانی کی روایت کے حوالہ سے ان واقعات کا ذکر کیا ہے، مؤلفین سیرت میں سے بھی ایک بڑی تعداد نے اس کی راویت کی ہے، حافظ ومورخ کبیر علامہ ذہبی (م ۷۴۸ھ) نے تفصیل کے ساتھ، اور علامہ حافظ ابن حجر نے اپنی شہرۂ آفاق کتاب ''فتح الباری شرح صحیح البخاری'' میں بھی اس کا ذکر کیا ہے، اسی کے ساتھ کسریٰ شہنشاہ ایران پر ان غیر معمولی حوادث کا جو رد عمل ہوا اور اس سلسلہ میں اہل دربار نے اپنے جو تاثرات ظاہر کئے ان کا بھی ان کتابوں میں ذکر آتا ہے، امام ابن کثیر مفسر ومحدث (م ۷۷۴ھ) نے اپنی کتاب "السیرۃ النبویۃ" حصہ اول ص ۲۱۵ میں اور علامہ علی ابن برہان الدین الحلبیؒ (م ۱۰۴۴ھ) نے اپنی کتاب مشہور "بالسیرۃ الحلبیۃ" جزءاول میں اسکا ذکر کیا ہے، علامہ حافظ ابن حجرؒ نے ''فتح الباری'' میں ان روایات کی صحت کا اعتراف کیا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ علامتیں جن کا ذکر کیا گیا ہے ان میں ایک لطیف اشارہ اہل نظر وفکر کے لئے اس کا تھا کہ دنیا میں ہدایت وسعادت کا ایک نیا دور شروع ہونے والا اور اس کی صبح صادق طلوع ہونے والی ہے، اور اس کی علامتیں ظاہر ہوگئی ہیں، ورنہ یہ ولادت باسعادت (جس سے بعثت مبارکہ کا دور مربوط ہے) اس سے کہیں زیادہ عظیم، وسیع، عمیق اور مبارک ومسعود تھی کہ یہ آفاقی علامتیں (جن کا تعلق ظاہری نظر اور چشم بصارت سے ہے) اس کا احاطہ کرسکیں، اس کے ظہور کی خبر دے سکیں اور اس کی برکتوں اور عظمتوں کا احاطہ کرسکیں۔

ایّام رضاعت

چند دن آپ کو آپ کے چچا ابولہب کی باندی ثوبیہ نے دودھ پلایا، پھر عبدالمطلب نے اپنے یتیم پوتے کے لئے (جن سے زیادہ اپنی اولاد میں ان کو کوئی محبوب نہ تھا) دیہات کی کسی دودھ پلانے والی کی تلاش شروع کی، عرب اس زمانہ میں اپنے بچوں کی رضاعت اور ابتدائی پرورش کے لئے شہروں سے زیادہ دیہاتوں کو پسند کرتے تھے، اس لئے کہ وہاں کی آب وہوا زیادہ صاف وپاکیزہ اور وہاں کے رہنے والوں کے اخلاق میں اعتدال اور سلامتی طبع زیادہ نمایاں تھی، شہر کے مفاسد سے بھی حفاظت تھی اور وہاں کی زبان بھی صحیح اور فصیح مانی جاتی تھی۔

قبیلہ بنی سعد کی عورتیں اس کام میں اور فصاحت وبلاغت میں خاص شہرت رکھتی تھیں، ان میں حلیمہ سعدیہ بھی تھیں، جن کو یہ دولت عظمیٰ ہاتھ آئی، یہ بچوں کی تلاش میں اپنے گاؤں سے آئی تھیں، خشک سالی کا زمانہ تھا، اور لوگ سخت پریشانی میں مبتلا تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سب عورتوں کے سامنے پیش کیا گیا، لیکن اکثر نے یہ سوچ کر کہ یہ یتیم بچہ ہے، اس کے والد ہوتے تو کچھ نفع کی امید

تھی، ماں اور دادا سے کیا مل پائے گا؟ آپ کی طرف زیادہ التفات نہ کیا، پہلے پہل حلیمہ نے بھی آپ کی طرف کچھ خاص توجہ نہ کی اور ان کا رخ بھی دوسری طرف ہونے لگا، لیکن اچانک ان کے دل میں آپ کی محبت پیدا ہوگئی، کوئی دوسرا بچہ بھی سامنے نہیں تھا، چنانچہ وہ واپس آئیں اور آپ کو لے کر اپنے قافلہ میں واپس گئیں، اور اسی وقت آپ کی برکت کھلی آنکھوں انھوں نے دیکھ لی، ان کی ہر چیز میں ایک دوسرا رنگ نظر آنے لگا، ان کو دودھ میں، جانوروں میں، رزق میں ہر چیز میں صاف برکت محسوس ہوئی، ان کے ساتھ کی جتنی دودھ پلانے والیاں تھیں اب انھوں نے کہنا شروع کیا کہ حلیمہ تم کو بہت مبارک بچہ ملا ہے، بہت مبارک جان ہے، ان کو بی بی حلیمہ سے حسد بھی ہونے لگا۔

دوسری طرف خیر و برکت کا سلسلہ برابر قائم رہا، یہاں تک کہ بنی سعد کے اس قبیلہ میں آپ کی عمر مبارک کے دو سال پورے ہوگئے اور بی بی حلیمہ نے آپ کا دودھ چھڑا دیا، آپ کا نشو ونما عام بچوں سے مختلف طور پر ہو رہا تھا، اس موقع پر وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو لے کر آپ کی والدہ کے پاس حاضر ہوئیں اور ساتھ ہی یہ خواہش ظاہر کی کہ کچھ مدت کے لئے ان کو اور رہنے دیا جائے چنانچہ بی آمنہ نے آپ کو ان کے پاس واپس لوٹا دیا (۱)۔

حلیمہ سعدیہ آپ کو جب مادر محترمہ حضرت آمنہ کے پاس واپس لائیں تو آپ کی عمر شریف پانچ سال ایک مہینہ کی تھی، حضرت حلیمہ کے اسلام قبول کرنے کے بارے میں راویوں کا اختلاف ہے، حافظ سیوطی اور حافظ مغلطائی نے آپ کے اسلام لانے کو ترجیح دی ہے۔

واپسی کے بعد جب آپ بنی سعد میں تھے، دو فرشتے آئے آپ کا سینہ مبارک شق کیا، آپ کے قلب مبارک سے گوشت کے ٹکڑے یا لوتھڑے کی مانند ایک سیاہ چیز نکال کر پھینک دی، پھر آپ کے قلب کو خوب اچھی طرح دھو کر اور صاف کر کے اپنی جگہ واپس کر دیا، اور وہ اسی طرح ہو گیا جیسے پہلے تھا (۲)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رضاعی بھائیوں کے ساتھ جنگل میں بکریاں بھی چرایا کرتے تھے، اور سادگی و جفاکشی، فطرت صحیحہ اور گاؤں کی صاف ستھری زندگی، شہر کی آلائشوں سے محفوظ آب

---

(۱) رضاعت کی یہ طویل و دلنواز کہانی سیرت ابن ہشام میں بہت بلیغ انداز میں بیان کی گئی ہے دیکھئے ص ۱۶۲۔۱۶۶

(۲) اس کی تفصیل سیرت کی کتابوں میں ملاحظہ فرمائیں، امام مسلم نے انس بن مالک کی روایت سے کتاب الایمان ''باب الاسراء برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم'' کے تحت اس واقعہ کو بیان کیا ہے، حضرت شاہ ولی اللہؒ صاحب نے اپنی کتاب ''حجۃ اللہ البالغہ'' میں لکھا ہے کہ فرشتے ظاہر ہوئے آپ کے سینۂ مبارک کو شق کر کے دل کو اس میں سے نکالا اور اس کو ایمان وحکمت سے بھر دیا، یہ عالم مثال اور عالم شہادت کی درمیانی حالت کا واقعہ ہے، یہ شق صدر اس طرح کی چیز نہ تھی جس سے ضرر پہونچتا ہے، اس کو دوبارہ سینے کا اثر آپ کے سینۂ مبارک پر باقی نہ رہا، عالم مثال اور عالم شہادت جہاں ملتے ہیں، وہاں اسطرح کے واقعے پیش آتے ہیں (حجۃ اللہ البالغہ، ج ۲، ص ۱۰۵)

وہوا، اور فصاحت و بلاغت کے ماحول میں آپ کی پرورش ہو رہی تھی جس میں بنی سعد کا بڑا نام تھا، آپ صحابۂ کرام سے کبھی کبھی فرمایا بھی کرتے تھے "میں تم سب سے زیادہ عرب ہوں، قریشی ہوں اور بنی سعد بن بکر کے قبیلہ میں میں نے دودھ پیا ہے" (۱)

بی بی آمنہ اور دادا عبد المطلب کی وفات

جب آپ کا سن چھ سال کا ہوا تو آپ کی والدہ آپ کو آپ کے دادا کا ننھیال دکھانے کے لئے یثرب لے گئیں، وہ اپنے محبوب شوہر عبد اللہ بن عبد المطلب کی قبر پر بھی جانا چاہتی تھیں (۲)، مکہ واپس ہوتے ہوئے ایک مقام پر جس کو "الابواء" (۳) کہتے ہیں بی بی آمنہ کا انتقال ہو گیا، اب ایک طرف محبوب اور چاہنے والی ماں کی جدائی کا غم تھا، دوسری طرف مسافرت کی تنہائی، آپ کی ولادت سے برابر آپ کے ساتھ کچھ اسی قسم کا معاملہ پیش آتا رہا، یہ تربیت الٰہی کے وہ اسرار ہیں، جن کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا، ایک باندی ام ایمن برکۃ حبشیہ آپ کو لے کر مکہ آئیں اور یہ خدائی امانت آپ کے دادا عبد المطلب کے سپرد کی، اس کے بعد آپ دادا کے سایۂ شفقت میں رہے، جو آپ کو دل و جان سے زیادہ چاہتے تھے، اور کسی وقت آپ سے غافل نہ ہوتے تھے، کعبہ کے سایہ میں اپنے فرش پر آپ کو اپنے ساتھ بٹھاتے اور طرح طرح سے محبت و شفقت کا اظہار کرتے۔

جب آپ کی عمر مبارک آٹھ سال کی ہوئی تو دادا عبد المطلب (۴) کا بھی انتقال ہو گیا، اور آپ کو یتیمی کا ذائقہ پھر چکھنا پڑا جو پہلے سے زیادہ تلخ اور سخت تھا، اپنے والد کو تو آپ نے دیکھا بھی نہیں تھا، اور ان کی شفقت و محبت کے مزے سے بھی آپ ناواقف تھے، اس لئے ان کے انتقال کا صدمہ عقلی اور روایتی سے زیادہ نہ تھا، لیکن دادا کے لطف و محبت سے محرومی کا احساس حسی اور تجرباتی تھا، اور ان دونوں کا کھلا ہوا فرق ہر شخص سمجھ سکتا ہے۔

چچا ابو طالب کے ساتھ

دادا کے انتقال کے بعد آپ اپنے چچا ابو طالب کے ساتھ رہنے لگے، جو آپ کے والد کے حقیقی

---

(۱) ابن ہشام، ج ۱، ص ۱۶۷

(۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس سفر کے کچھ واقعات بیان فرماتے تھے، ہجرت کے بعد آپ نے بنی النجار کے مکانات کو دیکھ کر فرمایا کہ میری ماں یہیں اتری تھیں، اور بنی عدی بن النجار کی باؤلی میں خوب پیرا تھا، (شرح المواہب اللدنیہ، ج ۱، ص ۱۶۷-۱۶۸)

(۳) یہ مقام مستورہ کے قریب ہے جو اس وقت مکہ اور مدینہ کے درمیان کی مشہور منزل اور نصف راستہ پر ہے۔

(۴) سیرت ابن ہشام، ج ۱، ص ۱۶۸-۱۶۹۔

بھائی تھے، عبدالمطلب ان کو آپ کی خبر گیری اور حسن سلوک کی وصیت برابر کرتے رہتے تھے، اس لئے وہ یکسو ہو کر آپ کی طرف متوجہ ہو گئے اور اپنے صاحبزادوں علی، جعفر اور عقیل (رضی اللہ عنہم) سے زیادہ نرمی، شفقت اور نگہداشت و پرورش کا معاملہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رکھا (۱)۔

بیان کیا جاتا ہے کہ جس وقت ابو طالب تجارت کے لئے ایک قافلہ میں شامل ہو کر شام جانے لگے اس وقت آپ کی عمر نو (۹) سال تھی (۲)، آپ یہ دیکھ کر اپنے چچا سے لپٹ گئے، ابو طالب پر اس کا بہت اثر پڑا، اور انھوں نے سفر میں آپ کو اپنے ساتھ لے لیا۔

جب یہ تجارتی قافلہ ''بصریٰ'' کے مقام پر پہونچا جو شامی علاقہ میں واقع ہے تو یہاں اس نے پڑاؤ کیا، یہاں ان کی ملاقات بحیریٰ راہب سے ہوئی جو اپنے معبد یا خانقاہ میں رہتے تھے، بحیریٰ راہب نے معمول کے خلاف قافلہ کی میزبانی کی اور بہت اچھی طرح اس کا استقبال کیا، اس لئے کہ اس قافلہ کے ساتھ خدا کا خاص معاملہ اور غیر معمولی واقعات نظر آرہے تھے، جب انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو آپ کی اور زیادہ پذیرائی کی، اور اس کا اطمینان کیا کہ نبوت کی نشانیاں آپؐ کے اندر موجود ہیں، انھوں نے ابو طالب کو آپؐ کے شان اور مرتبہ کی بلندی کی طرف متوجہ کیا اور کہا کہ اپنے بھتیجہ کو لے کر وطن واپس جائیں اور یہود سے آپ کی خاص طور پر حفاظت کریں، اس لئے کہ تمہارے بھتیجہ کی آگے چل کر بڑی شان ہونے والی ہے، چنانچہ ابو طالب آپ کو بحفاظت مکہ واپس لے آئے (۳)۔

---

(۱) ایضاً، ص ۱۷۹

(۲) زیادہ صحیح روایت کے مطابق۔

(۳) مستشرقین اور بدنیت مؤرخین ایسے مواقع ہمیشہ ڈھونڈتے رہتے ہیں، چنانچہ بحیریٰ راہب سے آپ کی اس سرِ راہ ملاقات کو (جس کے عقیدہ اور علمی مرتبہ کا کچھ نام و نشان ہمیں نہیں ملتا) انھوں نے رائی کا پربت بنا دیا اور اس پر پورا ہوائی قلعہ تعمیر کر لیا اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ عقیدۂ توحید کی یہ صاف و بے لاگ تعلیمات آپؐ نے دراصل ایک عیسائی عالم سے حاصل کی ہیں، اس سے زیادہ قابل تعجب بات یہ ہے کہ ایک فرانسیسی مستشرق CARRA DE VEAUX نے اس موضوع پر ایک مستقل کتاب تصنیف کی اور اس کا نام ''مصنف قرآن'' رکھا، اور اس میں یہ دعویٰ کیا کہ اس مختصر ملاقات میں ''بحیریٰ'' نے پورا قرآن محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو املا کرایا۔

اگر بحیری راہب سے ملاقات کا واقعہ صحیح بھی تسلیم کیا جائے تب بھی کوئی سمجھدار و عاقل شخص جس کے ہوش و حواس سلامت ہیں، اور اس میں انصاف کا کوئی ذرہ موجود ہے اس بات پر غور کرنے کا بھی روادار نہ ہوگا، یہ بات کس کی عقل میں آسکتی ہے کہ ایک کمسن بچہ جس کی عمر سب سے صحیح روایت کے مطابق نو سال اور زیادہ سے زیادہ بارہ سال بتائی گئی ہے ایک ایسے سن رسیدہ شخص سے جس کی زبان سے بھی وہ آشنا نہیں اور جس کو صرف ایک وقت کے کھانے پر ساتھ بیٹھنے کا موقع ملا ہے ایسے دقیق واہم مسائل اور نازک تفصیلات پر تبادلۂ خیالات کرے گا، اور چھٹی صدی عیسوی میں عیسائیت کے منسوخ شدہ مشرکانہ عقائد و خیالات کی ان باریکیوں سے آگاہ ہو جائے گا، جہاں تک پروٹسٹنٹ مذہب کے............ (بقیہ اگلے صفحہ پر)

آسمانی تربیت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نشو ونما خاص محفوظ ومعصوم طریقہ پر ہوئی ،اور جاہلیت کی نجاستوں اور بری عادتوں سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہمیشہ دور اور پاک رکھا،آپ اپنی قوم میں شروع ہی سے سب سے زیادہ حمیدہ صفات وعالی ہمت،حسن اخلاق سے آراستہ، حیادار، راست گفتار، امانت دار اور بدکلامی اور فحش بیانی سے بہت دور سمجھے جاتے تھے، یہاں تک کہ آپ کی قوم کے لوگ آپ کو ''امین (۱)'' کے نام سے یاد کرنے لگے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان تمام باتوں اور جاہلیت کی عادتوں سے محفوظ رکھا تھا، جو آپؐ کے شان ورتبہ کے مطابق نہ تھیں اگر چہ اس معاشرہ میں ان کے اندر کوئی حرج نہ سمجھا جاتا تھا، نہ ان باتوں پر کسی کی نگاہ پڑتی تھی، آپ رشتوں کا خیال کرتے ،لوگوں کا بوجھ ہلکا کرتے اور ان کی ضرورتیں پوری فرماتے مہمان کا اکرام کرتے اور خیر وتقویٰ کے کاموں میں دوسروں کی مدد (۲) کرتے ،محنت کر کے روزی حاصل کرتے ،اور معمولی اور ضرورت بھر غذا پر اکتفا فرماتے تھے۔

آپ کی عمر چودہ، پندرہ سال کی تھی کہ قریش اور قبیلہ قیس کے درمیان حرب الفجار شروع ہوگئی ،اور آپ نے اس کو قریب سے دیکھا بلکہ آپؐ دشمن کے استعمال کئے ہوئے تیروں کو قریش تک پہونچاتے تھے، جو جنگ کا خاص طریقہ ہے،اس موقع پر آپ کو جنگ کا عملی تجربہ ہوا،اور شہسواری وسپہ گری سے شناسائی ہوئی (۳)۔

جب عمر مبارک کچھ اور زیادہ ہوئی تو آپ نے ذریعہ معاش کی طرف توجہ کرنا ضروری سمجھا،

(پچھلے صفحہ کا بقیہ)........... بڑے بڑے پادریوں اور عالموں کی رسائی نہ ہوسکی، پھر تیس چالیس سال کے بعد (جب بحیرئ راہب کی ہڈیاں بھی خاک میں مل چکی ہوں گی) قرآن کی شکل میں ان سب کو مرتب کر کے پیش کردے گا؟ یہ بات صرف وہی شخص کہہ سکتا ہے جس کو تعصب نے اندھا کردیا ہو، خیال آرائی اور فرضی وہمی باتیں تصنیف کرنے میں اس کو کمال ہو، اگر یہ قصہ سیرت کی کتابوں میں نہ ہوتا تو اس کے ذکر کی بھی ضرورت نہ تھی، خود مغربی محققین آخری دور میں (اعتقادی طور پر عیسائی، اور بحث وتحقیق کے اعتبار سے روشن خیال اور آزاد ہونے کے باوجود) اس نتیجہ پر پہونچے ہیں کہ آپؐ نے وحی کے طور پر جو کچھ لوگوں کے سامنے پیش کیا، اور فرمایا کہ یہ وحی الٰہی ہے، اس کے بارے میں جو کہا اور لکھا گیا کہ یہ مسیحی مذہبی پیشواؤں اور راہبوں کی تلقین کی ہوئی باتیں تھیں، اس کا بے بنیاد و بے حقیقت ہونا ثابت اور محقق ہو چکا ہے، وہ محض ایک فرضی بات اور شک انگیزی کی کوشش تھی جس کی کوئی دلیل اور تاریخی ثبوت فراہم نہیں ہوسکا۔

(۱) سیرت ابن ہشام، ج۱،ص ۱۸۳۔

(۲) ملاحظہ ہو حضرت خدیجہؓ کی شہادت جو انھوں نے آپؐ کے غار حراء سے واپسی پر آپ کے اخلاق کے بارے میں دی۔

(۳) سیرت ابن ہشام، ج۱،ص ۱۸۶

اور بکریاں چرانے کا پیشہ اختیار کیا جو اس زمانہ کا ایک شریفانہ ذریعۂ معاش ہونے کے علاوہ نفسیاتی تربیت اور کمزوروں محتاجوں پر شفقت ومحبت کے جذبات پیدا کرنے نیز صاف وتازہ ہوا کا لطف لینے اور جسم کی تقویت وورزش کا سامان بھی اپنے اندر رکھتا ہے، اس سے بڑھ کر یہ کہ وہ انبیاء کی سنت ہے، چنانچہ نبوت کے بعد آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ کوئی نبی ایسا نہیں گزرا جس نے بکریاں نہ چرائی ہوں، پوچھا گیا کہ آپ نے بھی اے اللہ کے رسولؐ؟ فرمایا ہاں میں نے بھی۔

آپ نے پہلے بھی بنی سعد میں اپنے رضاعی بھائیوں کے ساتھ بکریاں چرائی تھیں، اس لئے آپ اس کام سے کچھ ناواقف وبے خبر نہ تھے، صحاح سے ثابت ہے کہ آپ مکہ میں چند قیراط (۱) کے عوض (جو آپ بکریوں کے مالکوں سے لیتے تھے) بکریاں چراتے تھے (۲)۔

حضرت خدیجہ سے رشتۂ ازدواج

جب آپ پچیس سال کے ہوئے تو حضرت خدیجہ بنت خویلد کے ساتھ آپ نے نکاح کیا، حضرت خدیجہ قریش کی بہت باا‌ثر وبارسوخ خاتون تھیں اور فہم وفراست، اخلاق کریمانہ نیز مال ودولت کے لحاظ سے بھی نامور تھیں، یہ بیوہ تھیں، اور ان کے شوہر ابوہالہ کا انتقال ہو چکا تھا، اس شادی کے وقت آپؐ کی عمر شریف پچیس سال اور حضرت خدیجہؓ کی چالیس سال تھی (۳)۔

حضرت خدیجہؓ تجارتی کاروبار بھی کرتی تھیں، روپیہ ان کا ہوتا تھا، اور دوسرے لوگ محنت کرتے تھے، اور اپنی محنت کا معاوضہ پاتے تھے، قریش بڑی تاجر قوم تھی، حضرت خدیجہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی راست گفتاری، حسن اخلاق اور جذبۂ خیر خواہی کا علم بھی آپ کے سفرِ شام سے بخوبی ہو چکا تھا، جب آپؐ ان کا مال لے کر بغرض تجارت شام گئے تھے، اور اس سفر میں جو انوکھے واقعات پیش آئے تھے، اس کا بھی ان کو علم تھا، چنانچہ انھوں نے آپؐ سے رشتہ کی خواہش کی، حالانکہ اس سے پہلے وہ قریش کے بڑے

---

(۱) علامہ شبلی "سیرت النبی" جلد اول میں لکھتے ہیں کہ "قراریط" کے معنی میں علماء کا اختلاف ہے، ابن ماجہ کے شیخ سوید بن سعید کی رائے یہ ہے کہ یہ قیراط کی جمع ہے، جو درہم یا دینار کا ایک جز تھا، اس لحاظ سے ان کے نزدیک حدیث کے معنی یہ ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اجرت پر بکریاں چراتے تھے، اور اسی وجہ سے بخاری نے باب الاجارۃ میں اس کا ذکر کیا ہے، ابراہیم الحربی کی تحقیق یہ ہے کہ یہ اجیاد کے قریب ایک جگہ کا نام ہے، ابن جوزی نے بھی اسی قول کو ترجیح دی ہے اور علامہ عینی نے بہت قوی اور قابل ترجیح دلائل کے ساتھ اسی رائے کی توثیق کی ہے، "نور النبراس" کے مصنف نے بھی طویل بحث کے بعد اسی کو اختیار کیا ہے۔

(۲) سیرت ابن ہشام، ج ۱ ص ۱۸۶

(۳) سیرت ابن ہشام، ج ۱ ص ۱۸۷۔۱۹۰، وسیرت ابن کثیر، ص ۲۶۲۔۲۶۵

بڑے سرداروں کی درخواست کو نامنظور کر چکی تھیں، آپؐ کے چچا سیدنا حمزہ نے یہ پیغام آپ تک پہونچایا، ابوطالب نے خطبہ نکاح پڑھا اور آپ کی ازدواجی زندگی کا آغاز ہوا (۱)، اور آپ کے صاحبزادے ابراہیم کو چھوڑ کر (جن کا انتقال بچپن ہی میں ہو گیا تھا) آپ کی ساری اولاد ان ہی سے ہوئی (۲)۔

کعبہ کی تعمیر نو اور ایک بڑے فتنہ کا سدِّ باب

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک پینتیس سال کی ہوئی تو قریش نے کعبہ کی تعمیر نو کا ارادہ کیا اور اس پر چھت ڈالنے کی تجویز کی، اس سے پہلے اس کی نوعیت یہ تھی کہ مٹی اور گارے سے جوڑے بغیر بھاری پتھر تلے اوپر رکھ دیئے گئے تھے، جن کی بلندی قد آدم سے زیادہ تھی، اب اس کو منہدم کر کے ازسرِ نو تعمیر کیا جانا تھا، جب دیواریں بلند ہو کر حجر اسود کی بلندی تک پہونچیں تو حجر اسود کے معاملہ میں سخت اختلاف پیدا ہو گیا، ہر قبیلہ یہ چاہتا تھا کہ اس کو یہ شرف حاصل ہو اور وہ اس کو اٹھا کر اس کی صحیح جگہ نصب کرے، یہ معاملہ بڑھتے بڑھتے جنگ وجدال تک پہونچا، دور جاہلیت میں اس سے معمولی معمولی باتوں میں جنگیں ہوتی رہی ہیں، یہ تو ایک بڑی بات تھی۔

غرض جنگ کی پوری تیاری کر لی گئی، بنوعبدالدار نے خون سے بھری ہوئی ایک بڑی لگن تیار کی اور انھوں نے اور بنوعدی نے مرتے دم تک لڑنے کا آپس میں معاہدہ کیا، اور خون کی لگن میں ہاتھ ڈال کر یہ معاہدہ اور عہد و پیمان پختہ کیا، یہ ایک بڑی تباہی اور عظیم فتنہ وفساد کا پیش خیمہ تھا، قریش کئی روز تک اسی الجھن میں رہے، پھر اس پر ان سب کا اتفاق ہوا کہ جو شخص مسجد حرام میں سب سے پہلے داخل ہوگا، وہ اس بات کا فیصلہ کرے گا، چنانچہ سب سے پہلے مسجد حرام کے دروازہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم داخل ہوئے، اور آپ کو دیکھتے ہی سب نے بے ساختہ کہا کہ یہ محمد الامین ہیں، ہم ان پر راضی ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک چادر منگوائی، حجر اسود اٹھا کر اپنے دست مبارک سے اس میں رکھا پھر فرمایا کہ ہر قبیلہ چادر کا ایک کونہ پکڑ کر اٹھائے سب نے ایسا ہی کیا، جب وہ جگہ قریب ہوگئی جہاں اس کو نصب کرنا تھا تو آپؐ نے اپنے ہاتھ سے اٹھا کر اس کو اس جگہ رکھ دیا، اس کے بعد باقی عمارت کی تعمیر ہوئی (۳)۔

اس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کو بڑے کشت وخون سے بچالیا، آپؐ نے اس

---

(۱) سیرت ابن ہشام، ج۱، ص۱۸۹۔۱۹۰

(۲) سیرت ابن ہشام، ج۱، ص۱۹۰، ودیگر کتب سیرت۔

(۳) سیرت ابن ہشام، ج۱، ص۱۹۲۔۱۹۷

معاملہ میں جس حکمت اور تدبیر سے کام لیا اس سے بڑھ کر کوئی حکمت اور تدبیر نہیں ہو سکتی تھی، نبوت کے بعد آپؐ نے تمام انسانوں اور دنیا کی قوموں کو جس طرح جنگوں کی بھٹی سے نجات دی، یہ واقعہ دراصل اسی کا پیش خیمہ اور مبارک آغاز تھا، اور آپ کے فہم وتدبیر، بہترین تعلیمات، نرمی وتلطف اور رفع نزاع وصلح جوئی کا ترجمان وآئینہ دار، یہ وہ بات تھی جس نے آپ کو رحمۃ للعالمین کا منصب عالی عطا کیا، اور آپ اس سادہ اور ان پڑھ قوم کے ان جنگ جو اور ایک دوسرے کے خون کے پیاسے قبائل کے لئے نبی رحمت ثابت ہوئے۔

حلف الفضول

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حلف الفضول میں بھی شریک رہے جو عربوں کا سب سے شریفانہ اور کریمانہ معاہدہ تھا، اس کا قصہ یہ تھا کہ زبید کا ایک شخص مکہ میں کچھ سامان تجارت لے کر آیا اور قریش کے ایک سردار عاص بن وائل نے یہ سب سامان خرید لیا، لیکن اس کا حق اس کو نہیں دیا، زبیدی نے سردارانِ قریش کی حمایت حاصل کرنا چاہی، لیکن عاص بن وائل کی حیثیت ووجاہت کی وجہ سے انھوں نے اس کا ساتھ دینے سے انکار کر دیا اور اس کو سخت سست کہہ کر واپس کر دیا، اب زبیدی نے اہل مکہ سے فریاد کی اور ہر باحوصلہ، صاحب ہمت اور حق وانصاف کے حامی شخص سے جو اسے مل سکا شکایت کی، آخر کار ان لوگوں میں غیرت نے جوش کیا اور یہ سب لوگ عبداللہ بن جدعان کے مکان پر جمع ہوئے، انھوں نے ان سب کی دعوت وضیافت کی، اس کے بعد انھوں نے اللہ کے نام پر یہ عہد وپیمان کیا کہ وہ سب ظالم کے مقابلہ اور مظلوم کی حمایت میں ایک ہاتھ کی طرح رہیں گے اور کام کریں گے جب تک ظالم مظلوم کا حق نہ دے دے، قریش نے اس معاہدہ کا نام "حلف الفضول" یعنی فضول کا معاہدہ، رکھا اور کہنے لگے کہ انھوں نے ایک فالتو کام میں، جو ان کے فرائض میں نہیں آتا دخل اندازی کی ہے (١)، پھر سب مل کر عاص بن وائل کے پاس گئے اور زبیدی کا سامان واسباب ان سے زبردستی لے کر زبیدی کو واپس کیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس معاہدہ سے بہت خوش تھے، اور بعثت کے بعد بھی آپ نے اس کی تعریف وتحسین کی اور فرمایا کہ میں عبداللہ بن جدعان کے مکان پر ایک ایسے معاہدہ میں شریک تھا، جس میں اگر اس کے نام پر اسلام کے بعد بھی بلایا جائے تو میں اس کی تکمیل کے لئے تیار ہوں، انھوں نے اس پر یہ معاہدہ کیا تھا کہ وہ حق، حق دار تک پہونچائیں گے اور یہ کہ کوئی ظالم، مظلوم پر غلبہ نہ حاصل کر سکے گا (٢)۔

---

(١) سیرت ابن کثیر، ج ١ص ٢٥٧۔٢٥٩، اس کی ایک وجہ تسمیہ یہ بیان کی گئی ہے کہ قریش سے پہلے قبیلہ جرہم نے بھی ایک ایسا معاہدہ کیا تھا، اس میں جو لوگ شریک تھے، ان میں سے تین کا نام فضل تھا، اس مماثلت کی وجہ سے قریش کے اس معاہدہ کا نام بھی یہی پڑ گیا (الروض الأنف شرح سیرۃ ابن ہشام) اس کے علاوہ اس کی اور توجیہات بھی ہیں۔

(٢) سیرت ابن کثیر، ج ١، ص ٢٥٨

جزیرۃ العرب کے حالات اور جزیرہ کے دینی، تہذیبی وسیاسی مرکز (مکہ مکرمہ) کے احوال پر نظر رکھنے والا جانتا ہے کہ اس حلف پر باضمیر لوگوں کی تیاری کا سبب محض کسی فرد واحد یا چند لوگوں کی حق تلفی کا نتیجہ نہ تھا، بلکہ اس کا قوی محرک انتشار، بدامنی، بے اصولی اور لاقانونیت کی وہ حالت تھی جو مکہ اور اس کے ماحول پر طاری تھی، نیز اس کا ایک اور محرک امن واستحکام۔ خصوصاً حرب فجار کے بعد۔ ضرورت اور حقوق کے احترام، اور مکہ آنے والے تاجروں اور کاریگروں کی حفاظت وحمایت کی اہمیت کا احساس بھی تھا۔

مبہم بے چینی

آپ اپنے اندر ایک مبہم بے چینی محسوس کرتے تھے جس کا سبب اور سرچشمہ اور اس کا مستقبل اور مآلِ کار آپ کو معلوم نہ ہوتا تھا، آپ کے دل میں کبھی بھول کر بھی یہ خیال نہ آتا تھا کہ اللہ تعالیٰ وحی ورسالت سے آپ کو سرفراز فرمانے والا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوحاً مِّنْ اَمْرِنَا، مَا كُنْتَ تَدْرِىْ مَاالْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوراً نَّهْدِىْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا، وَاِنَّكَ لَتَهْدِىْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ۔ (سورہ شوریٰ۔ ۵۲)

اور اس طرح ہم نے اپنے حکم سے تمہاری طرح روح القدس کے ذریعہ قرآن بھیجا ہے تم نہ تو کتاب کو جانتے تھے اور نہ ایمان کو لیکن ہم نے اس کو نور بنایا ہے کہ اس سے ہم اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتے ہیں ہدایت کرتے ہیں اور بے شک اے محمد تم سیدھا رستہ دکھاتے ہو۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:۔

وَمَا كُنْتَ تَرْجُوْٓا اَنْ يُّلْقٰٓى اِلَيْكَ الْكِتٰبُ اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ فَلَاتَكُوْنَنَّ ظَهِيْراً لِّلْكٰفِرِيْنَ۔ (سورۂ قصص ۔ ۸۶)

اور تمہیں امید نہ تھی کہ تم پر کتاب نازل کی جائے گی مگر تمہارے پروردگار کی مہربانی سے (نازل ہوئی) تو تم ہرگز کافروں کے مددگار نہ ہونا۔

اللہ تعالیٰ کی خاص حکمت وتربیت تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نشو ونما بحیثیت امی کے ہوئی، آپ نہ پڑھ سکتے تھے نہ لکھ سکتے تھے، اس طرح آپ دشمنان اسلام کی تہمت طرازیوں اور افترا پردازیوں سے بہت دور اور محفوظ رہے، قرآن مجید نے اسی بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ہے:۔

وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ وَّلَاتَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ اِذًالَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ۔ (سورہ عنکبوت: ۴۸)

اورتم اس سے پہلے نہ کوئی کتاب پڑھتے تھے اور نہ اسے اپنے ہاتھ سے لکھ ہی سکتے تھے، ایسا ہوتا تو اہل باطل ضرور شک کرتے۔

قرآن مجید میں اسی لئے آپ کو امی کا لقب دیا گیا اور ارشاد ہوا:۔

اَلَّذِیۡنَ یَتَّبِعُوۡنَ الرَّسُوۡلَ النَّبِیَّ الۡاُمِّیَّ الَّذِیۡ یَجِدُوۡنَهٗ مَكۡتُوۡبًا عِنۡدَهُمۡ فِی التَّوۡرٰىةِ وَالۡاِنۡجِیۡلِ.(سورۂ اعراف:۱۵۷)

وہ جو (محمد) رسول اللہ کی جو نبی امی ہیں پیروی کرتے ہیں، جن کے اوصاف کو وہ اپنے ہاں تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔

بعثت کے بعد

انسانیت کی صبح صادق

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس وقت اپنی عمر کے چالیس سال پورے کئے، اس وقت دنیا آگ کی ایک خندق کے بالکل کنارے بلکہ یہ کہنا صحیح ہوگا کہ لب بام کھڑی تھی، پوری نسل انسانی تیزی کے ساتھ خودکشی کے راستہ پر گامزن تھی، یہ وہ نازک وقت تھا جب انسانیت کی صبح صادق طلوع ہوئی، محروم وبدنصیب دنیا کی قسمت جاگی، اور بعثت محمدی کا مبارک وقت قریب ہوا، اللہ تعالیٰ کی سنت بھی یہی ہے کہ جب تاریکی بہت بڑھ جاتی ہے، اور قلوب سخت اور مردہ ہونے لگتے ہیں تو اس کی رحمت کا کوئی جاں نواز جھونکا چلتا ہے، اور انسانیت کے خزاں رسیدہ چمن میں پھر بہار آجاتی ہے۔

دنیا میں اس وقت جس جہالت اور جاہلیت کی حکمرانی تھی، خرافات واوہام اور شرک وبت پرستی کی وبا عام تھی، اس کو دیکھ کر آپ کی بے چینی خالق کائنات اور خالق ارض وسماوات کی ہدایت اور اس کے احکام کا انتظار انتہا تک پہونچ چکا تھا، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کوئی غیبی طاقت اور غیبی آواز آپ کو چلا رہی ہے، اور آپ کی رہنمائی کر رہی ہے، اور اس بڑے منصب کے لئے آپ کو تیار کر رہی ہے۔

اس زمانہ میں تنہائی اور خلوت پسندی آپ کا شیوہ اور معمول بن گئی تھی، اور آپ کو سب سے علیٰحدہ ہو کر تنہا بیٹھنے سے بڑا سکون ملتا تھا، آپ مکہ سے بہت دور نکل جاتے، یہاں تک کہ شہر کے مکانات بھی آپ کی نظروں سے اوجھل ہو جاتے، آپ مکہ کی گھاٹیوں اور اندر کی وادیوں سے گزرتے تو شجر وحجر سے آواز آتی کہ "السلام علیك یا رسول اللہ" آپ اپنے داہنے بائیں اور پیچھے مڑ کر دیکھتے تو درختوں یا پتھروں کے سوا کچھ نظر نہ آتا (۱)

غارِ حراء میں

آپ زیادہ تر غارِ حراء میں قیام فرماتے اور متواتر کئی کئی راتیں وہاں گذرتیں، اس کا انتظام

---

(۱) سیرت ابن ہشام، ج ۱، ص ۲۳۴۔۲۳۵، صحیح مسلم میں آپ کا یہ قول بھی مروی ہے کہ "میں مکہ کے ایک پتھر سے اب بھی واقف ہوں جو بعثت سے پہلے مجھے سلام کرتا تھا" (کتاب الفضائل باب فضل نسب النبی صلی اللہ علیہ وسلم)

پہلے سے آپ کر لیتے تھے، یہاں آپ ابراہیمی طریقہ پر اور فطرت سلیم کی رہنمائی سے اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول رہتے (۱)۔

بعثت مبارک

اسی طرح آپ ایک بار غار حراء میں تشریف فرما تھے کہ منصب نبوت سے آپ کو سرفراز کرنے کی مبارک ساعت آپہونچی۔

یہ ۱۷ ر رمضان (۲) آپ کی ولادت کے اکتالیسویں سال کا واقعہ ہے، (مطابق ۶ ر اگست ۶۱۰ء) جو حالت بیداری اور شعور کی حالت میں پیش آیا، آپ کے سامنے غار حراء میں فرشتہ آیا اور کہا کہ پڑھیے، آپ نے جواب دیا کہ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اس کے بعد اس نے مجھے پکڑ کر دبایا یہاں تک کہ میں نے اس کی تکلیف محسوس کی، پھر مجھے چھوڑ دیا، اور کہا پڑھیے! میں نے جواب دیا کہ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں، اس نے پھر مجھے پکڑا اور اتنی زور سے لپٹایا کہ مجھ پر اس کا سخت دباؤ پڑا، پھر مجھے چھوڑ دیا اور کہا پڑھیے، میں نے کہا میں پڑھا ہوا نہیں ہوں، اس نے پھر مجھے پکڑ کر دوبارہ اسی طرح دبایا اور چھوڑ دیا اور کہا:

اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِىْ خَلَقَ، خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ، اِقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ، الَّذِىْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ، عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَالَمْ يَعْلَمْ۔ (سورۂ علق۔ ۱،۵) (۳)

(اے محمدؐ) اپنے پروردگار کا نام لے کر پڑھو جس نے عالم کو پیدا کیا، جس نے انسان کو خون کی پھٹکی سے بنایا، پڑھو اور تمہارا پروردگار بڑا کریم ہے جس نے قلم کے ذریعہ سے علم سکھایا اور انسان کو وہ باتیں سکھائیں جن کا اس کو علم نہ تھا۔

یہ نبوت کا پہلا دن تھا، اور پہلی وحی اور قرآن کا حصہ (۴)۔

---

(۱) دیکھئے حدیث عائشہؓ رضی اللہ عنہا۔ صحیح بخاری (باب كيف كان بدأ الوحى الى رسول الله صلى الله عليه وسلم)

(۲) ابن کثیر، ج ۱، ص ۳۹۲، روایت ابو جعفر محمد الباقر۔

(۳) ابن کثیر، ج ۱، ص ۲۹۲، روایت ابو جعفر محمد الباقر۔

(۴) ایک عجیب بات جو دنیا کے فلاسفہ و مفکرین اور مذہب و ثقافت کے مؤرخین کی توجہ چاہتی ہے، وہ اس پہلی وحی میں ''قلم'' کا تذکرہ ہے، جو ایک اُمّی قوم میں، اور ایک ایسے ملک میں نازل ہوئی جہاں قلم کا وجود بھی کم یاب تھا، اور جہاں پڑھے لکھے افراد انگلیوں پر گنے جاسکتے تھے، اس نے اس مذہب اور اس کی حامل امت کی قراءت و کتابت اور قلم سے کام لینے کی صلاحیت اور اس سے اس کے دائمی اور مضبوط ربط و تعلق کی (دوسرے سابقہ مذاہب کے برخلاف) نشان دہی کر دی، اور جو اس کی عالمی علمی و تصنیفی تحریک کا ایک رمز تھا جس کی اقوام و ملل کی تاریخ میں کوئی نظیر نہیں ملتی۔

وہ رمز آیت ''علم الانسان مالم يعلم'' کا اس وحی میں شامل ہونا تھا جو طلب علم، ذوق جستجو اور نئی معلومات کی تلاش اور پچھلے زمانوں میں دریافت نہ ہوسکنے والے مگر ثابت شدہ علمی حقائق کے عدم انکار کا محرک ثابت ہوا۔

حضرت خدیجہؓ کے گھر میں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس عجیب واقعہ سے خوف زدہ ہو گئے، اس لئے کہ ایسا نہ کبھی آپ کے ساتھ پیش آیا تھا اور نہ آپ نے اس طرح کی بات کبھی سنی تھی، نبوت اور انبیاء علیہم السلام کے عہد پر ایک طویل عرصہ گذر چکا تھا، چنانچہ آپ کو اپنے لئے خطرہ محسوس ہوا اور آپ اپنے گھر تشریف لے گئے، شدتِ خوف سے آپ کے شانۂ مبارک پر کپکپی طاری تھی، آپ نے پہنچتے ہی حضرت خدیجہ سے کہا کہ مجھے جلد اڑھا دو، مجھے جلد اڑھا دو، مجھے کچھ خطرہ محسوس ہو رہا ہے۔

حضرت خدیجہؓ نے آپ سے اس کا سبب پوچھا تو آپ نے سارا ماجرا بیان کیا، وہ ایک عقل مند، اور ذی شعور خاتون تھیں، نبوت، انبیاء اور فرشتوں کے بارے میں انھوں نے بہت کچھ سن رکھا تھا، وہ اپنے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس (جنھوں نے عیسائیت قبول کر لی تھی، صحف سماویہ کا مطالعہ کیا تھا اور اہل توریت اور اہل انجیل سے ان کی نشست و برخاست تھی) کبھی کبھی جایا کرتی تھیں اور اہل مکہ کی نامناسب باتوں اور عادتوں کو پسند نہ کرتی تھیں جن کو فطرت سلیم اور ذہن مستقیم رکھنے والا کوئی شخص طبعاً پسند نہ کرے گا۔

وہ آپ کے رشتۂ زوجیت، شب و روز کی رفاقت اور آپ کی ہر ظاہر و پوشیدہ چیز سے واقفیت نیز اس خصوصی اعتماد و تعلق کی وجہ سے جو ان کو حاصل تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق عالیہ سے سب سے زیادہ واقف تھیں، آپ کے شمائل و خصائل کو دیکھ کر ان کو اس کا پورا یقین ہو گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی تائید و توفیق ہر لمحہ آپ کے شامل حال ہے، آپ اللہ تعالیٰ کے منتخب و مقبول بندے ہیں، اور آپ کی سیرت بھی محبوب و پسندیدہ ہے، اور جو شخص ایسے اخلاق اور ایسی سیرت اور ایسے اعلیٰ و پاکیزہ خصائل کا حامل ہوگا اس پر کسی شیطان یا جن اور آسیب کا اثر ہرگز نہیں ہو سکتا، یہ بات اللہ تعالیٰ کی حکمت اور رحمت و شفقت سے بعید اور اس کی سنت جاریہ کے منافی ہے، انھوں نے بڑے یقین و اعتماد کے لہجہ میں اور پوری قوت کے ساتھ کہا:۔

> ''ہرگز نہیں، خدا کی قسم اللہ تعالیٰ آپ کو کبھی ذلیل و رسوا نہ کریگا، آپ صلہ رحمی اور رشتہ داری کا پاس و لحاظ کرتے ہیں، دوسروں کا بوجھ ہلکا کرتے ہیں محتاجوں کے کام آتے ہیں، مہمان کی ضیافت و خاطر مدارات کرتے ہیں، راہِ حق کی تکلیفوں اور مصیبتوں میں مدد کرتے ہیں'' (۱)۔

---

(۱) صحیح بخاری (باب کیف کان بدألوحی الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم)

ورقہ بن نوفل کی مجلس میں

حضرت خدیجہؓ نے یہ بات عقل سلیم اور فطرت صحیحہ نیز اپنی زندگی کے تجربوں اور لوگوں سے واقفیت کی بنیاد پر کہی تھی، لیکن یہ معاملہ بہت بڑا تھا، اور اس میں کسی ایسے شخص کے مشورہ کی ضرورت تھی، جو مذاہب اور ان کی تاریخ، نبوت اور اس کے مزاج نیز اہل کتاب سے اچھی طرح واقف ہو، جن کے پاس انبیاء کے واقعات اور ان کے علم کا کچھ اندوختہ موجود ہے۔

انھوں نے سوچا کہ اپنے عالم وفاضل چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل سے مدد لینی چاہئے، چنانچہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ساتھ لے کر ان کے پاس گئیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ورقہ کو پورا واقعہ سنایا، ورقہ نے سنتے ہی کہا: قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، آپ اس امت کے نبی ہیں اور آپ کے پاس وہی ناموسِ اکبر آیا تھا، جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا تھا، اور ایک زمانہ آئے گا کہ آپ کی قوم آپ کو جھٹلائے گی اور ایذا پہونچائے گی، آپ کو نکالے گی، اور آپ سے جنگ کرے گی، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ جملہ سنا کہ قوم آپ کو نکال دے گی تو آپ کو کچھ تعجب ہوا، اس لئے کہ آپ قریش میں اپنی حیثیت و مرتبہ سے واقف تھے، اور جانتے تھے کہ صادق وامین کہتے ان کی زبان نہ تھکتی تھی، آپ نے تعجب کے ساتھ پوچھا کہ کیا وہ مجھے نکال دیں گے؟! ورقہ نے جواب دیا کہ ہاں! جب بھی کوئی وہ پیغام لے کر آیا جو آپ لائے ہیں تو لوگوں نے اس کی دشمنی پر کمر باندھ لی اور اس سے جنگ کی، یہ برابر ہوتا آیا ہے، اگر مجھے وہ دن نصیب ہوگا، اور میری زندگی وفا کرے گی تو میں آپ کی پوری قوت کے ساتھ مدد کروں گا(۱)۔

اس کے بعد ایک عرصہ تک وحی کا سلسلہ بند رہا، پھر جاری ہوا اور قرآن مجید کا نزول شروع ہوا۔

حضرت خدیجہؓ کا قبول اسلام اور ان کا کردار

سب سے پہلے حضرت خدیجہؓ نے اسلام قبول کیا، رشتۂ زوجیت کی وجہ سے ان کو آپ کی خدمت ورفاقت، اور نصرت واعانت کا خوب موقع تھا، اور انھوں نے ہر موقع پر آپ کی پشت پناہی اور حمایت کی، لوگوں سے آپ کو جو تکلیفیں پہونچتی تھیں وہ ان کو ہمیشہ ہلکا کرنے کی کوشش کرتیں اور آپ کی ہمت بندھاتیں۔

---

(۱) ماخوذ از حدیث عائشہؓ صحیح بخاری، باب (کیف کان بدأالوحی الی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم) وسیرت ابن ہشام، ص ۲۳۸۔

حضرت علیؓ اور زید بن حارثہؓ کا قبول اسلام

اس کے بعد حضرت علی ابن ابی طالب اسلام لائے، اس وقت ان کی عمر دس سال تھی، اسلام سے پہلے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی گود میں کھیلے تھے، آپ نے پریشانی وقحط سالی کے زمانہ میں ان کو ابو طالب سے مانگ لیا تھا، اور اپنے گھرانہ میں شامل کر لیا تھا (۱)، اس کے بعد زید بن حارثہ (جو آپؐ کے غلام تھے، اور آپ نے ان کو متبنیٰ کیا تھا) اسلام لائے (۲)۔

ان حضرات کا قبول اسلام دراصل ایسے لوگوں کی شہادت اور گواہی تھی، جو آپ سے سب سے زیادہ قریب تھے، اور آپ کے صدق واخلاص اور حسنِ کردار سے سب سے زیادہ واقف، اور گھر والوں کی طرح ہر چھپی ڈھکی چیز سے باخبر تھے۔

حضرت ابو بکر کا قبول اسلام اور دعوت الی اللہ میں ان کا حصہ

حضرت ابو بکر بن ابی قحافہ کا قبول اسلام بھی کچھ کم اہم نہ تھا، اس لئے کہ ان کی دانش مندی، فہم وفراست، عالی ہمتی اور اعتدال ومیانہ روی کی وجہ سے قریش میں ان کو ایک خاص درجہ حاصل تھا، انھوں نے اسلام کا اعلان واظہار بھی کیا، وہ بڑی محبوب ودل کش شخصیت اور سادہ طبیعت کے مالک تھے، قریش کے انساب وتاریخ سے واقف تھے، اور ایک بااخلاق وکامیاب تاجر بھی، چنانچہ اپنے اعتماد کے لوگوں، جاننے پہچاننے والوں اور اپنے پاس اٹھنے بیٹھنے والوں میں انھوں نے اسلام کی تبلیغ شروع کی (۳) سن رسیدہ وبالغ مردوں میں وہ پہلے مسلمان تھے۔

شرفائے قریش کا قبول اسلام

ان کی تبلیغ ودعوت سے قریش کے بہت سے نامی گرامی سردار اسلام لائے، جن میں عثمان بن عفانؓ، زبیر بن العوامؓ، عبدالرحمٰن بن عوفؓ، سعد بن ابی وقاصؓ، طلحہ بن عبید اللہؓ قابل ذکر ہیں، حضرت ابو بکرؓ ان لوگوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لائے اور انھوں نے اسلام قبول کیا (۴)۔

ان کے بعد ہی قریش کے اور بہت سے لوگ جن میں سے متعدد بڑی عزت ومرتبے کے

---

(۱) سیرت ابن ہشام، ص ۲۴۵

(۲) ایضاً ص ۲۴۷

(۳) سیرت ابن ہشام، ص ۲۴۹-۲۵۰

(۴) ایضاً، ص ۲۵۰-۲۵۱

مالک تھے، اسلام لائے، ان میں چند کے نام یہ ہیں، ابوعبیدہ بن الجراحؓ، ارقم بن ابی الارقمؓ، عثمان بن مظعونؓ، عبیدۃ بن الحارثؓ بن عبدالمطلب، سعید بن زیدؓ، خباب بن الارتؓ، عبداللہ بن مسعودؓ، عمار بن یاسرؓ صہیبؓ وغیرہ رضی اللہ عنہم اجمعین۔

اس کے بعد لوگوں نے بڑی تعداد میں اسلام قبول کرنا شروع کیا، پوری پوری جماعتیں، اور وفود اسلام لاتے اور ان میں عورت و مرد دونوں ہوتے، یہاں تک کہ اسلام کا آوازہ مکہ کی فضائے آسمانی میں بلند ہوا اور جگہ جگہ اس کا چرچا ہونے لگا (۱)۔

کوہِ صفا پر پہلا اعلان حق

ابتداء میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دعوت وتبلیغ کے اس کام کو چھپا کر کرتے رہے اور تین سال اس حال میں گذر گئے، پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کو اس کے برملا اظہار واعلان کا حکم ہوا، اور ارشاد ہوا۔

فَاصۡدَعۡ بِمَا تُؤۡمَرُ وَاَعۡرِضۡ عَنِ الۡمُشۡرِكِيۡنَ۔(سورۂ حجر۔ ٩٤)

پس جو حکم تم کو خدا کی طرف سے ملا ہے وہ (لوگوں) کو سنا دو اور مشرکوں کا ذرا خیال نہ کرو۔

وَاَنۡذِرۡ عَشِيۡرَتَكَ الۡاَقۡرَبِيۡنَ، وَاخۡفِضۡ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ.(سورۂ شعراء ٢١٤، ٢١٥)

اور اپنے قریب کے رشتہ داروں کو ڈر سنا دو اور جو مومن تمہارے پیرو ہو گئے ہیں ان سے بتواضع پیش آؤ۔

وَقُلۡ اِنِّیۡۤ اَنَا النَّذِيۡرُ الۡمُبِيۡنُ۔(سورۂ حجر۔ ٨٩)

اور کہدو کہ میں تو علانیہ ڈر سنانے والا ہوں۔

اس حکم کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کوہ صفا کی چوٹی پر چڑھے اور بلند آواز میں یہ صدا لگائی "یا صباحاہ" یہ نعرہ عربوں کے لئے جانا پہچانا تھا، اور اس وقت لگایا جاتا تھا، جب کسی دشمن یا غنیم کے حملہ کا فوری خطرہ ہوتا "یا صباحاہ" کا نعرہ سننا تھا کہ قریش کا سارا قبیلہ وہاں جمع ہو گیا جو کسی وجہ سے نہیں آسکا اس نے اپنا نمائندہ بھیجا، اس وقت آپ ان سے مخاطب ہوئے اور ارشاد فرمایا:۔

"اے بنی عبدالمطلب! اے بنی فہر! اے بنی کعب! اگر میں تم کو یہ اطلاع دوں کہ اس پہاڑ کے دامن میں ایک لشکر کھڑا ہے اور تم پر حملہ کرنا چاہتا ہے تو کیا تم اس بات پر یقین کرو گے؟"

---

(۱) سیرت ابن ہشام، ص ۲۶۲

عرب حقیقت پسند اور عملی لوگ تھے انھوں نے ایک شخص میں سچائی، امانت و دیانت اور خیر خواہی کا بارہا تجربہ کیا تھا، جب انھوں نے دیکھا کہ یہ شخص (جس کے متعلق اب تک ان کی یہ رائے رہی ہے) پہاڑ کی چوٹی پر کھڑا ہے، اور پہاڑ کی دوسری طرف بھی اس کی نظر ہے، وہ صرف اپنے سامنے کی چیز دیکھ رہے ہیں، تو ان کی ذہانت، انصاف پسندی اور اس امین و صادق مخبر کی اطلاع وخبر نے ان کی رہنمائی کی اور ان سب نے کہا کہ ہاں ہم یقین کریں گے۔

دعوت و تربیت کا حکیمانہ انداز

جب یہ فطری اور ابتدائی مرحلہ طے ہوا اور سننے والوں کے اعتماد و یقین کا علم ہوگیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "فَاِنِّیْ نَذِیْرٌ لَّکُمْ بَیْنَ یَدَیْ عَذَابٍ شَدِیْدٍ" تو یہ سمجھو کہ میں تم کو ایک سخت عذاب سے ڈرانے اور آگاہ کرنے آیا ہوں جو بالکل تمہارے ہاتھوں کے سامنے ہے۔

یہ دراصل منصب نبوت کی صحیح تعریف اور نشان دہی تھی، اور غیبی حقائق اور وہبی علوم میں نبوت کو جو خصوصیت و انفرادیت حاصل ہے اس کی بڑی حکمت و بلاغت کیساتھ ترجمانی، جس کی نظیر ہم کو مذاہب اور نبوت کی تاریخ میں نہیں ملتی، واقعہ یہ ہے کہ اس سے مختصر و آسان راستہ SHORT CUT اور اس سے زیادہ قابل فہم اور واضح پیرایۂ بیان کوئی اور نہیں ہوسکتا تھا۔

یہ سنتے ہی مجمع پر ایک خاموشی چھاگئی، لیکن ابولہب نے کہا، سارے دن تمہارے لئے خرابی ہو، کیا صرف یہی کہنے کے لئے تم نے ہمیں بلایا تھا (۱)۔

اس طریقہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بے نظیر پیغمبرانہ حکمت کے ساتھ ان کو اس حقیقت پر متنبہ کیا کہ سب سے خطرناک دشمن خود ان کے اندر چھپا ہوا اور ان کے گھروں میں بیٹھا ہوا ہے، حقیقتاً اس سے ڈرنے، اور اس کے گزند سے بچنے کی ضرورت ہے، کسی پہاڑ کی کمین گاہ یا کسی دیوار کی اوٹ میں بیٹھنے والے اور مناسب وقت پر چھاپہ مارنے والے دشمن کی جانی و مالی تاخت اور جو نقصان وہ پہونچا سکتا ہے، اس کی اس تباہ کن وخونخوار دشمن کے سامنے کیا حقیقت ہے، جو ان کے اندرون میں موجود ہے؟ اس کائنات کے خالق و حاکم اور اپنے محسن و منعم کی ذات وصفات، حقوق و فرائض اور اس کے اسمائے حسنٰی سے غفلت، کھلی شرک و بت پرستی، اندھادھند نفس اور خواہشات کی غلامی، اوہام وخرافات کی پیروی، حدود الٰہیہ سے تجاوز اور ممنوعات ومحرمات، ظلم وسفا کی، قطع رحمی و ناانصافی میں سر سے پاؤں تک ڈوبے رہنا، کسی

(۱) یہ واقعہ ابن کثیر، ج ۱ ص ۴۵۵-۴۵۶، میں امام احمد بن حنبل کی روایت سے نقل کیا گیا ہے جنھوں نے ابن عباس سے اس کی روایت کی ہے، ابن کثیر کہتے ہیں کہ شیخین (امام بخاری، امام مسلم) نے بھی اسی مفہوم کی روایت اعمش سے کی ہے۔

گھات لگانے والے لشکر اور چھاپہ ماردستہ سے زیادہ نقصان رساں اور خطرناک ہے، جس کے اندیشہ سے ان کی نیند اڑ جاتی ہے، اور اس کی اطلاع کی ایک آواز پر وہ دیوانہ وار دوڑ پڑتے ہیں۔

دشمنی وایذ ارسانی کا آغاز اور ابو طالب کی مدافعت وشفقت

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوت کا برملا اور بلا خوف وخطر اعلان کرنا شروع کیا تو اس وقت تک آپ کی قوم نے اسکی زیادہ پروا نہیں کی اور ان کو زیادہ خطرہ محسوس نہیں ہوا، اور انھوں نے اسکے رد اور جواب کی کوئی ضرورت نہیں سمجھی، لیکن جب آپ نے ان کے معبودوں کی مذمت کرنی شروع کی تو یہ بات ان کو بہت بری لگی اور وہ سب آپ کی مخالفت پر کمر بستہ اور متحد ہو گئے۔

اس موقع پر آپ کے چچا ابو طالب آپ کی مدافعت کے لئے سینہ سپر ہو گئے اور آپ کے ساتھ بہت شفقت ونرمی کا معاملہ کیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اس اعلانِ حق اور تبلیغ دعوت میں جان ودل سے مشغول ہو گئے، اور آپ کسی رکاوٹ کو خاطر میں نہیں لائے، دوسری طرف ابو طالب آپ کے لئے سینہ سپر ہو گئے اور آپکی ہر طرح حفاظت کرتے رہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو طالب کا مکالمہ

اب قریش میں ہر طرف اور ہر وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چرچا ہونے لگا، لوگ ایک دوسرے کو آپ کی مخالفت اور دشمنی پر آمادہ کرتے اور اس کے لئے فضا تیار کرتے، چنانچہ ایک مرتبہ یہ سب لوگ ایک پورا وفد بنا کر ابو طالب کے پاس گئے اور ان سے کہا کہ:۔

> ”اے ابو طالب آپ سن رسیدہ بزرگ ہیں اور ہماری نگاہ میں آپ کی خاص قدر ومنزلت ہے، ہم نے آپ سے پہلے بھی عرض کیا تھا کہ آپ اپنے بھتیجے کو منع کردیں، لیکن آپ نے اس سلسلہ میں کچھ نہ کیا، اب خدا کی قسم ہم اس سے زیادہ صبر نہ کریں گے جتنا صبر کا ثبوت ہم نے اب تک دیا ہے، اب ہم اپنے آباء واجداد کی مذمت، اور ہمیں ناسمجھ وبے وقوف ٹھہرانے اور ہمارے معبودوں کو عیب لگانے کی کوشش زیادہ برداشت نہیں کرسکتے، یا تو آپ ان کو اس حرکت سے باز رکھیں یا پھر ہم ان سے اور آپ سے سمجھ لیں گے یہاں تک کہ ہم میں سے کوئی ایک فریق ختم ہو جائے“ (۱)۔

ابو طالب پر اپنی قوم کی جدائی اور دشمنی بھی شاق تھی، اور وہ اس پر بھی راضی نہ تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد سے ہاتھ اٹھالیں اور ان کو قوم کے حوالہ کردیں، انھوں نے آپ کو بلا بھیجا اور کہا کہ:۔

---

(۱) سیرت ابن ہشام، ص ۲۶۵-۲۶۶

"میرے بھتیجے! تمہاری قوم کے لوگ میرے پاس آئے تھے، اور ایسا ایسا کہہ رہے تھے، ذرا میری جان کا بھی خیال کرو، اور اپنی جان کا بھی، مجھ پر اتنا بوجھ نہ ڈالو جس کو میں اٹھا نہ سکوں"۔

اگر میرے داہنے ہاتھ میں وہ سورج رکھ دیں اور بائیں ہاتھ میں چاند

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ سن کر خیال ہوا کہ شاید ابوطالب اب ان کے معاملہ میں متردد ہیں، اور اب آپ کی زیادہ حمایت و پشت پناہی نہ کر سکیں گے، آپ نے فرمایا کہ:

"چچا! خدا کی قسم اگر وہ میرے داہنے ہاتھ میں سورج اور بائیں ہاتھ میں چاند رکھ دیں اور یہ چاہیں کہ میں اس کام کو چھوڑ دوں، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس کو غالب کرے یا میں اس راستہ میں ہلاک ہو جاؤں، تب بھی میں اس سے باز نہ آؤں گا"۔

یہ کہہ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں میں آنسو آگئے اور آپؐ رو دیئے، اس کے بعد آپ اُٹھے اور تشریف لے جانے لگے، آپ کو اس طرح جاتا دیکھ کر ابوطالب نے آپ کو آواز دی اور کہا کہ میرے بھتیجے! آؤ، آپؐ سامنے تشریف لائے، انھوں نے کہا کہ جاؤ اور جو تمہارا دل چاہے کہو اور جس طرح چاہو تبلیغ کرو، خدا کی قسم میں تم کو کبھی کسی کے حوالہ نہ کروں گا (۱)۔

قریش کے ہاتھوں مسلمانوں پر مظالم

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوت الی اللہ کا کام پورے زور شور سے شروع کر دیا، جب قریش آپؐ سے اور آپ کے چچا ابوطالب سے مایوس ہو گئے تو ان کا سارا غصہ ان کے قبیلہ کے ان افراد پر اترنے لگا جنھوں نے اسلام قبول کیا تھا اور ان کا کوئی حمایتی نہ تھا۔

ہر قبیلہ اپنے قبیلہ کے ان اشخاص پر ٹوٹ پڑا جنھوں نے اسلام قبول کیا تھا، ان کو قید و زدوکوب، بھوک، پیاس اور مکہ کی سخت گرمی اور جھلسا دینے والی تپش کی اذیتوں سے دوچار ہونا پڑا۔

حضرت بلال حبشیؓ کو جو اسلام لا چکے تھے ان کے آقا امیہ ٹھیک تپتی ہوئی دوپہر میں باہر لاتے، پیٹھ کے بل لٹاتے پھر حکم دیتے کہ ایک بہت بڑا پتھر لا کر ان کے سینہ پر رکھا جائے، پھر کہتے کہ نہیں! خدا کی قسم نہیں، تم کو اس وقت تک اسی حال میں رکھا جائے گا، جب تک تمہارا دم نہ نکل جائے یا تم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا انکار کر دو اور لات وعزّیٰ کی پرستش کرنے لگو، لیکن وہ اس سخت ابتلاء و آزمائش میں بھی اعلان توحید سے باز نہ آتے اور کہتے "احد احد" وہ ایک ہے، وہ ایک ہے۔

(۱) سیرت ابن ہشام، ص ۲۶۵۔۲۶۶

اس حالت میں ایک مرتبہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ان کے پاس سے گزرے اور امیہ کو ایک زیادہ مضبوط اور توانا اور سیاہ فام غلام دے کر حضرت بلالؓ کو آزاد کرادیا (۱)

بنی مخزوم عمار بن یاسر اور ان کے والد اور والدہ (اس لئے کہ یہ اسلام کی نعمت سے سرفراز ہو چکے تھے) کو باہر لاتے اور ان کو مکہ کی سخت گرمی اور تپش میں مختلف قسم کی تکلیف پہونچاتے، اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ادھر گذر ہوتا تو فرماتے، آل یاسر ذرا صبر! تمہاری منزل جنت ہے، ان کی والدہ کو مشرکین نے اس وقت شہید بھی کر دیا، اس حالت میں کہ وہ اسلام کے سوا ہر چیز کا انکار کر رہی تھیں (۲)۔

مصعبؓ بن عمیر مکہ کے بہت خوش پوشاک نوجوان تھے، اور ناز و نعم میں پلے تھے، وہ اپنے والدین کے بڑے لاڈلے تھے، ان کی والدہ صاحب ثروت تھیں اور ان کو اچھے سے اچھا لباس پہناتی تھیں، خوشبوؤں کے استعمال میں بھی اہل مکہ میں ان سے بڑھ کر کوئی نہ تھا، حضرمی جوتے جو بہت قیمتی ہوتے ہیں ان کے استعمال میں رہتے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے تھے، میں نے مکہ میں مصعب بن عمیر سے زیادہ خوش وضع وخوبرو، جامہ زیب اور ان سے زیادہ ناز پروردہ کسی اور کو نہیں دیکھا، مصعبؓ بن عمیر کو جب یہ اطلاع ملی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ''دارارقم'' میں دعوتِ اسلام دیتے ہیں تو وہ بھی وہاں پہونچے، اسلام قبول کیا اور آپ کی تصدیق کی، وہاں سے نکل کر یہ بات اپنی والدہ اور اپنی قوم کے ڈر سے ظاہر نہیں کی اور چھپ چھپ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملتے رہے، عثمان بن طلحہ نے ایک بار ان کو نماز پڑھتے دیکھ لیا، اور ان کی والدہ اور ان کے قبیلہ والوں کو خبر کردی، وہ ان کو پکڑ لے گئے اور قید کر دیا، اور جب تک حبشہ کی طرف پہلی ہجرت نہ ہوئی وہ جیل ہی میں رہے، اس پہلے قافلہ کے ساتھ انھوں نے ہجرت کی، پھر مسلمانوں کے ساتھ اس شان سے واپس ہوئے کہ ان کی حالت یکسر تبدیل ہو چکی تھی، اور نرمی اور مُرفّہ الحالی کی جگہ کھردراپن پیدا ہو گیا تھا، ان کی والدہ بھی اس تغیر حال کو دیکھ کر ان کو لعنت وملامت کرنے سے باز رہیں (۳)

بعض مسلمانوں نے مشرکین کی پناہ بھی لی تھی، یہ مشرکین قریش کے بااثر وذی وجاہت سردار تھے، اور ان کی پوری حفاظت کرتے تھے، عثمانؓ بن مظعون نے ولید بن المغیرہ کی پناہ لی تھی، لیکن ان کی غیرت نے اس کو گوارا نہ کیا، اور انھوں نے ان کی حمایت کی ذمہ داری ان کو واپس کردی، انھوں نے کہا کہ مجھے اس کی خواہش اور تمنا ہوئی کہ میں غیر اللہ کی پناہ نہ لوں، ان سے اور کسی مشرک

---

(۱) سیرت ابن ہشام، ص ۳۱۷۔۳۱۸

(۲) سیرت ابن ہشام، ص ۳۱۹۔۳۲۰

(۳) طبقات ابن سعد، ج ۳، ص ۸۲، استیعاب، ج ۱، ص ۲۸۸

سے کچھ بات ہوئی اس پر اس مشرک کو غصہ آ گیا اور اس نے اٹھ کر ان کی آنکھ پر ایک ایسا طمانچہ مارا کہ آنکھ جاتی رہی، ولید بن المغیرہ قریب ہی یہ منظر دیکھ رہا تھا، اس نے کہا کہ خدا کی قسم میرے بھتیجے تمہاری آنکھ اس صدمہ سے محفوظ تھی، اور تم ایک مضبوط پناہ میں تھے (تم نے خواہ مخواہ اس مصیبت کو دعوت دی) حضرت عثمان بن مظعون نے جواب دیا کہ واللہ میری اچھی آنکھ بھی یہ تمنا کر رہی ہے کہ اسکے ساتھ وہی حادثہ پیش آئے، اور اے عبد شمس میں تو اس کے جوار اور اس کی پناہ میں ہوں جو تم سے زیادہ صاحب عزت اور با اقتدار ہے (۱)۔

جب حضرت عثمان بن عفانؓ اسلام لائے تو ان کو ان کے چچا حکم بن ابی العاص بن امیہ نے خوب مضبوطی سے باندھ دیا، اور اس کے بعد کہا کہ کیا تم اپنے آباء واجداد کا دین چھوڑ کر ایک نئے دین کو اختیار کر رہے ہو، خدا کی قسم میں تم کو اس وقت تک نہ کھولوں گا جب تک تم اپنے اس دین کو نہ چھوڑ دو گے، حضرت عثمانؓ نے کہا کہ واللہ میں اس کو کبھی بھی نہ چھوڑوں گا، جب حکم نے اپنے دین پر ان کی یہ مضبوطی اور یقین دیکھا تو ان کو رہا کر دیا (۲)۔

خباب بن الارتؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن قریش کے لوگ مجھے پکڑ کر لے گئے، آگ جلائی، اور اس میں مجھے گھسیٹ کر ڈال دیا، پھر ایک شخص نے میرے سینہ پر اپنا پیر اس طرح رکھ دیا کہ میری پیٹھ زمین سے بالکل لگ گئی۔

پھر انھوں نے اپنی پیٹھ کھول کر دکھائی تو معلوم ہوا کہ ساری پیٹھ پر برص کے داغ پڑ گئے تھے (۳)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قریش کی دشمنی اور ایذا رسانی کی مختلف کوششیں

جب ان نوجوانوں اور سرفروشانِ اسلام کو اسلام سے پھیرنے کی یہ کوششیں جو قریش کی طرف سے ہو رہی تھیں، ناکام ہوتی نظر آئیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی کوئی نرمی پیدا نہ ہوئی تو یہ بات اسلام کے دشمنوں پر بہت گراں گزری، انھوں نے کچھ بے وقوفوں اور اوباش لوگوں کو آپؐ کے پیچھے لگا دیا، انھوں نے آپ کو جھٹلایا اور طرح طرح کی تکلیفیں دینا شروع کیں، آپ پر جادوگری اور شاعری، کہانت اور جنون کے الزامات لگائے، اور آپ کی ایذا رسانی کے لئے نئے نئے طریقے استعمال کئے اور ہر قسم کے حربے آزمائے۔

---

(۱) سیرت ابن ہشام ج ۱ ص ۳۷۰۔۳۷۱

(۲) طبقات ابن سعد ج ۳ ص ۳۷

(۳) طبقات ابن سعد، ج ۳، ص ۱۱۷

ایک دن سرداران مکہ حجر(۱) میں جمع تھے کہ اچانک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور طواف کرتے ہوئے ان کے قریب سے گزرے، انھوں نے کچھ فقرہ بازی کی اور آپ پر طنز کیا، تین مرتبہ جب آپؐ ان کے قریب سے گزرے، انھوں نے اسی طرح کا مذاق اڑایا، آخر میں آپ رک گئے اور فرمایا کہ قریش کے لوگو کیا تم سنتے ہو، قسم اس کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے میں تمہارے لئے ہلاکت لے کر آیا ہوں؟ آپؐ کے ان الفاظ سے سب اس طرح خاموش ہوئے کہ معلوم ہو رہا تھا کہ کسی میں جان ہی نہیں ہے، اس کے بعد انھوں نے آپ سے ملاطفت اور تعلق کی باتیں کرنی شروع کر دیں۔

دوسرے روز بھی یہی قصہ پیش آیا، وہ لوگ اس جگہ جمع تھے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے وہ سب ایک ساتھ آپ پر ٹوٹ پڑے اور آپ کو گھیر لیا، ان میں سے ایک شخص نے آپ کی چادر پکڑ کر اس طرح گھسیٹنی شروع کی کہ روئے مبارک کو اذیت پہونچی، یہ دیکھتے ہی حضرت ابوبکر صدیقؓ آپ کے اور اس شخص کے بیچ میں آگئے اور رُو رُو کر یہ کہنے لگے "اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلاً اَنْ يَّقُوْلَ رَبِّيَ اللّٰهُ" کیا تم ایک شخص کو محض اتنی بات پر جان سے مار ڈالنا چاہتے ہو کہ وہ کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے، اس پر انھوں نے آپ کو تو چھوڑ دیا، لیکن حضرت ابوبکرؓ اس حالت میں گھر واپس ہوئے کہ ان کا سر کھل گیا تھا، ان کی داڑھی پکڑ کر کھینچتے ہوئے ان کو باہر لے جایا گیا۔

ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نکلے تو آپ کو دن بھر سخت اذیتوں کا سامنا کرنا پڑا، کوئی ایسا شخص (آزاد یا غلام) نہ ملا جس نے آپ کی تکذیب نہ کی ہو اور آپ کو کسی نہ کسی قسم کی تکلیف نہ پہونچائی ہو، جب آپ اپنے گھر پر تشریف لائے تو تکلیف کے اثر سے آپ چادر اوڑھ کر لیٹ گئے، اس وقت سورۂ مدثر کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں، اور آپ کو "يٰۤاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ" کہہ کر خطاب کیا گیا (۲)۔

حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ کفار قریش کا معاملہ

ایک دن حضرت ابوبکرؓ ایک مجمع میں تبلیغ کی نیت سے کھڑے ہوئے اور اللہ اور اسکے رسول کی دعوت دینی شروع کی، تو مشرکین غیظ و غضب کے عالم میں ان پر ٹوٹ پڑے اور ان کو بہت زیادہ

(۱) حجر، حطیم اور دیوار کعبہ کی درمیانی جگہ کو کہتے ہیں، اس کا نام حجر اسماعیل بھی ہے، حطیم اس حصہ کا نام ہے جو کمان نما دیوار اور کعبۃ اللہ کے درمیان ہے، اس کے دونوں کنارے بیت اللہ کی شمالی و مغربی جہت سے ملتے ہیں، حجر پہلے کعبہ میں شامل تھا، جب بعثت سے قبل ایک سیلاب میں کعبہ کی دیواریں منہدم ہوگئیں اور قریش نے نئے سرے سے اس کی تعمیر کی تو مالی دشواریوں کی وجہ سے انھوں نے اس کو اتنا ہی رہنے دیا اور بقیہ حصہ کو ایک منڈیر یا ایک مختصر دیوار سے گھیر دیا جو کمان کی شکل کی ہے۔

(۲) تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو سیرت ابن ہشام، ج ا، ص ۲۸۹۔۲۹۱، امام بخاریؒ نے بھی یہ واقعہ مختصراً بیان کیا ہے، باب مالقی رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم واصحابه من المشرکین بمکة.

زدوکوب کیا، عتبہ بن ربیعہ دو پھٹے پرانے جوتوں سے ان کی چہرے کو اس طرح مارتا رہا کہ بعد میں ان کے چہرہ کے خدوخال پہچانے نہ جاتے تھے۔

بنوتمیم حضرت ابوبکرؓ کو اس حالت میں اٹھا کر لے گئے کہ ان کی موت میں کوئی شبہ نہ تھا، دن ڈھلے آپ کو ہوش آیا اور پہلا لفظ جو آپ کی زبان سے نکلا وہ یہ تھا کہ بتاؤ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خیریت سے ہیں؟ انھوں نے اس پر ان کو برا بھلا کہا (کہ اس حال میں بھی ان کو اپنے سے زیادہ ان کی فکر ہے جن کی وجہ سے یہ ساری پریشانی اٹھانی پڑی) اسی وقت ام جمیل جو اسلام لا چکی تھیں ان سے قریب ہوئیں تو انھوں نے ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارہ میں دریافت کیا، انھوں نے کہا آپ کی والدہ قریب کھڑی ہیں سن لیں گی، انھوں نے کہا کہ ان کے سامنے کوئی حرج نہیں، ام جمیل نے بتایا کہ آپؐ بخیر اور صحیح سالم ہیں، انھوں نے کہا میری اللہ سے نذر ہے کہ میں اس وقت تک نہ کچھ کھاؤں گا نہ پیوں گا، جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت بابرکت میں حاضر نہ ہو جاؤں، لیکن وہ دونوں رک گئیں، جب لوگوں کی آمدورفت بند ہوئی اور سناٹا ہوا، تو وہ دونوں حضرت ابوبکرؓ کو سہارا دے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائیں، ان کی یہ حالت دیکھ کر حضورؐ پر بہت اثر پڑا، آپؐ نے ان کی والدہ کے لئے بہت دعا کی، اور ان کو اسلام لانے پر آمادہ کیا اور وہ اسی وقت مسلمان ہو گئیں (۱)۔

لوگوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بدگمان کرنے میں قریش کا تردد و پریشانی

قریش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معاملہ میں بہت پریشان تھے، اور ان کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ آپؐ کی کیا ایسی بات بیان کریں جس سے لوگ آپؐ سے بدگمان ہو جائیں اور آپؐ کے پاس آنے سے باز آئیں، وہ چاہتے تھے کہ کسی طرح ان قافلوں کو جو دور و قریب سے آتے تھے اور آپ کا پیغام سنتے تھے، آپؐ سے دور رکھا جائے، وہ سب مل کر ولید بن المغیرہ کے پاس (جو ان سب میں زیادہ معمر تھا، اور حج کا موسم بھی آچکا تھا) پہونچے اور ان سے مشورہ چاہا انھوں نے کہا کہ اے جماعت قریش! حج کا زمانہ آچکا ہے، اس موسم میں عرب کے مختلف وفود آئیں گے، اور ان سب کے کان میں یہ بات پڑ چکی ہے، اس لئے ان صاحب (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کے بارہ میں کوئی ایسی متفقہ بات اور کوئی ایسا صیغہ طے کر لو جس سے ایک دوسرے کی تکذیب نہ ہو، اور سب ایک ہی بات کہیں، بہت دیر تک اس مسئلہ میں غور و خوض ہوتا رہا، اور مختلف تجویزیں سامنے آئیں، لیکن ولید کو کسی بات پر

---

(۱) سیرت ابن کثیر، ج ۱، ص ۴۳۹۔۴۴۱

اطمینان نہ ہوا، اور اس نے ان کی ساری تجویزوں کو ناقص ٹھہرایا، اب انھوں نے خود اس کی رائے پوچھی، اس نے جواب دیا کہ میرے خیال میں تو سب سے زیادہ دل لگنے والی بات یہ ہوگی کہ سب مل کر یہ کہو، وہ جادوگر ہے، جادو کرنے آیا ہے، وہ اپنے جادو سے باپ بیٹے، بھائی بھائی، میاں بیوی اور خاندان والوں میں جدائی پیدا کر دیتا ہے۔

یہ پیغام لے کر وہ وہاں سے واپس ہوئے، جب موسم حج کا آغاز ہوا، اور قافلوں کی آمد شروع ہوئی تو یہ سب مختلف گزرگاہوں اور عام شاہراہوں پر بیٹھ گئے، جو بھی گذرتا وہ اسے آپؐ کے پاس جانے سے روکتے، اور یہ سب باتیں جو طے کی گئی تھیں، دہراتے (۱)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایذارسانی میں قریش کی سنگدلی وبے رحمی

قریش نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایذارسانی میں سنگدلی وبے رحمی کی انتہا کر دی، مختلف طریقوں سے آپ کو سخت تکلیفیں پہونچائیں، نہ قرابت اور رشتہ کا پاس کیا، نہ انسانیت کا لحاظ۔

ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد حرام میں سربسجود تھے، اور آپؐ کے قریب قریش کے لوگ بیٹھے ہوئے تھے کہ عقبہ بن ابی معیط کہیں سے اونٹ کی ایک وزنی اوجھڑی لایا اور آپ کی پیٹھ پر پھینک دے، آپؐ اسی طرح سجدہ میں پڑے رہے یہاں تک کہ صاحبزادی فاطمہ رضی اللہ عنہا تشریف لائیں اور اس کو آپ کی پیٹھ سے ہٹایا، اور جس نے یہ حرکت کی تھی اس کے لئے بددعا کی، آپؐ نے بھی ان لوگوں کے لئے بددعا کی (۲)۔

حضرت حمزہؓ کا قبول اسلام

ایک دن ابوجہل صفا کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب سے گزرا، اور آپؐ کو بہت برا بھلا کہا، اور اذیت پہونچائی، آپؐ نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا تو وہ چلا گیا، تھوڑی دیر میں حضرت حمزہؓ تیر کمان لگائے ہوئے ایک شکار سے واپس آئے، یہ قریش کے سب سے بہادر اور حوصلہ مند نوجوان سمجھے جاتے تھے، ان کو عبداللہ بن جدعان کی باندی نے سب ماجرا بتایا، وہ غصہ میں اسی وقت مسجد حرام میں داخل ہوئے، دیکھا کہ ابوجہل اپنے آدمیوں کے حلقہ میں بیٹھا ہوا ہے، وہ اس کے قریب گئے اور بالکل سر کے اوپر کھڑے ہو کر یہی کمان اس کے سر کے اوپر ماری اور اس کو سخت زخمی

---

(۱) سیرت ابن ہشام، ج۱، ص۲۷۰، باختصار

(۲) بخاری باب "ذکر مالقی النبی صلی اللہ علیہ وسلم واصحابہ من المشرکین بمکۃ".

کردیا، اور کہا کہ تمہاری یہ جرأت کہ تم ان کو برا بھلا کہو اور گالی دو حالانکہ میں ان ہی کے دین پر ہوں اور جو وہ کہتے ہیں وہی میں کہتا ہوں، ابوجہل خاموش رہا، حضرت حمزہؓ اسلام لے آئے اور قریش کو ان کی شجاعت، رسوخ اور وجاہت کی وجہ سے اس بات سے سخت ضرب پہونچی (۱)۔

عتبہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بات چیت

جب قریش نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حامیوں اور ایمان لانے والوں کی تعداد روز بروز بڑھتی جارہی ہے تو عتبہ بن ربیعہ نے یہ تجویز پیش کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کے ذریعہ مفاہمت کی کوئی شکل پیدا کی جائے، اس نے قریش سے اجازت چاہی کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مل کر کچھ پیش کش اور تجویزیں ان کے سامنے رکھنا چاہتا ہے، ممکن ہے وہ اس کو قبول کرکے اپنی دعوت وتبلیغ سے باز آجائیں، قریش نے اس کو اجازت دیدی اور اپنا نمایندہ بھی قرار دیا۔

عتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا آپ کے سامنے بیٹھ گیا اور کہا کہ میرے بھتیجے! تم ہمارے درمیان جس حیثیت کے مالک ہو اس کا تمہیں علم ہے، تم نے ایک بڑے جھگڑے کی بات اپنی قوم میں کھڑی کردی ہے، تم نے ان کے شیرازہ کو منتشر کیا، ان کو بے وقوف وجاہل ٹھہرایا، ان کے معبودوں اور ان کے مذہب کو عیب لگایا، ان کے اسلاف اور آباء واجداد کے طریقہ کا انکار کیا، اب میں کچھ باتیں تمہارے سامنے رکھتا ہوں، ممکن ہے اس میں سے کوئی بات تمہارے لئے قابل قبول ہو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''ابوالولید'' کہو، میں سن رہا ہوں!

اس نے کہا کہ میرے بھتیجے! جو طریقہ ودین تم لائے ہو اگر اس سے تمہارا مطلب ومقصود مال ودولت ہے تو ہم یہ مال ودولت تمہارے لئے اتنا اکٹھا کردیں گے کہ تم ہم میں سب سے زیادہ مال دار ہو جاؤ گے، اگر عزت اور ناموری چاہتے ہو تو ہم تمہیں اپنا سردار تسلیم کرلیں گے، اور کوئی فیصلہ تمہاری مرضی کے بغیر نہیں کریں گے، اگر بادشاہت چاہتے ہو تو ہم تم کو بادشاہ بنالیں گے، اگر آسیب اور جن وغیرہ کے اثر سے یہ بات ہے جس کا دفعیہ تمہارے پاس نہیں ہے تو اس کے لئے ہم معالجین فراہم کرسکتے ہیں، اور اس پر پوری فیاضی سے اپنا مال خرچ کرسکتے ہیں، یہاں تک کہ تم کو اس سے شفاء کامل حاصل ہوجائے۔

جب عتبہ سب کہہ چکا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا جو کچھ کہنا تھا تم کہہ چکے؟ اس نے کہا۔ ہاں!

---

(۱) سیرت ابن ہشام، ج ۱، ص ۲۹۱-۲۹۲

آپؐ نے فرمایا، اب مجھ سے سنو!

اس کے بعد آپؐ سورۂ فُصّلت کی کچھ آیتیں سجدہ تک، اس کے سامنے تلاوت کیں، عتبہ کے کان میں جب یہ کلام پڑا تو اس نے خاموشی کے ساتھ اس کو سننا شروع کیا، اس نے دونوں ہاتھ پشت کی طرف ٹیک لئے تھے اور کان کلام ربانی سننے میں محو تھے، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آیت سجدہ تک پہونچے تو آپؐ نے سجدہ فرمایا، اور ارشاد ہوا، ابوالولید تمہیں جو کچھ سننا تھا سن لیا، اب جیسا تم سمجھو!

عتبہ جب لوٹ کر اپنے ساتھیوں میں آگیا تو لوگ اس کی صورت دیکھ کر کہنے لگے، ہم قسم کھا کے کہتے ہیں کہ ابوالولید جس چہرے کے ساتھ گئے تھے، یہ چہرہ اس سے بدلا ہوا ہے، جب وہ بیٹھا تو لوگوں نے فوراً پوچھا، ابوالولید کیا خبر لائے؟ کہنے لگا، خبر یہ ہے کہ میں نے ایک ایسا کلام سنا ہے جو اس سے پہلے میں نے کبھی نہیں سنا تھا، خدا کی قسم، اے قریشیو! نہ وہ شعر ہے، نہ وہ سحر ہے، نہ کہانت اور علم نجوم ہے، میری بات مانو اور اس شخص کو اس کے حال پر چھوڑ دو، اس پر انھوں نے اس کو برا بھلا کہنا شروع کیا، انھوں نے کہا کہ واللہ اس کی زبان کا جادو تم پر چل گیا۔

اس نے کہا، میری رائے یہی ہے، اب جو تمہارا جی چاہے کرو(۱)۔

مسلمانوں کی حبشہ کی طرف ہجرت

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ آپؐ کے اصحاب ورفقاء کو سخت آزمائشوں کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے، اور آپ ان کی حفاظت ومدافعت پر قادر نہیں ہیں، تو آپؐ نے ان سے فرمایا، اگر تم لوگ حبشہ کی طرف نکل جاؤ تو اچھا ہے، وہاں کا جو بادشاہ ہے اس کی وجہ سے کوئی دوسرے پر ظلم نہیں کرتا، وہ ایک اچھا ملک ہے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ تمہارے لئے نجات وکشادگی کا کوئی سامان پیدا کردے۔

اس موقعہ پر مسلمانوں کی ایک جماعت نے حبشہ کی طرف ہجرت کی، یہ اسلام میں پہلی ہجرت تھی، یہ دس آدمی تھے، اور انھوں نے اپنا امیر عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کو مقرر کیا تھا، اس کے بعد جعفر بن ابی طالبؓ نے ہجرت کی، پھر بہت سے مسلمان یکے بعد دیگر وہاں پہونچے، ان میں سے کچھ لوگ تنہا تھے، اور کچھ اہل وعیال کے ساتھ تھے، ان لوگوں کی جنھوں نے حبشہ کی ہجرت کی کل تعداد تراسی بتائی گئی ہے(۲)۔

ہجرت حبشہ کا واحد محرک قریش کی ایذا رسانی سے نجات ہی نہ تھی، بلکہ اسلام کی دعوت اور

(۱) سیرت ابن ہشام، ج۱، ص ۲۹۳۔۲۹۴

(۲) سیرت ابن ہشام، ج۱، ص ۳۲۰۔۳۲۱

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فکر کو کم کرنا بھی تھا۔

مہاجرین کی فہرست کے جائزہ سے اس کے دائرہ کی وسعت وتنوع کا اندازہ ہوتا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ اس میں معاشرہ کے تمام طبقات کی نمائندگی ہے، امیر وفقیر بھی نظر آتے ہیں، بوڑھے اور جوان بھی، مرد بھی اور عورتیں بھی، اوران کی اکثریت کا تعلق مکہ کے قدیم خاندانوں سے تھا، جس سے دعوت اسلامی کی زبردست تاثیر اوراس کی قوت ووسعت کا پتہ چلتا ہے۔

قریش کا تعاقب

قریش نے یہ دیکھا کہ مسلمان وہاں پہونچ گئے ہیں، اورآرام وسکون سے ہیں تو انھوں نے عبداللہ بن ابی ربیعہ اور عمرو بن العاص بن وائل کو وہاں بھیجا، اوران کے ساتھ نجاشی اوراس کے جنگ جوسرداروں اور سپہ سالاروں کے لئے بہت سے تحائف اور ہدایا بھی بھیجے، جومکہ کی خاص سوغات سمجھے جاتے تھے، یہ دونوں نجاشی کے دربار میں حاضر ہوئے، اس کے سپہ سالاروں اور سرداروں کو طرح طرح کے تحفے دے کر وہ پہلے ہی ہموار کر چکے تھے، بادشاہ کے دربار میں دونوں نمایندوں نے اپنی گفتگو اس طرح شروع کی:۔

> ”بادشاہ معظم کے ملک میں ہمارے یہاں کے کچھ بے وقوف لڑکوں نے آکر پناہ لی ہے، جنھوں نے اپنا دین بھی چھوڑا ہے، اورآپ کا دین بھی قبول نہیں کیا، بلکہ ایک نیا دین ایجاد کیا ہے جس کو نہ ہم جانتے پہچانتے ہیں نہ آپ، ہمیں آپ کے پاس ان کی قوم کے کچھ سربرآوردہ وذمہ دار لوگوں نے (جوان کے باپ، چچا اور قریبی عزیز ہوتے ہیں) بھیجا ہے تا کہ آپ ان لڑکوں کو واپس کردیں، اس لئے کہ یہ ان کے معاملات سے زیادہ واقف اوران سے زیادہ قریب ہیں“۔

جو سردار بادشاہ کے گرد وپیش تھے یک زبان ہوکر بولے ”یہ دونوں بالکل صحیح کہہ رہے ہیں، آپ ان کو ان کے سپرد کردیں“ نجاشی کو اس بات پر بہت غصہ آیا، اوراس نے ان کی بات ماننے سے انکار کردیا اور یہ پسند نہیں کیا کہ جو اس کی پناہ لینے آئے اس کو اس طرح بے یار ومددگار چھوڑ دیا جائے، اس نے اس پر قسم کھائی، اور مسلمانوں کو بلایا اوراپنے پادریوں کو جمع کیا، اور مسلمانوں کی طرف روئے سخن کرتے ہوئے کہا: وہ دین کیا ہے جس کے لئے تم نے اپنی قوم کو چھوڑ دیا ہے، اوراس کو ترک کرنے کے بعد نہ میرے دین کو قبول کیا، اور نہ کسی اور معروف دین ومذہب کو اختیار کیا ہے؟

جاہلیت کی تصویر کشی اور اسلام کا تعارف جعفر بن ابی طالبؓ کی زبان سے

اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی جعفر بن ابی طالبؓ کھڑے ہوئے اور انھوں نے حسب ذیل تقریر کی:۔

''اے بادشاہ، ہم ایک جاہلیت والی قوم تھے، بتوں کو پوجتے تھے، مردار کھاتے تھے، ہر قسم کی بے حیائیوں اور گناہوں میں آلودہ تھے، ہم میں سے جو طاقتور ہوتا وہ کمزور کو پھاڑ کھاتا، ہم اس حال میں تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم ہی میں سے ایک رسول بھیجا، جس کے خاندان ونسب وحسب سے اور جس کی سچائی، امانت داری، اور عفت وپاک بازی سے ہم پہلے سے واقف تھے، انھوں نے ہم کو یہ دعوت دی کہ ہم صرف ایک اللہ پر ایمان لائیں اور اسی کی عبادت کریں، اور ہم اور ہمارے باپ دادا جن بتوں اور پتھروں کو پوجتے تھے، اس کو بالکل چھوڑ دیں اور ان سے قطع تعلق کرلیں، انھوں نے ہم کو سچ بولنے، امانت ادا کرنے، رشتہ داری کا خیال کرنے، پڑوسی سے اچھا سلوک کرنے، ناجائز وحرام باتوں اور ناحق خون سے پرہیز کرنے کا حکم دیا، بے حیائی کے کاموں، جھوٹ فریب، یتیم کا مال کھانے، پاک دامن وپاک باز عورتوں پر الزام لگانے سے منع فرمایا، انھوں نے ہم کو حکم دیا ہے کہ ہم صرف ایک اللہ کی عبادت کریں، اور اس کے ساتھ کسی شے کو شریک نہ ٹھہرائیں، انھوں نے ہمیں نماز کا، زکوٰۃ کا، روزہ کا حکم دیا (اس موقع پر انھوں نے اس طرح کے اور ارکان اسلام بیان کئے) ہم نے ان کی تصدیق کی، ان پر ایمان لائے، اور جو طریقہ اور تعلیم وہ اللہ کی طرف سے لائے ہیں اس کی پیروی کی، صرف ایک اللہ کی عبادت اختیار کی، اس کے ساتھ کسی اور کو شریک نہیں کیا، جو انھوں نے حرام کیا اس کو حرام مانا، جو انھوں نے حلال کیا، اس کو حلال تسلیم کیا، اس پر ہماری قوم ہماری دشمنی پر کمر بستہ ہوگئی، انھوں نے ہم کو طرح طرح کی تکلیفیں پہونچائیں اور ہم کو اس دین سے پھیرنے کے لئے مختلف آزمائشوں میں ڈالا اور اس کی کوشش کی کہ اللہ کی عبادت کو چھوڑ کر ہم پھر بتوں کی عبادت کو اختیار کرلیں، اور جن گناہوں اور جن جرائم کو پہلے جائز سمجھتے تھے پھر جائز اور حلال سمجھنے لگیں۔

جب انھوں نے ہمارے ساتھ بہت زور زبردستی کی، ہم پر ظلم کیا، ہمارا جینا دوبھر کردیا اور ہمارے دین کے راستہ میں دیوار بن کر کھڑے ہوگئے تو ہم آپ کے ملک میں پناہ لینے کے لئے آئے، اور اس کے لئے آپ ہی کا انتخاب کیا، آپ کے جوار اور پناہ کی خواہش کی، اے بادشاہ! ہم یہاں یہ امید لے کر آئے ہیں کہ ہم پر کوئی ظلم نہ

کیا جا سکے گا“۔

نجاشی نے یہ پوری تقریر سکون ووقار سے سنی اور کہا کہ تمہارے نبی، اللہ کے پاس سے جو کچھ لائے ہیں، اس کی کوئی چیز تمہارے پاس ہے؟

حضرت جعفرؓ نے کہا کہ ہے۔

نجاشی نے کہا کہ مجھے وہ پڑھ کر سناؤ۔

حضرت جعفرؓ نے سورہ مریم کی ابتدائی آیتیں تلاوت کیں تو نجاشی رو پڑا، اور اس کے آنسوؤں سے اس کی داڑھی تر ہوگئی، اس کے دربار کے پادریوں پر بھی گریہ طاری ہوگیا، یہاں تک کہ ان کے (مذہبی) صحیفے آنسوؤں سے بھیگ گئے۔

حضرت جعفرؓ کی حکمت و بلاغت

شاہ حبشہ کے سامنے حضرت جعفر بن ابی طالبؓ کی تقریر اور اسلام کی دعوت، ان کی حکمت، موقعہ ومحل کی رعایت اور نفسیات انسانی کی واقفیت کا دل آویز نمونہ ہے، اس سے لفظی بلاغت سے کہیں زیادہ ”عقلی بلاغت“ کا اظہار ہوتا ہے، جس کی ہدایت ربانی اور تائید غیبی کے سوا کوئی توجیہ نہیں کی جا سکتی، اسی کے ساتھ اس سے حضرت جعفرؓ کی سلامتی طبع اور دور اندیشی کا بھی پتہ چلتا ہے، جس میں بنو ہاشم قریش پر اور قریش تمام عرب پر فائق تھے، اس موقعہ پر حضرت جعفرؓ نے اپنی تقریر کو عرب جاہلیت کی صورت حال پیش کرنے اور یہ بتانے تک محدود رکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے رسول بنا کر بھیجا، آپؐ نے اللہ کی طرف بلایا اور دین حق کی دعوت، مکارم اخلاق کی تعلیم دی، جو لوگ اس پر ایمان لائے، ان کی زندگیوں میں انقلاب عظیم رونما ہوا، یہ صورت حال کی ایسی وضاحت ومصوری ہے، جو ایک ”آپ بیتی“ کی حیثیت رکھتی ہے، اور جس کے بیان کرنے والے کی صداقت میں شبہ کی گنجائش نہیں، حکیمانہ دعوت و بیان حقیقت کا ایک ایسا اسلوب ہے، جو پیش کرنے والے کے لئے نہ تو مشکلات وشبہات پیدا کرنے والا ہے، نہ مخالفین ومعترضین کو جرح کرنے، اور سامعین کو مخالفت پر آمادہ کرنے کا موقعہ دینے والا ہے، ایک امر واقعہ اور ایک معاشرہ کی سچی سرگزشت ہے، جس میں ایک نبی کی دعوت وتعلیم نے قبول کرنے والوں کو انسانیت کی پست ترین سطح سے اٹھا کر بلند ترین سطح پر پہونچا دیا ہے، جس کا جی چاہے اس کو جانچ لے، اور اس انقلاب حال کو آنکھوں سے دیکھ لے (۱)۔

---

(۱) ”روائع من ادب الدعوۃ فی القرآن والسیرۃ“ از مؤلف، ص ۱۲۲۔۱۲۳

وفد قریش کی ناکامی

نجاشی نے کہا کہ بلاشبہ یہ اور جو کچھ حضرت عیسیٰ علیہ السلام لائے تھے ایک ہی نور کی کرنیں ہیں، پھر وہ قریش کے دونوں قاصدوں کی طرف متوجہ ہوا اور کہا، تم یہاں سے چلے جاؤ، خدا کی قسم میں ان کو تمہارے حوالہ کرنے والا نہیں۔

اس موقع پر عمرو بن العاص نے اپنے ترکش کا آخری تیر چلایا، یہ ایک زہر میں بجھا ہوا تیر تھا، انھوں نے کہا کہ۔

بادشاہ سلامت! یہ لوگ حضرت مسیحؑ کے بارے میں ایسی باتیں کہتے ہیں، جن کا زبان سے نکالنا بھی مشکل ہے۔

نجاشی نے پوچھا کہ تم لوگ حضرت مسیحؑ کے بارے میں کیا کہتے ہو؟

جعفر بن ابی طالبؓ نے جواب دیا، ہم ان کے بارے میں وہی کہتے ہیں جو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں تعلیم دی ہے، وہ اللہ کے بندے ہیں اس کے رسول ہیں اور اس کی روح اور کلمہ ہیں جو اس نے کنواری پاکباز مریم پر القا کیا، یہ سن کر نجاشی نے اپنا ہاتھ زمین پر مارا اور ایک تنکا اٹھا کر کہا خدا کی قسم جو کچھ تم نے بیان کیا ہے، حضرت عیسیٰؑ اس سے اس تنکے کے برابر بھی زیادہ نہیں ہیں۔

اس نے مسلمانوں کو بہت اعزاز و اکرام سے رخصت کیا، ان کو امان دی، قریش کے وہ دونوں قاصد ذلیل و خوار ہو کر وہاں سے نکلے اور مسلمانوں نے بہت اچھے گھر اور اچھے پڑوس میں عزت کی جگہ پائی (۱)۔

مسلمانوں کا جذبۂ احسان شناسی

اسی زمانہ میں نجاشی کے کسی دشمن نے اس پر حملہ کیا، مہاجر مسلمانوں نے اپنے بارے میں نجاشی کے قابل تعریف موقف اور اس کے احسان کے جواب میں اس کا ساتھ دیا (۲)، جو اسلام کی اخلاقی تعلیمات کے مطابق اور مسلمانوں کے اخلاق کے شایان شان تھا۔

حبشہ میں دین کی دعوت اور اسلام کا تعارف

حبشہ کی ہجرت ۵ھ نبوی میں ہوئی تھی، جہاں جعفر بن ابی طالبؓ اپنے ساتھیوں کے ساتھ ۷ھ تک رہے، اور وہ غزوۂ خیبر کے موقعہ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آئے، اس طرح وہ

---

(۱) سیرت ابن ہشام، ج۱، ص ۳۳۴-۳۳۸، باختصار۔

(۲) مسند امام احمد بن حنبلؒ، ۱، ص ۲۰۲

تقریباً پندرہ سال حبشہ میں رہے، جو ایک طویل مدت ہوتی ہے، جس سے حضرت جعفرؓ نے دعوت اسلامی کے سلسلہ میں ضرور فائدہ اٹھایا ہوگا کہ وہ ملک دوسرے نصرانی ممالک کے مقابلہ میں رواداری اور مظلوموں کو پناہ دینے میں خاص امتیاز رکھتا تھا، اور اس کا حاکم اپنے انصاف اور انسانیت کے لئے معروف تھا، مگر وہ زمانہ تفصیلی وتحریری وقائع نگاری کا نہیں تھا، اس لئے اس کے ثبوت میں اگرچہ ہمارے سامنے تاریخی ودستاویزی حقائق تو نہیں ہیں، لیکن یہ بات ہر طرح قرین قیاس ہے کہ انھوںؑ نے اس طویل قیام سے (جس سے کوئی اور فائدہ اٹھانا مقصود نہ تھا) دین کی دعوت اور اسلام کے تعارف میں پورا فائدہ اٹھایا ہوگا۔

حضرت عمرؓ کا قبولِ اسلام کا واقعہ

پھر اللہ تعالیٰ نے عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے قبول اسلام کے ذریعہ اسلام اور مسلمانوں کی نصرت وحمایت کا غیبی سامان کیا، حضرت عمرؓ قبیلۂ قریش کے ایک معزز شخص تھے، وہ بہت بارعب، پرجلال، اور طاقت ور شخصیت کے مالک تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی بڑی خواہش اور آرزو تھی کہ وہ مسلمان ہو جائیں، آپ اس کے لئے دعا بھی فرمایا کرتے تھے۔

ان کے اسلام لانے کا واقعہ یہ ہے کہ ان کی بہن فاطمہ بن الخطابؓ اسلام لا چکی تھیں اور ان کے بعد ان کے شوہر سعید بن زید بھی مشرف بہ اسلام ہو چکے تھے، لیکن دونوں نے اپنے قبول اسلام کو حضرت عمر کے رعب ودبدبہ نیز اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ ان کی سخت گیری کی وجہ سے اب تک ظاہر نہیں کیا تھا، خباب الارتؓ فاطمہ کو قرآن پڑھاتے تھے۔

حضرت عمر ایک مرتبہ تلوار لٹکائے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے اصحاب کرام کی تلاش میں نکلے، ان کو یہ اطلاع مل چکی تھی کہ یہ سب حضرات اس وقت صفا کے قریب کسی گھر میں جمع ہیں، راستہ میں ان کو نعیم بن عبداللہ ملے جو ان ہی کے قبیلہ بنی عدی سے تعلق رکھتے تھے، اور اسلام لا چکے تھے، انھوں نے پوچھا، عمر کہاں کا ارادہ ہے؟ کہنے لگے کہ (نعوذ باللہ) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا فیصلہ کرنے جا رہا ہوں، جس نے بے دینی اختیار کی، قریش کے اتحاد کو پارہ پارہ کر دیا، ان کو جاہل وبے وقوف قرار دیا، ان کے دین کو عیب لگایا، معبودوں کو گالیاں دیں، آج ان کا قصہ ہی تمام کر دینا ہے۔

نعیم نے کہا، عمر! تم کس دھوکہ میں پڑے ہو، اپنے گھر والوں کی خبر لو، اور پہلے ان کو ٹھیک کرو۔

حضرت عمر نے پوچھا، میرے گھر میں کون؟

انھوں نے جواب دیا، تمہارے بہنوئی اور چچازاد بھائی سعید بن زید، تمہاری بہن فاطمہ، یہ

دونوں مسلمان ہو چکے ہیں، اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا دین اختیار کر چکے ہیں، پہلے ان کو دیکھ لو۔

حضرت عمر اُلٹے پاؤں اپنی بہن اور بہنوئی کی طرف چل دیئے، اس وقت ان کے پاس خباب بن الارتؓ بیٹھے ہوئے تھے، ان کے ساتھ ایک صحیفہ تھا جس میں سورۂ طٰہٰ لکھی ہوئی تھی، اور وہ ان کو یہ سورہ پڑھا رہے تھے، جب ان کو حضرت عمر کی آہٹ محسوس ہوئی تو خبابؓ گھر کے ایک اندرونی کمرہ میں چھپ گئے، فاطمہ نے یہ صحیفہ جلدی سے ران کے نیچے دبا لیا، لیکن حضرت عمر نے خباب بن الارتؓ کی تلاوت وقرأت سن لی تھی، جب اندر داخل ہوئے تو پوچھا کہ یہ کیا کھسر پھسر ہو رہی تھی؟ ان دونوں نے جواب دیا کہ کیا تم نے کچھ سن لیا؟ انھوں نے کہا، ہاں سنا ہے، اور مجھے معلوم ہو چکا ہے کہ تم نے محمدؐ کا دین قبول کر لیا ہے، پھر وہ اپنے بہنوئی سعید بن زید کو مارنے دوڑے ان کی بہن فاطمہؓ ان کو بچانے کے لئے لپکیں تو انہوں نے ان کی بھی خبر لی اور زخمی کر دیا۔

جب یہ سب کچھ کر چکے تو ان کی بہن اور بہنوئی نے کہا کہ ہاں بے شک ہم مسلمان ہو چکے ہیں، اور اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لا چکے ہیں، اب تم ہمارا جو چاہے کر لو۔

جب عمرؓ نے اپنی بہن کے جسم پر خون کے دھبے دیکھے، تو ان کا جوش ٹھنڈا ہوا اور ان کو اپنے اس فعل پر ندامت سی ہوئی، وہ رک گئے، اور کہنے لگے، مجھے وہ صحیفہ دو جو ابھی میں نے پڑھتے ہوئے تم دونوں کو سنا تھا، میں دیکھوں کہ محمدؐ کی تعلیم کیا ہے؟ حضرت عمرؓ پڑھے لکھے تھے، جب انھوں نے یہ کہا تو ان کی بہن بولیں کہ ہمیں ڈر ہے کہ معلوم نہیں تم اس کے ساتھ کیا کرو، انھوں نے کہا تم ڈرو نہیں اطمینان رکھو، انھوں نے اپنے معبودوں کی قسم کھا کر ان کو اس کا یقین دلایا، جب انھوں نے ایسی باتیں کہیں تو ان کی بہن کو یہ لالچ ہوئی کہ شاید عمر اسلام لے آئیں، انھوں نے نرمی سے کہا، بھائی جان آپ شرک کی وجہ سے نجس و ناپاک ہیں، اور اس صحیفہ کو صرف پاک آدمی چھو سکتا ہے۔

حضرت عمر کھڑے ہوئے جا کر غسل کیا تب ان کی بہن نے یہ صحیفہ ان کے ہاتھ میں دیا، اس میں سورۂ طٰہٰ درج تھی، تھوڑا ہی سا پڑھا تھا کہ حضرت عمرؓ بول اٹھے کیا پاکیزہ اور لائق احترام کلام ہے؟

جب خبابؓ نے یہ سنا تو اپنے حجرہ سے نکل کر سامنے آ گئے، اور کہنے لگے، اے عمر، خدا کی قسم مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے نبی کی دعوت سے آپ کو ضرور سرفراز کرے گا، اس لئے کہ میں نے کل ہی حضورؐ کو یہ دعا کرتے سنا تھا، اے اللہ اسلام کی ابوالحکم بن ہشام (ابوجہل) یا عمر بن الخطاب کے ذریعہ مدد فرما، اے عمر! اب تو تم کو کچھ اللہ کا خوف اور شرم و لحاظ آنا چاہئے۔

اس وقت عمر نے کہا، خباب! مجھے محمدؐ کے پاس لے چلو، میں ان کے ہاتھ پر اسلام قبول کرنا

چاہتا ہوں، خبابؓ نے کہا کہ وہ صفا کے پاس ایک گھر میں ہیں، آپ کے ساتھ اور کئی ہمراہی ہیں، حضرت عمرؓ نے تلوار حمائل کی، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف چلے، اور دروازہ پر دستک دی، جب انھوں نے ان کی آواز سنی تو ایک صحابیؓ نے کھڑے ہوکر اور پہلے دروازہ کی دراز سے جھانک کر اطمینان کرنا چاہا، دیکھا کہ وہ تلوار لگا کر آئے ہیں، وہ گھبرائے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہنے لگے یا رسول اللہ! عمر بن الخطاب ہیں، اور تلوار لگا کر آئے ہیں، حضرت حمزہؓ بولے، آنے دو، اگر وہ نیک ارادے سے آرہے ہیں، تو بسم اللہ، اور نہیں تو ہم ان ہی کی تلوار سے ان کا کام تمام کردیں گے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اجازت دے دو، چنانچہ ان صحابیؓ نے حضرت عمر کو آنے کی اجازت دے دی۔

حضرت عمر آنے لگے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آگے بڑھ کر حجرہ میں ان سے ملے اور ان کا دامن یا گریبان مضبوطی سے پکڑ کر کھینچا اور فرمایا ابن خطاب! یہاں کس ارادہ سے آئے ہو، خدا کی قسم مجھے ایسا نظر آتا ہے کہ خاتمہ سے پہلے تمھیں کوئی سخت آفت یا مصیبت کا سامنا کرنا پڑے گا۔

حضرت عمرؓ نے کہا، یا رسول اللہ میں آپ کے پاس اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانے اور اللہ تعالیٰ نے جو ہدایت اور تعلیم ان کے ذریعہ بھیجی ہے اس کو قبول کرنے حاضر ہوا ہوں۔

وہ بیان کرتے ہیں کہ یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نعرۂ تکبیر بلند کیا، اس تکبیر سے اس گھر میں جتنے صحابۂ کرام تشریف رکھتے تھے، سب سمجھ گئے، کہ عمر مسلمان ہوگئے (۱)''۔

حضرت عمر کے اسلام لانے سے مسلمانوں کے اندر خود اعتمادی اور عزت نفس کا احساس پیدا ہوا، حضرت حمزہؓ پہلے ہی اسلام قبول کر چکے تھے، وہ جانتے تھے کہ کفار قریش پر اس واقعہ کا کتنا سخت رد عمل ہوگا، اور مکہ کی زندگی میں اس کا کیا اثر محسوس کیا جائے گا، اور ان کا یہ خیال کچھ خوش فہمی پر مبنی نہ تھا، اس لئے کہ مشرکین پر کسی شخص کا اسلام لانا اتنا شاق نہیں گذرا تھا، اور اس کو وہ اہمیت نہیں دی گئی تھی جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام کو دی گئی۔

حضرت عمرؓ نے اپنے مسلمان ہونے کا کھل کر اعلان کیا، یہ بات قریش میں فوراً پھیل گئی، وہ حضرت عمرؓ سے بھی لڑنے مرنے پر آمادہ ہوگئے، اور حضرت عمرؓ بھی پوری طرح مقابلہ پر آگئے، اور آخر کار مخالفین اور دشمنان اسلام شکستہ و نامراد ہوکر اور ہمت ہار کر بیٹھ رہے (۲)۔

---

(۱) سیرت ابن ہشام، ص ۳۴۶-۳۴۲

(۲) سیرت ابن ہشام، ج ۱، ص ۳۴۹

قریش کی طرف سے بنی ہاشم کا مقاطعہ اور محاصرہ

اسلام قبائل عرب میں تیزی کے ساتھ پھیلنے لگا تو قریش کو بڑی فکر ہوئی، انھوں نے ایک مشاورتی اجتماع کیا اور اس میں یہ بات طے کی گئی کہ ایسا معاہدہ تحریر کیا جائے جس کے ذریعہ بنی ہاشم اور بنی عبدالمطلب کو اس کا پابند کردیا جائے کہ وہ کسی اور جگہ شادی نہیں کرسکتے، نہ دوسرے ان سے شادی کرنے کے مجاز ہوں گے، نہ کوئی چیز ان کے ہاتھ فروخت کریں گے نہ ان سے خریدیں گے، اجتماع کے بعد انھوں نے ان دفعات کو ایک تحریر کی شکل میں قلم بند کیا پھر سب نے ایک عہد نامہ اور میثاق کی حیثیت سے اس کو باضابطہ طور پر منظور اور واجب العمل قرار دیا، اور مزید توثیق کے لئے یہ معاہدہ کعبہ کے اندر آویزاں کردیا گیا۔

شعب ابی طالب میں

جب قریش نے ایسا معاملہ کیا تو بنو ہاشم اور بنو المطلب ابو طالب کے ساتھ ہوگئے اور اس گھاٹی یا وادی میں ان کے ساتھ محصور ہوگئے، یہ ۷ بعد بعثت کا واقعہ ہے، بنو ہاشم میں سے ابولہب بن عبدالمطلب اس میں شامل نہ تھا، وہ قریش کا ہمنوا تھا، بنو ہاشم ایک عرصہ تک اسی طرح محصور رہے، اس محاصرہ نے اتنا طول کھینچا کہ ببول کے پتے کھا کر گزارا کرنے کی نوبت آئی ان کے بچے بھوک سے روتے اور بلبلاتے تھے اور ان کے رونے کی آواز دور تک جاتی تھی، قریش تاجروں کو بھی ان کے خلاف بھڑکاتے تھے، چنانچہ ان تاجروں نے چیزوں کی قیمت اتنی زیادہ کردی کہ وہ یہ سامان خرید ہی نہ سکیں۔

تین سال اس سخت حال میں گزرے (۱)، اس زمانہ میں خفیہ طریقہ سے کچھ ضروریات زندگی ان کے پاس پہونچ پاتی تھیں، قریش کے وہ لوگ جو ان کے ساتھ سلوک وصلہ رحمی کا معاملہ کرنا پسند کرتے تھے، وہ ان کی اس طرح درپردہ مدد کرتے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس حال میں بھی اپنی قوم میں تبلیغ ودعوت کا فریضہ دن رات، خفیہ وعلانیہ، ہر طریقہ سے انجام دیتے، اور بنو ہاشم صبر اور امید اجر کے ساتھ ان تمام تکلیفات کو برداشت کرتے۔

عہد نامہ کی تنسیخ اور مقاطعہ کا خاتمہ

اسی دوران میں قریش کے کچھ باضمیر وعالی حوصلہ اشخاص کے دل میں جن میں ہشام بن

(۱) اس اضطراری مدت کو سامنے رکھتے ہوئے اندازہ ہوتا ہے کہ شعب ابی طالب میں قیام بعثت کے ساتویں سال کے آخر میں شروع ہوا ہوگا، ابو طالب کی وفات بعثت کے دسویں سال کے آخر میں ہوئی (فتح الباری، جلد ۷، ص ۱۹۴)

عمرو بن ربیعہ پیش پیش تھے اس ظالمانہ معاہدہ کے خلاف ناپسندیدگی کا جذبہ پیدا ہوا، اور اس کو انھوں نے ایک خلاف انسانیت فعل قرار دیا، ہشام حسن سلوک اور صلہ رحمی کرنے والے شخص تھے، اپنی قوم میں ان کو عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا، انھوں نے اس سلسلہ میں قریش کے ان اشخاص سے جن کے اندر کچھ نرم خوئی، حوصلہ مندی اور عالی ظرفی محسوس ہوئی، رابطہ قائم کیا اور ان کی شرافت وانسانیت کو غیرت دلائی، اور اس پر آمادہ کیا کہ اس ظالمانہ معاہدہ کو ختم کیا جائے، یہ پانچ اشخاص تھے، اور ان سب نے اس کو کالعدم قرار دینے پر اتفاق کرلیا، دوسرے دن جب قریش کی محفلیں آراستہ تھیں، عین اس محفل میں زہیر بن ابی امیہ جن کی ماں عاتکہ بن عبدالمطلب تھیں، لوگوں کے سامنے آئے اور کہنے لگے۔

"اے مکہ والو! ہم مزے سے کھائیں پئیں اور بنو ہاشم دانہ دانہ کو ترسیں اور جاں بلب ہوں، ان کے ساتھ خرید وفروخت تک بند ہو، خدا کی قسم میں اس وقت تک چین سے نہیں بیٹھوں گا، جب تک کہ اس ظالمانہ معاہدہ کو پُرزہ پُرزہ نہ کردیا جائے"۔

اس موقع پر ابوجہل نے مداخلت کرنا چاہی، لیکن اس کی کچھ چل نہ سکی، مطعم بن عدی اس معاہدہ کو پھاڑنے کی غرض سے اس کی طرف بڑھے تو دیکھا کہ دیمک پورے کاغذ کو چاٹ کر ختم کرچکی ہے، صرف باسمك اللهم کے الفاظ باقی ہیں (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس بات کی ابوطالب کو اطلاع پہلے سے فرما چکے تھے)۔

بہر حال اس معاہدہ کو پھاڑ کر پھینک دیا گیا، اور جو کچھ اس میں تحریر تھا وہ سب کالعدم ہوگیا (۱)۔

ابوطالب اور حضرت خدیجہؓ کی وفات

نبوت کے دسویں سال، ایک ہی سال کے اندر ابوطالب اور حضرت خدیجہؓ دونوں کا انتقال ہوگیا، ان دونوں کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حسن صحبت، حسن سلوک، وفاداری اور نصرت وحمایت کا جو معاملہ تھا وہ روز روشن کی طرح عیاں ہے، ابوطالب نے اسلام قبول نہ کیا، اس حادثہ کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پے در پے کئی مصائب کا سامنا کرنا پڑا۔

قرآن مجید کی انقلاب آفرینی ومسیحائی اور قلب سلیم پر اس کے اثرات

طفیل بن عمرو دوسی جو عرب کے ایک سربرآوردہ ومعزز شخص اور ممتاز شاعر تھے، مکہ آئے تو قریش نے حسب معمول ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے سے روکنا چاہا،

(۱) سیرت ابن ہشام، ج۱، ص ۳۵۰-۳۵۱

اوران کو آپؐ سے قریب ہونے اور آپ کی بات سننے سے بہت ڈرایا اور کہا کہ ہمیں ڈر ہے کہ کہیں تمہارے ساتھ اور تمہاری قوم کے ساتھ وہی پیش نہ آئے جو یہاں ہم کو پیش آرہا ہے، اس لئے نہ تم ان سے کچھ بات کرنا نہ ان کی سننا۔

طفیل کہتے ہیں کہ "واللہ وہ میرے پیچھے پڑے رہے، یہاں تک کہ میں نے فیصلہ کرلیا کہ ان کی سنوں گا نہ ان سے بات کروں گا، اس سے آگے بڑھ کر یہ کہ میں نے اپنے کانوں میں روئی ٹھونس لی اور حرم کی طرف گیا، اچانک میری نگاہ اٹھی تو کیا دیکھتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ کے نزدیک نماز پڑھ رہے ہیں، میں آپؐ کے پاس کھڑا ہوگیا، اور اللہ نے آپ کا کچھ کلام مجھے زبردستی سنوا ہی دیا، کہتے ہیں کہ میں نے بہت اچھا کلام سنا، میں نے اپنے دل میں کہا میری ماں مجھے روئے، خدا کی قسم میں سخن ور بھی ہوں اور سخن شناس بھی، کلام کی اچھائی برائی مجھ سے پوشیدہ نہیں رہ سکتی، آخر یہ کلام سننے سے مجھے کیا چیز مانع ہورہی ہے، اگر واقعی اچھی بات ہے تو میں اسے قبول کروں گا، بری بات ہے تو چھوڑ دوں گا"۔

اس کے بعد طفیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آپؐ کے گھر میں ملے اور یہ ماجرا بیان کیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اسلام لانے کی دعوت دی، اور ان کے سامنے قرآن مجید کی تلاوت کی، چنانچہ وہ مسلمان ہوگئے، اور اسلام کے داعی و مبلغ بن کر اپنی قوم و برادری میں واپس ہوئے، انھوں نے اپنے گھر والوں کے ساتھ رہنے سے بھی انکار کردیا اور کہہ دیا کہ جب تک وہ مسلمان نہ ہوں گے میں ان سے کوئی واسطہ نہ رکھوں گا، اس بات پر وہ سب لوگ بھی دائرہ اسلام میں داخل ہوگئے، انھوں نے اپنے قبیلہ دوس کو اسلام کی دعوت دی اور اس قیام میں اسلام کی خوب اشاعت ہوئی (۱)۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ شروع میں اپنے گھر ہی میں نماز پڑھتے تھے، پھر ان کی طبیعت اس پر راضی نہ ہوئی، اور انھوں نے اپنے گھر کے صحن میں نماز کی ایک جگہ بنالی اور اس میں نماز پڑھنے اور قرآن مجید کی تلاوت کرنے لگے، جب وہ تلاوت کرتے تو مشرکین کی عورتیں اور بچے ان پر ٹوٹے پڑتے ان کو دیکھتے رہتے اور تعجب کرتے، حضرت ابوبکرؓ بہت رقیق القلب تھے، تلاوت کرتے وقت ان کی آنکھیں بے ساختہ اشکبار ہوجاتی تھیں، اس بات نے مشرکین کے سرداروں کو بہت خوفزدہ کردیا، انھوں نے ابن الدغنہ کو جنھوں نے حضرت ابوبکرؓ کو پناہ دی تھی، بلوا بھیجا، جب وہ ان کے سامنے آئے تو ان سب نے ان سے کہا کہ تم نے ابوبکر کو جو پناہ دی تھی، ہم نے اس کو اس شرط پر تسلیم کیا تھا کہ وہ اپنے گھر کے اندر اللہ کی عبادت کریں، لیکن انھوں نے اپنی نماز اور قرأت سب کچھ علی الاعلان کرنا

---

(۱) سیرت ابن ہشام، ج ۱، ص ۳۸۲-۳۸۴، باختصار

شروع کر دیا ہے، ہمیں ڈر ہے کہ وہ ہمارے لڑکوں اور عورتوں کو متاثر و مسحور نہ کردیں، اب اگر وہ اس پر راضی ہوں کہ اپنے گھر کے اندر اللہ کی عبادت کریں تو ٹھیک ہے، اگر اس سے انکار کریں تو ان سے کہو کہ تمہاری پناہ اور حفاظت واپس کردیں اس لئے کہ نہ ہم تمہارے عہد کو توڑنا چاہتے ہیں، نہ ابوبکر کو علانیہ عبادیت وتلاوت کی اجازت دینے پر راضی ہیں۔

جب ابن الدغنہ نے حضرت ابوبکرؓ کو قریش کے اس مطالبہ سے آگاہ کیا، تو انھوں نے جواب دیا کہ میں تمہاری پناہ اور ضمانت کو واپس کرتا ہوں، اور اللہ کی ضمانت وحفاظت پر راضی ہوں (۱)۔

طائف کا سفر اور سخت اذیتوں کا سامنا

ابوطالب کے انتقال کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ بہت سی تکلیفیں اور اذیتیں پہونچیں جن کی ہمت ابوطالب کی زندگی میں قریش والے نہیں کرتے تھے، ایک مرتبہ آپؐ کے سر پر مٹی بھی پھینکی گئی، جب ان اذیتوں کا سلسلہ دراز ہونے لگا، اور مشرکین وکفار کی اسلام سے کراہت اور اس کی ناقدری اور حقارت اور بڑھ گئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف کا قصد فرمایا (۲)، آپ کی نیت یہ تھی کے قبیلہ ثقیف کو اسلام کی دعوت دیں اور ان سے نصرت کے خواستگار ہوں، آپ کو اہل طائف سے کچھ خیر کی امید تھی، اور اس میں تعجب کی بھی کوئی بات نہیں، اس لئے کہ آپ کے ایام رضاعت قبیلۂ بنی سعد میں گزرے تھے، جو طائف کے قریب آباد تھا۔

طائف کی اہمیت

طائف کا شہر اپنی اہمیت، آبادی کے پھیلاؤ اور خوش حالی وفارغ البالی میں مکہ کے بعد دوسرے نمبر پر تھا، قرآن مجید میں قریش کی زبان سے اسی بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے:۔

وَقَالُوا لَوْلَا نُزِّلَ هَٰذَا الْقُرْآنُ عَلَىٰ رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيمٍ۔ (سورۂ زخرف ۳۱)

اور یہ بھی کہنے لگے کہ یہ قرآن دونوں بستیوں (یعنی مکہ اور طائف) میں سے کسی بڑے آدمی پر کیوں نازل نہ کیا گیا۔

یہ شہر مشہور بت "لات" کی عبادت کا بھی مرکز تھا، جہاں باقاعدہ لوگ تیرتھ کے لئے آتے تھے، اس بات میں وہ مکہ کا ہمسر وہم ردیف تھا جو قریش کے سب سے بڑے بت "ہبل" کی عبادت کا مرکز تھا،

(۱) بخاری شریف بروایت عائشہ رضی اللہ عنہا (باب ہجرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم واصحابہ) تلخیص کے ساتھ۔

(۲) راجح قول یہ ہے کہ طائف کا یہ سفر دسویں سال شوال کی آخری تاریخ میں ہوا (خاتم النبیین۔ از شیخ محمد ابوزہرہ مرحوم، ج ۱، ص ۵۸۰۔

امراء وخوش حال طبقہ یہیں گرمیاں گزارتا تھا، عہد اسلامی اور اس کے بعد بھی اس کو یہ اہمیت حاصل رہی۔

اموی شاعر عمرو بن ربیعہ کہتا ہے۔

تشتو بمكة نعمة ومصيفها بالطائف(۱)

اہل طائف جائداد اور زمینوں کے مالک تھے، ان کے پاس بڑے بڑے باغات اور مزرعے تھے، اس دولت وخوش حالی نے ان کے اندر غرور وناز پیدا کر دیا تھا، اور وہ اس آیت کا مصداق اور نمونہ تھے۔

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ فِیْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّذِيْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَآ اِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ وَقَالُوْا نَحْنُ اَكْثَرُ اَمْوَالًا وَّاَوْلَادًا وَّمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ (سورۂ سبا۔ ٣٤۔ ٣٥)

اور ہم نے کسی بستی میں کوئی ڈرانے والا نہیں بھیجا مگر وہاں کے خوش حال لوگوں نے کہا کہ جو چیز دے کر تم بھیجے گئے ہو ہم اس کے قائل نہیں اور (یہ بھی) کہنے لگے کہ ہم بہت سامال اور اولاد رکھتے ہیں اور ہم کو عذاب نہیں ہوگا۔

اہل طائف کا سلوک اور آپؐ کی دعا

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طائف تشریف لائے تو سب سے پہلے ثقیف کے سرداروں اور ذمہ دار لوگوں سے ملنے تشریف لے گئے، اور ان کے پاس بیٹھ کر ان کو دین حق کی دعوت دی، لیکن آپ کو اس کا بہت برا اور سخت جواب ملا، انھوں نے آپ کا مذاق بھی اڑایا، اور شہر کے اوباش لوگوں اور غلاموں کو آپ کے ستانے پر مامور کر دیا، یہ لوگ آپ کو گالیاں دیتے، شور مچاتے اور آپ پر پتھر پھینکتے، اسی بے کسی اور کرب کے عالم میں آپ پناہ لینے کے لئے ایک کھجور کے سایہ میں تشریف فرما ہوئے، طائف میں آپ کو جتنا ستایا گیا وہ مشرکین مکہ کی ایذا رسانیوں سے کہیں زیادہ تھا، انھوں نے راستہ کے دونوں طرف اپنے آدمی کھڑے کر دیئے آپ ایک قدم بھی اُٹھاتے تو کسی طرف سے پتھر آپ پر پھینکا جاتا حتی کہ آپ کے دونوں پیر زخموں سے لولہان ہو گئے، اس وقت بے ساختہ آپؐ کے قلب وزبان پر یہ دعا جاری ہوئی، اور آپ نے اللہ تعالیٰ سے اپنی کمزوری، بے سروسامانی اور لوگوں کی نگاہ میں بے وقعتی کی فریاد کی اور اللہ کی نصرت وتائید کے ان الفاظ میں خواستگار ہوئے، آپ نے فرمایا:۔

اللهم اليك أشكو ضعف قوتي، وقلة حيلتي، وهواني على الناس، ياأرحم الراحمين أنت رب المستضعفين الى من تكلني، الى بعيد يتجهمني ، أم الى عدو ملكته

---

(۱) وہ ناز پروردہ جاڑے مکہ میں گزارتی ہے اور گرمیاں طائف میں۔

أمـري؟ ان لـم يـكن بك غضب علي فلا أبالي، غير أن عافيتك هي أوسع لي، أعوذ بنور وجهك الـذي اشرقت له الظلمات وصلح عليه امرالدنيا والآخرة من أن ينزل بي غضبك أويحل علي سخطك، لك العتبى حتى ترضى ولا حول ولاقوةالا بالله.

الٰہی اپنی کمزوری، بے سروسامانی اورلوگوں میں تحقیر کے بابت تیرے سامنے فریاد کرتا ہوں، تو سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والا ہے، درماندہ اور عاجزوں کا مالک تو ہی ہے اور میرا مالک بھی تو ہی ہے، مجھ کس کے سپرد کیا جاتا ہے، کیا بیگانہ ترش روکے، یا اس دشمن کے جو کام پر قابو رکھتا ہے، اگر مجھ پر تیرا غضب نہیں تو مجھے اس کی پرواہ نہیں، لیکن تیری عافیت میرے لئے زیادہ وسیع ہے، میں تیری ذات کے نور سے پناہ چاہتا ہوں جس سے سب تاریکیاں روشن ہوجاتی ہیں، اور دنیا و دین کے کام اس سے ٹھیک ہوجاتے ہیں کہ تیرا غضب مجھ پر اترے یا تیری نارضامندی مجھ پر وارد ہو، مجھے تیری ہی رضا مندی اور خوشنودی درکار ہے اور نیکی کرنے یا بدی سے بچنے کی طاقت مجھے تیری ہی طرف سے ملتی ہے۔

اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں کے فرشتے کو آپ کے پاس بھیجا اور اس نے آپؐ سے اس کی اجازت طلب کی کہ وہ ان دونوں پہاڑوں کو جن کے درمیان طائف واقع ہے ملادے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے ارشاد فرما کہ نہیں، مجھے امید ہے کہ ان کی اولاد میں سے کوئی ایسا پیدا ہوگا جو خدائے واحد کی عبادت کرے گا اور اس کے ساتھ کسی اور ہستی کو شریک نہ ٹھہرائے گا (۱)۔

جب عتبہ بن ربیعہ اور شیبہ بن ربیعہ نے آپؐ کی یہ حالت دیکھی تو انکا دل کچھ نرم پڑا اور ان کی انسانیت کی رگ میں کچھ جنبش پیدا ہوئی، ان دونوں نے اپنے ایک نصرانی غلام کو بلایا، جس کا نام ''عداس'' تھا، اور اس سے کہا کہ لو یہ انگور کا خوشہ ایک طباق میں رکھ کر اس شخص کے پاس لے جاؤ، اور کہو کہ یہ ان کے کھانے کے لئے ہے، عدّاس نے اس پر عمل کیا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی گفتگو سن کر اور آپ کے اخلاق کریمانہ دیکھ کر مسلمان ہوگیا (۲)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طائف سے مکہ تشریف لائے تو آپ کی قوم آپ کی مخالفت، دشمنی اور آپ کے تمسخر اور ایذارسانی میں اسی طرح سرگرم تھی۔

واقعۂ معراج

اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج ہوئی، راتوں رات آپ کو قدرت غیبی کے

(۱) زادالمعاد، ج۱، ص۳۰۲

(۲) سیرت ابن ہشام، ج۱، ص۴۱۹۔۴۲۲، وسیرت ابن کثیر، ج۲، ص۱۴۹۔۱۵۳، وزادالمعاد، ج۱، ص۳۰۲، باختصار و تلخیص۔

ساتھ مسجد حرام لے جایا گیا، وہاں سے مسجد اقصیٰ پہنچایا گیا، اس کے بعد ان مقامات قرب واختصاص، ساتوں آسمانوں کی سیر، اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کے مشاہدے اور انبیاء کرام سے ملاقات کے وہ تمام واقعات پیش آئے، جس کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

مَازَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی، لَقَدْ رَاٰی مِنْ آیٰتِ رَبِّهِ الْکُبْرٰی (۱)۔ (سورۂ النجم۔ ۱۷،۱۸)

ان کی آنکھ نہ تو اور طرف مائل ہوئی اور نہ (حد سے) آگے بڑھی، انھوں نے اپنے پروردگار کی قدرت کی کتنی ہی بڑی بڑی نشانیاں دیکھیں۔

یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کی ایک ضیافت وعزت افزائی تھی، جو آپ کی دلداری ودلنوازی اور طائف کے ان زخموں کو مندمل کرنے اور اس توہین وناقدری اور بے گانگی وبیوفائی کی تلافی کے لئے تھی جس کے سخت امتحان سے آپ وہاں گزرے تھے۔

جب صبح ہوئی تو آپؐ نے لوگوں کو اس واقعہ کی خبر دی، قریش نے اس پر بہت تعجب کا اظہار کیا، اس کو ایک محال اور ناممکن امر قرار دیا، اور آپ کو جھٹلایا اور مذاق اڑایا (۲)، حضرت ابوبکرؓ نے یہ سن کر کہا کہ اگر آپ نے ایسی بات کہی ہے تو سچ کہی ہے تم کو اس پر تعجب کیوں ہے؟ خدا کی قسم آپ مجھے یہ خبر دیتے ہیں، وحی آپ کے پاس دن رات کے کسی حصہ میں آسمان سے زمین تک آجاتی ہے، تو میں آپ کی تصدیق کرتا ہوں، یہ تو اس سے بھی مشکل اور بعید ہے جس پر تم لوگ تعجب کرر ہے ہو (۳)۔

معراج کے بلند ولطیف مطالب ومعانی

واقعۂ معراج محض ایک جزئی وضمنی واقعہ نہ تھا، جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی بڑی بڑی نشانیوں کا مشاہدہ کرایا گیا اور آسمان وزمین کی بادشاہت بے پردہ وبے حجاب ہو کر آپؐ کے سامنے آگئی، نبوت کے اس غیبی وآسمانی سفر میں اس کے علاوہ بھی بہت بلند ولطیف مطالب ومعانی پوشیدہ ہیں، اور اس میں بہت دوررس اشارات کیے گئے ہیں، یہ دونوں سورتیں، سورہ اسراء اور سورۂ نجم،

---

(۱) دیکھئے سورۂ اسراء وسورۂ نجم وکتب حدیث وسیرت، واقعہ معراج کی حقیقت اور اس کے اسرار وحکم کے سمجھنے کے لئے حکیم الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی کتاب "حجۃ اللہ البالغہ" حصہ دوم "الاسراء الی المسجد الاقصیٰ ثم الی سدرۃ المنتہیٰ" کا مطالعہ کیا جائے۔

(۲) قریش کے اس آسمان سفر کو ایک محال اور ناممکن عمل قرار دینے اور اس کا استہزاء کرنے سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ یہ اسراء ومعراج جسمانی تھا (اور یہی جمہور اہل سنت کا مسلک وعقیدہ ہے) ورنہ خواب میں ہر چیز دیکھی جاسکتی ہے، اگر آپ نے اس کو ایک خواب کے طور پر بیان کیا ہوتا تو قریش اور منکرین اس کو کوئی اہمیت نہ دیتے، حالانکہ روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ بعض حدیث العہد مسلمان بھی ایک آزمائش میں پڑ گئے، اور بعض شک وارتیاب کا شکار ہوئے۔

(۳) سیرت ابن کثیر، ج ۲، ص ۹۶، وسیرت ابن ہشام، ج ۱، ص ۳۹۹۔

جو واقعہ معراج کے سلسلہ میں نازل ہوئیں، یہ اعلان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دونوں قبلوں (مسجد حرام اور مسجد اقصیٰ) کے نبی اور دونوں سمتوں مشرق ومغرب کے امام، اور اپنے پیش رو تمام انبیاء کے وارث اور بعد میں آنے والی پوری نسل انسانی کے رہبر و رہنما ہیں، آپ کی شخصیت اور آپ کے سفر معراج میں مکہ بیت المقدس سے اور مسجد حرام مسجد اقصیٰ سے ہم آغوش ہوگئی، آپ کی امامت میں تمام انبیاء نے نماز پڑھی اور یہ دراصل آپ کے پیغام ودعوت کی عمومیت وآفاقیت، آپ کی امامت کی ابدیت، اور ہر طبقۂ انسانی کے لئے آپ کی تعلیمات کی ہمہ گیری وصلاحیت کی دلیل وعلامت تھی۔

یہ واقعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت کا صحیح تعارف اور اس کی صحیح نشان دہی، آپ کی امامت وقیادت کا بیان، آپ کی اس امت (جس میں آپ مبعوث ہوئے) کے اصل مقام وحیثیت عرفی کا تعین اور اس پیغام ودعوت اور مخصوص کردار کی پردہ کشائی کرتا ہے، جو اس امت کو اس وسیع وعریض دنیا اور عالمی برادری میں انجام دینا ہے۔

واقعۂ معراج دراصل ایک محدود، مقامی اور عارضی نوعیت، اور نبوت کی ابدی اور عالمگیر شخصیت کے درمیان خط فاصل اور امتیازی لکیر کی حیثیت رکھتا ہے، اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، کوئی قومی یا مقامی لیڈر، کوئی ملکی یا وطنی رہنما، کسی خاص نسل کے نجات دہندہ اور کسی نئی شوکت وعظمت کے بانی ہوتے تو آپ کو اس معراجِ آسمانی کی ضرورت نہ تھی، اس کے لئے آپ کو نہ آسمان وزمین کی وسیع بادشاہت کے سیر ومشاہدہ کی حاجت تھی، نہ اسکی ضرورت تھی کہ آپ کے ذریعہ آسمان وزمین کا یہ نیا تعلق قائم ہو، اس وقت آپ کی یہ سرزمین، یہ ماحول اور یہ سوسائٹی آپ کے لئے کافی ہوتی، اس کو چھوڑ کر آپ کو کسی اور خطۂ زمین کی طرف توجہ کرنے کی بھی ضرورت نہ تھی، نہ کہ بلند آسمانوں اور سدرۃ المنتہیٰ تک پہونچنے کی یا مسجد اقصیٰ تشریف لے جانے کی جو آپ کے شہر سے بہت دور اور عیسائی مذہب اور طاقت وررومن شہنشاہی کے زیر اقتدار تھا۔

واقعۂ معراج یہ اعلان کرتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان قومی اور سیاسی رہنماؤں کی صف سے کوئی تعلق نہیں رکھتے، جن کی صلاحیتوں اور کوششوں کا دائرہ ان کے ملک یا ان کی قوم تک محدود رہتا ہے، اور ان سے صرف انھیں نسلوں اور قوموں کو فائدہ پہونچتا ہے جن سے ان کا تعلق ہوتا ہے اور اسی ماحول تک ان کا اثر باقی رہتا ہے، جس میں وہ پیدا ہوتے ہیں، آپ جس گروہ اور جماعت سے تعلق رکھتے ہیں، وہ خدا کے بھیجے ہوئے نبیوں اور رسولوں کی صف ہے جو آسمان کا پیغام زمین والوں کو اور خالق کا پیغام مخلوق کو پہونچاتے ہیں، اور ان سے پوری نوع انسانی (زمانہ وتاریخ، رنگ

ونسل اور ملک وقوم سے قطع نظر) سرفراز وسربلند ہوتی ہے، اور اس کی قسمت جاگتی ہے۔

نماز کی فرضیت

اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے آپ پر اور آپ کی امت پر پچاس وقتوں کی نماز فرض فرمائی اور آپ برابر اس میں تخفیف کا سوال کرتے رہے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو دن رات میں پانچ وقت تک محدود کردیا اور یہ اعلان کردیا گیا کہ جو ایمان واحتساب کے ساتھ یہ نمازیں پڑھے گا اس کو اجر پچاس نمازوں ہی کا ملے گا(۱)۔

قبائل عرب کو دعوت اسلام

اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کے موسم میں قبائل عرب کے سامنے اسلام کی دعوت پیش کرنی شروع کی اور ان سے حمایت ونصرت کے خواستگار ہوئے آپؐ نے ان سے مخاطب ہوکر یہ فرمایا کہ ''اے بنی فلاں! میں تمہاری طرف اللہ کا رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں جو تم کو اللہ کی عبادت کا حکم دیتا ہے، اور اس کا حکم دیتا ہے کہ تم اس کے ساتھ کسی اور کو شریک نہ ٹھہراؤ، اور ان تمام ہستیوں سے جن کو تم نے اسکا ہمسر بنالیا ہے، اور ان کی عبادت کرتے ہو، قطع تعلق کرلو، اس پر ایمان لاؤ، اور اس کی تصدیق کرو، اور میری اس وقت تک حفاظت کرو جب تک اللہ نے جو چیز لے کر مجھے بھیجا ہے وہ میں اچھی طرح کھول کر بیان نہ کردوں''۔

جب آپ اپنی بات فرما چکے تو ابولہب کھڑا ہوا اور کہنے لگا کہ بنی فلاں! یہ تم کو اس بات کی دعوت دے رہے ہیں کہ تم لات وعزّیٰ کی بندگی ووفاداری کا طوق اپنی گردن سے اتار پھینکو اور اپنے مددگار جنوں سے بھی ترک تعلق کرکے اس بدعت وگمراہی کو اختیار کرلو جو وہ لائے ہیں، اس لئے تم نہ ان کی بات ماننا اور نہ ان کی سننا(۲)۔

اسلام کا راستہ

یہ راستہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام کی طرف جاتا تھا، کانٹوں سے اور ہر قسم کے اندیشوں اور خطرات سے بھرا ہوا تھا، جس پر اپنی جان کا خطرہ مول لئے بغیر چلنا اور منزل مقصود تک پہونچنا ممکن نہ تھا۔

---

(۱) صحیح بخاری کتاب الصلوٰۃ باب (کیف فرضت الصلوٰۃ)

(۲) سیرت ابن ہشام، ج ۱، ص ۴۲۲-۴۲۳

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کے مکہ تک پہونچنے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ مبارک میں حاضر ہونے اور قبول اسلام کا جو اقعہ بیان کیا ہے، اس سے اس پر روشنی پڑتی ہے، وہ کہتے ہیں:۔

”جب ابوذرؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی اطلاع ہوئی تو انھوں نے اپنے بھائی سے کہا کہ تم اس وادی میں جاؤ اور ذرا ان صاحب کا کچھ پتہ لگاؤ جو یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ان کے پاس آسمان سے وحی آتی ہے، ان کی گفتگو سنو اور پھر مجھے آکر بتاؤ، وہ روانہ ہوئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملے، آپ کی بات سنی پھر واپس جا کر ابوذر رضی اللہ عنہ سے یہ کہا کہ میں نے دیکھا کہ وہ بہت پسندیدہ واعلیٰ ترین اخلاق کی تعلیم دیتے ہیں، اور ایسا کلام میں نے سنا جو شعر نہیں کہا جاسکتا، انھوں نے کہا کہ میں جو کچھ جاننا چاہتا تھا، اس میں میری تشفی نہیں ہوئی، پھر انھوں نے خود سفر کی تیاری کی اور پانی کا مشکیزہ لے کر روانہ ہوئے، مکہ پہونچے، حرم شریف میں پہونچ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تلاش کرنا شروع کیا، وہ آپ کو پہچانتے نہ تھے اور کسی سے دریافت کرنا مناسب نہ سمجھتے تھے، اسی تلاش میں رات ہوگئی، اس وقت حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ان کو دیکھا، اور ان کو اندازہ ہوگیا کہ یہ کوئی نووارد اور مسافر ہے، وہ ان کے پیچھے ہولئے، لیکن کسی نے ایک دوسرے سے کچھ نہ پوچھا، جب صبح ہوئی تو وہ اپنا مشکیزہ اور زادراہ لے کر پھر اسی مسجد میں پڑگئے، اور یہ دن بھی اسی طرح گزر گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ان کو دیکھا، اسی پر شام ہوئی، وہ پھر اپنے سونے کی جگہ چلے گئے، اس وقت حضرت علیؓ ان کے قریب سے گزرے، اور یہ کہا کہ کیا ابھی تک اس مسافر کے لئے یہ وقت نہیں آیا کہ اس کو اپنی منزل مقصود معلوم ہو، تیسرے روز حضرت علیؓ اسی طرح ان کے پاس پہونچے، ان کو اٹھایا اور کہا کہ تم مجھے بتاؤ گے نہیں کہ کیا چیز تمہیں یہاں لائی ہے؟ انھوں نے کہا، اگر تم مجھ سے اس کا وعدہ اور عہد کرو کہ میری رہنمائی کروگے تو میں بتا سکتا ہوں، جب انھوں نے یہ وعدہ کیا تو وہ ان کے ساتھ چلنے پر تیار ہوگئے، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہونچے تو یہ بھی ان کے ساتھ حاضر خدمت ہوئے، آپ کی بات سنی اور اسی جگہ مسلمان ہوگئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ اپنی قوم میں واپس جاؤ اور یہ دعوت ان لوگوں کو پہونچاؤ یہاں تک کہ میری بات اچھی طرح ظاہر ہوجائے، انھوں نے کہا کہ اسکی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، میں ان کے درمیان چیخ چیخ کر یہ دعوت

دوں گا، پھر نکل کر مسجد حرام میں آئے اور اعلان کیا"أشهد أن لا الـه إلا الـلّـه و أن محمداً رسول الله" یہ سن کر لوگوں نے انھیں گھیر لیا، اور اتنا مارا کہ بے دم ہو کر زمین پر لیٹ گئے، اتنے میں حضرت عباس آئے، ان کو جھک کر دیکھا، اور لوگوں سے کہا، کہ تم جانتے نہیں کہ یہ قبیلہ "غفار" سے تعلق رکھتے ہیں اور تمہارے تاجروں کا راستہ جو شام تک جاتا ہے اسی قبیلہ سے ہو کر گزرتا ہے، پھر انھوں نے ان کو بچایا، دوسرے دن بھی انھوں نے یہی کیا، اور لوگوں نے اشتعال میں آکر ان کو زدوکوب کیا اور حضرت عباس نے آکر ان کی مدد کی" (۱)

انصار کے قبولِ اسلام کا آغاز

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حج کے زمانہ میں تبلیغ اسلام کی مہم پر روانہ ہوئے، "عقبہ" (۲) کے پاس انصار کے قبیلہ خزرج کے کچھ لوگ آپ کو ملے، آپؐ نے ان کو اللہ کی طرف دعوت دی، اسلام ان کے سامنے پیش کیا، اور قرآن مجید کی تلاوت کی، یہ لوگ مدینہ میں یہودیوں کے پڑوس میں رہتے تھے، اور ان سے یہ سنتے رہتے تھے کہ قریبی زمانہ میں کوئی نبی آنے والا ہے، وہ آپس میں ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ واللہ یہ وہی نبی معلوم ہوتے ہیں، جن کی خبر تم کو یہود دیتے تھے، دیکھو اب کوئی اس میں تم سے سبقت نہ لے جائے، چنانچہ انھوں نے اسی وقت آپ کی تصدیق کی، اور آپؐ سے یہ عرض کیا کہ ہم اپنی قوم کو چھوڑ کر آئے ہیں، اور اس قوم میں جتنا شر و فساد اور تفرقہ ہے اتنا کسی اور قوم میں نہیں ہے، شاید آپ کے ذریعہ اللہ ان کو متحد کر دے، ہم وہاں جا کر ان کو اس معاملہ سے آگاہ کریں گے اور اس کی دعوت دیں گے، آپ بھی ان پر وہ چیز پیش کریں جس کو ہم نے قبول کیا ہے، اگر اللہ تعالیٰ ان کو آپ پر متحد کر دے تو آپؐ سے زیادہ عزت والا پھر کوئی نہ ہوگا (۳)۔

وہ ایمان لانے کے بعد اپنے وطن واپس ہوئے، جب مدینہ پہونچے تو اپنے دوسرے بھائیوں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کیا، اور ان کو بھی اسلام کی دعوت دی، یہاں تک کہ ان کی قوم اور برادری میں اسلام کی خوب اشاعت ہوئی اور انصار کا کوئی گھر ایسا نہ بچا جہاں آپ کا چرچا نہ ہو (۴)۔

---

(۱) بخاری شریف (باب اسلام ابی ذر رضی اللہ عنہ)

(۲) عقبہ کے معنی گھاٹی کے ہیں، یہ منیٰ کے پہاڑوں کے اس کنارے پر جس کا رخ مکہ مکرمہ کی طرف ہے ایک پہاڑی جزء میں ذرا آڑ رکھنے والی جگہ تھی، جس کا جائے وقوع جمرۃ الکبریٰ کے پاس ہی تھا غالباً اسی وجہ سے جمرۃ الکبریٰ کو جمرۃ العقبہ بھی کہتے ہیں، عقبہ کی یادگار کے طور پر اس کی جگہ پر بعد میں ایک مسجد بھی تعمیر کر دی گئی تھی۔

(۳) سیرت ابن ہشام، ج ۱ ص ۴۲۸۔۴۲۹

(۴) سیرت ابن ہشام، ج ۱ ص ۴۲۸۔۴۲۹

بیعت عقبۂ اولیٰ

دوسرا سال ہوا اور حج کا موقع آیا تو انصار کے بارہ آدمی آپ سے بیعت عقبۂ اولیٰ کے موقع پر ملے اور آپ کے دست مبارک پر چوری، زنا، قتل اولاد سے پرہیز کرنے، اچھی باتوں میں اطاعت کرنے اور توحید پر بیعت کی، جب انھوں نے واپسی کا ارادہ کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ مصعبؓ بن عمیر کو کر دیا اور ان کو ہدایت کی کہ ان کو قرآن مجید پڑھائیں، اسلام کی تعلیم دیں اور دین کے مسائل سے باخبر کریں، چنانچہ ان کو مدینہ میں، مقری (پڑھانے والا) کہا جاتا تھا، وہ اسعد بن زرارہ کے ہاں مہمان ہوئے تھے، اور وہاں امامت کے فرائض بھی انجام دیتے تھے (۱)۔

انصار کے قبول اسلام کا اصل سبب

اللہ تعالیٰ کا کرنا کہ ایسے نازک وقت میں اس نے اپنے رسول اور اپنے دین کی نصرت وحمایت کے لئے اوس وخزرج (۲) کو کھڑا کر دیا (یہ یثرب کے دو بہت بڑے اور اہم عرب قبیلے تھے) اور ان کو اس کا زریں موقع نصیب فرمایا کہ وہ اس نعمت کی، جس سے بڑھ کر دنیا میں کوئی نعمت نہیں، قدر کریں، اور اسلام کے استقبال اور قبولیت میں اپنے ہم عصروں اور اہل حجاز پر سبقت لے جائیں، اور اس وقت اس دین کو اپنے سینہ سے لگائیں، بلکہ اس کے لئے سینہ سپر ہو جائیں، جب سب قبائل عرب اور خصوصیت سے قریش نے اس سے بالکل آنکھیں پھیر لی تھیں "وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَاءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ" (اور اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے سیدھے راستہ کی رہنمائی فرماتا ہے)۔

مختلف اسباب وعوامل نے جو در اصل اللہ تعالیٰ کی حکمت ومشیت پر مبنی تھے، اور ان کا مقصد اسلام کی اشاعت اور غلبہ کے لئے راستہ ہموار کرنا تھا، اوس وخزرج کو اس سعادت عظمیٰ کے لئے تیار کر دیا تھا، ان میں اور قریش میں کئی باتیں مابہ الامتیاز تھیں، اوس وخزرج کے یہ قبائل قریش مکہ کے برخلاف نرم مزاج اور نرم دل، اور انتہاء پسندی، تشدد، تکبر اور انکار حق جیسے رذائل سے پاک تھے، ان صفات کا تعلق ان نسلی ونسبتی خصوصیات سے تھا، جن کی طرف اشارہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن کے ایک وفد سے ملنے کے بعد فرمایا تھا، ارشاد ہوا تھا کہ "أتاكم أهل اليمن أرق أفئدة وألين

---

(۱) سیرت ابن ہشام، ص ۴۳۴، باختصار

(۲) اوس وخزرج اَزْد کے دو قبیلے تھے جو قحطان کی شاخ سے تعلق رکھتے تھے، ان کے مورث اعلیٰ ثعلبہ بن عمرو سدّ مارب (یمن) کی تباہی وبربادی کے بعد (۱۲۰ قبل مسیح میں) حجاز منتقل ہوئے پھر مدینہ کو اپنا مستقر بنایا جیسا کہ آگے اس کی تفصیل آئے گی۔

قلوباً" (تمہارے پاس اہل یمن آئے ہیں جو بہت نرم وگداز دل رکھنے والے ہیں) یہ دونوں قبیلے اپنی اصل میں یمن ہی سے وابستہ تھے، زمانہ قدیم میں ان کے آباء واجداد وہیں سے یہاں منتقل ہوئے تھے، اللہ تعالیٰ ان کی تعریف کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے:۔

وَالَّذِيْنَ تَبَوَّءُ والدَّارَوَالْإِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ۔(سورۂ حشر۔۹)

اور (ان لوگوں کے لئے بھی) جو مہاجرین سے پہلے (ہجرت کے) گھر (یعنی مدینہ) میں مقیم اور ایمان میں (مستقل) رہے، اور جو لوگ ہجرت کرکے ان کے پاس آتے ہیں ان سے محبت کرتے ہیں، اور جو کچھ ان کو ملا اس سے اپنے دل میں کچھ خواہش اور خلش نہیں پاتے اور ان کو اپنی جانوں سے مقدم رکھتے خواہ ان کو خود احتیاج ہی ہو۔

اس کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ باہمی خانہ جنگیوں اور مستقل لڑائیوں نے ان کو چور چور کردیا تھا، بُعاث کی جنگ پر ابھی کچھ زیادہ عرصہ نہیں گذرا تھا، اس کی تلخ کامیوں سے ابھی ان کے کام ودہن پوری طرح آشنا تھے، اور اب ان کے اندر اتحاد، صلح وصفائی اور جنگ سے بچنے کی یک گونہ خواہش پیدا ہوگئی تھی، ان کے یہ الفاظ اس صورت حال کی ترجمانی اور ان کی اندرونی کیفیت کی غمازی کرتے ہیں "ہم اپنی قوم کو چھوڑ کر آئے ہیں، کسی قوم میں اتنا شر وفساد اور باہمی عداوت نہیں جتنی ان کے درمیان ہے، شاید اللہ آپؐ کے ذریعہ ان کو یکجا کردے، اگر اللہ تعالیٰ ان کو متحد کردے گا، تو پھر آپؐ سے زیادہ باعزت کوئی نہ ہوگا" حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں، بُعاث کی جنگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک تائید غیبی اور مدینہ کی ہجرت ونصرت کی ایک تمہید تھی۔

دوسری وجہ یہ تھی کہ قریش اور بقیہ تمام عربوں کا تعلق نبوت اور انبیاء سے بہت طویل عرصہ سے منقطع تھا، اور بعد زمانہ کی وجہ سے وہ اس کے مطلب ومفہوم سے بالکل ناآشنا ہوگئے تھے، ان کی جہالت اور ناخواندگی نقطۂ عروج کو پہونچ گئی تھی، بت پرستی میں ان کو حد درجہ غلو وانہماک تھا، وہ ان اقوام وملل (یہودی وعیسائی) سے بہت دور تھے، جو اپنا انتساب ان انبیاء کی طرف کرتے تھے، اور آسمانی صحیفوں کے (خواہ محرف ومسخ شدہ شکل ہی میں سہی) حامل اور علمبردار تھے، اللہ تعالیٰ نے آیت مندرجہ ذیل میں اسی تاریخی حقیقت کی طرف اشارہ فرمایا ہے:۔

لِتُنْذِرَ قَوْماً مَّآ اُنْذِرَ اٰبَآءُ هُمْ فَهُمْ غٰفِلُوْنَ(سورۂ یٰسین۔ ٦)

تاکہ تم ان لوگوں کو جن کے باپ دادا کو متنبہ نہیں کیا گیا تھا، متنبہ کردو، وہ غفلت میں پڑے

ہوئے ہیں۔

اس کے برخلاف اوسؔ وخزرج، یہود کو نبوت اور انبیاء کے بارے میں آپس میں گفتگو کرتے اور توریت کی تلاوت کرتے ہوئے برابر دیکھتے اور سنتے تھے، بلکہ یہودی اکثر ان کو خبر دیا کرتے تھے کہ آخر زمانہ میں ایک نبی مبعوث ہوگا ہم اس کے ساتھ مل کر تم کو اس طرح قتل کریں گے جس طرح عاد اور ارم قتل کیے گئے (۱)، ان ہی کی بابت اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

وَلَمَّا جَآءَ هُمْ كِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا، فَلَمَّا جَآءَ هُمْ مَا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ۔ (سورۃ البقرہ۔ ۸۹)

اور جب خدا کے ہاں سے ان کے پاس کتاب آئی جو ان کی آسمانی کتاب کی بھی تصدیق کرتی ہے اور وہ پہلے (ہمیشہ) کافروں پر فتح مانگا کرتے تھے تو جس چیز کو وہ خوب پہچانتے تھے جب ان کے پاس آ پہنچی تو اس سے کافر ہو گئے، پس کافروں پر خدا کی لعنت

اوسؔ وخزرج اور مدینہ کے قدیم باشندے جو عقیدۂ مشرک وبت پرست تھے، دینی حقائق واصطلاحات (نبوت ورسالت، وحی والہام، حشر ونشر وآخرت) اور سنت الٰہی سے اس قدر نابلد ونا آشنا اور نامانوس واجنبی نہ تھے، جتنے کہ قریش مکہ اور ان کے ہم سایہ قبائل مرور زمانہ سے ہو گئے تھے، اس لئے کہ اوس وخزرج زمانۂ دراز سے یہودیوں کے ساتھ رہنے بسنے کی وجہ سے ان دینی حقائق واصطلاحات اور انبیائے کرام کے ناموں اور جستہ جستہ حالات، مختلف زمانوں میں انبیاء کی بعثت اور ہدایت کے آسمانی نظام سے واقف ہو گئے تھے، ان کا دن رات یہودیوں کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا ہوتا تھا، جو اہل کتاب تھے، صلح وجنگ، عہد ومعاہدہ اور تجارت وزراعت کے بھی تعلقات تھے، اس لئے جب اوس وخزرج سے تعلق رکھنے والے مدینہ کے ان باشندوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کا علم ہوا، اور وہ حج کے موقع پر مکہ آئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بنفس نفیس ان کو اسلام کی دعوت دی تو ایسا معلوم ہوا کہ اچانک ان کی آنکھوں سے پردہ اٹھ گیا اور گویا وہ پہلے سے اس کے لئے تیار تھے۔

یثرب کی خصوصیات اور اس کے انتخاب کی حکمتیں

مدینہ کے دار الہجرت اور مرکز دعوتِ اسلامی کی حیثیت سے انتخاب میں اہل مدینہ کے اکرام وعزت افزائی، نیز ان اسرار کی وجہ سے جن کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا، ایک حکمت یہ بھی تھی کہ

---

(۱) تفسیر ابن کثیر، ج ۱، ص ۲۱۷۔

مدینہ کو جنگی اور جغرافیائی نقطۂ نظر سے ایک مستحکم قلعہ کی حیثیت حاصل تھی۔

جزیرۃ العرب کا کوئی اور قریب کا شہر اس معاملہ میں اس کا ہمسر نہ تھا، حرۃ الوبرہ (۱) مغربی جانب سے مدینہ کو اپنی حفاظت میں لئے ہوئے تھا، حرۃ واقم مشرقی سمت سے اس کو گھیرے ہوئے تھا، مدینہ کا شمالی حصہ واحد راست تھا جو کسی پیش قدمی کے لئے کھلا تھا (یہ وہی علاقہ ہے جہاں ۵ ہجری میں غزوۂ احزاب کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خندق تیار کرنے کا حکم دیا تھا) مدینہ کی دوسری جہتیں کھجور کے گھنے باغات یا کھیتوں سے گھری ہوئی تھیں، اگر کسی حملہ آور فوج کو اس سے گزرنا ہوتا تو اس کے راستہ میں ایسے تنگ راستے اور پگڈنڈیاں پڑتی تھیں جن کو پوری صف آرائی اور فوجی ڈسپلن کے ساتھ عبور کرنا آسان کام نہ تھا، اور معمولی فوجی چوکیاں اس پیش قدمی میں رکاوٹ ڈالنے کے لئے کافی تھیں۔

ابن اسحاق کہتے ہیں "مدینہ کے ایک طرف کا حصہ یا راستہ کھلا ہوا تھا، بقیہ تمام سمتیں اور جہتیں آبادی اور کھجور کے باغات کی وجہ سے ایک دوسرے سے مل گئی تھیں اور کوئی دشمن اس میں سے ہو کر آگے نہیں بڑھ سکتا تھا"۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی مدینہ کے انتخاب میں شاید خدا کی اسی حکمت و مصلحت کی طرف ہجرت سے قبل اشارہ فرمایا تھا، اور یہ ارشاد ہوا تھا کہ "مجھے تمہارا دارالہجرت دکھایا گیا ہے، یہ کھجور کے باغات والا علاقہ ہے اور "لابتین" وہ جلے ہوئے، بے ترتیب پتھروں والے دو علاقوں (لابتین) کے درمیان واقع ہے" اسی کے بعد جس کو ہجرت کرنا تھی اس نے مدینہ ہجرت کی" (۲)

مدینہ کے یہ دو قبیلے جو اوس و خزرج کے نام سے مشہور تھے، غیرت قومی، خودداری، شہسواری اور مردانگی میں ممتاز تھے، یہ آزادی کے خوگر اور عادی تھے، انھوں نے نہ کسی کے سامنے کبھی اپنا سر جھکایا تھا، نہ کسی بڑے قبیلہ یا حکومت کو ٹیکس اور تاوان ادا کیا تھا، اس کی صراحت "اوس" کے سردار سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ، کے اس جملہ میں موجود ہے جو انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے غزوۂ خندق کے موقع پر عرض کیا تھا "جب ہم اور یہ شرک و بت پرستی میں مبتلا تھے، نہ ہم اللہ کی عبادت کرتے تھے نہ اس کو پہچانتے تھے، اس وقت بھی یہ مجال نہ تھی کہ

(۱) حرہ یا لابہ سیاہ جھلسے ہوئے اور آڑے ترچھے پتھروں کے علاقہ کو کہتے ہیں یا اس حصہ کو جو آتش فشاں کے لاوا بہنے اور کسی جگہ جمع ہونے سے وجود میں آیا ہو، اس علاقہ میں اونٹوں اور گھوڑوں کا چلنا یا کسی لشکر کا گذرنا تو درکنار کسی ایک شخص کا پیدل چلنا بھی دشوار ہے، علامہ مجد الدین فیروز آبادی (م ۸۲۳ھ) نے اپنی کتاب "المغانم المطابه فی معالم طابه" میں حرف الحاء کے ضمن میں بہت سے حرات کا ذکر کیا ہے، جو مختلف جہتوں سے مدینہ کا احاطہ کرتے ہیں، بعض جگہ بہت قریب کسی جگہ کچھ دور، یہ اس کی بیرونی حملوں سے حفاظت کرتے ہیں یا کم از کم لشکر کی نقل و حرکت میں رکاوٹیں پیدا کر دیتے ہیں، دیکھئے کتاب مذکور، (ص ۱۰۸ تا ۱۱۴)

(۲) صحیح بخاری (باب هجرة النبی صلی الله علیه وسلم)

مہمان داری یا قیمت دیئے بغیر یہ مدینہ کی ایک کھجور کھالیں‘‘(۱)

’’ابن خلدون‘‘ لکھتے ہیں:۔

’’یہ دونوں قبیلے یا برادریاں یثرب میں یہود پر غالب تھیں، اور عزت ووقار، اور شان وشوکت میں نام پیدا کئے ہوئے تھیں، ان کے قریب جو مضر کے قبائل آباد تھے، وہ بھی ان ہی کی ملت میں تھے‘‘(۲)۔

مشہور عرب مصنف ابن عبدربہ ’’العقد الفرید‘‘ میں لکھتے ہیں:۔

’’انصار قبیلۂ اَزْد سے ہیں، یہ اوس وخزرج کہلاتے ہیں، حارثہ بن عمرو بن عامر کے دو بیٹوں سے ان کی نسل چلی ہے، یہ لوگ تمام لوگوں میں سب سے زیادہ خوددار اور سب سے زیادہ عالی حوصلہ تھے، اور کسی بادشاہ یا حکومت کے باج گذار نہیں رہے‘‘(۳)

اس کے علاوہ بنی ہاشم کا بنی عدی بن النجار سے ننہالی تعلق تھا، ہاشم نے ان کی ایک خاتون سلمٰی بنت عمرو سے شادی کی تھی۔

ہاشم کے ایک فرزند عبدالمطلب پیدا ہوئے، ہاشم نے ان کو ماں کے پاس چھوڑ دیا، جب یہ کچھ بڑے ہوئے اور بالغ ہونے کے قریب ہوئے تو ان کو ان کے چچا مکہ لے آئے عرب کی سماجی زندگی میں رشتہ داریوں، اور قرابتوں کی بڑی اہمیت تھی، اور اس کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا تھا، ان ہی میں ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ تھے جن کے گھر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ پہونچ کر قیام فرمایا۔

اوس وخزرج قحطان کی نسل سے تھے، مہاجرین اور جو لوگ مکہ اور اس کے اطراف میں ان سے قبل اسلام لا چکے تھے، وہ عدنان کی نسل سے تھے، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ ہجرت کی اور انصار نے آپ کی حمایت ونصرت کی تو اس ذریعہ سے عدنان اور قحطان دونوں پرچم اسلام کے نیچے جمع ہوگئے اور ایک جان دو قالب بن گئے، عہد جاہلیت میں ان کے درمیان بڑی کش مکش اور رقابت تھی، اسلام کی برکت سے شیطان کو ان کی صفوں میں گھسنے اور وسوسہ اندازی کا راستہ نہ مل سکا، اور جاہلی حمیت اور قحطانیت اور عدنانیت پر بے جا تعصب اور فخر ومباہات کا موقع جاتا رہا۔

ان تمام عوامل واسباب اور ترجیحی خصوصیات کو دیکھتے ہوئے یثرب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے اصحاب کرام کی ہجرت کے لئے مناسب ترین جگہ تھی، یہ شہر اس کا مستحق تھا کہ اس کو

---

(۱) سیرت ابن ہشام، ج ۱، ص ۲۲۳

(۲) تاریخ ابن خلدون، ج ۲، ص ۲۸۹

(۳) العقد الفرید، ج ۳، ص ۳۳۴

اسلامی دعوت کا مستقر و مرکز بنایا جائے یہاں تک کہ اسلام کو پوری قوت واستحکام حاصل ہو اس کے اندر پیش قدمی کرنے کی صلاحیت و طاقت پیدا ہو جائے اور وہ جزیرۃ العرب کو فتح کر سکے اور پھر اس وقت کی پوری متمدن دنیا پر اپنا پرچم ہدایت لہرا سکے۔

مدینہ میں اسلام کا فروغ

اب انصار (یعنی اوس وخزرج) کے گھرانوں میں اسلام کی اشاعت شروع ہوئی، پہلے سعد بن معاذ، اُسید بن حضیر جو اوس کی شاخ بنی الاشہل سے تعلق رکھتے تھے، اور اپنی قوم کے سردار تھے، اسلام لائے، اس میں بڑا دخل ان پہلے مسلمان ہونے والوں کی حکمت ایمانی اور تلطف ومہربانی اور مصعب بن عمیرؓ کے حسن تبلیغ ودعوت کو تھا، اس کے بعد بنی عبدالاشہل نے بھی اسلام قبول کیا، اور بالآخر انصار کے گھروں میں سے کوئی گھر ایسا باقی نہ بچا جہاں کچھ مرد اور عورتیں مسلمان نہ ہوں (۱)۔

بیعت عقبۂ ثانیہ

دوسرے سال مصعب بن عمیرؓ مکہ واپس ہوئے اور انصار کے کچھ مسلمان مشرکین کی ایک جماعت کے ساتھ جو حج کی غرض سے جارہی تھی، مکہ پہونچے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عقبہ میں بیعت کا وعدہ کیا، جب وہ حج سے فارغ ہوئے اور ایک تہائی رات گزر گئی تو وہ عقبہ کے نزدیک ایک گھاٹی میں جمع ہوئے، ان سب کی تعداد تہتر (۷۳) تھی جن میں دو عورتیں بھی شامل تھیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، آپؐ کے ساتھ آپ کے چچا عباس بن عبدالمطلب بھی تھے، وہ اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے گفتگو فرمائی، قرآن مجید ان کو پڑھ کر سنایا، ان کو اللہ کی طرف آنے کی دعوت دی اور اسلام قبول کرنے کا شوق دلایا، پھر آپؐ نے فرمایا کہ میں تم سے اس پر بیعت لیتا ہوں کہ تم میرے ساتھ حفاظت وخیال کا وہی معاملہ کروگے جو اپنے اہل وعیال کے ساتھ کرتے ہو، انھوں نے آپؐ سے بیعت کی، اور آپؐ سے یہ عہد لیا کہ آپ انھیں بے یار ومددگار نہ چھوڑیں گے اور نہ اپنی قوم کی طرف واپس ہو جائیں گے، آپؐ نے ان سے وعدہ کیا اور فرمایا کہ میں تم سے ہوں اور تم مجھ سے ہو جس سے تم جنگ کروگے اس سے میں بھی جنگ کروں گا، جس سے تم صلح کروگے اس سے میں بھی صلح کروں گا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں سے بارہ ذمہ داروں

(۱) سیرت ابن ہشام، ج ۱ ص ۴۳۶۔۴۳۸، باختصار

اور سرداروں کا انتخاب کیا، نو خزرج کے اور تین اوس کے(۱)

مدینہ ہجرت کرنے کی اجازت

جب انصار کے اس قبیلہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کر لی اور آپ اور آپ کے ماننے والوں کی حمایت و مدد کا عہد کیا تو بہت سے مسلمان ان کی پناہ میں آ گئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تمام مسلمانوں کو جو آپ کے ساتھ مکہ میں تھے، مدینہ کی طرف ہجرت کرنے اور انصار سے مل جانے کا حکم دے دیا اور فرمایا کہ "اللہ عز وجل نے تمہارے لئے کچھ بھائی اور گھر بار مہیا کر دیئے ہیں جہاں تم امن کے ساتھ رہ سکتے ہو" یہ سن کر لوگ جماعتیں بنا بنا کر ہجرت کرنے لگے، خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں ٹھہر کر ہجرت کے بارہ میں حکم الٰہی کے منتظر رہے۔

مکہ سے مسلمانوں کی ہجرت کوئی ہنسی کھیل نہ تھا، جس کو قریش ٹھنڈے کلیجے برداشت کر لیتے، انھوں نے اس انتقال آبادی اور نقل وحرکت کے راستہ میں طرح طرح کی رکاوٹیں کھڑی کر دیں اور مہاجرین کو مختلف آزمائشوں اور تکلیفوں میں ڈالنا شروع کیا، لیکن مہاجرین بھی اس رائے کو بدلنے والے اور اپنا قدم پیچھے ہٹانے والے نہ تھے، وہ کسی قیمت پر بھی مکہ میں رہنا پسند نہ کرتے تھے، چنانچہ کسی کو اپنی بیوی اور بچہ کو مکہ میں چھوڑ کر تنہا جانا پڑا، جیسا کہ ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ پیش آیا، کسی نے اپنی زندگی بھر کی کمائی ہوئی پونجی سے ہاتھ دھوئے جیسا کہ صہیب رضی اللہ عنہ نے کیا۔

ام سلمہ رضی اللہ عنہا خود روایت کرتی ہیں کہ جب ابو سلمہؓ نے مدینہ ہجرت کا پختہ عزم کر لیا تو سفر کے لئے اپنا اونٹ تیار کیا، مجھ کو اس پر سوار کرایا اور میرے لڑکے سلمہ بن ابی سلمہ کو میری گود میں دے دیا پھر اونٹ کی نکیل ہاتھ میں لی اور روانہ ہوئے، جب بنی المغیرہ کے کچھ لوگوں کی نظر ان پر پڑی تو وہ ان کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ تمہاری حد تک ٹھیک ہے تم اپنے کو بچا کر جا رہے ہو، ان بی بی کو ہم تمہاری ہمرکابی کے لئے کیسے چھوڑ سکتے ہیں، وہ بیان کرتی ہیں، کہ یہ کہہ کر انھوں نے اونٹ کی نکیل ان کے ہاتھ سے چھین لی اور مجھے اپنے ساتھ لے گئے، یہ دیکھ کر بنو عبدالاسد میں جو ابو سلمہ کے حمائتی تھے، سخت اشتعال پیدا ہوا، انھوں نے کہا کہ خدا کی قسم تم نے ان کو ہمارے بھائی سے چھین لیا ہے، لیکن ہم اپنے لڑکے کو اب ان کے پاس ہرگز نہیں چھوڑیں گے، اس کے بعد دونوں میں میرے بچہ پر کشاکش شروع ہو گئی اور دونوں اس کو اپنی طرف کھینچنے لگے حتی کہ اس کا ہاتھ اکھڑ گیا، بنو عبدالاسد اس کو

---

(۱) سیرت ابن ہشام، ج ۱، ص ۴۴۱-۴۴۴

چھین لینے میں کامیاب ہوگئے اور اس کو اپنے ساتھ لے گئے، بنوالمغیرہ نے مجھے اپنی قید میں کرلیا، میرے شوہر مدینہ روانہ ہو چکے تھے، اس طرح میرے لڑکے میرے شوہر اور میں، تینوں ایک دوسرے سے جدا ہوگئے، میں ہر صبح کو باہر آتی اور ''ابطح'' میں بیٹھ جاتی اور شام تک روتی رہتی، اس پر پورا ایک سال گزر گیا، ایک دن بنوالمغیرہ ہی میں سے میرے چچازاد بھائیوں میں سے ایک بھائی کی مجھ پر نظر پڑی اور میری اس حالت کو دیکھ کر اسے رحم آیا اور اس نے بنوالمغیرہ سے کہا کہ اس غریب کو کیوں نہیں چھوڑ دیتے، تم نے اس کو شوہر اور بیٹے دونوں سے محروم کردیا ہے؟ وہ کہنے لگے، اگر تمہارا دل چاہے تو اپنے شوہر کے پاس چلی جاؤ، اس وقت بنوعبدالاسد نے میرا لڑکا مجھے واپس کیا، میں نے اپنا اونٹ تیار کیا، بچہ کو گود میں لیا اور مدینہ میں اپنے شوہر کی تلاش کے لئے چل کھڑی ہوئی، اس حالت میں کہ اللہ کا کوئی بندہ میرے ساتھ نہ تھا، جب میں ''تنعیم'' تک پہونچی تو میری ملاقات عثمان بن طلحہؓ سے ہوگئی، جو بنی عبدالدار میں سے تھے، وہ دیکھتے ہی بولے، ابی امیہ کی لڑکی! کہاں جارہی ہو؟ میں نے کہا مدینہ میں اپنے شوہر کے پاس جانا چاہتی ہوں انھوں نے کہا، تمہارے ساتھ کوئی ہے؟ میں نے جواب دیا میرے ساتھ اللہ کے سوا اور اس بچہ کے علاوہ اور کوئی نہیں ہے، کہنے لگے، خدا کی قسم تمہیں منزل پر پہونچنا آسان نہیں ہے، انھوں نے اونٹ کی نکیل اپنے ہاتھ میں لے لی، اور مجھے لے کر آگے روانہ ہوئے، خدا کی قسم جن لوگوں سے اب تک میرا واسطہ پڑا ہے میں نے کسی کو بھی ان سے زیادہ شریف اور کریم النفس نہیں پایا، جب کوئی منزل آتی اور رکنا پڑتا تو وہ اونٹ کو بٹھا کر علیحدہ ہٹ جاتے، جب میں اتر آتی تو اونٹ کے پاس آکر سامان اتارتے، پھر ایک درخت سے اس کو باندھتے، پھر کسی درخت کے سایہ میں لیٹ جاتے، جب شام ہوتی اور روانگی کا وقت آتا تو اٹھتے، اونٹ کو تیار کرتے سامان وغیرہ اس کے اوپر لادتے پھر وہاں سے کچھ دور ہٹ جاتے اور مجھ سے کہتے کہ بیٹھ جاؤ، جب میں اچھی طرح بیٹھ جاتی تو آکر اس کی نکیل تھام لیتے اور اسی طرح دوسری منزل تک پہونچتے، اسی طرح کرتے ہوئے انھوں نے مجھے مدینہ پہونچایا، جب ان کی نظر بنی عمرو بن عوف کے گاؤں ''قُبا'' پر پڑی تو مجھ سے کہنے لگے کہ تمہارے شوہر اسی گاؤں میں ہیں، (ابوسلمہ یہیں مقیم تھے) اب تم اللہ کا نام لے کر وہاں چلی جاؤ، یہ کہہ کر انھوں نے مجھے رخصت کردیا، اور مکہ کے لئے روانہ ہوگئے۔

وہ کہتی تھیں کہ اسلام میں کسی گھرانہ کو وہ تکالیف نہیں اٹھانی پڑیں جو ابوسلمہؓ کے گھر والوں نے اٹھائی ہیں، اور میں نے کسی شخص کو عثمان بن طلحہؓ سے زیادہ شریف اور با حوصلہ نہیں پایا(۱)۔

---

(۱) عثمان بن طلحہ بھی حدیبیہ کے بعد اسلام لے آئے ہجرت کی، فتح مکہ کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کعبہ کی کلیدان کے حوالہ کی، (ابن کثیر، ج ۲، ص ۲۱۵-۲۱۷ و''الاصابہ فی تمییز الصحابہؓ'')

جب صہیب رومی رضی اللہ عنہ نے ہجرت کا ارادہ کیا تو کفار قریش نے ان سے کہا کہ تم ایک حقیر سائل اور مفلس کی حیثیت سے ہمارے پاس آئے تھے، ہمارے یہاں رہ کر تم اتنے دولت مند بن گئے اور یہ حیثیت تم نے حاصل کر لی اب تم چاہتے ہو کہ اپنے سارے سامان اور مال و جان کے ساتھ یہاں سے نکل جاؤ، خدا کی قسم یہ نہیں ہوسکتا، صہیبؓ نے ان سے کہا کہ اگر میں یہ مال واسباب تمہارے حوالہ کردوں تو کیا تم مجھے جانے دو گے؟

انھوں نے کہا، ہاں۔

صہیبؓ نے جواب دیا کہ میں یہ سارا مال تمہیں دیتا ہوں۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس واقعہ کی اطلاع ملی تو آپؐ نے فرمایا کہ ربح صہیب، ربح صہیب، صہیب نفع میں رہے، صہیب نفع میں رہے (۱)

اس موقع پر جن لوگوں نے مدینہ ہجرت کی ان میں حضرت عمرؓ، طلحہؓ، حمزہؓ، زید بن حارثہؓ، عبدالرحمٰن بن عوفؓ، زبیر بن العوامؓ، ابوحذیفہؓ، عثمان بن عفانؓ اور بہت سے دوسرے صحابہ کرام شامل تھے، اس کے بعد ہجرت کا ایک سلسلہ قائم ہوگیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکہ میں دو آدمیوں کو چھوڑ کر (حضرت ابوبکرؓ وحضرت علیؓ) صرف وہی باقی بچا جو کسی معذوری سے نہیں جاسکا، یا وہ جو کسی آزمائش اور فتنہ میں پڑ گیا (۲)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف قریش کی سازش اور ناکامی

جب قریش نے یہ دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ میں اس قدر حامی و مددگار پیدا ہو گئے ہیں، اور وہاں ان کا کوئی زور نہیں چل سکتا تو انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت سے بہت خطرہ اور خوف محسوس کیا، اور انھوں نے سوچا کہ اگر آپ تشریف لے گئے تو پھر آپ پر کوئی بس نہ چل سکے گا، یہ سوچ کر وہ سب لوگ ''دارالندوہ'' میں (جو اصل میں قصی بن کلاب کا گھر تھا اور قریش اپنے سارے اہم معاملات یہیں طے کرتے تھے) جمع ہوئے اور اس مسئلہ پر غور وخوض کیا گیا، اس موقع پر قریش کے بڑے بڑے سردار سب موجود تھے۔

آخر میں متفقہ طور پر یہ بات طے پائی کہ ہر قبیلے سے ایک باہمت اور عالی نسب جوان کا انتخاب کیا جائے اور وہ سب مل کر یکبارگی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ آور ہوں، اس طرح یہ خون سارے

---

(۱) ابن کثیر بحوالہ ابن ہشام، ج ۲، ص ۲۲۳

(۲) سیرت ابن ہشام، ج ۱، ص ۴۷۰۔۴۷۹۔

قبائل میں تقسیم ہوجائے گا اور کسی ایک پر اس کی ذمہ داری نہ ہوگی، اور بنی عبد مناف ساری قوم سے جنگ کا خطرہ مول نہ لیں گے، اس کے بعد لوگ منتشر ہوگئے اور ''اجتماعی جرم'' کا یہ منصوبہ طے ہوگیا۔

اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سازش سے آگاہ کردیا، آپؐ نے حضرت علیؓ کو حکم دیا کہ آپ کی چادر اوڑھ کر آپؐ کے بستر پر سو جائیں، آپؐ نے یہ بھی فرمایا کہ تم کو کوئی گزند ہرگز نہ پہونچے گا۔

ادھر یہ پوری ٹولی آپؐ کے دروازہ پر تیار کھڑی تھی اور حملہ کے لئے پوری طرح کمر بستہ تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے، اور تھوڑی سی مٹی اپنے ہاتھ میں لے لی، اسی وقت اللہ تعالیٰ نے ان کی بصارت سلب کرلی، آپؐ یہ مٹی ان کے سروں پر پھینکتے ہوئے اور سورۂ یٰسین کی آیات کی ''فَاَغْشَيْنٰهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ'' تک تلاوت کرتے ہوئے صاف ان کے سامنے سے گزر گئے اور کسی کو پتہ بھی نہ چلا۔

اس درمیان میں کسی آنے والے نے آواز دی کہ تم لوگ کس چیز کے انتظار میں کھڑے ہو؟ انھوں نے کہا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے انتظار میں، اس نے کہا کہ نامرادو! وہ تو جاچکے، اور اپنے کام کے لئے روانہ ہوگئے، انھوں نے جھانک کر دیکھا کہ کوئی شخص بستر پر لیٹا سو رہا ہے، ان کو یقین ہوگیا کہ ہو نہ ہو یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، صبح ہوئی تو حضرت علیؓ بستر سے اُٹھے، یہ دیکھ کر ان کو بڑی شرمندگی ہوئی اور سب ناکام و نامراد واپس گئے (۱)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت مدینہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لائے، اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے یہاں سے نکلنے اور ہجرت کرنے کی اجازت عطا فرمادی ہے، حضرت ابوبکرؓ نے کہا ''الصحبة یا رسول اللہ'' رسول اللہؐ رفاقت وصحبت کا طلب گار ہوں، آپ نے فرمایا ''الصحبة'' ہاں تم ہی رفیق ہوگے، حضرت ابوبکرؓ یہ سن کر خوشی سے رو پڑے، اس کے بعد انھوں نے دو سواریاں پیش کیں جو اسی سفر کی غرض سے انھوں نے تیار کر رکھی تھیں، عبد اللہ بن اریقط کو انھوں نے بطور رہبر کے معاوضہ پر طے کرلیا۔

عجیب تضاد

قریش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس قدر دشمنی اور آپؐ کی مخالفت پر اس درجہ اتحاد کے باوجود آپ کی امانت ودیانت، سچائی، اور آپ کی عالی ظرفی وحوصلہ مندی پر کلی اعتماد کرتے تھے، پورے

(۱) سیرت ابن ہشام، ج۱، ص ۴۸۰-۴۸۴۔

مکہ میں اگر کسی کو اپنی چیز کے ضائع ہونے یا غصب کیے جانے کا اندیشہ ہوتا تھا، تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس یہ چیز رکھتا تھا، اس طور پر آپ کے پاس مختلف امانتیں جمع ہوگئی تھیں، آپ نے حضرت علیؓ کو اس کا ذمہ دار بنایا کہ وہ اس وقت تک مکہ میں رہیں، جب تک یہ امانتیں آپ کی طرف سے ادا نہ کردی جائیں، اللہ تعالیٰ نے سچ ارشاد فرمایا ہے:۔

قَدْ نَعْلَمُ إِنَّهُ لَيَحْزُنُكَ الَّذِي يَقُولُونَ فَإِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُونَكَ وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِينَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُونَ (سورۂ انعام ۳۳)

ہم کو معلوم ہے کہ ان (کافروں) کی باتیں تمہیں رنج پہونچاتی ہیں (مگر) یہ تمہیں جھوٹا نہیں کہتے بلکہ ظالم خدا کی آیتوں سے انکار کرتے ہیں۔

ہجرت سے ایک سبق

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس ہجرت سے سب سے پہلے بات یہ ثابت ہوتی ہے کہ دعوت اور عقیدہ کی خاطر ہر عزیز ومحبوب اور ہر مانوس ومرغوب شے اور ہر اس چیز کو جس سے محبت کرنے، جس کو ترجیح دینے اور جس سے بہرصورت وابستہ رہنے کا جذبہ انسان کی فطرت سلیم میں داخل ہے، بے دریغ قربان کیا جاسکتا ہے، لیکن ان دونوں اول الذکر چیزوں کو ان میں سے کسی چیز کے لئے ترک نہیں کیا جاسکتا۔

مکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جائے ولادت اور آپؐ کے اور صحابۂ کرامؓ کے مرکز ووطن کے علاوہ دلوں کے لئے مقناطیس کی سی کشش رکھتا تھا، اس لئے کہ اسی شہر میں بیت اللہ ہے، جس کی محبت ان کی روح اور خون میں پیوست تھی، لیکن ان میں سے کسی ایک چیز نے بھی آپؐ کو اور صحابۂ کرامؓ کو ترک وطن اور اہل وعیال کو خیر باد کہنے سے باز نہیں رکھا، کیونکہ زمین اس عقیدہ ودعوت کے لئے بالکل تنگ ہوچکی تھی، اور مکہ والے ان دونوں چیزوں سے منھ پھیر چکے تھے۔

بشری وانسانی تعلق ومحبت اور ایمانی قوت اور ذوق وشوق کے یہ ملے جلے جذبات آپؐ کے اس جملہ سے بخوبی جھلک رہے ہیں جو ہجرت کے وقت آپؐ نے مکہ کو مخاطب کر کے کہا تھا "ما أطيبك من بلد وأحبك اليّ ولولا أن قومي أخرجوني منك ماسكنت غيرك" (۱) (تو کتنا اچھا شہر ہے اور مجھے کس قدر عزیز ومحبوب ہے، اگر میری قوم مجھے یہاں سے نہ نکالتی تو میں تیرے سوا کسی اور جگہ سکونت اختیار نہ کرتا)۔

---

(۱) ترمذی بروایت ابن عباس بطریق مرفوع (باب فضل مکہ)

یہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی تعمیل تھی:۔

يٰعِبَادِيَ الَّذِيْ آمَنُوْآ اِنَّ اَرْضِيْ وَاسِعَةٌ فَاِيَّايَ فَاعْبُدُوْنِ۔ (سورۂ عنکبوت ۔۵٦)

اے میرے بندو جو ایمان لائے ہو، میری زمین فراخ ہے تو میری ہی عبادت کرو۔

غار ثور کی طرف

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ مکہ سے چھپتے چھپاتے روانہ ہوئے، ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے صاحبزادے عبداللہ کو ہدایت کی کہ وہ ذرا خبر رکھیں کہ لوگ ان کے بارے میں کیا چہ میگوئیاں کررہے ہیں، اپنے غلام عامر بن فہیرہ کو حکم دیا کہ وہ دن بھر ان کی بکریاں چرایا کریں اور شام کو ان کا دودھ پہونچادیا کریں، اسماء بنت ابی بکر کھانا پہونچایا کرتی تھیں۔

محبت کی کرشمہ سازیاں

محبت تخلیق انسانی سے لے کر آج تک ایک ایسے الہامی جذبہ کی حیثیت سے زندہ، پائندہ اور تابندہ ہے، جو نازک سے نازک باتوں کی طرف بطور خود رہنمائی کرتی ہے، اور راستہ سمجھاتی ہے، یہ ''عشق است وہزار بدگمانی'' والا مضمون ہے، وہ اپنے محبوب سے کسی وقت غافل نہیں ہوتی اور موہوم سے موہوم چیز کا خطرہ محسوس کرلیتی ہے، اس سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا کچھ یہی حال تھا، چنانچہ روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غار کی طرف روانہ ہوئے تو حضرت ابوبکرؓ چلنے میں کبھی آپؐ سے آگے رہتے کبھی پیچھے چلنے لگتے، یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو محسوس فرمایا اور کہا کہ ابوبکر کیا بات ہے کبھی تم میرے پیچھے چلتے ہو اور کبھی آگے؟ انھوں نے کہا کہ یا رسول اللہ مجھے تعاقب کا خیال آتا ہے تو میں پیچھے چلنے لگتا ہوں، پھر گھات کا خطرہ ہوتا ہے تو آگے آجاتا ہوں (۱)۔

جب دونوں حضرات غار تک پہونچ گئے تو حضرت ابوبکرؓ نے کہا کہ یا رسول اللہ آپؐ ذرا توقف فرمائیں، میں غار کو دیکھ بھال لوں اور صاف کرلوں، اس کے بعد وہ غار کے اندر گئے اور اس کو صاف کرکے اور سوراخ وغیرہ بند کرکے باہر آئے، اس وقت ان کو یاد آیا کہ ایک بل باقی رہ گیا ہے جس کو وہ ٹھیک سے نہیں دیکھ سکے، پھر انہوں نے کہا کہ یا رسول اللہ آپؐ ذرا اور توقف فرمائیں، میں اس کو دیکھ لوں، پھر اس کے اندر گئے اور جب اس کی طرف سے اطمینان ہوگیا تو کہا یا رسول اللہ اب آپؐ

(۱) البدایہ والنہایہ ابن کثیر، ج ۳، ص ۱۸۰، منقول از بیہقی بروایت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ۔

اندر اتر آئیں، چنانچہ آپؐ اندر تشریف لے آئے (۱)

آسمانی کمک اور غیبی امداد

جب دونوں غار میں داخل ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے مکڑی کو بھیجا، اس نے غار اور غار کے منہ پر جو درخت تھا، اس کے درمیان ایک جال بن دیا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چھپا دیا، اسی کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے دو جنگلی کبوتریوں کو بھیج دیا جو اوپر پھڑ پھڑاتی رہیں پھر آ کر وہاں بیٹھ گئیں (۲)

"ولله جنود السموٰت والارض" (اور اللہ ہی کے ہاتھ میں آسمانوں اور زمین کے لشکر ہیں)۔

انسانی تاریخ کا سب سے نازک لمحہ

ادھر مشرکین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تعاقب شروع کیا، یہ انسانیت کے طول وطویل سفر کا سب سے نازک اور سب سے زیادہ فیصلہ کن لمحہ تھا، یا تو ایک ایسی بدنصیبی سامنے تھی جس کی کوئی انتہا نہیں، یا ایک ایسی خوش نصیبی واقبال مندی کا آغاز ہونا تھا، جس کی کوئی حد نہ تھی، انسانیت نے بے چینی سے اپنی نس روک لی تھی، اور بے حس وحرکت ہو کر ان جاسوسوں اور تعاقب کرنے والوں کو پھٹی ہوئی آنکھوں سے دیکھ رہی تھی جو اس وقت غار کے منہ پر کھڑے تھے، اور صرف اتنی دیر باقی تھی کہ ان میں سے کوئی نیچے دیکھ لے، لیکن خدا کی قدرت ان کے اور اس اقدام کے درمیان حائل ہو گئی، اور وہ دھوکہ کھا گئے، انھوں نے دیکھا کہ غار کے منہ مکڑی کے جالے سے بند ہے تو ان کا ذہن بھی ادھر نہ جا سکا کہ اندر کوئی ہو سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس واقعہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ہے:۔

فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِينَتَهٗ عَلَيْهِ وَاَيَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا (سورۂ توبہ۔ ۴۰)

تو خدا نے ان پر تسکین نازل فرمائی اور ان کو ایسے لشکروں سے مدد دی جو تم کو نظر نہیں آتے تھے۔

"لَاتَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا"

اس لمحہ میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی نگاہ اوپر اٹھی تو انھیں مشرکین کے آثار نظر آئے، انھوں نے کہا یا رسول اللہؐ اگر ان میں سے کسی نے ایک قدم بھی آگے بڑھایا تو ہمیں دیکھ لے گا، آپؐ نے جواب دیا "ماظنك باثنين الله ثالثهما" (۳) (ان دو کے بارہ میں تمہارا کیا گمان ہے جن کا

(۱) البدایۃ والنہایۃ، ص ۱۸۰۔ (۲) ابن کثیر، ج ۲، ص ۲۴۰۔۲۴۱ (روایۃ عن ابن عساکر)

(۳) صحیح بخاری (باب قولہ تعالیٰ "ثانی اثنین اذھما فی الغار"۔ کتاب التفسیر ۹۔

تیسرا اللہ ہے؟) اسی سلسلہ میں یہ آیت نازل ہوئی:۔

ثَانِیَ اثْنَیْنِ اِذْھُمَا فِی الْغَارِ اِذْیَقُوْلُ لِصَاحِبِہٖ لَاتَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا۔ (سورۂ توبہ۔ ٤٠)

(اس وقت) دو ہی شخص تھے جن میں (ایک ابوبکرؓ تھے) دوسرے (خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) جب وہ دونوں غار (ثور) میں تھے اس وقت پیغمبر اپنے رفیق کو تسلی دیتے تھے کہ غم نہ کرو خدا ہمارے ساتھ ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تعاقب میں سراقہ کی روانگی

قریش نے یہ اعلان کر دیا تھا کہ جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گرفتار کر کے لائے گا اس کو سو اونٹنیاں انعام میں دی جائیں گی، ان لوگوں نے غار میں تین راتیں گذاریں، پھر دونوں آگے کی طرف روانہ ہوئے (عامر بن فہیرہ اور عبداللہ بن اریقط جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے راستہ بتانے کے لئے اجرت پر ساتھ لیا تھا) ساحل کی طرف سے آپ کو لے کر چلے۔

سراقہ بن مالک بن جعشم کو انعام کی لالچ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تعاقب پر آمادہ کیا، اور سو اونٹنیوں کے شوق میں اس نے ایک گھوڑے پر سوار ہو کر آپؐ کے نشاناتِ قدم کی مدد سے تعاقب شروع کیا، لیکن اس کے گھوڑے کو اچانک ٹھوکر لگی اور وہ گر پڑا، لیکن اب بھی ہار نہ مانی اور آپؐ کے نشانات پر آگے بڑھتا رہا، دوسری مرتبہ اس کے گھوڑے نے پھر ٹھوکر کھائی اور وہ گرا، پھر سوار ہوا اور تعاقب شروع کیا، یہاں تک کہ یہ لوگ اس کو سامنے نظر آگئے، اور اسی وقت تیسری بار گھوڑے نے سخت ٹھوکر کھائی اور اسکے دونوں اگلے پاؤں زمین میں دھنس گئے، سراقہ گر پڑا، اسی کے ساتھ بگولہ یا آندھی کی شکل میں وہاں سے دھواں بھی اٹھا۔

سراقہ نے جب یہ دیکھا تو سمجھ گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی حمایت میں ہیں، اور وہ ہر صورت میں غالب آئیں گے، اس نے زور سے آواز دی اور کہا کہ میں سراقہ بن جعشم ہوں، مجھے بات کرنے کا موقع دیجئے، مجھ سے آپ لوگوں کو ہرگز کوئی نقصان نہ پہونچے گا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکرؓ سے فرمایا اس سے پوچھو کہ وہ ہم سے کیا چاہتا ہے؟ سراقہ نے کہا کہ آپ ایک تحریر مجھے دیدیں جو ہمارے اور آپؐ کے درمیان ایک نشانی اور یادگار کے طور پر محفوظ رہے۔ عامر بن فہیرہ نے ہڈی یا جھلی پر ایک تحریر لکھ کر اس کے حوالہ کی (۱)۔

---

(۱) سیرت ابن ہشام ج ص ۴۸۹۔۴۹۰، نیز بخاری شریف جز اول (باب ھجرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم الی المدینۃ) الفاظ کے معمولی اختلاف کے ساتھ۔

ایک خلاف قیاس اور ماورائے عقل پیش گوئی

عین اس حال میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت پر مجبور ہیں، مکہ میں رہنا ممکن نہیں، دشمن ہر طرف گھات میں ہیں، اور ان کا تعاقب کیا جا رہا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ اس دن کی طرف جاتی ہے، جس دن آپؐ کے غلام کسریٰ کا تاج اور قیصر کا تخت اپنے پیروں سے روندیں گے، اور زمین کے خزانوں کے مالک ہوں گے، آپؐ نے اس گھٹا ٹوپ اندھیرے میں اس درخشاں روشنی کی پیش گوئی کی اور سراقہ سے ارشاد فرمایا سراقہ! اس وقت تمہارا کیا حال ہوگا جب کسریٰ کے کنگن تم اپنے ہاتھ میں پہنو گے؟

بے شک اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی سے نصرت وحمایت اور فتح مبین اور دین کے لئے غلبہ وعروج اور فتح مکمل کا وعدہ کیا تھا:۔

هُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ ، وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ (سورۂ توبہ، ۳۳)

وہی تو ہے جس نے اپنے پیغمبر کو ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا، تاکہ اس (دین) کو (دنیا کے) تمام دینوں پر غالب کرے اگرچہ کافر ناخوش ہی ہوں۔

کوتاہ بیں اور کم عقل لوگوں نے اس بات کا انکار کیا، قریش نے اس کو امر محال اور انہونی بات سمجھی، لیکن نگاہ نبوت دور کو قریب دیکھ رہی تھی:۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا یُخْلِفُ الْمِیْعَادَ.

بے شک خدا خلاف وعدہ نہیں کرتا۔

اور حرف بحرف اسی طرح ہوا، جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے کسریٰ کے کنگن، اس کا پٹکا اور تاج حاضر کیا گیا تو انھوں نے سراقہ کو بلایا اور اس کو یہ پہنایا (۱)، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئی حرف بحرف پوری ہوئی، سراقہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے زاد راہ اور ضروری سامان کی بھی پیش کش کی، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو قبول نہ فرمایا اور صرف اتنی بات کہی کہ "اخف عنا" (ہماری اطلاع کسی کو نہ دینا) (۲)

---

(۱) الاستیعاب، ج ۲، ص ۵۹۷

(۲) بخاری شریف (باب هجرة النبی صلی اللہ علیہ وسلم)۔

مبارک شخص

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ اپنے سفر کے دوران ام معبد الخزاعیہ کے پاس سے گزرے، ان کے پاس ایک بکری تھی، جس کا چارہ پانی کی کمی سے دودھ خشک ہو گیا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے تھنوں پر ہاتھ پھیرا، اللہ کا نام لے اور دعا کی، چنانچہ اسی وقت دودھ تیزی سے جاری ہو گیا، آپؐ نے یہ دودھ ام معبد کو اور اپنے ساتھیوں کو پلایا، یہاں تک کہ سب خوب سیراب ہو گئے، پھر آپؐ نے نوش فرمایا، اور دوبارہ دوہا یہاں تک کہ برتن پورا لبریز ہو گیا، جب ابومعبد اپنے کام سے واپس آئے اور واقعہ دریافت کیا، تو ام معبد نے ان سے کہا کہ "خدا کی قسم! ایک مبارک شخص ہمارے پاس سے گزرے، اور ایسی ایسی انھوں نے باتیں کیں" پھر انھوں نے بہترین الفاظ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف کی، یہ سن کر ابومعبد بولے، خدا کی قسم مجھے یہ قریش کے وہی شخص معلوم ہوتے ہیں، جن کی قریش کو تلاش ہے(۱)۔

رہبر نے ان دونوں کو ساتھ لے کر اپنا سفر جاری رکھا، یہاں تک کہ یہ قبا تک، جو مدینہ کے مضافات میں ہے، پہونچ گئے یہ واقعہ ۱۲/ربیع الاول دوشنبہ کا ہے، اور اسی سے اسلامی تقویم اور اسلامی تاریخ کا آغاز ہوتا ہے۔

---

(۱) زاد المعاد، ج ۲ ص ۳۰۹

عہد بعثت کے یثرب (مدینہ) پر ایک نظر

مکی اور مدنی معاشروں کا فرق

شہر یثرب کا صحیح اندازہ کرنے کے لئے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کا دارالہجرۃ، اسلام کی عالمی دعوت کا مرکز اور ظہورِ اسلام کے بعد قائم ہونے والے پہلے اسلامی معاشرہ کا گہوارہ بنایا، ہمیں اس کی تمدنی، معاشرتی، اقتصادی صورت حال، قدیم قبائل کے باہمی تعلقات اور وہاں کے یہود کی معاشرتی، اقتصادی اور جنگی اہمیت اور اس زرخیز شہر کے معیارِ زندگی کو سمجھنا ہوگا جہاں متعدد مذاہب، ثقافتیں اور معاشرے دوش بدوش تھے، جب کہ مکہ مکرمہ کا ایک رنگ، ایک طرز اور ایک ہی مذہب تھا، اس سلسلہ میں یہاں پر قارئین کے سامنے کچھ تفصیلات پیش کی جاتی ہیں جن کی مدد سے وہ زمانۂ بعثت کے شہر یثرب کی نوعیت اور صورتِ حال کا کسی قدر اندازہ کر سکتے ہیں۔

یہود

اس تاریخی حقیقت کو ترجیح حاصل ہے کہ یہود کی اکثریت جزیرۃ العرب میں عموماً اور شہر یثرب میں خصوصاً پہلی صدی مسیحی میں آئی، مشہور یہودی فاضل ڈاکٹر اسرائیل ولفنسن لکھتا ہے:۔

> "۷۰ء میں جب یہودی اور رومی جنگ کے نتیجے میں فلسطین اور بیت المقدس برباد ہو گئے اور یہود دنیا کے مختلف علاقوں میں بکھر گئے تو یہود کی بہت سی جماعتوں نے بلادِ عرب کا رخ کیا، جیسا کہ یہودی مورخ جوزیفس کا کہنا ہے، جو خود بھی اس جنگ میں شریک تھا، اور بعض مواقع پر اس نے یہودی ٹکڑیوں (Units) کی بھی قیادت کی تھی، عربی ماخذ بھی اس کی تائید کرتے ہیں" (۱)۔

مدینہ میں یہود کے تین قبیلے آباد تھے (جن میں بالغوں کی تعداد دو ہزار سے اوپر تھی) قینقاع، نضیر، قریظہ، اندازہ کیا گیا ہے کہ قینقاع کے لڑنے والوں کی تعداد سات سو تھی، نضیر کے آدمیوں

---

(۱) تاریخ الیہود فی بلاد العرب فی الجاھلیۃ وصدر الاسلام، اسرائیل ولفنسن (ابوذویب)، ص۹ (قاہرہ، ۱۹۲۷ء)

کی تعداد بھی اتنی ہی تھی، جب کہ قریظہ کے بالغوں کی تعداد سات سو اور نو سو کے درمیان تھی (۱)۔

ان تینوں قبائل کے باہمی تعلقات کشیدہ رہتے تھے، اور کبھی لڑائیاں بھی ہوتی تھیں، ڈاکٹر ولفنسن کہتا ہے:۔

"بنی قینقاع اور بقیہ یہود میں عداوت چلی آتی تھی، جس کا سبب یہ تھا کہ بنی قینقاع بنی خزرج کے ساتھ "یوم بعاث" میں شریک تھے، اور بنی نضیر اور بنی قریظہ نے بنی قینقاع کا بڑی بے دردی سے کشت وخون کیا تھا، اور ان کا شیرازہ بری طرح سے منتشر کر دیا تھا، حالانکہ انھوں نے گرفتار ہونے والے تمام یہود کا فدیہ بھی ادا کر دیا تھا، چنانچہ "یوم بعاث" کے بعد یہودی قبائل میں باہمی نزاع چلی آرہی تھی، جب قینقاع اور انصار کے درمیان جنگ ہوئی تو انصار کے مقابلہ پر ان کا کسی یہود نے بھی ساتھ نہیں دیا" (۲)

قرآن مجید نے بھی یہود کی باہمی عداوت کی طرف اشارہ کیا ہے:۔

وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَكُمْ لَا تَسْفِكُونَ دِمَاءَكُمْ وَلَا تُخْرِجُونَ أَنْفُسَكُمْ مِنْ دِيَارِكُمْ ثُمَّ أَقْرَرْتُمْ وَأَنْتُمْ تَشْهَدُونَ، ثُمَّ أَنْتُمْ هَٰؤُلَاءِ تَقْتُلُونَ أَنْفُسَكُمْ وَتُخْرِجُونَ فَرِيقًا مِنْكُمْ مِنْ دِيَارِهِمْ تَظَاهَرُونَ عَلَيْهِمْ بِالْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ، وَإِنْ يَأْتُوكُمْ أُسَارَىٰ تُفَادُوهُمْ وَهُوَ مُحَرَّمٌ عَلَيْكُمْ إِخْرَاجُهُمْ۔ (سورة البقرة۔ ۸۴۔۸۵)

اور جب ہم نے تم سے عہد لیا کہ تم آپس میں خون نہ بہاؤ گے اور اپنوں کو اپنے وطن سے نہ نکالو گے پھر تم نے اقرار کیا اور تم مانتے ہو، پھر تم ہی اپنوں کو قتل کرتے ہو اور اپنے ایک فرقے کو ان کے گھروں سے نکالتے ہو، ان پر چڑھائی کرتے ہو، گناہ اور ظلم کے طور پر، اور اگر وہ تمہارے پاس قید ہو کر آئیں تو تم فدیہ دیتے ہو، حالانکہ ان کا نکال دینا بھی تم پر حرام ہے۔

یہود مدینہ کی مختلف بستیوں اور محلوں میں رہتے تھے، جو انھیں کے لئے مخصوص تھیں، بنو قینقاع کو

---

(۱) یہ اندازہ سیرت ابن ہشام کے ان اعداد وشمار سے کیا گیا ہے جو جنگوں اور واقعات کے تذکرے میں آئے ہیں، جیسے بنی نضیر کی جلاوطنی، بنی قریظہ کا قتل وغیرہ، قینقاع، نضیر، اور قریظہ بڑے قبیلے تھے، جن کے ماتحت شاخیں بھی تھیں، جیسے بنی ہدل قریظہ کے تابع تھے، جن میں سے بعض بڑے صحابی بھی ہوئے اور جیسے بنی زنباع جو بنی قریظہ کی شاخ ہے، بعض یہودی جماعتوں کے نام اس معاہدے میں بھی آئے ہیں، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور یہود کے درمیان ہوا تھا، جیسے بنی عوف، بنی النجار، بنی ساعدہ، بنی ثعلبہ، بنی جشم، بنی الحارث وغیرہ اس معاہدے میں ان جماعتوں کے ذکر کے بعد آیا ہے کہ "ان بطانة يهود كأنفسهم" (یہود کے خواص اور ان کے معتمد علیہم کا معاملہ بھی انھیں کی طرح ہے) اسی لئے سمہودی صاحب "وفاء الوفاء" کا کہنا ہے کہ یہود بیس قبیلوں سے زیادہ تھے"۔ (وفاء الوفاء، ۱۱۶)

(۲) اليهود في بلاد العرب، ۱۲۹

جب بنونضیر اور بنوقریظہ نے مدینہ کے نواحی محلے سے بھگایا تو وہ شہر کے اندر ایک خاص محلے میں رہنے لگے، بنونضیر مدینہ سے دو تین میل کی دوری پر وادی بطحان کی بلندی پر رہتے تھے، جو کھجوروں اور کھیتوں سے مالا مال تھی، بنوقریظہ مدینہ کے جنوب میں چند میلوں پر واقع مہر وزور کے علاقے میں رہتے تھے (۱)۔

مدینہ میں یہود کی مخصوص بستیاں تھیں جن میں قلعے اور مستحکم عمارتیں بنی ہوئی تھیں، ان میں وہ مستقل طور پر رہتے تھے، انھیں یہودی حکومت بنانے کا موقع نہیں ملا، بلکہ وہ قبائلی سرداروں کی حمایت وحفاظت کے تحت چین سے رہتے تھے، اور اس حمایت کے بدلے میں انھیں سالانہ محصول ادا کرتے تھے، جس کے سبب وہ بدوؤں کے حملوں سے بھی محفوظ رہتے تھے، اس خطرے کے پیش نظر یہودی معاہدوں پر مجبور تھے، چنانچہ ہر یہودی سردار اعراب اور رؤسائے عرب میں سے کسی نہ کسی کو اپنا حلیف بنائے رکھتا تھا (۲)۔

مذہبی امور

یہودی اپنے کو ایک مستقل مذہب اور آسمانی شریعت کا حامل سمجھتے تھے، چنانچہ وہ اپنے مدرسوں میں (جن کو مدارس کہتے تھے) اپنے دینی اور دنیوی امور، شرعی احکام، تاریخ اور اپنے انبیاء اور رسولوں کے حالات پڑھتے اور پڑھاتے تھے، اسی طرح مخصوص عبادت گاہوں میں وہ اپنی عبادات اور دینی شعائر انجام دیتے تھے، وہ انہی جگہوں پر اپنے تمام دینی اور دنیوی امور کے سلسلے میں مشورہ اور تبادلۂ خیالات کیلئے جمع ہوتے تھے، یہودی اپنے مخصوص دینی قوانین پر عمل کرتے تھے، جن میں سے کچھ انھوں نے اپنی کتابوں سے اخذ کیے تھے، اور کچھ ان کے کاہنوں اور عالموں نے اپنی طرف سے ایجاد کر لئے تھے، اسی طرح وہ اپنی عیدیں الگ مناتے تھے، کچھ خاص دنوں جیسے یومِ عاشورہ میں روزہ رکھتے تھے (۳)۔

یہود کی مذہبی واخلاقی حالت

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہودِ مدینہ کا اپنے اصل دین اور اپنی کتابوں کی تعلیمات سے تعلق بہت کمزور ہوگیا تھا، اور مرورِ ایام سے وہ بھی اپنے ہمسایہ عربوں کی طرح ہوگئے تھے، مگر توحید کا کچھ اثر اور کھانے پینے میں حلال وحرام کی تمیز باقی رہ گئی تھی، لیکن جب اسلام خالص وقطعی عقیدۂ توحید کے ساتھ آیا (جو قرآن میں ہے) تو ان کا رہا سہا یہ امتیاز بھی ختم ہوگیا۔

---

(۱) "بنو اسرائیل فی القرآن والسنة" للدکتور محمد سید الطنطاوی، ص ۷۷

(۲) تلخیص از "تاریخ العرب قبل الاسلام"، ج ۷، ص ۲۳: ڈاکٹر جواد علی (بغداد)

(۳) بنو اسرائیل فی القرآن والسنة، ص ۸۰-۸۱

وہ اخلاقی پستی کی انتہا کو پہونچ گئے تھے، اپنی حاجت روائی کے لئے سفلی اعمال سحر وغیرہ اپنے مخالفین سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لئے کھانے میں زہر کی ملاوٹ، طنز وتعریض، اور دھوکہ میں ڈالنے والے ذو معنی کلمات بول کر اپنے مجروح دل کو تسکین دینا ان کی عادت بن گئی تھی، جوان پست ذہنیت، شکست خوردہ معاشروں کی پہچان ہوتی ہے، جو مردانگی اور اخلاقی جرأت سے محروم ہوتے ہیں، فنون سحر وکہانت میں یہود کی مہارت تاریخ کے مسلمات میں ہے، اور ان کے علماء واکابر اس کا فخریہ اظہار بھی کرتے ہیں، اور قرآن مجید نے بھی آیت:۔

وَاتَّبَعُوا مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ عَلٰى مُلْكِ سُلَيْمٰنَ۔ الخ(سورةالبقرة ۔۲ ۱۰)

انھوں نے (اس سحر وجادو) کی بھی پیروی کی جن سے شیاطین سلیمان کی سلطنت اور عہد میں کام لیتے تھے۔

سے اس کی طرف اشارہ کیا ہے، یہود کا یہ شغف عہد رسالت تک باقی تھا، مشہور یہودی مستشرق مارگولیتھ (MARGOLIOUTH) (جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اسلام کے بارے میں اپنے تعصب کے لئے بھی مشہور ہے) لکھتا ہے:۔

''مدینہ کے یہود فن سحر میں بڑے ماہر تھے، اور علانیہ جنگ اور مردانہ وار صف آرائی پر کالے کرتب (جادو) کو ترجیح دیتے تھے'' (۱)

غزوۂ خیبر کے بیان میں بکری کے گوشت میں زہر ملانے کا واقعہ آئے گا جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پیش کی گئی، مگر آپ محفوظ رہے اور بشر بن براء بن معرور جنھوں نے کھانے میں شرکت کی تھی انتقال کر گئے (۲)۔

معروف کلمات کو ایک خاص طرز سے استعمال کرنے اور ان سے برے معنی مراد لینے کا ذکر قرآن شریف میں اس طرح آیا ہے:۔

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا وَاسْمَعُوْا، وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ۔(سورة البقرة۔ ۱۰٤)

اے ایماوالو تم ''راعنا'' مت کہا کرو، اور ''انظرنا'' کہہ دیا کرو اور سن لیجیو کافروں کو سزا دردناک ہوگی۔

ابونعیم نے دلائل میں ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ ''یہود آہستہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ

---

(۱) D.S. MARGOLIOUTH : MUHAMMAD & THE RISE OF ISLAM P. 189

(۲) صحیح بخاری باب "الشاة التی سُمَّت للنبی صلی اللّٰہ علیه وسلم بخیبر.

وسلم سے ''راعنا'' کہتے تھے، جوان کی زبان میں ایک بری گالی تھی، وہ یہ کہہ کرآپس میں ہنستے تھے، اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی، اوراس کے سد باب اور مسلمانوں کو مشابہت سے بچانے کے لئے اس سے روک دیا گیا، اور یہودیوں کے یہاں اس کلمہ کے معنی اسمع لا سمعت (سنو! خدا تم کو سننا نصیب نہ کرے) کے ہیں، یہ بھی کہا گیا ہے کہ (نعوذ باللہ) انھوں نے آپ کی نسبت ''رعن'' سے کی جو رعونت سے نکلا ہے، جس کے معنی جہل وحماقت کے ہیں اور الف مدّ صوت کے لئے ہے (۱)۔

بخاری نے حضرت عائشہؓ سے عروہؓ کی روایت نقل کی ہے کہ وہ فرماتی تھیں کہ یہود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کرتے وقت ''السام علیک'' کہتے تھے (۲)، اوراس سے مراد موت لیتے تھے۔

حدیث میں آتا ہے "لکل داءٍ دواء الا السام" (۳) (موت کے سوا ہر بیماری کی دوا ہے)

اسی بارے میں یہ آیت نازل ہوئی کہ:۔

وَإِذَا جَآءُوكَ حَيَّوْكَ بِمَا لَمْ يُحَيِّكَ بِهِ اللَّهُ (٤)

اور وہ لوگ جو آپ کے پاس آتے ہیں، آپ کو ایسے لفظ سے سلام کہتے ہیں جس سے اللہ نے آپ کو سلام نہیں فرمایا۔

اسی طرح وہ ایسی اخلاقی پستی میں مبتلا ہوئے جس کی کسی مہذب، صاحب کردار اور شرعی وآسمانی تعلیمات پر مبنی معاشرہ سے توقع نہیں کی جاسکتی، اس رجحان کا پتہ اس عرب عورت کے قصہ سے بھی ہوتا ہے جو بنوقینقاع کے بازار میں ایک کاریگر کے پاس کسی کام سے گئی تو یہود نے اس سے چہرہ سے نقاب اتارنے کے لئے اصرار کیا اوراس کے انکار پر کاریگر نے اس کی نقاب پیچھے سے باندھ دی اور جب وہ کھڑی ہوئی تو اس کی بے پردگی پر سب ہنس پڑے اور عورت نے ایک چیخ ماری جسے سن کر ایک مسلمان نے لپک کر اس کاریگر کا کام تمام کردیا، اور پھر یہود نے اس مسلمان کو شہید کردیا (۵)۔

بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ اپنی نوعیت کا پہلا واقعہ نہ تھا اور اسواق عرب میں اس کا امکان مشکل تھا۔

اقتصادیات

دوسری قوموں سے ان کے بیشتر مالی معاملات رہن اور سود پر قائم تھے، اور مدینہ جیسے زراعتی

(۱) روح المعانی از علامہ آلوسی بغدادی، ج ۱، ص ۳۴۸۔۳۴۹

(۲) جامع صحیح، کتاب الدعوات۔

(۳) مجمع بحار الأنوار، ج ۳، ص ۱۵۵

(۴) المجادلہ۔ ۸ دیکھئے روح المعانی اور تفسیر ابن کثیر،

(۵) سیرت ابن ہشام، ج ۲، ص ۴۸

علاقے کے پیش نظر انھیں اس کا سنہرا موقع بھی حاصل تھا، کیونکہ کسانوں کو کھیتی کے موقع پر اکثر قرض کی ضرورت پیش آتی ہے(۱)۔

رہن کا نظام صرف زر مال تک ہی محدود تھا، بلکہ مجبوری کی حالت میں عورتیں اور بچے بھی رہن رکھ لئے جاتے تھے، چنانچہ کعب بن الاشرف کے قتل کے سلسلے میں امام بخاریؒ نے یہ روایت نقل فرمائی ہے۔

قال له محمد بن مسلمة قد أردنا ان تسلفنا وسقا أو وسقين فقال نعم ارهنوني قالوا أي شئي تريد؟ قال ارهنوني نساء كم، قالوا كيف نرهن نساء نا وأنت أجمل العرب، قال: فارهنوني أبناء كم، قالوا كيف نرهنك أبناء نافيسب أحدهم فيقال رهن بوسق أو وسقين قال هذا عارعلينا ولكن نرهنك اللأمة(۲).

محمد بن مسلمہؓ نے کعب سے کہا کہ ہم چاہتے ہیں کہ تم ایک وسق یا دو وسق غلہ ہمیں قرض دو، اس نے کہا کہ بشرطیکہ تم میرے پاس کچھ رہن رکھو، انھوں نے پوچھا کہ تم کیا چیز چاہتے ہو؟ کعب نے کہا کہ تم میرے پاس اپنی عورتوں کو رہن رکھدو، انھوں نے کہا کہ ہم اپنی عورتوں کو تمہارے پاس کیسے رہن رکھدیں جب کہ تم عربوں میں خوبصورت ترین انسان ہو، اس نے کہا کہ تب اپنے بیٹوں کو رہن رکھدو، اس پر انھوں نے کہا کہ ہم تمہارے پاس اپنے بیٹوں کو کیسے رکھدیں کہ آگے انھیں طعنہ دیا جائے کہ وہ ایک یا دو وسق کے بدلے رہن رکھے گئے تھے، اور یہ ہمارے لئے بڑی شرم کی بات ہوگی، البتہ ہم تمہارے پاس ہتھیار رہن رکھ سکتے ہیں۔

اس قسم کے رہن کا یہ لازمی نتیجہ ہے کہ راہنوں اور مرتہنوں کے درمیان نفرت وعداوت پیدا ہوجائے، خصوصاً اس وقت جب کہ عرب اپنی عورتوں کے سلسلے میں غیرت وحمیت کے لئے شہرت رکھتے تھے، مدینہ کی اقتصادیات پر یہود کے اس تسلط کا یہ نتیجہ تھا کہ ان کا معاشی دباؤ بہت بڑھ گیا، اور وہ منڈیوں میں من مانی کرنے لگے، اپنی مصلحت ومنفعت کے مطابق مصنوعی قلت پیدا کر کے چور بازاری اور ذخیرہ اندوزی سے کام لینے لگے، اس لئے مدینہ کی اکثریت ان کی دھاندلی اور حد سے زیادہ سود خوری اور نفع اندوزی کی ایسی شرمناک حرکتوں کی وجہ سے ان سے نفرت کرنے لگی تھی جن سے ایک عرب آدمی دور رہتا ہے(۳)۔

ان کی جبلی سیاست حرص وہوس اور توسیع پسندی کے پیش نظر (DE LACY O'

---

(۱) بنو اسرائیل فی القرآن والسنۃ، ص ۸۰۔۸۱

(۲) بخاری نے اسے کتاب المغازی میں باب ''قتل کعب بن الاشرف'' میں ذکر کیا ہے، ابن ہشام نے بھی تھوڑے فرق کے ساتھ یہ قصہ السیرۃ النبویہ، ج ۲، ص ۵۱ پر نقل کیا ہے۔

(۳) بنو اسرائیل فی القرآن والسنۃ، ص ۷۹

LEARY) نے اپنی کتاب ''عرب قبل محمد'' میں لکھا ہے کہ:۔

''اصل بدوی باشندوں (۱)، اور نو آباد یہودیوں کے تعلقات ساتویں صدی مسیحی میں بہت خراب ہو گئے تھے، کیونکہ ان یہودیوں نے اپنی کاشت کے علاقے ان بدوؤں کی چراگاہوں تک وسیع کر لئے تھے'' (۲)

اوس وخزرج (مدینہ کے عرب باشندے) اور یہود کے تعلقات ذاتی نفع اور استحصال پر مبنی تھے، یہود ان دونوں قبیلوں کو لڑانے پر بھی اپنے فائدے کی صورت میں بہت خرچ کرتے تھے، جیسا کہ اوس وخزرج کی متعدد لڑائیوں میں انھوں نے کیا تھا جن کے نتیجہ میں یہ دونوں قبیلے تباہ ہو رہے تھے، ان کے پیش نظر صرف یہی رہتا تھا کہ مدینہ پر ان کا مالی تسلط برقرار رہے، آنے والے نبی کے سلسلے میں یہود کی گفتگوؤں نے بھی اوس وخزرج کو داخلِ اسلام ہونے پر آمادہ کر دیا تھا (۳)۔

دینی وثقافتی حالت

بلادِ عرب کے یہود کی زبان فطری طور پر عربی ہی تھی، لیکن وہ خالص نہیں رہ گئی تھی، بلکہ اس میں تھوڑی سی عبرانی کی بھی آمیزش ہو گئی تھی، کیونکہ انھوں نے عبرانی کا استعمال پوری طرح نہیں چھوڑا تھا، وہ اپنی عبادتوں اور تعلیمی امور میں اس کا استعمال کرتے رہتے تھے (۴)۔

یہود کے دینی ودعوتی پہلو کے بارے میں ڈاکٹر اسرائیل ولفنسن لکھتا ہے:۔

''اس میں کوئی شک نہیں کہ یہود کو عرب میں اپنا دینی اقتدار وسیع کرنے کے وسائل حاصل تھے، اور وہ اگر چاہتے تو حاصل کردہ اقتدار سے کہیں زائد اثر ونفوذ حاصل کر سکتے تھے، لیکن تاریخ یہود کا ہر جاننے والا جانتا ہے کہ یہود نے دوسری قوموں کو اپنے دین کے قبول کرنے پر کبھی آمادہ نہیں کیا اور بعض وجوہ سے اشاعت دین یہود کے لئے ممنوع رہی ہے'' (۵)

یہود (اپنے قومی مزاج کے مطابق) اپنے معاشرہ کو نئے حالات وتغیرات کے مطابق ڈھالنے، نئے چیلنج کو سمجھنے، اور موقعہ سے فائدہ اٹھانے، اور اسلام کو اختیار کر کے اپنی ثقافت وذہانت اور تجربہ

---

(۱) ان سے عرب قبائل مراد ہیں، جیسے اوس وخزرج اور دوسرے عرب جو مدینہ کے اطراف میں ان کے پڑوسی تھے۔

(۲) ARABIA BEFORE MOHAMMAD, (LONDON 1927) P.174

(۳) بنو اسرائیل فی القرآن والسنۃ للدکتور محمد سید الطنطاوی، ص ۷۳-۱۰۱۔

(۴) مکۃ والمدینہ فی الجاھلیۃ وعھد الرسول: احمد ابراہیم الشریف، ۲۰۳

(۵) الیھود فی بلاد العرب: اسرائیل ولفنسن، ۷۲

وصلاحیت کے لائق مقام پانے میں ناکام رہے، اور یہی افسوس ناک انجام ہر اس معاشرہ کا ہوا ہے جو اپنے ماضی، نام ونسب پر فخر، اور خواب وخیال کی دنیا میں رہتا بستا ہے، اور کھوکھلی قیادت کا سہارا لیتا ہے۔

یہود اپنے کو صحیح طور پر نمایاں کرنے اور ایک صاحب پیغام اور اہل کتاب اور انبیاء سابقین کی امت وذریت ہونے کے لحاظ سے اپنی صلاحیت وفوقیت ثابت کرنے میں ناکام رہے، اور عرب کی گھٹیا بت پرستی اور پست ترین جاہلیت کو دیکھ کر ان میں کوئی بے چینی نہیں پیدا ہوئی، اور انھوں نے (کم سے کم) اس عقیدۂ توحید کی بھی دعوت نہیں دی، جس کے وہ صدیوں سے (اپنے اخلاقی انحطاط اور قومی کمزوریوں کے باوجود) حامل چلے آرہے تھے، جس کا بنیادی سبب یہ تھا کہ وہ اپنے دین کی طرف کسی غیر اسرائیلی فرد کو دعوت دینے کے قائل ہی نہ تھے، یہودیت کو نسلی دین واعزاز سمجھنے کا عقیدہ ان کا دائمی شعار تھا، (جیسا کہ اسرائیل ولفنسن اور سابق امریکی یہودی اور حال کی مسلم فاضلہ مریم جمیلہ کا کہنا ہے) اس کے ساتھ ان کی آرام طلبی، اور حد سے زائد تجارتی ومعاشی سرگرمی بھی ان کے لئے ایک رکاوٹ تھی۔

لیکن یہ یقینی بات ہے کہ اوس وخزرج اور دوسرے عرب قبائل سے تعلق رکھنے والے بہت سے افراد نے یہودیت کو اپنی مرضی سے یا رشتہ داری، یا یہودی ماحول میں پرورش پانے کے سبب اختیار کرلیا تھا، عرب کے یہود میں سب قسمیں پائی جاتی تھیں، یہ بھی معلوم ہے کہ ممتاز یہودی تاجر اور مشہور شاعر کعب بن الاشرف (جو نضری کی نسبت سے بھی معروف ہے) قبیلۂ طے کا ایک فرد تھا، اس کے باپ نے بنی نضیر میں شادی کی تھی، چنانچہ کعب ایک پرجوش یہودی کی صورت میں پروان چڑھا، ابن ہشام لکھتے ہیں کہ:۔

> ''اس کا آبائی تعلق قبیلہ طئی پھر بنی نبہان سے تھا اس کی ماں بنی نضیر سے تھی'' (۱)

عربوں میں ایک رسم یہ تھی کہ جس کا لڑکا زندہ نہ رہتا تھا، وہ یہ نذر مانتا تھا کہ اگر وہ زندہ رہا تو اس کو یہودیوں کے سپرد کردے گا کہ وہ اس کو اپنے میں شامل کرلیں، چنانچہ بہت سے عرب اس طرح بھی یہودی بن گئے تھے، سنن ابوداؤد میں حسب ذیل روایت ملتی ہے:۔

عن ابن عباسؓ قال : كانت المرأة تكون مقلاة فتجعل على نفسها إن عاش لها ولد أن تهوده، فلما أجليت بنو النضير كان فيهم من أبناء الأنصار فقالوا لا ندع أبناء نا، فأنزل الله : لا إكراه في الدين قد تبين الرشد من الغي (۲)

جس عورت کا بچہ زندہ نہ رہتا تھا وہ نذر مانتی تھی کہ اگر بچہ زندہ رہا تو اسے یہودی بنادے گی،

(۱) ابن ہشام، ج ۱ ص ۵۱۴

(۲) سنن ابوداؤد کتاب الجهاد باب الاسير يكره على الاسلام، ج ۲۔

چنانچہ جب بنونضیر جلاوطن ہوئے تو ان میں سے انصار کے لڑکے بھی تھے، اس لئے وہ کہنے لگے کہ ہم اپنے بیٹوں کو نہیں چھوڑیں گے اس پر یہ آیت اتری "لَاۤ اِکۡرَاہَ فِی الدِّیۡنِ"

اوس وخزرج

اوس وخزرج (مدینہ کے عرب باشندوں) کا سلسلہ نسب یمن کے قبیلۂ ازد سے ملتا ہے، جہاں سے یثرب کی طرف ہجرت کی لہریں مختلف وقفوں میں اٹھتی رہیں جس کے کئی اسباب تھے، ان میں یمن کی غیر یقینی صورت حال، حبش کا حملہ، سد مآرب کے انہدام و شکستگی کے بعد آبپاشی کی دقت وغیرہ بھی ہیں، اس طرح اوس وخزرج مدینہ میں یہود کے بعد آئے (۱)، اوس کے قبائل مدینہ کے جنوب ومشرق میں آباد ہوئے جو عوالی کا علاقہ کہلاتا ہے، خزرج کے قبائل وسطی اور شمالی علاقے میں آباد ہوئے، جو مدینہ کا نشیبی حصہ ہے، ان کے بعد مغرب میں حرۃ الوبرۃ تک اور کچھ نہیں ہے (۲)۔

خزرج چار قبیلے تھے: ۱۔ مالک، ۲۔ عدی، ۳۔ مازن، ۴۔ دینار، یہ سب کے سب بنونجار سے تعلق رکھتے تھے، جنھیں "تیم اللات" کہا جاتا ہے، بنونجار کے قبائل مدینہ کے اس وسطی حصے میں آباد ہوئے جہاں اب اس وقت مسجد نبویؐ واقع ہے اوس مدینہ کے زرخیز زراعتی علاقوں میں مقیم ہوئے اور یہود کے اہم قبیلوں اور جماعتوں کے پڑوسی بنے، خزرج جہاں ٹھہرے وہ زیادہ سرسبز علاقہ نہ تھا، ان کا صرف ایک بڑا یہودی قبیلہ قینقاع ہی پڑوسی تھا (۳)

اب اوس وخزرج کے افراد کی یقینی تعداد معلوم کرنا بہت دشوار ہے لیکن حالات وحوادث پر نظر رکھنے والا ان کی جنگی قوت کا اندازہ، ان جنگوں سے کرسکتا ہے جن میں وہ ہجرت نبوی کے بعد شریک ہوئے، چنانچہ فتح مکہ کے دن ان کے لڑنے والے افراد کی تعداد چار ہزار تھی (۴)۔

مدینہ میں ہجرت کے وقت عربوں ہی کو بالادستی اور اقتدار حاصل تھا، یہود اپنے ان حریفوں کے مقابلے میں متحد اور منظم نہیں تھے، ان کے مختلف قبیلوں میں پھوٹ تھی، کچھ قبیلے اوس کے ساتھ معاہدہ کیے ہوئے تھے، اور کچھ خزرج کے ساتھ تھے، لڑائی کے وقت وہ اپنے ہم مذہبوں کے مقابلے پر

---

(۱) مشہور مستشرق سیڈیو کی تحقیق ہے کہ اوس اور خزرج نے ۳۰۰ مسیحی میں یثرب کو اپنا وطن بنایا، ۴۹۲ء میں ان کا یثرب پر تسلط مکمل ہوگیا تھا۔ (تاریخ العرب العام ترجمہ عربی عادل زعیتر، ص ۵۱)

(۲) مکہ والمدینہ ص ۳۱۱

(۳) ایضاً۔ (۴) إمتاع الأسماع بما للرسول من الأبناء والأموال والحفدة والمتاع (علامہ تقی الدین احمد بن علی المقریزی) ج ۱، ص ۳۶۴

عربوں سے زیادہ سخت گیر واقع ہوئے تھے، قینقاع اور بنی نضیر قریظہ کی باہمی عداوت ہی کے نتیجے میں بنی قینقاع اپنے کھیت چھوڑ کر صنعت وحرفت اختیار کرنے پر مجبور ہوئے تھے(۱)۔

اسی طرح اوس وخزرج کے درمیان بھی بہت سی جنگیں ہوئیں، جن میں سے پہلی جنگ سمیر تھی، آخر جنگ بُعاث تھی، جو ہجرت سے ۵ سال پہلے ہوئی تھی (۲)، یہود اوس وخزرج کو باہم لڑانے کے لئے سازشیں کرتے اور اختلاف اور مقابلے کی آگ بھڑکاتے رہتے، تاکہ عرب ان کی طرف سے غافل رہیں، عرب بھی اس بات کو محسوس کرتے تھے، اس لئے ان کو ''ثعالب'' (لومڑی) کے لقب سے یاد کرتے تھے۔

اس سلسلے میں ابن ہشام نے ابن اسحاق کی روایت سے جو واقعہ لکھا ہے، اس سے اس پر خاصی روشنی پڑتی ہے، اس واقعہ میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ ایک کبیر السن یہودی شعث بن قیس نے ایک جگہ اوس وخزرج کو اسلام قبول کرنے کے بعد ایک مجلس میں بیٹھے لطف ومحبت کی باتیں کرتے ہوئے سنا، اس کو یہ منظر دیکھ کر سخت تکلیف ہوئی اور وہ برداشت نہ کرسکا، اس نے ایک یہودی نوجوان کو جس کے انصار سے تعلقات تھے، اشارہ کیا کہ وہ اس مجلس میں شریک ہوجائے، پھر کسی تقریب سے جنگ بعاث اور اس سے پہلے کی جنگوں کا ذکر چھیڑ دے اور ان موقعوں پر کہے ہوئے اشعار پڑھے، تاکہ دونوں قبیلوں کے زخمہائے کہن تازہ ہوجائیں اور حمیت جاہلیت اپنا رنگ دکھائے۔

یہ سازش بے نتیجہ نہیں رہی اور ان دونوں قبیلوں کی جو حریفوں اور دشمنوں کی طرح لڑتے تھے، رگ حمیت بھڑک اٹھی، قریب تھا کہ تلواریں میانوں سے نکل آئیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مہاجرین کے ساتھ تشریف لے آئے اور اپنے ارشادات سے ان کے ایمان کی چنگاری کو فروزاں اور ان کے دینی جذبہ کو بیدار کردیا، ان کو فوراً احساس ہوا کہ وہ ایک گہری سازش کا شکار ہوگئے، ان کی آنکھوں سے سیل اشک رواں ہوگیا، اوس وخزرج باہم بغل گیر ہوئے اور ایسا معلوم ہوا کہ کچھ نہیں ہوا تھا(۳)۔

طبعی اور جغرافیائی کیفیت

یثرب ہجرت نبوی کے وقت مختلف حصوں میں بٹا ہوا تھا، جن میں یہودی اور عرب قبائل رہتے تھے، اور ہر علاقہ کسی نہ کسی قبیلے کے حصہ میں تھا، ان علاقوں کی دو قسمیں تھیں، ایک قسم زراعتی زمینوں اور مکانات اور ان کے رہنے والوں پر مشتمل تھی، اور دوسری قسم میں ''آطام یا اطم (۴)'' یا

(۱) مکہ والمدینہ، ۳۲۲

(۲) فتح الباری، ج ۷، ص ۸۵، جنگ بُعاث کی تفصیلات اور اسباب ومحرکات کے لئے ملاحظہ ہو کامل ابن الاثیر۔

(۳) ملاحظہ ہو ابن ہشام، ج ۱، ص ۵۵۵-۵۵۶

(۴) ماخوذ از تاریخ الیہود فی بلاد العرب: اسرائیل ولفنسن، ۱۱۶۔

گڑھیاں اور قلعہ بند محلے تھے، یہود کی ان گڑھیوں (آطام) کی تعداد ۵۹ تھی (۱)، ڈاکٹر ولفنسن ان آطام (گڑھیوں) کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے:۔

''یثرب میں آطام (گڑھیوں) کی بڑی اہمیت تھی، جہاں دشمن کے حملے کے وقت قبیلے کے لوگ پناہ لیتے تھے، اور خاص طور پر عورتوں، بچوں اور معذور لوگوں کو اس وقت ٹھکانا ملتا تھا جب مرد لڑنے کے لئے چلے جاتے تھے، یہ گڑھیاں گودام کے طور پر بھی استعمال ہوتی تھیں جن میں غلہ اور پھل جمع کیے جاتے تھے، کیونکہ وہ کھلی جگہوں پر لوٹ اور غارت گری کا نشانہ بن سکتی تھیں، اس کے علاوہ ان میں مال اور ہتھیار بھی رکھے جاتے تھے یہ دستور تھا کہ سامان سے لدے ہوئے تجارتی قافلے گڑھیوں کے قریب ہی اترتے تھے، اور ان ہی گڑھیوں کے دروازوں پر بازار بھی لگتا تھا، خیال کیا جاتا ہے کہ ان گڑھیوں میں عبادت گاہیں اور ''مدارس'' (یہودی مدارس) بھی ہوتے تھے، اس لئے کہ جو عمدہ اور وافر سامان وہاں رہتا تھا اس سے اسی کا پتہ چلتا ہے، وہاں دینی کتابیں بھی رہتی تھیں چنانچہ وہاں بحث و مشورہ کے لئے یہودی سردار جمع ہوتے، جہاں وہ کسی اہم معاملے کو پختہ کرنے یا عہد و معاہدہ کے وقت کتب مقدسہ کی قسمیں کھاتے تھے'' (۲)

ڈاکٹر مذکور ''اطم'' کی تشریح کرتے ہوئے مزید لکھتا ہے:۔

''عبرانی زبان میں اس کے معنی بند اور مسدود کردینے کے ہوں گے، دیواروں کیساتھ جب یہ لفظ آتا ہے تو اس کے معنی ان کھڑکیوں کے ہوتے ہیں جو باہر سے بند مگر اندر سے کھولی جاسکتی ہوں، اس کا استعمال فصیل یا زبردست حفاظت دیوار کے لئے بھی ہوتا تھا، اس طرح ہم فرض کرسکتے ہیں کہ یہود ''اطم'' کو چھوٹے قلعہ کے معنی میں استعمال کرتے تھے، اس میں باہر سے روشندان ہوتے تھے، جو باہر سے بند اور اندر سے کھولے جاتے تھے'' (۳)

یثرب ان ہی محلوں اور قلعہ بندیوں کا نام تھا جو دراصل قریب قریب کی بستیوں کا مجموعہ تھا، جن سے شہر بن گیا تھا، قرآن نے بھی اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔

مَآاَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰی رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰی (سورہ حشر:۷)

---

(۱) وفاء الوفاء فی اخبار دار المصطفیٰ للسمهودی۔۱/۱۱۶

(۲) الیهود فی بلاد العرب،۱۱۶۔۱۱۷۔

(۳) ایضاً،۱۷۷

جو کچھ دیا اللہ نے اپنے رسول کو بستیوں والوں سے۔

نیز دوسری جگہ فرمایا گیا:۔

لَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ جَمِيْعًا اِلَّا فِيْ قُرًى مُّحَصَّنَةٍ اَوْ مِنْ وَّرَآءِ جُدُرٍ (سورۂ حشر: ۱۴)

وہ تم سے اکٹھے نہیں لڑتے مگر یہ کہ قلعہ بند بستیوں میں یا دیواروں کے پیچھے ہوں۔

مدینہ طیبہ میں حرات کی بھی بڑی اہمیت تھی، حرۂ لابہ(۱) جلے ہوئے سیاہ پتھروں کے اس علاقہ کو کہتے ہیں جن کو آتشیں سیال مادہ نے ایک دوسرے سے جوڑ دیا ہے اور جو بالکل بے ترتیب اور سخت نو کیلے اور آڑے ترچھے میلوں کی مسافت میں پھیلے ہوئے ہیں، ان پر نہ پیدل چلنا آسان ہے اور نہ اونٹوں اور گھوڑوں کا گذرنا، مدینہ کے دو حرے مشہور ہیں، ایک جانب مغرب جس کو ''حرۃ الوبرۃ'' کہتے ہیں اور ایک جانب مشرق جو ''حرۃ واقم' کے نام سے مشہور ہے، علامہ مجدالدین فیروزآزادی نے اپنی کتاب ''المغانم المطابة فی معالم طابة'' میں متعدد حرات کا ذکر کیا ہے، جو مدینے کے گرد پھیلے ہوئے ہیں (۲)، ان دونوں حرات (حرۃ الوبرۃ اور حرہ واقم) نے مدینہ کو ایک قلعہ بند شہر بنادیا ہے، جس پر صرف شمالی جانب سے فوج کشی ہوسکتی تھی، (اور یہی وہ جانب ہے جس کو غزوۂ احزاب میں خندق کھود کر محفوظ کردیا گیا تھا) جنوبی جانب گھنے نخلستانوں اور باغات اور گنجان آبادی کے ایک دوسرے سے ملے ہوئے مکانات سے ایسی گھری ہوئی ہے کہ ادھر سے بھی بیرونی حملہ مشکل ہے، ہجرت کے لئے مدینہ کے انتخاب میں مدینے کے اس قدرتی استحکام اور فوجی خصوصیت کو بھی دخل تھا (۳)۔

حرۂ واقم جو مدینہ کے مشرق میں تھا وہ حرۃ الوبرہ سے زیادہ آباد تھا، جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یثرب کو ہجرت فرمائی تو حرۂ واقم میں یہود کے اہم قبائل جیسے بنونضیر و بنوقریظہ وغیرہ رہتے تھے، ان کے ساتھ اوس کی اہم شاخیں بنوعبدالاشہل، بنوظفر، بنوحارثہ، بنومعاویہ بھی وہیں مقیم تھے، واقم بن الاشہل ہی کے علاقے میں تھا، جس کے نام پر حرۂ واقم تھا (۴)۔

دینی حالت اور معاشرتی حیثیت

مدینہ کی عرب آبادی بیشتر معاملات میں قریش ہی کے تابع رہتی تھی، اور اہل مکہ قریش کو کعبہ

(۱) لابہ اور لاوا (LAVA) متقارب الصوت اور متقارب المعنی الفظ ہیں، یہ اس آتش گیر مادہ کو کہتے ہیں جو کسی کوہ آتش فشاں سے یا طبقات الارض کی کسی تبدیلی سے اُبل کر بہتا ہے۔

(۲) ملاحظہ ہو ص ۱۰۸۔۱۱۴

(۳) تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو کتاب کا باب ''یثرب کی خصوصیات''

(۴) منزل الوحی للدکتور محمد حسین ہیکل، ص ۵۷۷

کا متولی، دینی رہنما اور عقیدہ وعمل میں لائق تقلید مثال سمجھتے تھے، وہ جزیرۃ العرب میں پھیلی ہوئی بت پرستی کے تو تابع تھے ہی لیکن خاص طور پر انہی بتوں کو پوجتے تھے، جنھیں قریش اور اہل حجاز پوجتے تھے، الا یہ کہ بعض قبائل کی بعض علاقائی بتوں سے زیادہ وابستگی تھی، اس طرح مناۃ اہل مدینہ کا سب سے محبوب اور پرانا بت تھا اور اوس وخزرج اس کو مقدس ترین سمجھتے تھے، اور اسے خدا کا شریک ٹھہراتے تھے، یہ بت جبل قدید کے مقابل مشلل کے مقام پر واقع تھا، جو ساحل کی طرف مکہ اور مدینہ کے درمیان ہے ''لات'' اہل طائف کا محبوب بت تھا، عزیٰ اہل مکہ کا قومی بت تھا، اس لئے ان شہروں کے لوگ اپنے اپنے ان بتوں سے جذباتی تعلق رکھتے تھے، اہل مدینہ میں سے جو کوئی لکڑی یا کسی چیز کا بت اپنے گھر میں رکھتا تو اسے ''مناۃ'' ہی کے نام سے پکارتا جیسا کہ بنی سلمہ کے ایک سردار عمرو بن الجموح نے اسلام لانے سے پہلے بنا رکھا تھا (۱)۔

امام احمدؒ نے عروہؒ کے حوالے سے حضرت عائشہؓ سے ''اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ'' (۲) الآیہ کی تفسیر میں نقل کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا ''انصار اسلام لانے سے پہلے مناۃ کے نام پر تلبیہ پڑھتے تھے، اور جس کی وہ مشلل کے پاس پوجا کرتے تھے، اور اس کے نام پر حج شروع کرنے والا صفا ومروہ کی سعی صحیح نہیں سمجھتا تھا (۳)، جب لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں پوچھتے ہوئے کہا کہ یارسول اللہ ہم زمانہ جاہلیت میں صفا ومروہ کے طواف میں حرج سمجھتے تھے، تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی ''اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ'' الآیہ.

ہم مدینہ میں کسی اور بت کے بارے میں نہیں جانتے کہ وہ لات ومناۃ یا عزیٰ وہبل کی طرح مشہور رہا ہو اور لوگ اس کی عبادت کرتے اور اس کے لئے مدینہ کے باہر سے آتے ہوں، کچھ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ مکہ کی طرح مدینہ میں بتوں کی کثرت نہ تھی، اس لئے کہ مکہ کے ہر گھر میں ایک خاص بت ہوتا تھا، مکہ میں بتوں کو لوگ پھیری میں لے کر نکلتے اور بیچتے تھے، بہر حال مکہ بت پرستی میں مقتدیٰ اور رہنما کی حیثیت رکھتا تھا، اور مدینے کی حیثیت ذیلی تھی۔

اہل مدینہ سال کے دو دنوں میں کھیل کود کا تیوہار مناتے تھے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ تشریف لائے تو اہل مدینہ سے فرمایا ''قد أبدلكم الله تعالىٰ بهما خيراً منهما يوم الفطر

---

(۱) ماخوذ از ''بلوغ الارب فی معرفة احوال العرب'' از علامہ محمود شکری الآلوسی، ۱/۳۴۶-۲/۲۰۸

(۲) سورۂ بقرہ۔۱۵۸

(۳) اس میں صحابہ سے اور کئی روایتیں بھی منقول ہیں۔

والأضحى (۱)''۔(اللہ تعالیٰ نے تمہیں ان دودنوں سے بہتر دن عطا کیے ہیں، یوم فطر اور عیدالاضحیٰ) بعض شارحین حدیث نے ان دونوں کے متعلق بتایا ہے وہ نوروز اور مہرجان کے دن تھے، جنھیں شاید ان لوگوں نے اہل ایران سے لیا تھا(۲)۔

اوس وخزرج کی شرافت نسب کا اعتراف قریش کو بھی تھا، جو عرب عاربہ سے تعلق رکھنے والے بنوقحطان کی شاخ میں سے تھے، قریش ان سے شادی بیاہ کا تعلق بھی رکھتے تھے، چنانچہ سید قریش ہاشم بن عبد مناف نے بنی النجار میں شادی کی تھی، ان کی شادی سلمیٰ بن عمرو بن زید سے ہوئی تھی، جو بنی عدی بن النجار سے تھیں، جو خزرج کی ایک شاخ ہے، اس کے باوجود قریش اپنے کو مدینہ کے عرب قبائل سے برتر سمجھتے تھے، غزوۂ بدر کے دن جب عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ اور ولید بن عتبہ نے مسلمانوں کو دعوت مبارزت دی اور ان کے مقابلے پر انصار کے کچھ نوجوان نکلے تو انھوں نے پوچھا کہ تم کون ہو؟ انھوں نے جواب دیا کہ ہم انصار ہیں، تو انھوں نے کہا کہ ہمیں تم سے مطلب نہیں، پھر ان میں سے ایک آدمی نے آواز دی کہ اے محمدؐ، ہمارے مقابلے پر ہمارے ہم قوم اور ہمارے ہمسر افراد بھیجیے، اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عبیدہ بن الحارث! تم بڑھو، حمزہ تم بڑھو، علی تم کھڑے ہو، تو جب یہ لوگ ان کے قریب گئے اور اپنے نام بتائے تو قریش نے کہا ہاں یہ شریف ہمارے جوڑ کے ہیں(۳)۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ قریش کاشت کاری کو (جس کے اہل مدینہ اپنے علاقائی حالات کی وجہ سے عادی تھے) کس قدر حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے، اس کا اظہار ابوجہل کے اس جملے سے بھی ہوتا ہے جسے عفراء کے دو انصاری لڑکوں نے قتل کیا تھا، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے اس نے جاں کنی کے عالم میں کہا ''لو غیر أکّارٍ قتلني (۴)'' (کاش ایک کسان کے علاوہ کسی نے مجھے قتل کیا ہوتا)۔

اقتصادی اور تمدنی حالت

مدینہ اپنی زمین کی نوعیت کے لحاظ سے ایک زرعی علاقہ تھا، اس لئے اس کے باشندوں کا

(۱) صحیحین

(۲) بلوغ الارب

(۳) ابن ہشام، ج۱، ص ۶۲۵

(۴) علامہ محمد بن طاہر پٹنی نے ''مجمع البحار'' میں اس کے معنی کسان اور کاشت کار دیے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ وہ اہل عرب کے نزدیک کم درجہ کا پیشہ ہے، ابوجہل کا مطلب یہ تھا کہ عفراء کے لڑکے کسان ہیں، اسلئے اگر کسی اور نے قتل کیا ہوتا تو یہ عار نہ لگتا۔ ج۱ ص ۶۸

انحصار زراعت اور باغبانی ہی پر تھا، اس کی اہم پیداواروں میں کھجوریں اور انگور تھے، کیونکہ وہاں ان کے بہت سے باغ تھے (۱)، جن میں بہت سے گٹھلیوں والے اور بہت سے بے گٹھلی کے تھے، اور کھیتیاں اور کھجور کے درخت دو تنے کے اور ایک تنے کے ہوتے تھے (۲)۔

کھیتی میں مختلف غلے اور سبزیاں ہوتی تھیں، کھجوریں قحط اور خشک سالی کے وقت لوگوں کو بیشتر غذائی ضرورت پوری کرتی تھیں، اور ضرورت کے وقت سکہ کی طرح ان سے بیع وشراء میں مدد لی جاتی تھی، اس طرح کھجور کے باغ اہل مدینہ کی زندگی میں بڑے خیر و برکت کا سرمایہ تھے ان سے وہ غذا بھی حاصل کرتے اور صنعت و تعمیرات اور ایندھن اور جانوروں کو کھلانے کے کام میں بھی لاتے تھے (۳)۔

مدینے کے کھجوروں کی بہت سی قسمیں تھیں، جن کا احاطہ مشکل ہے (۴)، اہل مدینہ کو طویل تجربے سے کھجوروں کی پیداوار کی افزائش اور عمدگی کے بہت سے طریقے معلوم تھے، جن میں سے نر و مادہ کی تمیز اور ان کے زیروں کا استعمال بھی تھا جس کو "تابیر" کے لفظ سے تعبیر کرتے تھے (۵)۔

باغبانی اور زراعت کا مطلب یہ نہیں کہ مدینہ میں کوئی تجارتی سرگرمی تھی ہی نہیں، البتہ مکہ کی طرح اس کی گرم بازاری نہ تھی، کیونکہ بے آب و گیاہ وادی مکہ کے لوگوں کا انحصار قدرتی طور پر تجارت اور موسم سرما و گرما کے تجارتی سفر پر تھا۔

مدینہ کی بعض صنعتیں یہودیوں ہی کے ساتھ مخصوص تھیں جنھیں شاید وہ یمن سے لائے تھے، بنی قینقاع کے لوگ عام طور پر سناری اور زرگری کا پیشہ کرتے تھے، اور یہود مدینہ میں سب سے زیادہ مال دار تھے، ان کے گھر مال و دولت اور سونے چاندی سے بھرے ہوئے تھے (۶)۔

---

(۱) بیرحاء کے بارے میں ابوطلحہؓ کی حدیث ملاحظہ کریں جسے شیخین نے روایت کیا ہے۔

احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مدینہ میں ایسے گھنے باغ بھی تھے کہ گوریا (کنجشک) جیسی چھوٹی چڑیا بھی گھس کر نکل نہیں پاتی تھی، ابوطلحہ انصاریؓ کے قصے میں کہ وہ اپنے باغ میں نماز پڑھ رہے تھے کہ اتنے میں ایک گوریا باغ سے نکلنے کے لئے اِدھر اُدھر اڑنے لگی، چنانچہ اس عجیب منظر کو دیکھ کر وہ کچھ دیر تک دیکھتے رہے، اسی قصے میں آگے ہے کہ اس غفلت کی وجہ سے انھوں نے اس باغ کو صدقہ کردیا (ملاحظہ ہو مؤطا امام مالکؒ)

(۲) ملاحظہ ہو سورۃ الانعام، ۱۴۱۔ اور الرعد ۴۔

(۳) ملاحظہ ہو بخاری کتاب العلم (باب طرح الامام المسألة على الناس ليختبر ماعندهم من العلم) اور اس کی شرح ابن حجر کی "فتح الباری" یا عینی کی "عمدة القاری" میں ملاحظہ ہو

(۴) کھجور سے متعلق عربی میں الفاظ کا جو وسیع ذخیرہ پایا جاتا ہے، اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ عربوں کی زندگی میں عموماً اور اہل مدینہ کی زندگی میں خصوصاً کھجور کو کیسی اہمیت و مرکزیت حاصل تھی، مثال کے طور پر ابن قتیبہ کی "ادب الکاتب" ثعالبی کی "فقه اللغة" اور ابن سیدہ کی "المخصص" ملاحظہ ہوں، بہت سے اہل علم نے کھجور پر مستقل کتابیں لکھی ہیں۔

(۵) تابیر کا مطلب مادہ کھجور کے خوشوں کو چیر کر نر کھجور کے زیرے ڈالنے کے ہیں (شرح مسلم للنووی)

(۶) اليهود فی بلاد العرب، ص ۱۲۸

مدینہ کی زمین آتش فشاں علاقوں (حرّات) کی موجودگی کی وجہ سے بہت زیادہ زرخیز واقع ہوئی ہے، جس کی وادیوں میں سیلاب کا پانی خوب بہتا ہے، اور زمینوں کے ساتھ کھیتوں اور باغوں کو بھی سیراب اور شاداب کرتا جاتا ہے، ان میں سب سے مشہور وادی عقیق تھی، جو مدینے کی تفریح گاہ تھی، اس میں پانی بافراط رہتا تھا، اور باغوں کی کثرت تھی، مدینے کی زمین کنویں کھودنے کے لئے بھی بہتر تھی، جن کا باغات میں عام رواج تھا۔

باغات کے گرد چہار دیواری بھی ہوتی تھی، ایسے باغ کو اہل مدینہ حائط کہتے تھے (۱)، اسی طرح مدینے کے بہت سے کنویں اپنے پانی کی فراوانی وشیرینی کے لئے مشہور تھے، وہاں نہریں اور رہٹ کا نظام بھی تھا، جس کے ذریعہ وہ اپنے باغوں تک پانی پہنچاتے تھے (۲)۔

غلوں میں اولیت جو اور پھر گیہوں کو حاصل تھی، اور سبزیوں اور ترکاریوں کی تو بہتات تھی، کھیتی کے معاملات کی کئی قسمیں تھیں، مثلاً مزابنہ، محاقلہ، مخابرہ، معاومۃ (۳)، ان شکلوں میں سے بعض کو اسلام نے باقی رکھا اور بعض کو منع کر دیا یا اس کی اصلاح کر دی۔

مکہ اور مدینہ میں جو سکے رائج تھے، وہ ایک ہی تھے اور ہم ان کا تفصیل سے مکہ کے سلسلہ میں ذکر کر چکے ہیں، اہل مکہ کے مقابلے میں اہل مدینہ کو ناپ تول کے پیمانوں سے زیادہ واسطہ پڑتا تھا، کیونکہ وہاں کے باشندوں کا سرمایہ غلے اور پھل ہی تھے، مدینے میں استعمال ہونے والے پیمانے یہ تھے "مد، صاع، فرق، عرق، وسق" (۴)، وزن کے لئے یہ چیزیں تھیں، درہم، شقاق، دانق، قیراط، نواۃ، رطل، قنطار، اور اوقیہ (۵)۔

---

(۱) صحیح بخاری (کتاب المغازی) میں کعبؓ بن مالک کی ابتلاء کا واقعہ دیکھئے جس میں آیا ہے کہ "جب مجھ پر لوگوں کی سختی اور بے اعتنائی بڑھ گئی تو میں حائط ابی قتادہ کی دیوار پر چڑھا جو میرا چچیرا بھائی تھا الخ

(۲) ابو ہریرہؓ کی وہ حدیث پڑھیں جسے مسلم نے روایت کیا ہے، اور جس میں ایک باغ کے سیراب کرنے کا ذکر آیا ہے، اور اسی میں "شراج" (پانی کی نالیاں) اور "مسحاۃ" (پھاوڑے) سے آب رسانی کا بھی ذکر ہے۔

(۳) صحاح میں حرث ومزارعہ کے ابواب دیکھئے، مزابنہ درخت میں لگی ہوئی کھجوروں کو نقد کھجوروں سے بیچنے کو کہتے ہیں، محاقلہ خوشوں میں لگے ہوئے غلے کو نقد غلے یعنی جو کو جو کے بدلے اور گیہوں کو گیہوں کے بدلے تول کر لینے کو کہتے ہیں، مخابرۃ اور مزارعہ کچھ یکساں ہیں، یہ زمین کی پیداوار کی تہائی یا چوتھائی پر معاملہ کرنے کو کہتے ہیں، لیکن مزارعۃ میں بیج مالک کے ہوتے ہیں، اور مخابرۃ میں بیج کاشتکار کے، اہل لغت کی ایک جماعت کا کہنا ہے کہ وہ ایک ہی ہیں، مزارعۃ ومخابرہ کی صحت میں خلف وسلف کا اختلاف مشہور ہے، (ماخوذ از شرح مسلم للنووی) معاومۃ کئی سال کی فصلوں کو بیچ دینے کو کہا جاتا ہے، جیسے درخت کے پھل دو تین سال یا زیادہ کے لئے بیچ دیئے جائیں۔

(۴، ۵) تفصیل کے لئے حدیث اور خلافات کی کتابیں دیکھیں اور اوزان کے لئے دیکھیں "التراتیب الادارية"، ۱/۴۱۵

مدینہ اپنی زرخیزی کے باوجود غذائی طور پر خود کفیل نہ تھا، اس لئے وہاں کے باشندے باہر سے بھی غذائی اشیاء درآمد کرتے تھے، وہ میدہ کا آٹا، گھی، اور شہد شام سے لاتے تھے، جیسا کہ ترمذی نے قتادہ بن نعمانؓ سے روایت کیا ہے، جس میں آیا ہے کہ مدینے کے لوگوں کی غذا کھجوریں اور جو تھے، اور جب آدمی خوشحال ہوتا تو جب شام سے ضافط (۱) (تاجر) میدہ (۲) لے کر آتا تو اس سے اپنے لئے وہ چیزیں خرید لیتا لیکن اہل وعیال کھجوریں اور جو ہی کھاتے تھے (۳)، یہ قصہ مدینہ کی غذائی صورت حال اور معیار زندگی کے اختلاف پر کافی روشنی ڈالتا ہے، جو ہجرت کے بعد اچانک سامنے نہیں آ گئی تھی۔

یہود جن کی فطرت اور تاریخ ہر جگہ یکساں رہی ہے، مدینہ میں بھی عربوں سے زیادہ مالدار واقع ہوئے تھے، عرب اپنے بدوی اور قومی مزاج کی وجہ سے مستقبل کے بارے میں زیادہ سوچنے کے عادی نہ تھے، کہ اس کے لئے مال جمع کرنے کی فکر کرتے، اس کے ساتھ ہی وہ مہمان نواز اور فیاض بھی تھے، اس وجہ سے یہود سے قرض لینے پر مجبور ہو جاتے تھے، اور یہ قرض اکثر سودی یا رہنی ہوتا تھا۔

اہل مدینہ کے پاس اونٹ گائیں، اور بکریاں بھی تھیں، اونٹ کو زمین کی سینچائی کے لئے بھی استعمال کرتے تھے، اور ایسے اونٹوں کو الابل النواضح کہتے تھے، ان کے پاس چراگاہیں بھی تھیں، جن میں مشہور ''زغابہ'' اور ''غابہ'' تھیں، جہاں سے لوگ لکڑیاں بھی حاصل کرتے اور مویشیوں کو چراتے بھی تھے (۴)، گھوڑوں کو وہ جنگوں میں استعمال کرتے تھے، اگرچہ وہ مکے کی بہ نسبت کم تعداد میں پائے جاتے تھے، بنو سلیم گھوڑوں کے لئے مشہور تھے، جنھیں وہ باہر سے درآمد کرتے تھے۔

مدینے میں کئی بازار بھی تھے، جن میں سب سے اہم، سوق بنی قینقاع تھا، جو سونے اور چاندی کے زیورات و مصنوعات اور کپڑے والوں کا خاص بازار تھا، اس وقت مدینہ میں سوتی اور ریشمی کپڑے، رنگین غالیچے اور منقش پردے (۵) عام طور پر موجود تھے، عطر فروش مختلف قسم کے عطر اور مشک فروخت کرتے تھے،

---

(۱) ضافط کے متعلق علامہ محمد طاہر پٹنی کہتے ہیں، ضافط اور ضفاط اسے کہا جاتا تھا جو مال واسباب شہروں تک پہونچاتا تھا، یہ نبطی قوم کے افراد ہوتے تھے، جو مدینے تک آٹا، تیل وغیرہ پہونچاتے تھے، (مجمع البحار ۳/ ۴۱۰ طبع حیدرآباد)

(۲) یہاں درمک کا لفظ آیا ہے، جو سفید میدے کو کہتے ہیں، اس کا واحد درمکہ ہے

(۳) ملاحظہ ہو آیت "وَلَا تُجَادِلُ عَنِ الَّذِيْنَ يَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَهُمْ ، اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ خَوَّانًا اَثِيْمًا" کی تفسیر ترمذی میں۔ (سورۃ النساء ۱۰۷)

(۴) یاقوت حموی کی "معجم البلدان" اور سمہودی کی "وفاء الوفاء" ملاحظہ ہو

(۵) حضرت عائشہؓ کی حدیث ملاحظہ ہو، جسے شیخین نے روایت کیا ہے، اس میں قرام کا ذکر آیا ہے، قرام کے بارے میں علامہ پٹنی کہتے ہیں کہ وہ باریک پردہ یا کئی رنگوں کی اون کی چادر یا وہ پردہ ہوتا ہے جو حجلۂ عروسی میں لگتا ہے کہا جاتا ہے کہ وہ مزین و منقش بھی ہوتا ہے) مجمع بحار الانوار ۴/ ۲۵۸)

اسی طرح عنبر اور پارے (۱) کے تاجر بھی پائے جاتے تھے، خرید وفروخت کی بہت سی قسموں میں سے بعض کو اسلام نے باقی رکھا، اور بعض کو روک دیا، جیسے نجش واحتکار، تلقی الرکبان، بیع المصرّاۃ (جانوروں کے تھن میں دودھ محفوظ کر کے بیچنا) بیع نسیئہ بیع الحاضر للبادی، بیع المجازفہ، بیع المزابنہ، اور مخاضرۃ (۲)، اوس وخزرج کے کچھ لوگ بھی سودی کاروبار کرنے لگے تھے، مگر وہ یہود کی نسبت بہت ہی کم تھا۔

مدینے کی تمدنی زندگی میں وہاں کے باشندوں کے مزاج وخوش مذاقی کے سبب خاصی ترقی ہو چلی تھی، چنانچہ دومنزل مکان بننے لگے تھے (۳)

بعض گھروں کے ساتھ پائین باغ بھی تھے، وہ میٹھے پانی کے عادی تھے، جسے انھیں کبھی دور سے بھی لانا پڑتا تھا، بیٹھنے کے لئے کرسی کا استعمال بھی ہوتا تھا (۴) شیشے اور پتھر کے پیالے اور آبخورے استعمال میں آتے تھے، اور مختلف قسم کے چراغ استعمال ہوتے تھے (۵)، گھر اور کھیت کے کاموں میں چھوٹی ٹوکریاں اور زنبیلیں کام میں لائی جاتی تھیں، مال داروں خصوصاً یہود کے گھروں میں خاصا فرنیچر پایا جاتا تھا، قسم قسم کے زیورات بھی استعمال ہوتے تھے جیسے کنگن اور بازوبند، پازیب اور کڑے، کان کے بندے اور بالیاں، انگوٹھیاں اور سونے یا یمنی دانوں کے ہار وغیرہ (۶)۔

عورتوں میں بننے اور کاتنے کا عام رواج تھا، اور سلائی، رنگائی، معماری اور خشت سازی اور سنگ تراشی ان صنعتوں میں تھیں جو ہجرت سے بہت پہلے ہی مدینہ میں معروف تھیں۔

یثرب کا پیچیدہ اور ترقی یافتہ معاشرہ

اس طرح یہ بات آسانی سے سمجھ میں آجاتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مہاجرین نے مکہ سے یثرب نام کے کسی گاؤں کی طرف سفر نہیں کیا تھا، بلکہ وہ حضرات ایک شہر سے دوسرے شہر کی طرف منتقل ہوئے تھے، اگرچہ یہ دوسرا شہر پہلے شہر کے مقابلے میں زندگی کے بہت سے مظاہر میں مختلف تھا، اور نسبتاً مکہ سے کچھ چھوٹا بھی تھا، لیکن وہاں کی زندگی پیچیدگی میں مکہ سے بھی بڑھی ہوئی تھی،

---

(۱) التراتیب الاداریۃ ، ۱/۹۷

(۲) کتب حدیث وفقہ کے ابواب بیع اور "مجمع بحار الانوار" ملاحظہ ہوں، جہاں ان لفظوں کی شرح اور انکی حلت وحرمت کے احکام ملیں گے

(۳) ملاحظہ ہو حدیث ہجرت اور حضرت ابوایوب انصاریؓ کے مکان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قیام فرمانے کا واقعہ۔

(۴) التراتیب الاداریہ، ۱/۹۷

(۵) ایضاً ص ۱۰۴

(۶) واقعۂ افک میں حضرت عائشہؓ کی حدیث ملاحظہ ہو، جسے بخاری نے کتاب المغازی میں نقل کیا ہے، اس میں "جزع" کا لفظ ہے جو سیاہ سفید رنگ کے دانوں کو کہتے ہیں۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیش آنے والے مسائل مختلف نوعیت کے تھے، کیونکہ وہاں کئی مذاہب اور معاشرے اور ثقافتیں موجود تھیں جن پر قابو پانے اور مدینہ کو ایک عقیدے اور ایک دین کے رنگ میں رنگنے کا کام موید من اللہ رسول ہی کر سکتا تھا، جسے اللہ نے حکمت وبصیرت اور قوت فیصلہ اور انسانیت کے بکھرے شیرازے کو جمع کرنے اور متحارب قوتوں اور نظریوں کو ہدایت اور تعمیر انسانیت کے کام میں ایک دوسرے کا مددگار بنانے کی غیر معمولی صلاحیت سے نوازا تھا، اور جسے ایک دلکش شخصیت عطا کی تھی، اللہ تعالیٰ نے کتنا صحیح کہا ہے کہ:۔

هُوَالَّذِیٓ اَیَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَبِالْمُؤْمِنِیْنَ، وَاَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِهِمْ ،لَوْاَنْفَقْتَ مَافِی الْاَرْضِ جَمِیْعاً مَّآ اَلَّفْتَ بَیْنَ قُلُوْبِهِمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَیْنَهُمْ، اِنَّهٗ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ (سورۃ الانفال ۔ ۶۲،۶۳)

وہی ہے جس نے اپنی مدد اور مسلمانوں کے ذریعہ آپ کی پشت پناہی کی اور ان کے دل ملا دیئے کہ اگر آپ دنیا کی ساری دولت بھی خرچ کر دیتے تب بھی ان کے دلوں کو نہیں جوڑ سکتے تھے، لیکن اللہ ہی نے ان میں جوڑ اور اتفاق پیدا کر دیا، وہ غالب اور حکمت والا ہے۔

مدینہ میں

مدینہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا استقبال کس طرح کیا؟

انصار کو یہ اطلاع ہوگئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے روانہ ہو چکے ہیں، چنانچہ انھوں نے اپنا یہ معمول بنالیا کہ روزانہ فجر کی نماز کے بعد شہر کے آخری کنارہ پر پہونچ جاتے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتظار شروع کر دیتے، اور اس وقت تک وہاں سے نہ ہٹتے جب تک کہ دھوپ بہت تیز اور نا قابل برداشت نہ ہو جاتی اور وہ سائے کی پناہ لینے پر مجبور ہوتے، اس وقت وہ اپنے اپنے گھروں میں چلے جاتے، یہ گرمی کا موسم اور سخت تپش کا زمانہ تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس وقت مدینہ تشریف لائے اس وقت انصار انتظار کے بعد اپنے گھروں میں جا چکے تھے، سب سے پہلے آپ پر ایک یہودی کی نظر پڑی، یہودی، انصار کو روز یہ سب کرتے دیکھتے تھے، آپ کو دیکھ کر اس نے بہت زور سے آواز لگائی، اور انصار کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کی اطلاع دی، وہ سب یہ سنتے ہی نکل پڑے اور دیکھا کہ حضورؐ ایک کھجور کے درخت کے نیچے تشریف فرما ہیں، اور آپ کے ساتھ حضرت ابوبکرؓ ہیں جو آپ ہی کے ہم عمر معلوم ہو رہے تھے، ان میں سے اکثر لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس سے پہلے زیارت نہیں کی تھی، اس لئے ان لوگوں نے اپنے ذوق وشوق میں دونوں کو گھیر لیا اور ہجوم بڑھنے لگا، حضرت ابوبکرؓ نے یہ محسوس کرلیا کہ لوگ یہ نہیں سمجھ پا رہے ہیں کہ ان میں مخدوم کون ہے، اور خادم کون؟ چنانچہ انھوں نے ایک چادر لے کر حضورؐ کے سر پر سایہ کرلیا، اور اس سے یہ شبہ زائل ہوگیا (۱)۔

تقریباً پانچ سو انصاریوں نے اس مبارک قافلہ کا استقبال کیا اور آخر میں ادب کے ساتھ عرض کیا حضور! تشریف لے چلیں، آپ ہر طرح مامون ومحفوظ ہیں، اور آپ کی ہر بات میں اطاعت کی جائے گی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے رفیق سفر اس قافلہ کے جلو میں روانہ ہوئے، اور ادھر سارا مدینہ آپؐ کے استقبال اور خوش آمدید کے لئے نکل کھڑا ہوا، خواتین کوٹھوں کی چھتوں سے

---

(۱) سیرۃ ابن ہشام، ص ۴۹۲

نئے قافلے کو دیکھ رہی تھیں اور ایک دوسرے سے کہتی تھیں کہ دیکھو، ان میں حضورؐ کون ہیں؟ حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ پھر ہم نے کبھی ایسا نظارہ نہیں دیکھا (۱)۔

لوگ راستوں اور گزرگاہوں پر اور مکانوں کی چھتوں، کھڑکیوں اور دروازوں پر جمع ہو گئے تھے، لڑکے اور نوکر خدمت گار ہر طرف کہتے تھے، اللّٰہ أکبر جاء رسول اللّٰہ، اللّٰہ أکبر جاء محمد ،اللّٰہ أکبر جاء محمد، اللّٰہ أکبر جاء رسول اللّٰہ (اللہ اکبر، رسول اللہ تشریف لے آئے، اللہ اکبر محمد تشریف لائے، اللہ اکبر، رسول اللہ تشریف لے آئے)۔(۲)

براء بن عازبؓ جو اس وقت کم سن تھے، بیان کرتے ہیں کہ میں نے اہل مدینہ کو کسی چیز سے اتنا خوش ہوتے نہیں دیکھا جتنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد سے، لونڈیاں تک پکارتی پھر رہی تھیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے (۳)۔

مسلمانوں نے آپ کی آمد سے خوش ہو کر جوش و مسرّت کے ساتھ نعرۂ تکبیر بلند کیا کہ اس سے بڑھ کر ان کے لئے کوئی مسرّت نہ ہو سکتی تھی۔

ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے مدینہ اس وقت مسکرا اور فخر و مسرت سے اٹھلا رہا ہو، انصار کی بچیاں بڑے سرور و مستی کے عالم میں یہ اشعار پڑھتی تھیں (۴)۔

طَلع البدر علینا	من ثنیات الوداع
وجب الشکر علینا	مادعا للّٰہ داع
أیھا المبعوث فینا	جئت بالأمر المطاع(۵)

---

(۱) امام احمد بروایت انس ابن مالکؓ (ابن کثیر، ج۲، ص ۲۶۹)

(۲) صحیح بخاری و مسلم بطریق اسرائیلؒ بروایت ابوبکر رضی اللہ عنہ (حدیث ہجرت)۔

(۳) صحیح بخاری (باب مقدم النبی صلی اللہ علیہ وسلم واصحابہ الی المدینہ)

(۴) ابن کثیر، ج۲، ص ۲۶۹، بیہقی بروایت عائشہؓ

(۵) حافظ ابن قیم نے زاد المعاد میں اس موقع پر ایک علمی بحث پیدا کر دی ہے، وہ کہتے ہیں کہ ثنیۃ الوداع جس کا ذکر ان اشعار میں آیا ہے مکہ سے مدینے آنے والے کے راستہ میں (جو جنوب سے شمال کی طرف آتا ہے) نہیں پڑتا ہے، اس لئے کہ ثنیۃ الوداع شام جانے والے یا شام سے آنے والے کے راستہ میں واقع ہے ان کی تحقیق ہے کہ یہ اشعار اس موقع پر پڑھے گئے، جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تبوک سے بڑی عزّت و کامرانی کے ساتھ واپس تشریف لا رہے تھے، خود صحیح بخاری میں غزوۂ تبوک کی واپسی پر ثنیۃ الوداع کا ذکر کیا گیا ہے۔

لیکن عام طور پر اہل سیر جن میں سیرت کے قدیم مصنفین بھی شامل ہیں، ان اشعار کو مکہ سے تشریف آوری کے موقع پر نقل کرتے ہیں، راقم نے بعض ایسے حضرات سے دریافت کیا جو مدینے کے گلی کوچہ سے واقف تھے، انھوں نے کہا کہ مکہ سے آنے والا بھی یہ راستہ اختیار کر سکتا ہے، اور ہجرت جن حالات میں پیش آئی............ (بقیہ اگلے صفحہ پر)

ترجمہ: ۱۔ پہاڑے کے اس موڑ سے جہاں سے قافلے رخصت کیے جاتے ہیں، آج چودھویں کا چاند نکل آیا ہے۔

۲۔ جب تک دنیا میں اللہ کا نام لینے والا بھی رہے گا، ہم پر شکر ادا کرنا واجب رہے گا۔

۳۔ اے وہ ذات پاک جس کو ہمارے درمیان بھیجا گیا ہے آپ واجب الاطاعت حکم لے کر آئے ہیں۔

انس ابن مالکؓ انصاری، جو اس وقت کم عمر تھے، کہتے ہیں کہ جس دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے ہیں، میں حاضر تھا، واقعہ یہ ہے کہ میں نے کوئی دن اس سے زیادہ حسین اور روشن نہیں دیکھا جس دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے ہاں (مدینہ) تشریف لائے (۱)

مسجد قباء اور مدینہ کا پہلا جمعہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ''قباء'' میں چار روز قیام فرمایا اور ایک مسجد کی بنیاد رکھی، جمعہ کے روز آپ وہاں سے آگے روانہ ہوئے، جمعہ بنی سالم بن عوف کی برادری میں پڑا، چنانچہ جمعہ کی نماز آپ نے ان ہی کی مسجد میں ادا کی، جمعہ کی یہ پہلی نماز تھی، جو آپ نے مدینہ میں پڑھی (۲)۔

ابوایوب انصاریؓ کے گھر میں

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شہر سے گذرے تو راستوں میں جماعتیں بنا بنا کر لوگوں نے

(پچھلے صفحہ کا بقیہ)......... ان میں یہ بات بالکل قرین قیاس ہے کہ آپ نے عام راستہ چھوڑ کر ثنیۃ الوداع سے مدینہ کا رخ فرمایا ہو، اس کے ساتھ یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ مدینہ میں ثنیۃ الوداع کے نام کا ایک ہی مقام نہ تھا، مکہ کے راستہ میں بھی ایک ایسی چڑھائی تھی جس کے اتار پر وادی عقیق واقع تھی، اور وہ چاروں طرف سے حرہ سے گھری ہوئی ہے، یہ اس زمانہ میں اہل مدینہ کی ایک سیر گاہ بھی تھی، جہاں گرمیوں میں شام کو لوگ جمع ہوتے تھے، یہ بالکل ممکن ہے کہ ان اشعار میں اسی مقام کی طرف اشارہ ہو، تاریخ کی بعض کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل مدینہ مکہ جانے والوں کو یہاں تک پہونچانے آتے تھے (آثار المدينة المنورة، ص ۱۶۰ طبع سوم)۔

خود ان اشعار میں اس امر کی داخلی شہادتیں پائی جاتی ہیں کہ یہ ترانۂ شکر و مسرّت اسی وقت گایا گیا ہے جب پہلی مرتبہ مدینہ آپؐ کے قدوم میمنت لزوم سے مشرف ہوا، اشعار کی بے ساختگی، جوش مسرت اور خاص طور پر آخری شعر ''ايها المبعوث فينا، جئت بالأمر المطاع'' بول رہا ہے کہ یہ اشعار اس وقت پڑھے گئے، جب اہل مدینہ کی آنکھیں پہلی مرتبہ آپ کے دیدار پُر انوار سے روشن ہوئیں، اگر غزوۂ تبوک کے موقع پر بھی یہ اشعار پڑھے گئے جیسا کہ بعض صحیح روایات میں آیا ہے تو اس میں کوئی استبعاد نہیں کہ اس طرح کا ترانۂ مسرّت بار بار استقبال کے موقع پر گایا جا سکتا ہے۔

(۱) دارمی بروایت انسؓ

(۲) ابن ہشام، ص ۴۹۴

آپ سے اس کی درخواست کی کہ آپ ان کے ہاں قیام فرمائیں، وہ کہتے تھے، آپ ہمارے ہاں اقامت فرمائیں، تعداد، سامان، اور عزمت وشوکت کے ساتھ کبھی کبھی لوگ آپ کی اونٹنی کی نکیل اپنے ہاتھ میں لے لیتے، آپ فرماتے کہ اس کو جانے دو، یہ اللہ کی طرف سے مامور ہے، ایسا کئی بار ہوا۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنی النجار کے محلّہ سے گزرے تو بچیوں اور باندیوں نے ان اشعار سے آپ کا استقبال کیا۔

نحن جوارٍ من بنی النجار یا حبّذا محمد من جار(۱)

ہم بنی نجار کی لڑکیاں ہیں اے خوشا بخت کہ محمد آج ہمارے پڑوسی ہیں

جب آپؐ بنی مالک النجار کے گھر تک پہونچے تو اونٹنی ایک جگہ پر جہاں آج مسجد نبوی کا دروازہ ہے، خود بخود ٹھہر گئی، اس وقت اس جگہ کھجور کا ایک کھلیان تھا، جو بنی نجار کے دو یتیم لڑکوں کی ملکیت تھا، اور وہ آپؐ کے ننیہالی رشتہ دار بھی تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اونٹنی سے اترے، ابوایوب انصاریؓ (خالد بن زید النجاری الخزرجی) نے فوراً آپ کا سامان اتروایا اور اٹھا کر لے گئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہیں قیام فرمایا، ابوایوب انصاریؓ نے آپؐ کی میزبانی، ضیافت، خاطر مدارات اور ادب وتعظیم میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی، بالائی منزل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بلند ہوکر رہنا ان کو گوارا نہ ہوا وہ نیچے آگئے، اور حضورؐ سے درخواست کی کہ آپؐ اوپر تشریف رکھیں، وہ اور ان کے گھر والے نیچے رہیں گے، آپؐ نے ارشاد فرمایا، ابوایوبؓ ہم کو اور ہمارے ملنے والوں کو اسی میں زیادہ راحت ہوگی کہ ہم نیچے رہیں۔

ابوایوب انصاریؓ کچھ خوش حال لوگوں میں نہ تھے، لیکن آج اپنے گھر میں آپؐ کے قیام سے ان کی خوشی کی کوئی انتہا نہ تھی، اور اس سرفرازی اور عزت (جو اللہ تعالیٰ نے ان کو عطا کی تھی) کے شکر ادا کرنے سے ان کی زبان قاصر تھی، محبت، خدمت وراحت رسانی کے آداب خود سکھا دیتی ہے، ابوایوب انصاریؓ کہتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے رات کا کھانا تیار کر کے بھیجتے، اگر آپ کا پس خوردہ واپس آتا تو میں اور ام ایوبؓ اس طرف سے جہاں سے آپؐ نے کھایا ہوتا بچا ہوا کھاتے اور برکت حاصل کرتے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نیچے کی منزل میں تشریف رکھتے تھے اور ہم لوگ اوپر تھے، ایک مرتبہ مٹکا جس میں ہم پانی رکھتے تھے ٹوٹ گیا، میں نے اور ام ایوبؓ نے اپنی چادر سے، جس کے علاوہ ہمارے پاس اوڑھنے کی کوئی چیز نہ تھی، اس پانی کو خشک کیا کہ کہیں خدانخواستہ

(۱) بیہقی بروایت انس بن مالکؓ (ابن کثیر، ج۲ ص ۲۷۴)

نیچے نہ ٹپکنے لگے اور آپ کو تکلیف ہو(۱)۔

مسجد نبوی اور مکانات کی تعمیر

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دولڑکوں کو جو اس کھلیان کے مالک تھے، بلا بھیجا اور ان سے یہ جگہ مسجد کی تعمیر کے لئے خریدنا چاہی، دونوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ ہماری طرف سے ہدیہ ہے، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اس طرح قبول نہ فرمایا، اور کسی نہ کسی طرح قیمت دے کر یہ قطعۂ زمین حاصل کیا اور وہاں مسجد کی تعمیر کی (۲)۔

آپؐ نے مسجد کی تعمیر میں بہ نفس نفیس شرکت فرمائی، آپؐ اینٹیں یہاں پہونچاتے تھے، اور مسلمان آپؐ کی پیروی کرتے تھے، اس موقع پر آپ یہ ارشاد فرماتے تھے۔

اللھم إن الأجر أجر الآخرة فارحم الأنصار والمهاجرة(۳)

اے اللہ اصل اجرت تو آخرت کی اجرت ہے پس انصار اور مہاجرین پر رحم فرما

مسلمان اس وقت بہت مسرور اور شادماں تھے، شوقیہ اشعار پڑھتے اور اللہ تعالیٰ کا شکر بجالاتے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوایوب انصاریؓ کے گھر میں سات ماہ قیام فرمایا(۴)، جب آپ کی مسجد اور رہائشی مکانات تعمیر ہو گئے، تو آپؐ وہاں سے یہاں منتقل ہو گئے۔

مہاجرین آپؐ کے بعد مسلسل مدینہ آتے رہے، یہاں تک کہ مکہ میں صرف دو ہی قسم کے آدمی بچے، یا تو وہ جو کسی فتنہ اور آزمائش میں پڑ گئے، یا وہ جو دشمنوں کی قید میں تھے، اور وہاں سے رہائی کی کوئی سبیل نہ تھی، دوسری طرف انصار کا کوئی گھر ایسا نہ بچا جہاں لوگوں نے اسلام قبول نہ کیا ہو(۵)۔

مدینہ طیبہ تشریف آوری کے بعد اس کے نام میں بھی تبدیلی ہوئی، آپ نے یثرب کے

---

(۱) ابن اسحاق بروایت ابوایوب انصاریؓ (ابن کثیر، ج ۲ ص ۲۷۷)

(۲) صحیح بخاری باب "مقدم النبی صلی اللہ علیہ وسلم واصحابہ الی المدینۃ"

(۳) ابن کثیر، ج ۲، ص ۲۵۱

(۴) ابن کثیر، ج ۲ ص ۲۷۹، یہ ابن سعد کے نزدیک واقدی کی روایت ہے اور فتح الباری میں ابن حجر نے بھی اس کی توثیق کی ہے اور ابن اسحاق کہتے ہیں کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ آنے کے سال میں ربیع الاول سے صفر تک قیام کیا، اور وہاں مسجد (نبوی) تعمیر کی، اور سکونت کے لئے گھر بنائے، اس طرح آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا حضرت ابوایوبؓ کے یہاں دس ماہ سے زیادہ قیام رہا"۔

(۵) ابن ہشام، ج ۱ ص ۴۹۹-۵۰۰

بجائے (جس کے معنی مذموم ہیں اوراس سے مذمت اور خوف کا ایک پہلو نکلتا ہے) اس مبارک شہر کا نام "مدینہ" رکھ دیا، اور فرمایا کہ یہ "طابہ" ہے(۱)، اس وقت سے اس کا نام مدینہ یا طیبہ پڑ گیا۔

مہاجرین وانصار میں بھائی چارہ کا معاہدہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین وانصار میں ایک دوسرے کی غمخواری اور ہمدردی واعانت کی بنیاد پر بھائی چارہ اور مواخات کا ایک معاہدہ بھی کرایا، انصار مہاجرین کے ساتھ بھائی چارہ کے لئے اس طرح ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرتے تھے کہ قرعہ اندازی کی نوبت آجاتی تھی، وہ مہاجرین کو اپنے مکانات، گھر کے اثاثہ، مال ودولت، زمین جائداد ہر چیز میں اختیار وتصرف دے دیتے تھے، اوران کو اپنے پر مقدم رکھتے تھے۔

ایک انصاری اپنے مہاجر بھائی سے کہتا، دیکھو میرا نصف مال جتنا ہوتا ہو تم لے لو، میرے پاس دو بیویاں ہیں، ان میں سے جو تم کو پسند آئے بتاؤ میں اس کو طلاق دے کر تمہارے حوالہ کردوں، مہاجر جواب دیتا، اللہ تعالیٰ تمہارے گھر والوں اور مال واسباب میں برکت عطا کرے، تم مجھے بس بازار کا راستہ بتادو (ہم قسمت آزمائی کرلیں گے)۔

انصار کا کام ایثار تھا، مہاجرین کا استغناء اور خودداری (۲)۔

مواخاۃ اوراس کی اہمیت

یہ مواخاۃ (بھائی چارہ) اپنی نوعیت کی منفرد اسلامی وعالمی اخوت کی اساس ایک صاحب دعوت امت کے قیام کا مقدمہ تھی، جو ایک نئی دنیا کی تعمیر کے لئے برپا ہورہی تھی، اور جو صحیح ومعین عقائد اور دنیا کو بدبختی وبدنظمی سے نجات دینے والے نیک مقاصد اور ایمان ومعنوی اخوت اور متحدہ سرگرمی کے تعلقات کے لئے قائم ہورہی تھی، اس طرح مہاجرین وانصار کے درمیان یہ محدود اخوت دنیائے انسانیت کی نئی زندگی کا پیش خیمہ ثابت ہوئی، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ایک چھوٹے شہر کی ایک چھوٹی سی جماعت کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

إِلَّا تَفْعَلُوهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْأَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيرٌ (سورۃ الأنفال ـ ۷۳)

---

(۱) مسند امام احمد جلد ۴، ص ۲۸۵

(۲) صحیح بخاری باب (اخاء النبی صلی اللہ علیہ وسلم بین المهاجرین والانصار) اور باب (کیف آخی صلی اللہ علیہ وسلم بین اصحابہ) میں عبدالرحمٰن بن عوفؓ اور سعد بن الربیعؓ کا واقعہ ملاحظہ فرمائیں۔

اگر یہ نہ کروگے تو زمین میں (بڑا) فتنہ اور بڑا فساد پھیل جائے گا۔

حضورؐ کی تحریر اور یہود سے امن وامان کا معاہدہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر مہاجرین وانصار کے لئے ایک تحریر تیار فرمائی، جس میں یہود سے امن وامان کا معاہدہ تھا، اوران کے اپنے دین ومذہب پر رہنے اور مال وجائداد کی حفاظت وبقا کا ذمہ لیا گیا تھا، اوران کے حقوق اور ذمہ داریوں دونوں کی نشان دہی کی گئی تھی (۱)۔

اذان کا حکم

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ میں امن واطمینان حاصل ہوا اور اسلام کو استحکام نصیب ہوا تو آپؐ نے نماز کے لئے اطلاع ودعوت کے وہ طریقے جو یہود اور نصاریٰ میں رائج تھے، مثلاً ناقوس، گھنٹہ یا مشعل وغیرہ ناپسند فرمائے، اس وقت تک مسلمان بغیر کسی دعوت واعلان کے نماز کے اوقات میں خود جمع ہوجاتے تھے، اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اذان سے سرفراز فرمایا، اور خواب میں بعض صحابہ کو اس کا مشاہدہ کرایا گیا، چنانچہ آپ نے اسی اذان کو متعین فرمادیا اور شرعی طور پر اس کا اِجرا ہوگیا، یہ خدمت حضرت بلال بن رباح حبشیؓ کے حوالہ ہوئی، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مؤذن کے لقب سے سرفراز ہوئے، اور قیامت تک کے لئے موذنین کے امام قرار پائے۔

مدینہ میں نفاق اور منافقین کا ظہور

مکہ میں نفاق نہ تھا (۲)، اور یہ بات اس لئے تھی کہ اسلام وہاں مغلوب اور مجبور تھا، اس میں

---

(۱) ملاحظہ کیجئے ابن ہشام ص ۵۰۱، اس سیاسی دستاویز کی اہمیت معلوم کرنے کے لئے (جسے دنیا کا قدیم ترین باضابطہ تحریری دستور کہا جاسکتا ہے، جو مکمل شکل میں آج بھی موجود ہے) اور اس گہرے سیاسی تمدنی اور جنگی مشتملات حکمت نبوی اور ہدایت ربانی اور حالات کے متوازن جائزہ کے لئے ملاحظہ ہو، ڈاکٹر محمد حمید اللہ (سابق استاد بین الاقوامی قانون، جامعہ عثمانیہ حیدرآباد) کا مقالہ، جس کا عربی ترجمہ مؤلف کتاب ''نبی رحمت'' کے قلم سے ''مجموعہ مباحث علمیہ'' (ص ۹۸۔۱۱۷) دائرۃ المعارف العثمانیہ، حیدرآباد سے ۱۳۵۸ھ میں شائع ہوا تھا۔

اس دستاویز کا متن ''سیرت ابن ہشام'' ج ۱، ص ۵۰۱۔۵۰۴ (طبع مصطفیٰ البابی، مصر) کتاب الاموال، لابی عبید، البدایۃ والنہایۃ لابن کثیر، ج ۳ ص ۲۲۴۔۲۲۶، اور ''مجموعہ الوثائق السیاسیۃ فی العہد النبوی والخلافۃ الراشدۃ'' از ڈاکٹر حمید اللہ (طبع لجنۃ التالیف والترجمہ والنشر۔قاہرہ) میں ملاحظہ ہو۔

(۲) اکثر مفسرین ومؤرخین کی یہی رائے ہے، قرآن مجید کی وہ تمام سورتیں جن میں نفاق یا منافقین کا ذکر کیا گیا ہے، مدینہ ہی میں نازل ہوئیں، سورۂ براۃ میں آیا ہے ''وممن حولکم من الاعراب منفقون، ومن اھل المدینۃ مردوا علی النفاق (سورۂ براۃ۔۱۰۱)

صورت حال کو بدلنے کی کوئی طاقت نہ تھی، وہ کسی کو نفع یا نقصان بھی نہیں پہونچا سکتا تھا بلکہ اسلام قبول کرنے کے معنی ہی وہاں یہ تھے کہ ہر قسم کے خطرہ اور ضرر کو گوارا کیا جائے، دشمنی مول لی جائے، اور دشمنوں کو جانتے بوجھتے مشتعل کیا جائے، اس کی ہمت صرف وہی کرتا تھا، جو اپنے قول میں سچا اور ارادہ میں پکا ہوتا جس کا ایمان مضبوط ہوتا اور وہ اپنی زندگی اور مستقبل کو خطرہ میں ڈالنے پر آمادہ ہوتا، وہاں دو برابر کی طاقتیں نہ تھیں، مشرک طاقتور اور غالب تھے، اور مسلمان مظلوم اور کمزور، قرآن مجید نے اس صورت حال کی اپنے بلیغ انداز میں اس طرح تصویر کھینچی ہے:۔

وَاذْكُرُوْاِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِي الْاَرْضِ تَخَافُوْنَ اَنْ يَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ (سورۂ انفال۔۲۶)

اور (اس وقت کو) یاد کرو جب تم زمین (مکہ) میں قلیل اور ضعیف سمجھے جاتے تھے اور ڈرتے رہتے تھے کہ لوگ تمہیں اڑا نہ لے جائیں (یعنی بے خانماں نہ کردیں)۔

جب اسلام مدینہ منتقل ہوا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام کو امن و استحکام کا موقع حاصل ہوا، اسلام کو فروغ حاصل ہونے لگا اور اسلامی معاشرہ اپنے سارے شرائط و لوازمات کے ساتھ وجود میں آ گیا تو اس وقت صورت حال میں ایک خاص تبدیلی واقع ہوئی اور نفاق نے سر نکالا، یہ ایک بالکل فطری اور نفسیاتی بات تھی جس سے مفر ممکن نہ تھا، اس لئے کہ نفاق ہمیشہ وہیں پیدا ہوتا ہے، اور ہاتھ پیر نکالتا ہے، جہاں دو مقابل دعوتیں اور حریف قیادتیں موجود ہوں، اس موقع پر یہ مذبذب اور متردد گروہ ان دونوں دعوتوں اور قیادتوں کے درمیان ہچکولے کھاتا رہتا ہے، اور متردد و فکر مند رہتا ہے کہ کس دعوت کو اختیار کرے اور کس کو چھوڑے، کبھی وہ کسی ایک دعوت کو قبول کر لیتا ہے، اور اس کے کیمپ میں چلا جاتا ہے، اور جذباتی لگاؤ اور وفاداری کا تعلق بھی اس سے قائم کر لیتا ہے، لیکن اس کی دنیاوی مصلحتیں اور مقابل دعوت کا فروغ اور اس کا غلبہ و عروج اس کو اپنے صحیح موقف اور پہلی دعوت کے پرچم کے نیچے آ جانے کے اعلان سے باز رکھتا ہے، اور وہ اپنے قدیم ماحول سے رشتہ بالکل منقطع نہیں کر پاتا، قرآن مجید نے تردد اور اضطراب کی اس کیفیت اور حالت کی بہت نازک اور بولتی تصویر کھینچ دی ہے، ارشاد ہوتا ہے:۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ، فَاِنْ اَصَابَهٗ خَيْرُنِ اطْمَاَنَّ بِهٖ، وَاِنْ اَصَابَتْهُ فِتْنَةُ نِ انْقَلَبَ عَلٰى وَجْهِهٖ ،خَسِرَالدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةَ ذٰلِكَ هُوَالْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ ۔(سورہ حج ۔۱۱)

اور لوگوں میں بعض ایسا بھی ہے جو کنارے پر (کھڑا ہو کر) خدا کی عبادت کرتا ہے اگر اس کو کوئی

(دنیاوی) فائدہ پہونچے، تو اس کے سبب مطمئن ہوجائے، اور اگر کوئی آفت پڑے تو منہ کے بل لوٹ جائے (یعنی پھر کافر ہوجائے) اس نے دنیا میں نقصان اٹھایا اور آخرت میں بھی، یہی تو نقصان صریح ہے۔

اسی گروہ کی صفت دوسری جگہ یہ بیان کی گئی ہے:۔

مُذَبْذَبِينَ بَيْنَ ذٰلِكَ لَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ وَلَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ (سورۂ النساء، ۱۴۳)

بیچ میں پڑے لٹک رہے ہیں، نہ ان کی طرف (ہوتے ہیں) نہ ان کی طرف۔

ان منافقین کی، جو اوس وخزرج اور یہود سے تعلق رکھتے تھے، سربراہی ورہنمائی عبداللہ بن ابی بن سلول کے ہاتھ میں تھی "بعاث" کی جنگ کے بعد سب نے متفقہ طور پر اس کو اپنا سردار تسلیم کرلیا تھا، جب اسلام کا یہاں داخلہ ہوا، اس وقت اس کی "تاج پوشی" کی پوری تیاری تھی، جب اس نے دیکھا کہ لوگ بہت بڑی تعداد میں اور سرعت کے ساتھ اسلام قبول کررہے ہیں تو بات پھانس بن کر اس کے دل میں چبھ گئی، اس کو کسی کل قرار نہیں آتا تھا، ابن ہشام بیان کرتے ہیں کہ "جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے اس وقت عبداللہ بن ابی بن سلول مدینہ والوں کا سردار تھا، اوس وخزرج اسلام کی آمد سے قبل اس کے سوا کبھی بھی کسی پر متفق نہ ہوسکے تھے، ان دونوں قبیلوں کے کسی ایک شخص کو اپنا سردار بنانے پر راضی نہ تھے، اس کی قوم نے اس کی تاج پوشی کے لئے کوڑیوں کا ایک تاج بھی تیار کیا تھا اور اس کو بادشاہ بنانے کی تجویز تھی، یہ کیفیت چل رہی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو یہاں بھیج دیا، اور جب اسکی قوم اس کو چھوڑ کر مسلمان ہوگئی تو اس کے دل میں سخت کینہ وحسد پیدا ہوگیا، اور اس کو محسوس ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اس سرداری واعزاز سے محروم کردیا، لیکن یہ دیکھ کر کہ اس کی قوم کسی حالت میں بھی اسلام کو ترک کرنے والی نہیں، وہ بھی بادلِ ناخواستہ داخل اسلام ہوا، اور اپنے نفاق، جلن اور کینہ پر بدستور قائم رہا(۱)۔

ایسے تمام لوگ اسلام دشمنی پر اتر آئے، جن کے دل میں کوئی چور تھا، اور جو سیادت کے خواہاں تھے، وہ اس نئے دین سے گھٹن محسوس کرنے لگے جس نے ان کے منصوبوں کو خاک میں ملادیا اور امیدوں پر پانی پھیر دیا تھا، اور جس نے مدینہ کا رنگ بدل کر مہاجرین وانصار کی یک دل وایک جان امت تیار کردی تھی، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جان چھڑکتی اور آپ کی محبت کو اپنے بیٹوں اور بیویوں کی محبت پر بھی ترجیح دیتی تھی، یہ منظر دیکھ کر ان منافقین کے دل غصے اور حسد سے بھر گئے اور وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف منصوبے بنانے اور سازشیں کرنے لگے، اس طرح مدینے میں

(۱) سیرت ابن ہشام، ج۱، ص ۵۸۴۔۵۸۵

اسلامی معاشرے کے اندر ہی ایک مخالف محاذ پیدا ہوگیا، جس کی طرف سے مسلمانوں کا ہوشیار رہنا ضروری ہوگیا، کیونکہ یہ گروہ "مارآستین" کی حیثیت رکھتا تھا، اور اسلام اور مسلمانوں کے لئے کھلے دشمنوں سے زیادہ خطرناک تھا۔

یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید کثرت سے ان کا ذکر کرتا اور ان کے کرتوتوں سے پردہ اٹھاتا ہے، اسلام کا ان کے ساتھ مختلف نوع کا تعلق رہا ہے، اس لئے سیرت کی کتابوں میں ناگزیر طور پر ان کا ذکر آتا ہے، اس کتاب میں بھی آئے گا۔

یہود کی دشمنی کا آغاز

ابتدا میں کسی قدر غیر جانب داری اور خاموشی کے بعد پہلی بار یہود کی دشمنی اور کینہ پروری کی علامتیں ظاہر ہونا شروع ہوئیں، ان کا موقف پہلے مسلمانوں اور مشرکوں اور اہل مکہ اور اہل مدینہ میں غیر جانب داری کا تھا، بلکہ شاید وہ اس وقت اسلام اور مسلمانوں کی طرف نسبتاً زیادہ مائل تھے، اس کی وجہ یہ تھی کہ نبوت، رسالت اور روز آخرت پر ایمان میں (خواہ وہ بعض تفصیلات میں اختلاف ہو) نیز اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات اور عقیدۂ توحید میں وہ مسلمانوں سے بہت قریب تھے، اگرچہ یہ عقیدہ بھی، جاہلی اقوام کے پڑوس میں ایک طویل عرصہ تک رہنے اور بت پرستی کے ماحول میں جلاوطنی کی یہ طویل مدت گزارنے کی وجہ سے بہت کمزور پڑ چکا تھا، اور اس میں غلو اور بعض انبیاء کی تقدیس بھی شامل ہوگئی تھی، جیسا کہ گذشتہ صفحات میں بیان کیا گیا ہے(۱)۔

تمام قرائن یہ بتاتے تھے کہ اگر وہ اسلام کا ساتھ نہیں دیں گے تو کم از کم اس معاملہ میں غیر جانب دار ضرور رہیں گے، اس لئے کہ اسلام ان کی مذہبی کتابوں کی تصدیق کرتا ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنی اسرائیل کے تمام انبیاء پر ایمان کی دعوت دیتے ہیں، قرآن مجید اہل ایمان کی زبان سے کہتا ہے:۔

كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ، لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ (سورۂ بقرہ۔ ۲۸۵)

سب خدا پر اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور اس کے پیغمبروں پر ایمان رکھتے ہیں (اور کہتے ہیں) ہم اس کے پیغمبروں میں سے کسی میں کچھ فرق نہیں کرتے۔

اگر ایسا ہوسکتا تو آج نہ صرف تاریخ اسلام بلکہ تاریخ عالم کا رخ دوسرا ہوتا، اور اسلامی دعوت کو ان مشکلات ومسائل کا سامنا نہ کرنا پڑتا جو اسلام و یہودیت کی آویزش اور ان اولین مسلمانوں (جو اپنی نشو ونما کے دور میں تھے) اور ان یہودیوں (جو طاقتور، بااثر دولت مند اور تعلیم یافتہ تھے) کی کش مکش

(۱) دیکھئے باب "عہد جاہلیت"

نے پیدا کردیئے تھے، اس کے صرف دو بنیادی سبب تھے، ایک یہودیوں میں حسد، تنگ دلی اور جمود وتعصب کا مادہ، اور دوسرے ان کے عقائد باطلہ، اخلاق رذیلہ اور قبیح عادتیں، جن پر قرآن مجید میں جابجا تنقید کی گئی ہے، اور ان کی اس طویل تاریخ کا پردہ چاک کیا ہے جو انبیاء کرام سے برسر جنگ ہونے، ان کے پیغام ودعوت کا مقابلہ کرنے، ان کو شہید کرنے کی جسارت، عناد وسرکشی، راہ حق سے روکنے، اللہ تعالیٰ پر بہتان باندھنے، دولت سے عشق، باوجود ممانعت کے سودی کاروبار سے دل چسپی، ناجائز طور پر لوگوں کا مال کھانے، حرام مال کا شوق، توریت میں اپنی حسب مرضی ردّ وبدل اور ترمیم واضافہ، زندگی سے حد سے بڑھی ہوئی محبت اور بہت سے ان قومی ونسلی خصوصیات سے بھری ہوئی ہے۔

اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جگہ کوئی سیاسی رہنما ہوتا تو اس پیچیدہ صورت حال کا (جو اس وقت مدینہ میں قائم تھی) اندازہ لگا کر اس کی روشنی میں مصلحت آمیز قدم اٹھاتا، وہ اگر یہودیوں کے ساتھ خوشامد اور منھ بھرائی کا معاملہ نہ کرتا تو کم از کم ان کو مشتعل کرنے اور ان کی دشمنی مول لینے سے ضرور احتیاط کرتا، لیکن آپ تبلیغ رسالت، دین حق کے صاف وواشگاف طریقے پر اعلان حق وباطل کی تمیز اور فساد وگمراہی کے مقابلہ اور سد باب پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے مامور تھے، اور آپ کو اس کا ذمہ دار بنایا گیا تھا کہ آپ دنیا کی تمام قوموں اور افراد اور جماعتوں کو جن میں یہود ونصاریٰ جیسے اہل کتاب بھی شامل ہیں، اسلام کی برملا دعوت دیں، خواہ اس کی آپ کو بڑی سے بڑی قیمت دینی پڑے اور طرح طرح کی مشکلات اٹھانی پڑیں، یہ نبوت کا وہ مزاج اور نہج ہے جس پر سارے انبیاء ہمیشہ کاربند رہے، یہی مزاج اور نہج سیاست اور نبوت کی راہوں کو الگ کرتا اور انبیاء اور قومی زعماء میں بنیادی فرق پیدا کرتا ہے۔

یہود کے عقائد اور ان کی زندگی اور سیرت وکردار پر ان باتوں سے ضرب کاری لگی اور اس نے ان کو اسلام اور مسلمانوں کی مخالفت اور دشمنی پر کمربستہ کردیا، چنانچہ انھوں نے اپنا پرانا رویہ بدل دیا، اور خفیہ وعلانیہ دونوں طریقوں سے اسلام کی مخالفت پر اتر آئے، اور مقابلہ کے لئے میدان میں آگئے، یہودی فاضل ''اسرائیل ولفنسن'' نے اس نزاع ودشمنی کے اسباب پر کسی قدر جرأت اور صاف گوئی کے ساتھ روشنی ڈالی ہے، وہ لکھتا ہے:۔

> ''اگر رسول کی تعلیمات صرف بت پرستی کی مخالفت تک محدود رہتیں اور یہود سے ان کی رسالت تسلیم کرنے کا مطالبہ نہ کیا جاتا تو یہود اور مسلمانوں میں کوئی جھگڑا پیدا نہ ہوتا، اور یہود احترام وتعظیم کی نگاہ سے رسولؐ کی تعلیمات کو دیکھتے، ان کی حمایت کرتے اور جان ومال سے ان کی مدد کرتے، یہاں تک کہ آپ ان بتوں کو پاش پاش کردیتے (جن کا جزیرۃ العرب میں دور دورہ تھا) اور بت پرستانہ عقائد کا خاتمہ ہوجاتا

جو سارے عرب میں پھیلے ہوئے تھے، لیکن اس کی شرط یہی تھی کہ وہ ان سے اور ان کے دین سے کوئی سروکار نہ رکھیں، اور نہ ان کو یہ نئی رسالت قبول کرنے پر مجبور کریں، اس لئے کہ یہودی ذہنیت کسی ایسی چیز کے سامنے نرم نہیں پڑسکتی جو اس کو اس کے دین سے ہٹانا چاہتی ہو، وہ بنی اسرائیل کے سوا کسی اور نسل کے کسی نبی کو تسلیم کرنے پر راضی نہیں ہوسکتی" (۱)۔

یہود میں اس بات نے مزید اشتعال پیدا کر دیا کہ ان کے بعض عالم جیسے عبداللہ بن سلام جن کا وہ بڑا احترام کرتے تھے، اسلام لے آئے، یہود کو اس کا خیال بھی نہیں آسکتا تھا کہ ان جیسا شخص مسلمان ہو جائے گا، اس نے ان کے سینہ میں حسد اور جلن کی آگ اور بھڑکا دی (۲)۔

یہود نے صرف اسلام کی مخالفت اور اس سے بعد و وحشت پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ اس سے آگے بڑھ کر وہ مشرکوں اور بت پرستوں کو ان مسلمانوں پر کھلی ترجیح دینے لگے جو عقیدۂ توحید میں یہود کے شریک و ہمنوا تھے، توقع اس کی تھی اور معقولیت کا تقاضا بھی یہی تھا کہ جب قریش کے مذہب اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین کا موازنہ ہوگا اور ان میں ترجیح و انتخاب کا مسئلہ سامنے آئے گا تو وہ مسلمانوں سے اپنے اختلاف کے باوجود شرک و بت پرستی پر اسلام کی حقانیت و برتری کی شہادت دیں گے، لیکن اسلام دشمنی نے ان کو اس کی اجازت نہ دی، چنانچہ جب ایک موقع پر یہودی علماء سرداران قریش سے مکہ میں ملنے گئے تو سرداران قریش نے کہا کہ آپ لوگ سب سے اول اہل کتاب ہیں اور ہمارے اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے درمیان جو اختلاف چل رہا ہے وہ آپ کو معلوم ہے، آپ کیا کہتے ہیں، ہمارا مذہب بہتر ہے یا ان کا؟ انھوں نے جواب دیا، آپ لوگوں کا دین ان کے دین سے بہتر ہے، اور آپ زیادہ حق پر ہیں (۳)۔

یہی یہودی فاضل (ڈاکٹر اسرائیل ولفنسن) اس واقعہ پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے:۔

"لیکن ایک بات جس پر ان لوگوں کو واقعی ملامت کی جاسکتی ہے، اور جس سے ہر اس شخص کو تکلیف پہونچے گی جو خدائے واحد پر ایمان رکھتا ہے خواہ وہ یہودیوں میں

---

(۱) تاریخ الیہود فی بلاد العرب (ولفنسن) ص ۱۲۳

(۲) یہود کے جو لوگ مسلمان ہوئے اور ان کو شرفِ صحبت حاصل ہوا ان کی تعداد ۳۹ تک پہونچتی ہے، اور ان کے نام اور حالات زندگی طبقات صحابہ مثلاً "الاصابة" اور "الاستیعاب" اور "اسد الغابة" وغیرہ میں آئے ہیں، ان میں بعض بڑے جلیل القدر علماء اور اجلّہ صحابہ شامل تھے، (یہ تعداد مولانا مجیب اللہ ندوی کی کتاب "اہل کتاب صحابہ و تابعین" شائع کردہ دارالمصنفین اعظم گڑھ سے ماخوذ ہے)۔

(۳) ابن ہشام، ج ۲ ص ۲۱۴

سے ہو یا مسلمانوں میں سے، وہ گفتگو ہے جو کچھ یہودیوں اور قریش کے بت پرستوں میں ہوئی تھی اور جس میں ان یہودیوں نے قریش کے مذہب کو پیغمبر اسلام کے لائے ہوئے دین پر ترجیح دی تھی"

آگے بڑھ کر وہ لکھتے ہیں:۔

"جنگی ضرورتوں نے قوموں کے لئے حیلہ سازی اور دروغ گوئی اور دشمن پر غلبہ حاصل کرنے کے لئے فریب دہی کی مختلف تدبیروں کو جائز قرار دیا ہے، لیکن سب کے باوجود یہودیوں کو اس سنگین غلطی کا ارتکاب ہرگز نہ کرنا چاہئے تھا، اور قریش کے ذمہ داروں کے سامنے اس کی صراحت نہ کرنی چاہئے تھی کہ بتوں کی پرستش اسلامی توحید سے بہتر ہے خواہ اس کی وجہ سے ان کے مقاصد پورے نہ ہو پاتے، اس لئے کہ بنی اسرائیل جو طویل صدیوں تک بت پرست اقوام کے مقابلہ میں اپنے قدیم آباء واجداد کے نام پر توحید کا پرچم بلند کیے رہے، اور جنھوں نے تاریخ کے مختلف ادوار میں اس عقیدہ کی خاطر ناقابل شمار مصائب برداشت کیے اور قتل وخون کے سخت مرحلوں سے گزرے، ان کا آج یہ فرض تھا کہ وہ مشرکین کو ناکام ونامراد کرنے کے لئے اپنی متاع حیات اور نفیس سے نفیس شے کی قربانی دیں" (۱)۔

قرآن مجید نے اس آیت میں اسی صورت حال کی طرف اشارہ کیا ہے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ اُوْتُوْا نَصِیْباً مِّنَ الْکِتٰبِ یُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوْتِ وَیَقُوْلُوْنَ لِلَّذِیْنَ کَفَرُوْا هٰٓؤُلَآءِ اَهْدٰی مِنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا سَبِیْلاً (سورۂ نساء ۵۱)

بھلا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جن کو کتاب سے حصہ دیا گیا ہے کہ بتوں اور شیطان کو مانتے ہیں، اور کفار کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ لوگ مومنوں کی بہ نسبت سیدھے رستہ پر ہیں۔

قبلہ کی تبدیلی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام مسلمان اب تک بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے تھے، مدینہ تشریف آوری کے بعد ایک سال چار مہینے تک نماز اسی رخ پر پڑھی جاتی رہی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش تھی کہ کعبہ کو مسلمانوں کا قبلہ بنا دیا جائے یہ عرب مسلمان بھی (جن کی نشو ونما کعبہ کی محبت اور تعظیم پر ہوئی تھی اور یہ محبت اور تعظیم ان کے گوشت پوست اور خون میں پیوست تھی) دل سے یہی چاہتے تھے کہ کعبہ ان کا قبلہ ہوتا، وہ کسی جگہ کو بھی کعبہ اور سیدنا ابراہیمؑ واسماعیلؑ کے

---

(۱) الیہود فی بلاد العرب، ص ۱۴۲

قبلہ کے مقابلہ کا نہیں سمجھتے تھے، اور بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا اور اس کو اپنا قبلہ تسلیم کرنا، ان کے لئے ایک شدید امتحان تھا، لیکن بے چون وچرا انھوں نے اس حکم کو تسلیم کیا، اور "سمعنا وأطعنا" (اور ہم نے سنا اور اطاعت کی) اور "آمنا بکل من عند ربنا" (ہم ایمان لائے جو کچھ ہے ہمارے رب ہی کی طرف سے ہے) کے سوا ان کی زبان سے کچھ اور نہ نکلا، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اور اللہ کے سامنے سر تسلیم خم کر دینے کے علاوہ اور کچھ نہ جانتے تھے، خواہ وہ ان کی خواہش ومرضی اور ان کی عادت اور مذاق طبیعت کے موافق ہو یا نہ ہو، جب اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کا یہ امتحان لے لیا، اور انھوں نے تقویٰ اور اطاعت کا پورا ثبوت دے دیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام مسلمانوں کا رُخ کعبہ کی طرف کروا دیا گیا، قرآن مجید میں آتا ہے:۔

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِيْ كُنْتَ عَلَيْهَآ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ مِمَّنْ يَّنْقَلِبُ عَلٰى عَقِبَيْهِ وَاِنْ كَانَتْ لَكَبِيْرَةً اِلَّا عَلَى الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ۔ (سورۂ بقرہ۔ ۱۴۳)

اور اسی طرح ہم نے تم کو امت معتدل بنایا تا کہ تم لوگوں پر گواہ بنو اور پیغمبر (آخر الزماں) تم پر گواہ بنیں اور جس قبلہ پر تم (پہلے تھے) اس کو ہم نے اس لئے مقرر کیا تھا کہ معلوم کریں کہ کون ہمارے پیغمبر کا تابع رہتا ہے اور کون الٹے پاؤں پھر جاتا ہے اور یہ بات (بیت المقدس کی طرف نماز پڑھنا) گراں معلوم ہوئی مگر جن کو خدا نے ہدایت بخشی (وہ اسے گراں نہیں سمجھتے تھے)۔

مسلمانوں نے خدا اور سول کی اطاعت کرتے ہوئے اپنا رُخ اسی وقت کعبہ کی طرف کر لیا، اور وہی قیامت تک کے لئے مسلمانوں کا قبلہ قرار پایا، مسلمان (خواہ دنیا کے کسی حصہ میں ہوں) اپنا منہ اسی کی طرف کر کے نماز پڑھنے کے لئے مامور ہیں (۱)۔

مدینہ کے مسلمانوں سے قریش کی چھیڑ چھاڑ

جب مدینہ میں اسلام کے قدم جم گئے، اور قریش نے دیکھا کہ اس کی وسعت اور مقبولیت میں دن دونی رات چوگنی ترقی ہو رہی ہے، اور اگر یہ صورت حال کچھ دن اور باقی رہ گئی تو زمام کار ان کے ہاتھ سے بالکل نکل جائے گی، اور اس کے بعد وہ اس کا کچھ بگاڑ نہ سکیں گے، یہ دیکھ کر انھوں نے مخالفت اور دشمنی کے لئے اچھی طرح کمر کس لی اور ہر طرف اسکے خلاف ایک شور وغوغا شروع ہو گیا،

(۱) دیکھئے صحاح ستہ اور قرآن مجید کی ان آیات کی تفسیر جن میں تبدیل قبلہ کا ذکر ہے۔

لیکن مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے صبر اور عفو و درگذر کا حکم اور "کُفُّوا اَیْدِیَکُمْ وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ" (اپنے ہاتھ روکے رکھو اور نماز قائم کرو) کی تعلیم تھی، اس کا مقصد یہ تھا کہ زندگی اور اس کی لذتیں اور راحتیں ان کی نظر میں ارزاں و بے قیمت ہو جائیں اور اطاعت، نفس کی مخالفت، اور ایثار و قربانی کا مشکل کام ان کے لئے آسان ہو جائے۔

قتال کی اجازت

جب ان کی طاقت کچھ اور بڑھی اور ان کے بازو مضبوط ہو گئے تو اس وقت ان کو قتال کی اجازت دیدی گئی، لیکن یہ صرف اجازت تھی، اس کو فرض قرار نہیں دیا گیا (۱) فرمایا گیا:۔

اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّھُمْ ظُلِمُوْا، وَاِنَّ اللّٰہَ عَلٰی نَصْرِھِمْ لَقَدِیْرُ (سورۂ حج۔ ۳۹)

جن مسلمانوں سے (خواہ مخواہ) لڑائی کی جاتی ہے ان کو اجازت ہے کہ (وہ بھی لڑیں) کیونکہ ان پر ظلم ہو رہا ہے اور خدا (ان کی مدد کرے گا) یقیناً وہ ان کی مدد پر قادر ہے۔

عبداللہ بن جحش کا سریہ اور غزوہ "ابواء"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف قبائل، اور علاقوں میں سرایا اور چھاپے بھیجنے کا آغاز کیا، ان کی نوعیت اکثر باقاعدہ جنگ کی نہ ہوتی تھی، اس کو ہم کسی قدر طاقت آزمائی یا جھڑپ اور چھاپہ سے تعبیر کر سکتے ہیں، جس کا مقصد مشرکین کو مرعوب و خوف زدہ کرنا اور اسلام کی شان و شوکت اور سرگرمی و فعالیت کا مظاہرہ کرنا تھا، اور یہ فائدہ ان سرایا اور چھاپوں سے پوری طرح حاصل ہوا۔

اس موقع پر ہم خصوصیت سے عبداللہ بن جحشؓ کے سریہ کا ذکر کریں گے، اس لئے کہ اس سریہ کے متعلق ایک آیت بھی نازل ہوئی، نیز اس سے اس اہم حقیقت پر روشنی پڑتی ہے کہ قرآن مجید مسلمانوں کی کسی کوتاہی اور غلطی کا ساتھ نہیں دیتا، بلکہ وہ مختلف قوموں اور جماعتوں کے بارے میں کوئی فیصلہ دینے یا رائے قائم کرنے میں میزان عدل ہے جس پر ہر عمل کو تولا جائے گا، یہ واقعہ مختصراً یہاں پیش کیا جاتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن جحش الاسدی کو رجب ۲ھ میں ایک مہم پر روانہ فرمایا اور مہاجرین کے آٹھ آدمی ان کے ساتھ کیے، آپ نے ان کو ایک تحریر بھی لکھ کر دی اور یہ حکم فرمایا کہ اس تحریر کو ابھی نہ دیکھیں جب دو دن کی مسافت طے کر لیں تب اس کو کھول کر پڑھیں اور پھر جو کچھ

---

(۱) تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو زاد المعاد۔ ج ۱ ص ۳۱۴

اس میں ہے اس کی تعمیل کریں، لیکن اپنے کسی رفیق کو اس کی تعمیل پر مجبور نہ کریں۔

جب عبداللہؓ بن جحش نے دو دن کی مسافت طے کر لی تو یہ خط کھول کر دیکھا، اس میں لکھا ہوا تھا ''جب یہ خط تم دیکھ لینا تو آگے بڑھ کر مکہ اور طائف کے درمیان نخلستان میں اتر جانا، اور وہاں سے قریش کی نقل و حرکت پر نظر رکھنا اور ان کی خبریں ہمارے پاس بھیجتے رہنا'' عبداللہ بن جحش نے خط پڑھ کر کہا ''سمعاً وطاعة'' آقا کا حکم سر آنکھوں پر، پھر اپنے رفقاء سے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے یہ حکم دیا ہے کہ آگے نخلستان میں اتر کر وہاں سے قریش کی سرگرمیوں پر نظر رکھوں اور اس کی خبریں آپ کو پہونچاتا رہوں، مجھے آپؐ نے یہ بھی حکم دیا ہے کہ میں کسی اور کو اس پر مجبور نہ کروں، اب تم میں سے جس کو شہادت کا شوق ہے، وہ ہمارے ساتھ آئے اور جو یہ نہیں چاہتا وہ واپس لوٹ جائے، مجھے بہرحال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل کرنی ہے، اس کے بعد وہ آگے روانہ ہو گئے، اور ان کے سب ہی رفقاء ان کے ساتھ رہے، ایک آدمی نے بھی پیچھے رہنا گوارا نہ کیا۔

آگے چل کر وہ اور ان کے سب رفقاء نخلستان میں مقیم ہوئے، اتنے میں قریش کا ایک قافلہ وہاں سے گذرا اس میں عمرو بن الحضرمی بھی تھا، قریش اس قافلہ کو دیکھ کر ڈر سے گئے، ان کا پڑاؤ بھی قریب ہی تھا، اتنے میں عکاشہ بن محصن نے، جن کا سر منڈا ہوا تھا، اپنا سر اٹھا کر دیکھا، قریش نے جب ان کو دیکھا تو اطمینان کا اظہار کیا، اور کہا ان سے ڈرنے کی بات نہیں، یہ تو عمرہ والے ہیں (۱)، یہ رجب (۲) ۲ھ کے آخری دن کا واقعہ ہے، اس کے بعد مسلمانوں نے آپس میں مشورہ کیا اور رائے یہ ہوئی کہ اگر تم نے ان کفار کو اس رات میں چھوڑ دیا تو یہ مسجد حرام میں داخل ہو جائیں گے، اور تم کو وہاں جانے سے باز رکھیں گے، اور اگر تم ان سے قتال کرتے ہو تو شہر حرام میں جنگ کرنا پڑے گی، اس بات سے لوگوں میں تردد کی کیفیت پیدا ہو گئی، اور ان کو اس قسم کے اقدام سے ڈر سا محسوس ہوا، لیکن پھر انھوں نے اپنے کو اس پر آمادہ کر لیا اور سب کی متفقہ رائے یہ ہوئی کہ ان میں سے جتنے ممکن ہو سکیں ان

---

(۱) عرب ماہ رجب میں عمرہ کرنے کو ترجیح دیتے تھے۔

(۲) رجب حرمت کے چار مہینوں میں پہلا مہینہ ہے، اشہرِ حرام میں جنگ کرنا ممنوع تھا اور عہدِ جاہلیت اور اسلام کے ابتدائی دور میں عرب اس پر کاربند تھے، باقی تین مہینے ذی القعدہ، ذی الحجہ اور محرم کے ہیں، جمہور علماء کی رائے یہ ہے کہ یہ آیت سورۂ براءت کی اس آیت سے منسوخ ہو چکی ہے "فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ" نیز "وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَافَّةً كَمَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ كَافَّةً" سعید بن المسیب سے پوچھا گیا کہ کیا مسلمان شہر حرام میں کفار سے جنگ کر سکتے ہیں؟ انھوں نے جواب دیا ہاں۔

اسلامی فتوحات اور معرکہ آرائیوں میں اسی پر عمل تھا، کہیں تاریخ میں نہیں ملتا کہ ہر سال ایک مہینہ رجب یا تین مہینے ذی قعدہ، ذی الحجہ، محرم میں جنگ بند کر دی جاتی ہو، اور اسلامی فوجیں چھاؤنیوں میں واپس آجاتی ہوں۔

کو تو موت کے گھاٹ اتار دیا جائے، اور ان کے مال واسباب پر قبضہ کر لیا جائے چنانچہ ان میں سے واقد بن عبداللہ التمیمی نے پہلا تیر چلایا اور عمرو بن الحضرمی کا خاتمہ کر دیا، دو آدمیوں کو قیدی بنا لیا گیا، اور عبداللہؓ بن جحش اور ان کے ساتھی اس قافلہ اور دو قیدیوں کو لے کر واپس روانہ ہوئے۔

جب مدینہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ان کو حاضری ہوئی تو آپؐ نے فرمایا کہ میں نے تم کو شہر حرام میں جنگ کرنے کے لئے تو نہیں کہا تھا؟ پھر آپؐ نے ان میں سے کسی چیز کو لینے سے انکار کر دیا، جو مال غنیمت میں لائے تھے۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا تو ان کے ہاتھ پیر پھول گئے، اور خطرہ ہوا کہ اب ہلاکت یقینی ہے، دوسری طرف مسلمانوں نے بھی ان کو بہت سخت سست کہا اور لعنت وملامت کی، قریش نے کہا کہ لو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے شہر حرام میں بھی جنگ اور خوں ریزی جائز کر دی! اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:۔

يَسْئَلُونَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيهِ، قُلْ قِتَالٌ فِيهِ كَبِيرٌ، وَصَدٌّ عَنْ سَبِيلِ اللّٰهِ وَكُفْرٌ بِهٖ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَإِخْرَاجُ اَهْلِهٖ مِنْهُ اَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ، وَالْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ(۱)۔ (سورۂ البقرہ۔ ۲۱۷)

(اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) لوگ تم سے عزت والے مہینوں میں لڑائی کرنے کے بارے میں دریافت کرتے ہیں کہدو کہ ان میں لڑنا بڑا (گناہ) ہے، اور خدا کی راہ سے روکنا اور اس سے کفر کرنا اور مسجد حرام (یعنی خانہ کعبہ میں جانے سے) روکنا، اور اہل مسجد کو اس میں سے نکال دینا (جو یہ کفار کرتے ہیں) خدا کے نزدیک اس سے بھی زیادہ (گناہ) ہے، اور فتنہ انگیزی خوں ریزی سے بھی بڑھ کر ہے۔

علامہ ابن القیم ''زاد المعاد'' میں لکھتے ہیں:۔

> ''اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے دوستوں اور دشمنوں میں عدل وانصاف کا معاملہ فرمایا، اور اپنے مقبول وپسندیدہ بندوں کی ان کے اس فعل میں کہ وہ شہر حرام میں گناہ کے مرتکب ہوئے حمایت نہیں کی، بلکہ اس کو بہت بڑی بات قرار دیا اور ساتھ ہی اس کا بھی اظہار کر دیا کہ اس کے دشمن مشرک تنہا ایک شہر حرام میں ارتکاب گناہ سے کہیں زیادہ قابل مذمت اور سزا کے لائق ہیں، خاص طور پر بایں صورت کہ اس کے مقبول بندوں نے اس میں تاویل سے کام لیا تھا، یا یہ کہنا چاہئے کہ ان سے اس معاملہ میں ایک طرح کی تقصیر ہوئی تھی، جس کو اللہ تعالیٰ ان کے عقیدۂ توحید، طاعت وعبادت،

---

(۱) سیرت ابن ہشام ص ۶۰۱۔۶۰۵

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہجرت اور اللہ کے لئے قربانی کی بدولت معاف کرنے والا ہے"(۱)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۃ الابواء(۲) میں جس کو "بواط" بھی کہا جاتا ہے، بہ نفس نفیس شرکت فرمائی، یہ آپ کا پہلا غزوہ ہے، لیکن اس میں جنگ کی نوبت نہیں آئی، چنانچہ آپ واپس تشریف لے آئے، اس کے بعد متعدد سرایا اور غزوات پیش آئے۔

روزہ کی فرضیت

جب عقیدہ مسلمانوں کے دلوں میں خوب راسخ ہوگیا، ان کو نماز سے پوری مناسبت پیدا ہوگئی، اور یہ مناسبت بڑھتے بڑھتے عشق کے درجہ تک پہونچ گئی ان کے اندر احکام شرعیہ اور اوامر الٰہیہ کی تعمیل کرنے کا ایک ایسا مزاج پیدا ہوگیا کہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ ان احکام کے انتظار میں رہتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے روزہ کا حکم نازل فرمایا۔

یہ ہجرت کے دوسرے سال کا واقعہ ہے، اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی:۔

يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ كُتِبَ عَلَيْكُمُ ٱلصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى ٱلَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ۔(سورۂ بقرہ۔۱۸۳)

مومنو! تم پر روزے فرض کیے گئے ہیں جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیے گئے تھے تاکہ تم پرہیزگار بنو۔

دوسری آیت یہ نازل ہوئی:۔

شَهْرُ رَمَضَانَ ٱلَّذِىٓ أُنزِلَ فِيهِ ٱلْقُرْءَانُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنَـٰتٍ مِّنَ ٱلْهُدَىٰ وَٱلْفُرْقَانِ، فَمَن شَهِدَ مِنكُمُ ٱلشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ(۳)۔(سورۂ بقرہ۔۱۸۵)

(روزوں کا مہینہ) رمضان کا مہینہ ہے جس میں قرآن (اول اول) نازل ہوا، جو لوگوں کا رہنما ہے جس میں ہدایت کی کھلی نشانیاں ہیں، اور جو حق و باطل کو الگ الگ کرنے والا ہے، تو جو کوئی تم میں سے اس مہینہ میں موجود ہو چاہئے کہ پورے مہینہ کے روزہ رکھے۔

---

(۱) زاد المعاد، ج۱، ص ۳۴۱

(۲) تفصیل کے لئے ملاحظہ کیجئے۔ سیرت ابن ہشام، ج۱، ص ۵۹۱۔۶۰۶

(۳) روزے کے اسرار و حکم معلوم کرنے، اس کی مشروعیت کی تفصیلات کے لئے ہماری کتاب "ارکان اربعہ" ملاحظہ ہو۔

بدر کی فیصلہ کن جنگ

(۲ھ)

جنگ بدر کی اہمیت

ہجرت کے دوسرے سال رمضان ہی میں بدر کی وہ فیصلہ کن اور تاریخ ساز جنگ ہوئی جس میں امت اسلامیہ کی تقدیر اور دعوت حق کے مستقبل کا فیصلہ ہوا جس پر پوری نسل انسانی کی قسمت کا انحصار تھا۔

اس کے بعد سے آج تک مسلمانوں کو جتنی فتوحات اور کامیابیاں حاصل ہوئیں، اور ان کی جتنی حکومتیں اور سلطنتیں قائم ہوئیں، وہ سب اسی فتح مبین کی رہین منت ہیں جو بدر کے میدان میں اس مٹھی بھر جماعت کو حاصل ہوئی، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اس جنگ کو ''یوم الفرقان'' (فیصلہ کن دن) قرار دیا ہے۔

اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا يَوْمَ الْفُرْقَانِ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ۔ (سورهٔ انفال۔ ٤١)

اگر تم خدا پر اور اس (کی نصرت) پر ایمان رکھتے ہو، جو (حق و باطل میں) فرق کرنے کے دن (یعنی جنگ بدر میں) جس دن دونوں فوجوں میں مٹھ بھیڑ ہوگئی، اپنے بندے (محمدؐ) پر نازل فرمائی۔

اس جنگ کا پس منظر یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اطلاع ملی کہ ابوسفیان شام سے قریش کے ایک بڑے تجارتی کارواں کو لے کر مکہ جا رہا ہے جس میں بڑا مال و اسباب ہے، یہ وہ وقت ہے، جب مسلمانوں اور مشرکوں میں معرکہ آرائی کا سلسلہ جاری تھا، اور قریش نے اسلام کی بڑھتی ہوئی قوت کے مقابلہ، راہ حق میں رکاوٹیں ڈالنے، اور مسلمانوں کے لئے مختلف قسم کی مشکلات پیدا کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی تھی، انھوں نے اپنے سارے مالی وسائل، سامان جنگ اور ضروری اسباب اس کے لئے وقف کر رکھے تھے، اور ان کے جنگی دستے مدینہ کے حدود اور چراگاہوں تک پہنچ جاتے تھے۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اطلاع ملی کہ ابوسفیان جو اسلام کا بدترین دشمن تھا، اتنے بڑے قافلے کے ساتھ آرہا ہے، تو آپؐ نے لوگوں کو آگے بڑھ کر اس کا سامنا کرنے کا حکم دیا، لیکن اس کا بہت

زیادہ اہتمام اور فکر نہیں کی گئی، اس لئے کہ وہ بہر حال ایک تجارتی قافلہ تھا، کسی لشکر کی فوج کشی نہ تھی (۱)۔

ادھر ابوسفیان کو یہ خبر پہنچی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس قافلہ کے مقابلہ کے لئے مدینے سے روانہ ہو چکے ہیں تو اس نے فوراً اپنا قاصد مکہ بھیجا اور قریش سے فریاد کی کہ وہ اس کی مدد کریں، اور مسلمانوں کو آگے بڑھنے سے روکیں، جب یہ فریاد اور پکار مکہ پہونچی تو قریش نے جنگ کی پوری تیاری شروع کردی، اور بہت تیزی کے ساتھ، ایک لشکر جرار لے کر مقابلہ کے لئے روانہ ہوئے، ان کے سرداروں میں سے کوئی سردار باقی نہیں بچا جو اس میں شریک نہ ہوا ہو، انھوں نے اطراف کے تمام قبائل کو اس میں شریک کرلیا قریش کی مختلف شاخوں کے آدمی اس میں شامل تھے، اور بمشکل کوئی باقی تھا، یہ لشکر بڑی حمیت و نخوت، غیظ و غضب اور انتقامی جذبہ کے ساتھ روانہ ہوا۔

انصار کی پیش کش اور ان کی اطاعت شعاری و جاں نثاری

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اطلاع ہوئی کہ قریش کا یہ زبردست لشکر روانہ ہو چکا ہے تو آپؐ نے اپنے اصحابؓ کرامؓ سے مشورہ فرمایا، لیکن اس وقت آپؐ کا روئے سخن انصار کی طرف تھا اس لئے کہ انھوں نے آپؐ سے اسی بات پر بیعت کی تھی کہ وہ مدینہ میں آپؐ کی پوری حفاظت اور مدد کریں گے، جب آپؐ نے مدینہ سے روانگی کا قصد فرمایا تو آپؐ نے یہ معلوم کرنا چاہا کہ اس وقت انصار کیا سوچ رہے ہیں؟ سب سے پہلے مہاجرین نے اپنی بات کہی اور بہت اچھی طرح آپؐ کو اپنی حمایت کا یقین دلایا، آپؐ نے دوبارہ مشورہ کیا، مہاجرین نے پھر آپؐ کی تائید کی، پھر جب تیسری بار آپؐ نے دریافت فرمایا تو انصار کو احساس ہوا کہ آپؐ کا روئے سخن انصار کی طرف ہے، چنانچہ سعد بن معاذؓ نے فوراً اس کا جواب دیا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہؐ شاید آپ کا روئے سخن ہم لوگوں کی طرف ہے، اور آپؐ ہماری بات سننا چاہتے ہیں، یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) شاید آپؐ کو یہ خیال ہو رہا ہے کہ انصار نے صرف اپنے وطن اور اپنی سرزمین میں آپؐ کی نصرت کا ذمہ لیا ہے، میں انصار کی طرف سے عرض کرتا ہوں اور ان کی جانب سے یہ بات کہہ رہا ہوں کہ آپؐ جہاں چاہیں روانہ ہوں جس سے چاہیں تعلق فرمائیں اور جس سے چاہیں ختم کریں ہمارے مال دولت میں سے جتنا چاہیں لیں، اور ہم کو جتنا پسند ہو عطا فرمائیں، اس لئے کہ آپؐ جو کچھ لیں گے وہ ہمیں اس سے کہیں زیادہ محبوب ہوگا جو آپؐ چھوڑیں گے، آپؐ کوئی حکم دیں

(۱) قرائن اور اس کی روایات و معمولات سے قیاس ہوتا ہے کہ یہ تجارتی قافلہ جنگی اسلحہ کی ایک بڑی مقدار لے کر شام سے آرہا تھا، اس لئے کہ مکہ و حجاز میں جنگی اسلحہ کے کوئی کارخانے نہیں تھے، وہ عام طور پر باہر ہی سے درآمد کئے جاتے تھے، ان اسلحہ سے مسلمانوں سے جنگ میں کام لیا جاتا، اس لئے اس قافلہ کو (جنگی و دفاعی نقطۂ نظر سے) بالکل نظر انداز نہیں کیا جا سکتا تھا۔

گے تو ہماری رائے آپؐ کے تابع فرمان ہوگی، خدا کی قسم اگر آپؐ چلنا شروع کریں یہاں تک ''برک غمدان'' (۱) تک پہونچ جائیں تب بھی ہم آپؐ کے ساتھ چلتے رہیں گے، اور خدا کی قسم اگر آپ اس سمندر میں داخل ہو جائیں گے تو ہم بھی آپ کے ساتھ اس میں کود جائیں گے۔

مقدادؓ نے کہا، ہم آپؐ سے ایسا نہ کہیں گے جیسا موسیٰؑ کی قوم نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا "فَاذْهَبْ أَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا إِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ" (۲) (جاؤ تم اور تمہارا رب دونوں مل کر جنگ کرو، ہم تو یہاں بیٹھے رہیں گے) ہم تو آپ کے دائیں لڑیں گے، اور بائیں لڑیں گے، آپ کے سامنے آکر لڑیں گے، اور آپؐ کے پیچھے لڑیں گے۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ گفتگو سنی تو روئے انور خوشی سے دمکنے لگا، اور آپ کو اپنے صحابہ کی زبان سے یہ الفاظ سن کر بڑی مسرت ہوئی، آپ نے فرمایا، "سیروا و أبشروا" (۳) (چلو اور بشارت حاصل کرو)۔

لڑکوں میں جہاد و شہادت کا شوق

جب مجاہدین بدر کی طرف روانہ ہوئے تو ایک صاحبزادہ جن کا نام عمیر بن ابی وقاصؓ تھا، اور جن کی عمر سولہ سال تھی، مجاہدین کے ساتھ روانہ ہوئے، ان کو ڈر تھا کہ کہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو چھوٹا سمجھ کر واپس نہ فرمادیں چنانچہ وہ آپ کی نگاہ سے بچ رہے تھے، ان کے بڑے بھائی سعد بن ابی وقاصؓ نے ان سے چھپنے کی وجہ دریافت کی تو عمیرؓ نے کہا کہ مجھے ڈر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے کمسن سمجھ کر واپس نہ پلٹا دیں، میں اس جہاد میں شریک ہونا چاہتا ہوں، شاید اللہ تعالیٰ مجھے بھی شہادت نصیب فرمائے، ان کو جس کا ڈر تھا، یہی ہوا رسول اللہ علیہ وسلم نے اس خیال سے کہ وہ ابھی جنگ کی عمر کو نہیں پہونچے ہیں، ان کو واپس کرنا چاہا تو وہ رونے لگے، یہ دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ

---

(۱) زادالمعاد، ج۱، ص۳۷۲، سیرت ابن ہشام میں برک غمدان کے بجائے برک الغماد کا لفظ آیا ہے، یہ یمن کے علاقہ میں ایک مقام کا نام ہے، ایک قول یہ بھی ہے کہ وہ حجر (دیار ثمود) کا ایک دور دراز حصہ ہے، سہیلی (سیرت ابن ہشام کے شارح) کہتے ہیں کہ میں نے تفسیر کی بعض کتابوں میں دیکھا ہے کہ وہ حبشہ کا شہر ہے، بہر حال وہ کوئی ایسا مقام تھا جو مدینہ طیبہ سے بہت دور پڑتا تھا، اور بُعد مسافت کے لئے ضرب المثل کی حیثیت رکھتا تھا، جیسے ہماری زبان میں ''کالے کوسوں''، ''کالا پانی''، ''کوہ قاف'' وغیرہ کے الفاظ بولے جاتے ہیں۔

(۲) سورۃ المائدہ۔۲۴۔

(۳) زادالمعاد، ج۱، ص۳۴۲۔۳۴۳، سیرت ابن ہشام، ج۱، ص۶۱۴ (باختلاف بعض الفاظ) بخاری نے بسلسلۂ تفسیر "إِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ، الخ" اور مسلم نے غزوۂ بدر کے باب میں باختصار یہ روایت نقل کی ہے۔

وسلم پر اثر پڑا، اور آپ ؐ نے انھیں شرکت کی اجازت دے دی، چنانچہ انھوں نے اسی معرکہ میں جامِ شہادت نوش کیا اور اپنی مراد کو پہونچے (۱)۔

مسلمانوں اور کافروں کی جنگی طاقت کا زبردست فرق

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تیزی کے ساتھ میدان جنگ کی طرف روانہ ہوئے آپ کی ہمرکابی میں صرف تین سو تیرہ مسلمان تھے، سامان جنگ کی قلت کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ مجاہدین اسلام کے پاس صرف دو گھوڑے اور ستر اونٹ تھے، ایک ایک اونٹ پر دو دو تین تین آدمی باری باری سے بیٹھتے تھے (۲)، اس میں سپہ سالار اور عام سپاہی اور افسر و ماتحت کی کوئی تفریق نہ تھی، اس نظام میں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بہ نفس نفیس حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما اور اجلۂ صحابہ سب شریک تھے۔

عمومی پرچم جہاد (اللّواء) مصعب بن عمیرؓ کو، مہاجرین کا پرچم (رایۃ) حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور انصار کا پرچم سعد بن معاذؓ کو عطا ہوا۔

جب ابوسفیان کو یہ اطلاع ملی کہ لشکر اسلامی روانہ ہو چکا ہے تو وہ نیچے ساحل سمندر کی طرف آ گیا، اور یہ اطمینان کر کے کہ اب اس کو کوئی خطرہ نہیں ہے، اور قافلہ بھی محفوظ ہے قریش کو یہ پیغام بھیجا کہ تم لوگ واپس لوٹ جاؤ اس لئے کہ تم قافلہ کی حفاظت کے لئے آئے تھے اور یہ مقصد حاصل ہو چکا ہے، یہ سن کر ان لوگوں نے واپس جانے کا ارادہ کیا لیکن ابوجہل کی ضد نے ان کو واپس جانے سے روک دیا، وہ اس پر کسی طرح تیار نہ ہوا کہ بغیر جنگ کئے واپس چلا جائے (۳)، قریش کے لشکر کی تعداد ایک ہزار سے اوپر تھی (۴)، اور اس میں گن گن کے تمام بڑے سردار، جنگ جو نوجوان، مانے ہوئے شہسوار اور آزمودہ کار سپاہی شامل تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دیکھ کر فرمایا کہ مکہ نے آج اپنے سب جگر کے ٹکڑوں کو تمہارے سامنے ڈال دیا ہے۔

مشورہ کی اہمیت

قریش کے لشکر نے بدر پہنچ کر وادی کے ایک طرف پڑاؤ ڈالا، مسلمانوں نے دوسری طرف،

(۱) دیکھئے اسد الغابۃ، ج۴، ص ۱۴۸

(۲) زاد المعاد، ج۱، ص ۳۴۲

(۳) زاد المعاد، ج۱، ص ۳۴۳، سیرت ابن ہشام، ج۱، ص ۶۱۸۔۶۱۹

(۴) امام احمد، بزّار اور طبرانی کی روایات میں یہی تعداد آئی ہے، ابن ابی شیبہ اور بیہقی نے بھی یہی تعداد بیان کی ہے، لیکن بعض دوسری روایات اور کتب سیرت میں اس سے کچھ کم وبیش اعداد بھی آئے ہیں۔

اسی درمیان میں حباب بن المنذر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! کیا اس منزل پر ہمارا پڑاؤ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہے، جس میں کوئی ردّ و بدل ہمارے لئے جائز نہیں، یا اس کا تعلق جنگی حکمت عملی اور تدبیر و انتظام سے ہے؟ آپ نے فرمایا نہیں یہ تدبیر وحکمت کی بات ہے اور اس میں دشمن کو دھوکہ میں ڈالنے کی تمام چیزیں اختیار کی جاسکتی ہیں، انھوں نے کہا یا رسول اللہ پھر میں عرض کروں گا کہ یہاں پڑاؤ اس نقطۂ نظر سے مناسب نہیں ہے، انھوں نے ایک دوسرے مقام کی نشاندہی کی جو جنگ کے لئے زیادہ موزوں اور سازگار تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تم نے معقول بات کہی، اس کے بعد آپ اپنے تمام آدمیوں کے ساتھ اس مقام کی طرف چلے اور اس جگہ قیام کیا جو پانی سے قریب ترین تھی (۱)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ رات تک سب سے پہلے پانی کے پاس پہونچ گئے اور اس کے حوض تیار کر لئے، آپؐ نے کفار کو بھی اس سے پانی پینے کی اجازت دی (۲)۔

اس رات کو اللہ تعالیٰ نے بارش کا انتظام بھی کر دیا جو کفار و مشرکین کے لئے تو بہت مہنگی پڑی اور ان کی پیش قدمی رک گئی، مسلمانوں کے لئے یہ رحمت کی بارش ثابت ہوئی، جس نے ریت کو اور جما دیا اور فضا ان کے حق میں خوش گوار اور سازگار کر دی، اور ان کے دلوں کو سکون و اطمینان نصیب فرمایا، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُم مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً لِّيُطَهِّرَكُم بِهِ وَيُذْهِبَ عَنكُمْ رِجْزَ الشَّيْطٰنِ وَلِيَرْبِطَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ وَيُثَبِّتَ بِهِ الْأَقْدَامَ (سورۂ انفال: ۱۱)

اور تم پر آسمان سے پانی برسایا تا کہ تم کو اس سے (نہلا کر) پاک کر دے، اور شیطانی نجاست کو تم سے دور کر دے، اور اس لئے بھی کہ تمہارے دلوں کو مضبوط کر دے اور اس سے تمہارے پاؤں جمائے رکھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بحیثیت سپہ سالار

اس موقع پر آپ کی غیر معمولی اور بے مثال قائدانہ قابلیت (آپ کی ابدی و عالمگیر رسالت کے ساتھ جو اس سب کی بنیاد اور سرچشمۂ الہام و ہدایت ہے) پوری آب و تاب کے ساتھ جلوہ ریز تھی، آپ کی حکیمانہ صف بندی اور تنظیم، خطرات اور اچانک حملوں کے سدباب کی تدبیر، دشمن کی جنگی طاقت، اس کی

(۱) سیرت ابن ہشام، ج ۱، ص ۶۲۰

(۲) ایضاً، ص ۶۲۲، باختصار

نفری، اس کے پڑاؤ اور مختلف دستوں کی تعیناتی کا صحیح اندازہ، یہ وہ چیزیں ہیں، جن سے آپ کی غیر معمولی جنگی عبقریت کا اندازہ ہوتا ہے، اور اس کی ضروری تفصیلات سیرت کی کتابوں میں بیان کی گئی ہیں (۱)۔

جنگ کی تیاری

آپ کے لئے ایک جگہ جو میدان جنگ کے سامنے ایک ٹیلہ پر تھی، چھپر ڈال دیا گیا، اس کے بعد آپؐ میدان میں تشریف لے گئے اور جگہ جگہ اپنے دست مبارک کے اشارے سے فرماتے رہے کہ انشاء اللہ یہاں فلاں آدمی مارا جائے گا، یہاں فلاں آدمی ہلاک ہوگا، اس جگہ فلاں شخص قتل کیا جائے گا، چنانچہ ایک جگہ بھی اس کے خلاف نہیں ہوا، اور آپ کا فرمانا حرف بحرف صحیح ثابت ہوا، اور اس جگہ میں فرق نہیں پڑا، جو جگہ آپ نے متعین فرمائی تھی۔

جب دونوں لشکر آمنے سامنے آکر کھڑے ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ''اے اللہ، یہ قریش کے لوگ آج اپنے پورے غرور و تکبر کے ساتھ آئے ہیں، یہ تجھ سے جنگ پر آمادہ ہیں، اور تیرے رسول کو جھوٹا ٹھہرا رہے ہیں''۔

یہ جمعہ کی رات تھی اور رمضان کی سترہ تاریخ، صبح نمودار ہوئی تو قریش اپنے تمام جنگی دستور کے ساتھ سامنے آچکے تھے، اور دونوں فریق صف آرا تھے (۲)۔

بارگاہِ الٰہی میں آہ وزاری اور دعا و مناجات

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صفیں درست فرمائیں، پھر ''عریش'' میں واپس تشریف لے آئے آپ کے ساتھ حضرت ابوبکرؓ بھی تھے، اس کے بعد آپؐ نے اللہ کے حضور میں گریہ وزاری اور دعاء و مناجات کا کوئی دقیقہ باقی نہیں چھوڑا، آپ خوب جانتے تھے کہ اگر آج مسلمانوں کی قسمت کا فیصلہ تعداد وقوت کے اصول پر ہے تو نتیجہ معلوم ہے، یہ وہی نتیجہ ہے جو ایک طاقت ور اور بڑی جماعت کے مقابلہ میں کمزور اور قلیل التعداد جماعت کے ساتھ ہمیشہ پیش آتا ہے، آپؐ نے جب ترازو کے دونوں پلڑوں پر نظر کی تو آپ کو مشرکین کا پلڑہ کھلے طور پر بھاری نظر آیا، دونوں میں کوئی تناسب ہی نہ تھا، آپؐ نے مسلمانوں کے پلڑہ پر وہ پاسنگ رکھ دیا جس سے وہ اچانک بھاری ہوگیا، آپ نے اس مالک الملک

---

(۱) جنگ بدر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو دفاعی وحفاظتی اقدامات اور جو مدبرانہ عسکری انتظامات فرمائے، ان کی تفصیل و وضاحت پاکستانی میجر جنرل محمد اکبر خاں کی کتاب ''حدیث دفاع'' (اردو) میں نیز عراقی جنرل محمود شیت خطاب کمانڈر انچیف کی کتاب ''الرسول القائد'' عربی میں دیکھی جاسکتی ہے۔

(۲) زاد المعاد، ج ۱، ص ۳۴۳-۳۴۴

اور شہنشاہ برحق کے سامنے اپنی فریاد رکھی اور اس سے نصرت وحمایت کے طالب ہوئے، جس کے فیصلہ اور حکم کو کوئی ٹال نہیں سکتا، آپؐ نے اس چھوٹے سے اسلامی لشکر (جو ہر قسم کے ساز وسامان سے محروم تھا) کے حق میں اللہ تعالیٰ سے سفارش فرمائی، آپؐ نے فرمایا "اللهم ان تهلك هذه العصابة لاتعبد بعدها فی الارض" (اے اللہ! اگر آج تو نے اس مٹھی بھر جماعت کو فنا کردیا تو پھر روئے زمین پر تیری عبادت کرنے والا کوئی نہ ہوگا)(۱) آپ بے خود وارفتہ ہوکر اللہ تعالیٰ سے دعا کررہے تھے اور یہ فرمارہے تھے کہ "اللهم أنجزني ماوعدتني، اللهم نصرك" اللہ تو نے مجھ سے جس چیز کا وعدہ کیا ہے، وہ پورا فرما، اے اللہ! تری مدد کی ضرورت ہے) آپ اپنے دونوں ہاتھ اٹھا کر دعا فرمارہے تھے، یہاں تک کہ آپ کی چادر شانۂ مبارک سے گر پڑی، حضرت ابوبکرؓ آپ کو تسلی دے رہے تھے، اور اطمینان دلارہے تھے، ان سے آپ کی اتنی زیادہ گریہ وزاری اور بے تابی و بے قراری دیکھی نہیں جاتی تھی (۲)۔

امت کا صحیح تعارف اور اس کے اصل مقام وپیغام کا تعین

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان چند پاکیزہ نفوس کے لئے اس نازک لمحہ میں جن مختصر الفاظ کے ساتھ دعا کی اس میں آپ کا ناز واعتماد، اضطراب وبیقراری اطمینان قلب اور سکینت اور عجز واحتیاج کے تمام پہلو بیک وقت جلوہ گر تھے، یہ اس امت کا بہترین وصحیح تعارف، اقوام عالم میں اس کے اصل مقام وپیغام، اور دنیا کے بازار میں اس کی قیمت، افادیت، اور ضرورت کی پوری وضاحت وتعین کے ساتھ نشان دہی تھی، اور اس بات کا اظہار واعلان تھا کہ یہ امت جس سرحد یا محاذ کی حفاظت پر مامور ہے، وہ دعوت الی اللہ اور اخلاص کے ساتھ اس کی عبادت اور کامل اطاعت کا محاذ ہے۔

اس فتح مبین نے (جس نے تمام اندازوں اور تجربات کو غلط ثابت کردکھایا) آپؐ کے ان

---

(۱) آپ کی اس دعا کے قبول ہونے اور تعداد کے اس عظیم تفاوت کے باوجود میدان بدر میں مسلمانوں کے فتح یاب ہونے سے قدرتی طور پر یہ نتیجہ نکالنا صحیح اور معقول ہوگا کہ اب مسلمانوں کی آزادی اور عزت کے ساتھ رہنے اور زندگی کے معرکوں میں فتح یاب ہونے کی شرط یہی ہے کہ وہ دین حق، توحید خالص اور عبودیت وبندگی زندگی کے داعی اور اس کی بقا اور استمرار کا راز، اور اس کے فتح وغلبہ کی شرط ہے۔

(۲) دیکھئے زاد المعاد، اور سیرت کی دوسری کتب، امام مسلم نے کتاب الجہاد والسیر میں یہ روایت حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی زبان سے بیان کی ہے، اور اس کے الفاظ یہ ہیں، جب بدر کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے تین سو انیس اصحاب کرام اور سرفروشان اسلام کے ساتھ وہاں منزل کی تو آپ قبلہ رخ ہوگئے، اور اپنے ہاتھ اٹھا کر اللہ تعالیٰ سے دعا شروع کی کہ اے اللہ تو نے مجھ سے جو وعدہ کیا تھا وہ پورا فرما، جو تو نے وعدہ کیا تھا وہ مجھے عطا فرمایا، اے اللہ اگر اہل اسلام کی یہ مختصر جماعت آج ختم ہوجاتی ہے تو روئے زمین پر پھر تیری کوئی عبادت کرنے والا نہ ہوگا" (باب الامداد بالملائكة في غزوة بدر)۔

الفاظ پر ہمیشہ کے لئے مہر ثبت کردی، اوراس کا عملی ثبوت فراہم کردیا کہ یہ بات حرف بحرف درست تھی، اوراس امت کی صحیح سچی اور بولتی ہوئی تصویر یہی ہے۔

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لشکر کے سامنے تشریف لائے اوران کو خدا کے راستہ میں جہاد وشہادت کا شوق دلایا، اسی درمیان میں عتبہ بن ربیعہ، اس کا بھائی شیبہ اوراسکا بیٹا ولید سامنے آئے اور درمیان صف میں آکر کھڑے ہوئے اور مبارزطلبی کی، ان کے جواب میں انصار کے تین نوجوان نکلے، ان کو دیکھ کرانھوں نے پوچھا، تم کون لوگ ہو؟

انھوں نے کہا، ہم انصار میں سے ہیں۔

کہنے لگے، شریف لوگ ہو، لیکن ہمارے جوڑ کے نہیں ہو، ہمارے مقابلہ کے لئے ہمارے چچازاد بھائیوں (قریش) میں سے کسی کو بھیجو، اس موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عبیدہ بن الحارثؓ، حمزہؓ، علیؓ! تم تینوں ان کے مقابلہ کے لئے جاؤ۔

ان کو دیکھ کرانھوں نے کہا، ہاں اب برابر کی جوڑی ہے۔

سب سے پہلے حضرت عبیدہؓ نے جن کی عمران سب سے زیادہ تھی عتبہ کو للکارا حضرت حمزہؓ نے شیبہ کو دعوت مبارزت دی اور حضرت علیؓ نے ولید بن عتبہ سے دو، دو ہاتھ کیے، حضرت حمزہؓ وحضرت علیؓ نے تو دیکھتے ہی دیکھتے ان دونوں کا کام تمام کردیا، حضرت عبیدہ اور عتبہ میں کچھ ہاتھ ہوئے لیکن کوئی فیصلہ نہیں ہو پارہا تھا کہ حضرت حمزہؓ اور حضرت علیؓ اپنی تلواریں لے کر عتبہ پر حملہ آور ہوئے، اوراس کا کام تمام کر کے حضرت عبیدہؓ کو زخمی حالت میں واپس لائے، اوروہ شہادت سے سرخرو ہوئے (۱)۔

آغاز جنگ

اسی وقت دونوں لشکر برسرپیکار ہوگئے اورایک دوسرے سے بالکل قریب ہوکر جنگ ہونے لگی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ چلو بڑھو اس جنت کی طرف جس کی چوڑائی آسمانوں اورزمین کے برابر ہے۔

پہلا شہید

عمیر بن الحمام انصاری نے یہ جملہ سنا تو کہنے لگے کہ یارسول اللہ وہ جنت آسمانوں اورزمین کے برابر ہے؟ آپؐ نے فرمایا، ہاں! کہنے لگے واہ واہ! آپ نے فرمایا، یہ بات کیا کہہ رہے ہو؟ انھوں

(۱) سیرت ابن ہشام، ج ۱، ص ۶۲۵

نے کہانہیں یارسول اللہ اور کوئی بات نہیں، یہ میں اس خیال سے کہہ رہاہوں کہ شاید میری قسمت میں بھی یہ جنت ہو؟ آپؐ نے فرمایا، ہاں ہاں تمہیں یہ جنت نصیب ہوگی، اس کے بعد انھوں نے اپنے ترکش سے کچھ کھجوریں نکالیں اور کھانے لگے، پھر اچانک کہنے لگے کہ اگر میں نے ان کھجوروں کے ختم ہونے کا انتظار کیا تو بہت دیر لگادوں گا، اتنا جینے کی تاب نہیں، یہ کہہ کر جو کھجوریں رہ گئی تھیں پھینک دیں اور میدان جنگ میں کود پڑے اور شہادت پائی، یہ جنگ بدر کے پہلے شہید تھے (۱)۔

دوسری طرف مجاہدین اسلام صف بستہ اور سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح لشکر کفار کے مقابلہ پر ڈٹے ہوئے تھے، صبر وعزیمت کے پیکر، دل یاد الٰہی میں مشغول اور زبانیں اس کے ذکر وتسبیح میں زمزمہ سنج، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھر پور طریقہ پر جنگ میں حصہ لیا، آپؐ دشمن سے سب سے زیادہ قریب تھے، اور آپؐ سے زیادہ بہادر اور شجاع اس وقت کوئی دوسرا نظر نہ آتا تھا (۲)، اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی مدد کے لئے فرشتے بھیجے، اور انھوں نے مشرکین کو تہس نہس کر دیا، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِذْ يُوْحِيْ رَبُّكَ اِلَى الْمَلٰٓئِكَةِ اَنِّيْ مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا، سَاُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ وَاضْرِبُوْا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ۔ (سورۂ انفال۔۱۲)

جب تمہارا پروردگار فرشتوں کو ارشاد فرماتا تھا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں، تم مومنوں کو تسلی دو کہ ثابت قدم رہیں میں ابھی ابھی کافروں کے دلوں میں رعب اور ہیبت ڈالے دیتا ہوں تم بھی ان کے سر مار کر، اڑادو، اور ان کا پور پور مار کر (توڑ) دو۔

شوق جہاد اور ذوقِ شہادت میں بھائیوں کا مقابلہ اور رسہ کشی

اس شہادت اور سعادت سے بہرہ مند وسرفراز ہونے میں آج سگے بھائیوں اور جگری دوستوں میں بھی مقابلہ اور رسہ کشی ہو رہی تھی، عبدالرحمٰن بن عوفؓ بیان کرتے ہیں کہ میں معرکۂ بدر میں اپنے دستہ میں تھا کہ اچانک میری نگاہ اٹھی میں نے دیکھا کہ میرے دائیں اور بائیں دو کمسن نوجوان ہیں، ان دو جوانوں کو اپنے دائیں بائیں دیکھ کر مجھے کچھ اطمینان نہ ہوا (۳)، ابھی یہ سوچ ہی رہا تھا کہ ان میں سے ایک نے اپنے ساتھی سے چھپاتے ہوئے میرے کان میں چپکے سے کہا، چچا مجھے ذرا ابوجہل کو دکھا دیجئے، میں نے کہا تمہارا اس سے کیا مطلب ہے؟ انھوں نے کہا کہ میں نے اللہ سے

---

(۱) زادالمعاد، ج ۱، ص ۳۴۵، سیرت ابن کثیر، ج ۲، ص ۴۲۱

(۲) سیرت ابن کثیر، ج ۲، ص ۴۲۵

(۳) کہ اگر کوئی نازک وقت آیا تو یہ دونوں نوعمر نوجوان میری کیا مدد کرسکیں گے۔

عہد کیا تھا کہ جہاں کہیں بھی اس کو دیکھ لوں گا اس کو ضرور ٹھکانے لگاؤں گا، یا اپنی جان دے دوں گا، دوسرے بھی میرے کان میں چپکے سے یہی بات کہی، حضرت عبدالرحمٰن کہتے ہیں کہ میں نے ابوجہل کی طرف اشارہ ہی کیا تھا کہ دونوں عقاب کی طرح اس پر جھپٹے اور اس کو وہیں ڈھیر کر دیا، یہ دونوں جانباز ''عفراء'' کے چشم و چراغ تھے (۱)۔

جب ابوجہل ہلاک ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، یہ ابوجہل ہے، اس امت کا فرعون (۲)۔

فتح مبین

یہ جنگ مسلمانوں کی فتح مبین اور مشرکین و کفار کی ذلت آمیز شکست پر ختم ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "اللّٰه اکبر الحمد لله الذی صدق وعده، ونصر عبده وهزم الاحزاب وحده" (خدا کا شکر ہے جس نے اپنا وعدہ پورا کیا، اپنے بندہ کی مدد فرمائی اور تنہا ساری ٹولیوں اور گروہوں کو شکست دی)۔

قرآن مجید نے اس کیفیت کی ترجمانی اس آیت میں کی ہے:۔

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ ، فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ۔ (سورۂ آل عمران۔ ۱۲۳)

اور خدا نے جنگ بدر میں بھی تمہاری مدد کی تھی اور اس وقت بھی تم بے سروسامان تھے، پس خدا سے ڈرو (اور ان احسانوں کو یاد کرو) تاکہ شکر کرو۔

آپؐ نے حکم دیا کہ کفار کے سارے مقتولین اسی اندھے کنویں میں ڈال دیئے جائیں، جو وہاں تھا، وہ سب اس میں پھینک دیئے گئے، آپؐ وہاں تشریف لے گئے، اور اوپر کھڑے ہو کر فرمایا، اے کنویں والو! کیا تم کو تمہارے رب کا کہنا سچ نظر آیا؟ میں نے تو اپنے رب کا وعدہ بالکل حق پایا ہے۔

اس جنگ میں کفار کے ستر بڑے نامی گرامی سردار مارے گئے، اور ستر ہی قیدی بنائے گئے (۳)۔

مسلمانوں میں قریش کے چھ اور انصار کے آٹھ آدمی شہید ہوئے (۴)۔

---

(۱) صحیحین، یہ الفاظ صحیح بخاری کے ہیں (کتاب المغازی باب غزوة بدر)
(۲) سیرت ابن کثیر، ج ۲، ص ۴۴۴
(۳) صحیح بخاری، روایت براء بن عازبؓ (غزوهٔ بدر، کتاب المغازی)
(۴) سیرت ابن کثیر، ج ۲، ص ۴۶۳

جنگ بدر کے اثرات ونتائج

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مظفر ومنصور مدینہ واپس تشریف لائے، مدینہ اور اس کے اطراف میں آپؐ کے دشمنوں پر اس فتح کے بعد آپؐ کا رعب ودبدبہ قائم ہوگیا اور بہت بڑی تعداد میں اہل مدینہ اسلام لے آئے۔

اس سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نوید مسرت سنانے کے لئے جن دو خاص نمائندوں کو شہر بھیجا، ان میں عبداللہ بن رواحہ بھی تھے، وہ مدینہ والوں کو خوش خبری دیتے اور کہتے، اے گروہ انصار! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی وسلامتی اور کفار کا قتل اور گرفتاری تمہیں مبارک ہو، قریش کے جو سردار اور جنگی قائد اس میں مارے گئے وہ اس میں سے ایک ایک کے نام کا اعلان کرتے، اور گھر گھر جاکر یہ مژدہ سناتے، بچے ان کے ساتھ سرور وشوق میں مختلف اشعار پڑھتے، اور ترانے گاتے، کچھ لوگوں میں کسی کو اس خبر کی صداقت پر یقین تھا کسی کو تردد کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بہ نفس نفیس مدینہ تشریف لے آئے، اس کے بعد قیدیوں کو لایا گیا ان کے نگراں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام "شقران" (۱) تھے جب آپؐ "روحا" پہونچے تو مسلمانوں نے آگے بڑھ کر آپؐ کا استقبال کیا، اور آپؐ کو اور آپؐ کے ساتھ جو مسلمان تھے، ان کو اللہ تعالیٰ نے جو فتح نصیب فرمائی، اس کی مبارک باد پیش کی۔

مشرکین مکہ کے گھروں میں صف ماتم بچھ گئی اور مقتولین پر رونا پیٹنا شرع ہوگیا (۲)، دشمنان اسلام کے دلوں میں رعب بیٹھ گیا، ابوسفیان نے نذر مانی کہ جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں سے اس کی دوبارہ جنگ نہیں ہوگی، اس وقت تک وہ اپنے سر پر پانی کا ایک قطرہ بھی نہیں ڈالے گا، مکہ کے کمزور اور دبے ہوئے مسلمانوں نے اس سے اطمینان کی سانس لی اور انھوں نے اپنے اندر طاقت اور عزت محسوس کی۔

ایمان کا رشتہ خون کے رشتہ سے بالاتر

اس جنگ میں ابوعزیز بن عمیر بن ہاشم بھی قیدی بنا کر لائے گئے، یہ مصعب بن عمیرؓ کے سگے بھائی اور ایک ماں باپ کی اولاد تھے، مصعب بن عمیرؓ مسلمانوں کے پرچم بردار تھے، اور ان کے بھائی لشکر کفار کے پرچم بردار۔

واقعہ یہ پیش آیا کہ جب مصعبؓ ان کے پاس سے گذرے تو اس وقت ایک انصاری ان

(۱) سیرت ابن کثیر، ج ۲، ص ۴۷۰۔ ۴۷۳

(۲) سیرت ابن ہشام، ج ۱، ص ۶۴۷۔ ۶۴۸

کے ہاتھ باندھ رہے تھے، مصعبؓ نے انصاری سے کہا کہ ذرا اچھی طرح کسنا، اس کی ماں بڑی مالدار ہے، اس سے فدیہ کی اچھی رقم ہاتھ آنے کی امید ہے، ابوعزیز نے یہ سنکر اپنے بھائی مصعب کی طرف رخ کرکے کہا کہ بھائی تم (بھائی ہوکر) یہ صلاح دے رہے ہو؟ مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ تم میرے بھائی نہیں ہو، بھائی وہ ہے جو تمہاری مشکیں کس رہا ہے(۱)۔

مسلمانوں نے قیدیوں کے ساتھ کیا سلوک کیا؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیدیوں کے ساتھ اچھا معاملہ کرنے کی نصیحت فرمائی اور ارشاد ہوا کہ ''استوصوا بھم خیراً'' (ان سے اچھا معاملہ کرنا) یہی ابوعزیز راوی ہیں کہ جب وہ مجھے بدر سے قیدی بنا کر لائے تو مجھے انصار کے ایک خاندان میں جگہ ملی، وہ دونوں وقت اپنے کھانوں میں سے روٹی تو مجھے دیتے اور خود کھجور پر اکتفا کرتے، یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اسی نصیحت وہدایت کا اثر تھا، کسی کو کہیں سے روٹی کا ایک ٹکڑا بھی مل جاتا تو مجھے لاکر دیتا مجھے شرم محسوس ہوتی اور میں اسے لوٹا دیتا لیکن وہ زبردستی مجھے دیتا، اور خود اسے ہاتھ بھی نہ لگاتا(۲)۔

انھیں قیدیوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا عباس بن عبدالمطلب اور آپؐ کے چچازاد بھائی عقیل بن ابی طالب(۳)، آپ کی صاحبزادی حضرت زینبؓ کے شوہر ابوالعاص بن الربیع بھی تھے، ان کے ساتھ کوئی امتیازی سلوک نہیں کیا گیا، جو معاملہ عام قیدیوں کے ساتھ تھا، وہی ان کے ساتھ بھی تھا۔

بچوں کی تعلیم کے معاوضہ میں قیدیوں کی رہائی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان قیدیوں سے عفو ودرگذر کا معاملہ فرمایا اور ان کا فدیہ قبول کیا، جو جتنا دولت مند ہوتا یہ فدیہ اسی کے بقدر اس سے لیا جاتا، جس کے پاس دینے کے لئے کچھ نہ ہوتا آپؐ اس کو اپنی طرف سے رہائی کا حکم فرماتے، غرض قریش نے اپنے بہت سے قیدی فدیہ دے کر آزاد کرائے۔

کچھ ایسے قیدی بھی تھے جن کا فدیہ نہیں ہوسکا، ان کا فدیہ آپؐ نے یہ تجویز کیا کہ وہ انصار کے بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھائیں(۴)، ایک قیدی پر دس مسلمانوں کی تعلیم ضروری قرار دی گئی(۵)،

---

(۱) سیرت ابن کثیر، ج ۲، ص ۴۷۵

(۲) سیرت ابن کثیر، ج ۲، ص ۴۷۵

(۳) سیرت ابن ہشام، ج ۲، ص ۳

(۴) مسند احمد، ج ۱، ص ۲۴۷

(۵) طبقات ابن سعد، ج ۲، ص ۱۴

زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے اسی طریقہ سے تعلیم حاصل کی تھی، اس حکم میں علم کی جتنی قدر دانی اور تعلیم کی جو ہمت افزائی مضمر ہے، اس کی توضیح کی شاید ضرورت نہیں۔

دوسرے غزوات وسرایا

ابوسفیان نے جیسا کہ اوپر گزرا ہے قسم کھائی تھی کہ جب تک مسلمانوں سے بدلہ نہیں لیا جائے گا اس وقت تک وہ اپنے سر پر پانی کا ایک قطرہ نہ پڑنے دیں گے، وہ اپنی قسم پوری کرنے کے لئے قریش کے دوسو سواروں کے ساتھ حملہ کی نیت سے نکلے، بنی النضیر کے سردار سلام بن مشکم سے اجازت چاہی، نہ انہوں نے نہ صرف اجازت دی بلکہ ان کی خوب ضیافت ومہمان نوازی کی، اور مدینہ کے حالات سے مطلع کیا اور کچھ لوگوں کو بھیجا جنھوں نے انصار میں سے دو آدمیوں کو شہید کر دیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کے ساتھ ان کے تعاقب میں نکلے لیکن ابوسفیان اور ان کے ہمراہی مسلمانوں کے پہونچنے سے پہلے نکل بھاگے اور اپنے پیچھے بہت بڑی مقدار میں غلہ اور اجناس جن میں زیادہ تر ستو تھے چھوڑ گئے، اسی لئے اس کو "غزوۂ سویق" بھی کہا جاتا ہے(۱)۔

بنی قینقاع کے ساتھ معاملہ

بنو قینقاع پہلے یہودی تھے جنھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معاہدہ کو توڑا، آپؐ سے جنگ کی، مسلمانوں کو اذیت پہونچائی، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا محاصرہ کر لیا اور پندرہ راتیں اسی حال میں گزار دیں یہاں تک کہ انھوں نے اپنا سر جھکا دیا، اور آپؐ کے فیصلہ پر راضی ہوگئے، ان کے حلیف عبداللہ بن ابی (رأس المنافقین) نے آپؐ کی خدمت میں ان کی سفارش کی، چنانچہ ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا لحاظ کر کے محاصرہ اٹھالیا(۲)، یہ سات سو جنگ جو تھے، اور زیادہ تر سناری اور دکانداری کا پیشہ کرتے تھے(۳)۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان یہود کے لئے اس شرط پر عفو عام کا حکم دے دیا کہ وہ مدینہ سے نکل کر کہیں بھی چلے جائیں، چنانچہ ان میں سے بہت سے اطمینان کے ساتھ شام چلے گئے اور منقولہ سامان بھی اپنے ساتھ لے گئے، بنو قینقاع اپنے تمرد و بدعہدی کی وجہ سے سزائے موت کے

---

(۱) سیرت ابن ہشام، ج ۲، ص ۴۴۔۴۵، عربی میں ستو کو "سویق" کہتے ہیں۔

(۲) سیرت ابن ہشام، ج ۲، ص ۴۷۔۴۹

(۳) زاد المعاد، ج ۱، ص ۳۴۸

منتظر تھے مگر وہ بھی سلامتی کے ساتھ یثرب سے چلے گئے (۱)۔

کعب بن الاشرف بھی جو یہودیوں کا بڑا سردار تھا آپ کو برابر تکلیفیں پہونچاتا رہتا تھا، اور مسلمان شریف زادیوں کے بارے میں غزلیہ اشعار کہتا تھا، جنگ بدر کے بعد اس نے مکہ میں جاکر کفار کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے خلاف بھڑکانا شروع کیا، اسی حال میں وہ مدینہ پہونچا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی آمد کی خبر پاکر فرمایا، کعب بن الاشرف نے اللہ اور اس کے رسول کو بہت تکلیف پہونچائی ہے، اس کا کوئی انتظام کرسکتا ہے؟ انصار کے کچھ لوگ یہ خدمت انجام دینے کے لئے اسی وقت کھڑے ہوگئے اور اس کا خاتمہ کردیا (۲)۔

---

(۱) ملاحظہ ہو سیرت ابن ہشام، ق۲، ص ۴۸ W. MONTGOMERY WATT اپنی کتاب "MOHAMMAD PROPHET AND STATESMAN" میں لکھتا ہے:۔

''بنوقینقاع کا اخراج ایک اہم عامل تھا، جس نے آنحضرتؐ کے مرکز کو مضبوط کیا، اس اخراج کا سبب روایات میں یہود قینقاع اور بعض مسلم تاجروں کے درمیان وہ معمولی جھگڑا بتایا جاتا ہے جو مدینہ کے بازار میں واقع ہوا'' الخ

مانٹگمری واٹ کو اس سے اتفاق نہیں کہ اس اخراج کی وجہ سوق بنی قینقاع میں ایک مسلمان عورت پر یہود کی زیادتی تھی، جو سیرت کی کتابوں میں مذکور ہے، وہ لکھتا ہے کہ ''محمدؐ کے یہود کے اخراج کے اقدام کے اسباب اس سے گہرے ہیں، جو اس وقتی واقعہ سے منسوب کئے جاتے ہیں، اصل وجہ یہود کا مسلم معاشرہ میں ضم نہ ہونا تھا''۔

وہ مزید لکھتا ہے ''محمدؐ کو یہود اور اپنے حریف قریش مکہ کے درمیان دوستانہ تعلقات کا بھی علم ہوگا، جو مسلمانوں اور یہود کے درمیان معاہدہ کی روح کے خلاف سمجھے گئے''۔

تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو ''غزوۂ بنی قینقاع'' از استاذ محمد احمد باشمیل۔

(۲) زادالمعاد، ج ۲، ص ۳۴۸، اختصار کے ساتھ۔

غزوۂ احد
(شوال ۳ھ)

جاہلی حمیت اور جذبۂ انتقام

جنگ بدر میں جب قریش کے بڑے بڑے سردار مارے گئے اور باقی ماندہ فوج نے منتشر ہو کر مکہ کی طرف راہ فرار اختیار کی تو اس کا مکہ والوں پر بہت برا اثر پڑا، یہ واقعہ ان کے لئے ایک عظیم سانحہ سے کم نہ تھا، چنانچہ وہ سب لوگ جن کے باپ بیٹے اور بھائی مارے گئے تھے جمع ہو کر ابوسفیان کے پاس گئے، اور اس سے اور قریش کے اس قافلہ میں جن لوگوں کا حصہ تھا ان لوگوں سے بھی اس معاملہ میں مشورہ کیا اور انھیں کے روپیہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ایک نئی جنگ کی تیاری شروع کی، شاعروں نے ان کو حسب معمول غیرت دلانی شروع کی اور ان کی حمیت جاہلیت کو ابھارا۔

ہجرت کے تیسرے سال ماہ شوال کے وسط میں قریش کا یہ لشکر اپنے پورے ساز وسامان کے ساتھ روانہ ہوا، قریش کے ان نوجوانوں کے ساتھ دوسرے قبائل کے لوگ بھی تھے جو قریش کو اپنا سردار تسلیم کرتے تھے، ان کے ساتھ عورتیں بھی تھیں جو اپنے محمل میں اس لشکر کے ساتھ اس غرض سے بھیجی گئی تھیں کہ مرد ان کی وجہ سے راہ فرار نہ اختیار کر سکیں (۱)۔ قریش کے سردار اپنی بیویوں کے ساتھ تھے، غرض یہ لشکر روانہ ہوا اور اس نے مدینہ کے سامنے پڑاؤ ڈالا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ رائے تھی کہ مسلمان مدینہ میں ہی رہیں اور ان لوگوں سے کوئی تعرض نہ کریں، اگر وہ خود حملہ کریں تو ان سے قتال کریں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شہر چھوڑ کر اور باہر نکل کر ان سے مقابلہ پسند نہیں فرما رہے تھے، عبداللہ بن ابی کی بھی رائے وہی تھی، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تھی، لیکن بعض ان مسلمانوں نے جو بدر کی جنگ میں شریک نہیں ہو سکے تھے، اور ان کو اس کی حسرت رہ گئی تھی یہ کہا کہ یا رسول اللہ! آپ باہر نکل کر دشمنوں کا مقابلہ کریں کہیں ان کو یہ محسوس نہ ہو کہ ہم بزدلی اور کمزوری کی وجہ سے باہر نہیں نکل رہے ہیں، یہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ

---

(۱) ابن ہشام، ج ۲، ص ۶۰۔۶۲

وسلم سے جب اسی قسم کی باتیں کر رہے تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دولت کدہ میں تشریف لے گئے اور زرہ پہن کر باہر تشریف لائے، اس وقت ان لوگوں کو جو باہر نکل کر مقابلہ کے داعی تھی، ندامت ہوئی انھوں نے کہا، یا رسول اللہؐ ہم نے آپؐ کو آپؐ کی مرضی کے خلاف اس کام پر آمادہ کیا ہے، جو ہمیں نہیں کرنا چاہئے، اگر آپؐ چاہیں تو تشریف رکھیں اور یہیں رہ کر مقابلہ فرمائیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نبی کی یہ شان نہیں کہ مسلح ہونے کے بعد جنگ سے پہلے ہتھیار رکھ دے (۱)، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہزار صحابیوں کے ساتھ مقابلہ کے لئے تشریف لے چلے، مدینہ سے کچھ دور پہونچے تھے کہ عبداللہ بن ابی ایک تہائی آدمیوں کے ساتھ آپؐ کو چھوڑ کر واپس چلا گیا، اس نے کہا کہ میری بات تو انھوں نے ٹھکرا دی اور نو جوانوں کی بات مان لی (۲)۔

اُحد کے دامن میں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش قدمی کر کے اور پہاڑ کے دامن میں (جو مدینہ منورہ سے تین کلومیٹر کے فاصلہ پر ہے) پڑاؤ ڈالا، آپؐ نے اپنی پشت احد کی طرف کی اور لشکر کو بھی اسی حساب سے تعینات کیا (۳)۔ اس کے بعد آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ جب تک میں حکم نہ دوں کوئی جنگ کا آغاز نہ کرے، پھر آپؐ نے جنگ کی باضابطہ تیاری فرمائی، آپؐ کے ہمراہ اس وقت سات سو آدمی تھے، تیر اندازوں پر آپؐ نے عبداللہ بن جبیرؓ کو مامور کیا، ان کی تعداد پچاس تھی، ان کو آپؐ نے صراحت کے ساتھ یہ حکم دیا کہ وہ تیر اندازی کے ذریعہ گھوڑسواروں کی پیش قدمی روکیں اور اس کا خیال رکھیں کہ وہ ہماری پشت پر نہ آجائیں، خواہ جنگ کا پانسہ ہمارے حق میں ہو یا ہمارے خلاف ہو (۴)، آپؐ نے ان کو یہ بھی ہدایت کی کہ وہ اپنی پوزیشن کسی حالت میں نہ چھوڑیں اور اس جگہ سے ہرگز نہ ہٹیں، خواہ چڑیاں مسلمانوں کے لشکر کو اچک لے جائیں (۵)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر دوہری زرہ پہنی اور اسلامی لشکر کا پرچم مصعب بن عمیرؓ کو عطا فرمایا۔

---

(۱) سیرت ابن ہشام، ج ۲، ص ۶۳

(۲) ایضاً ص ۶۴

(۳) میدانِ جنگ کی صحیح پوزیشن اور جنگی حکمت عملی کو سمجھنے کے لئے ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب حیدر آبادی حال مقیم پیرس کی کتاب ''عہد نبوی کے میدان جنگ'' کا مطالعہ کیا جائے۔

(۴) سیرت ابن ہشام، ج ۲، ص ۶۶

(۵) زاد المعاد، ج ۱، ص ۳۴۹، نیز صحیح بخاری باب ''غزوۂ احد'' کتاب المغازی۔

ہم عمروں میں مقابلہ اور مسابقت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ احد میں کچھ نوعمر لڑکوں کو ان کی کم عمری کی وجہ سے واپس فرما دیا تھا، ان میں سمرۃ بن جندبؓ اور رافع بن خدیجؓ بھی تھے، ان دونوں کی عمریں پندرہ سال سے زیادہ نہ تھیں، رافع کے والد نے اپنے لڑکے کی سفارش کرتے ہوئے عرض کیا کہ، یا رسول اللہ! میرا لڑکا رافع بڑا تیرانداز ہے، آپؐ نے ان کی سفارش قبول فرمائی اور ان کو اس غزوہ میں شرکت کی اجازت دے دی، پھر سمرۃ بن جندبؓ آپؐ کے سامنے پیش کئے گئے یہ بھی رافع کے ہم سن تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بھی واپس فرما دیا، سمرۃؓ نے عرض کیا کہ حضور آپ نے رافعؓ کو اجازت دے دی اور مجھے واپس فرما دیا، حالانکہ اگر میری ان سے کشتی ہو تو میں ان کو پچھاڑ سکتا ہوں، دونوں میں کشتی ہوئی اور سمرہ نے رافع کو چت کر دیا، اور اس طرح ان کو بھی غزوہ احد میں شرکت کی اجازت مل گئی (۱)۔

لڑائی کا آغاز

لڑائی شروع ہوئی اور دونوں فریق ایک دوسرے سے گتھ گئے، ہند بنت عتبہ عورتوں میں موجود تھی، عورتیں دف بجا بجا کر مردوں کو جنگ پر آمادہ کر رہی تھیں، یہاں تک کہ جنگ اپنے پورے شباب پر پہونچ گئی، ابو دجانہ رسول اللہ صلی للہ علیہ سلم سے تلوار لیکر میدان جنگ میں گھس گئے، جو کوئی ان کے سامنے آتا ان کی تلوار سے بچ کر نہ جاتا (۲)۔

یہ ہفتہ کے روز ۷ رشوال ۳ھ کا واقعہ ہے

حضرت حمزہ اور مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہما کی شہادت

حضرت حمزہؓ نے بھی اس لڑائی میں اپنی شجاعت کے خوب جوہر دکھائے، اور بڑے بڑے سرداروں کو موت کے گھاٹ اتارا، کسی کو ان کے سامنے ٹھہرنے کی طاقت نہ تھی، لیکن جبیر بن مطعم کا غلام وحشی ان کی گھات میں تھا وہ بھالا پھینک کر اپنے مقابل کو ختم کرنے میں خاص مہارت رکھتا تھا، جبیر نے اس سے وعدہ کیا تھا کہ اگر وہ حمزہ کو قتل کر دے گا تو اس کو اس کے انعام میں آزاد کر دے گا، اس کا چچا طعیمہ جنگ بدر میں مارا گیا تھا اور اس کا ملال بھی اس کے دل میں تھا، دوسری طرف ہند اس کو حضرت حمزہؓ کے قتل پر اکسا رہی تھی، وہ ان کی شہادت سے اپنا کلیجہ ٹھنڈا کرنا چاہتی تھی، وحشی نے اپنا

(۱) سیرت ابن ہشام، ج ۲، ص ٦٦

(۲) ایضاً ص ٦٧۔٦٨

بھالا تان کر پوری طاقت سے حضرت حمزہؓ پر حملہ کیا، وہ ان کی ناف سے پار نکل گیا، حضرت حمزہؓ تڑپ کر گرے اور جاں بحق تسلیم ہوئے (۱)، مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ سپر ہو کر لڑتے رہے، اور آپ پر قربان ہو گئے، مسلمانوں نے اس غزوہ میں سرفروشی وجاں بازی کا حق ادا کر دیا، اور راہ حق کی ہر آزمائش پر پورے اترے (۲)

مسلمانوں کا غلبہ

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے لئے مدد نازل فرمائی اور اپنا وعدہ پورا فرمایا مشرکین وکفار کو سخت ہزیمت اٹھانی پڑی اور ان کی عورتوں نے جو مردوں کو غیرت دلانے آئی تھیں راہ فرار اختیار کی، وہ اپنے پائینچے اٹھا اٹھا کر بھاگتی نظر آرہی تھیں (۳)۔

مسلمانوں کے خلاف جنگ کا پانسہ کیسے پلٹا؟

جب مشرکین شکست کھا کر بھاگنے لگے اور اب ان کی عورتوں کی بھی باری آگئی تو تیر اندازوں نے یہ دیکھ کر اپنی پوزیشن چھوڑ دی اور لشکر سے آملے، ان کو فتح کا پورا یقین تھا وہاں پہونچ کر انھوں نے نعرہ لگایا، مال غنیمت! مال غنیمت! اس موقع پر ان کے امیر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عہد ان کا یاد دلایا لیکن اس جوش میں کسی نے ان کی بات نہ سنی، اور پورا یقین کرتے ہوئے کہ اب مشرکین کو واپس آنا نہیں ہے یہ محاذ انھوں نے خالی کر دیا، اور مسلمانوں کی پشت پر گھوڑ سواروں کی فوج کا راستہ کھل گیا (۴) مشرکین کے پرچم کو جو لوگ سنبھالے ہوئے تھے، مارے گئے، پرچم کے قریب آنے کی کوئی ہمت نہیں کر رہا تھا، اسی وقت مشرکین نے پیچھے سے آکر آواز لگائی کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) شہید ہو گئے، یہ سن کر مسلمانوں کا لشکر اچانک پیچھے کی طرف مڑا، اور مشرکین کو دوبارہ حملہ کرنے کا موقع مل گیا، اور اس نازک موقع سے انھوں نے پورا فائدہ اٹھایا یہ مسلمانوں کے لئے سخت آزمائش وابتلاء کا دن تھا، اس درمیان میں دشمن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہونچ گئے ان میں عبداللہ بن قمئہ اور عتبہ بن ابی وقاص شقاوت اور اس جسارت میں پیش پیش تھے، اس وقت ایک پتھر

(۱) سیرت ابن ہشام، ج ۲، ص ۷۰۔۷۲، یہ پورا واقعہ خود وحشی کی زبان سے صحیح بخاری میں نقل کیا گیا ہے دیکھئے غزوۂ احد باب "قتل حمزۃ رضی اللہ عنہ"

(۲) سیرت ابن ہشام، ج ۲، ص ۷۳

(۳) ایضاً ص ۷۷

(۴) زاد المعاد، ج ۱، ص ۳۵۰

آپ کے لگا، یہاں تک کہ آپ دائیں پہلو پر غار میں گر گئے، سامنے والا ایک دانت زخمی ہوا، سر مبارک میں زخم آیا، اور لب مبارک خون آلود ہو گئے، خون چہرۂ انور پہ بہہ رہا تھا، آپ اس کو پونچھتے جاتے تھے، اور فرماتے تھے، وہ قوم کیسے کامیاب ہو سکتی ہے جس نے اپنے نبی کے چہرے کو خون سے تر کر دیا، جو ان کو ان کے رب کی طرف بلاتا تھا؟ (۱)

مسلمانوں کو خبر نہ تھی کہ آپ کس جگہ ہیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آپ کو سہارا دیا اور حضرت طلحہ بن عبید اللہؓ نے آپ کو اٹھایا، چنانچہ آپ کھڑے ہو گئے، مالک بن سنانؓ نے اس مبارک لہو کو جس سے آپ کا روئے انور تر ہو گیا تھا جوش محبت میں نوش کر لیا (۲)۔

یہ دراصل فرار نہ تھا بلکہ جنگی حکمت عملی تھی جو ہر فوج کو بوقت ضرورت اختیار کرنی پڑتی ہے، پھر سنبھل کر وہ دوبارہ حملہ آور ہوتی ہے، مسلمانوں کو اس موقع پر آزمائش کی جس تلخی کا مزہ چکھنا پڑا، اور ان کو جو جانی نقصان ہوا اور متعدد اجلۂ صحابہ جو اسلام اور مسلمانوں کے لئے سرچشمۂ قوت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حامی و پاسبان تھے، شہید ہوئے، وہ سب دراصل ان تیر اندازوں کی لغزش اور چوک کا نتیجہ تھا کہ انھوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس صریح حکم اور ہدایت کی آخری لمحہ تک تعمیل نہ کی اور اپنی اس پوزیشن کو چھوڑ دیا، جہاں ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تعینات فرمایا تھا۔

وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗٓ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ، حَتّٰٓى اِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِي الْاَمْرِ وَعَصَيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَآ اَرٰىكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ ،مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الْاٰخِرَةَ، ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ لِيَبْتَلِيَكُمْ وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ، وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ۔ (سورۂ آل عمران۔ ۱۵۲)

اور خدا نے اپنا وعدہ سچا کر دیا یعنی اس وقت جب کہ تم کافروں کو اس کے حکم سے قتل کر رہے تھے، یہاں تک کہ جو تم چاہتے تھے خدا نے تم کو دکھا دیا اس کے بعد تم نے ہمت ہار دی اور حکم (پیغمبر) میں جھگڑا کرنے لگے اور اس کی نافرمانی کی، بعض تو تم میں سے دنیا کے خواستگار تھے، بعض آخرت کے طالب، اس وقت خدا نے تم کو ان کے مقابلہ سے پھیر (کر بھگا) دیا تا کہ تمہاری آزمائش کرے، اور اس نے تمہارا قصور معاف کر دیا اور خدا مومنوں پر بڑا فضل کرنے والا ہے۔

محبت اور جاں نثاری کی نئی نظیریں

حضرت ابو عبیدہ بن الجراحؓ نے خود کی ایک کڑی کو، اپنے دانتوں سے پکڑ کر نکالا تو اسی کے

(۱) سیرت ابن ہشام، ج ۲، ص ۸۰۔۷۸

(۲) سیرت ابن ہشام، ج ۲، ص ۸۰

ساتھ ان کا ایک دانت بھی گر پڑا، دوسری کڑی نکالی تو دوسرا دانت بھی اس کے ساتھ آ گیا، ابودجانہؓ ڈھال بن کر آپؐ کے سامنے کھڑے ہوگئے تیران پر گرتے رہے، لیکن وہ اسی طرح آپ پر جھکے رہے، یہاں تک کہ ان کی پیٹھ تیروں سے چھلنی ہوگئی، سعد بن ابی وقاصؓ اسی جگہ کھڑے حضورؐ کے دفاع میں دشمن پر تیر چلاتے رہے، آپ ایک ایک تیران کو اپنے دست مبارک سے عنایت فرماتے اور ارشاد ہوتا "ارم فداك ابی و امی "تم پر میرے ماں باپ قربان ہوں، اسی طرح تیر چلاتے رہو(۱)۔

قتادۃ بن النعمانؓ کی آنکھ پر ایسی ضرب آئی کہ آنکھ نکل کر ان کے رخسار پر آ گئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مبارک ہاتھوں سے اسے اسی جگہ کر دیا، وہ آنکھ ایسی اچھی ہوئی کہ اس کی بصارت پہلی آنکھ سے بھی تیز ہوگئی (۲)۔

مشرکین آپؐ کی تلاش میں تھے، لیکن تقدیر الٰہیہ کا فیصلہ کچھ اور تھا، جب انھوں نے آپ پر ہجوم کیا تقریباً دس آدمی آپؐ کے سامنے آ گئے اور سب ایک ایک کر کے آپؐ پر قربان ہو گئے، پھر حضرت طلحہ بن عبیداللہؓ نے اپنا سامنے کر دیا اور تیروں کو روکنا شروع کیا یہاں تک کہ ان کی سب انگلیاں زخموں سے لہولہان ہوگئیں اور ہاتھ مفلوج ہوگیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہیں ایک چٹان پر چڑھنا چاہتے تھے، لیکن زخموں کی وجہ سے خاصہ ضعف ہوگیا تھا، اور چڑھنا دشوار ہو رہا تھا یہ دیکھ کر حضرت طلحہؓ آپ کے نیچے بیٹھ گئے اور ان کا سہارا لے کر آپؐ اس چٹان پر تشریف لے آئے نماز کا وقت آیا تو آپؐ نے بیٹھ کر نماز پڑھی (۳)۔

یہ وقت تھا جب لوگ شکست کھا کر منتشر ہونے لگے تھے، لیکن انس بن النضر (جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے چچا ہیں) نے اس وقت بھی شکست تسلیم نہ کی اور آگے بڑھتے رہے، سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ ان کو راستہ میں ملے اور پوچھا کہ کدھر کا ارادہ ہے؟ کہنے لگے کہ سعد! مجھے جنت کی خوشبو احد پہاڑ کی طرف سے صاف محسوس ہو رہی ہے (۴)، انس بن النضرؓ مہاجرین وانصار کے کچھ لوگوں کے پاس سے گذرے اور دیکھا کہ وہ ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھے ہیں، انھوں نے کہ کہ تم لوگ یہاں بیٹھے کیا کر رہے ہو؟ انھوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

---

(۱) سیرت ابن ہشام، ج ۲، ص ۸۰-۸۲، نیز صحیح بخاری بسلسلۂ غزوۂ احد باب "قول اللّٰہ تعالیٰ "اِذْهَمَّتْ طَّائِفَتَانِ مِنكُمْ اَنْ تَفْشَلَا"

(۲) سیرت ابن ہشام، ج ۲، ص ۸۲

(۳) سیرت ابن ہشام، ج ۲، ص ۸۶ وزاد المعاد ج ۱، ص ۳۵۰

(۴) زاد المعاد، ج ۱، ص ۳۵۰، اصل روایت صحیحین میں ہے

شہید ہوگئے، انس ابن النضر نے کہا پھر آپؐ کے بعد زندہ رہنے کا کیا فائدہ؟ اٹھو اور جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جان دی ہے، اسی پر تم بھی جان دے دو، یہ کہہ کر آگے بڑھے دشمن سے دو دو ہاتھ کئے اور جان دے دی، ان کے بھتیجے انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اس دن ہم نے ان کے جسم پر ستر زخم شمار کئے، زخموں کی کثرت سے ان کو پہچاننا ناممکن ہو رہا تھا، صرف ان کی بہن نے ان کی انگلی کے ایک پور سے ان کو پہچانا جس پر بچپن کی نشانی تھی (۳)۔

زیاد بن السکنؓ پانچ انصاریوں کیساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کرتے ہوئے لڑ رہے تھے، اور ایک ایک کر کے شہید ہوتے جا رہے تھے یہاں تک کہ یہ زخموں سے چور اور نڈھال ہو کر گر پڑے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان کو میرے قریب لے آؤ، لوگوں نے اٹھا کر ان کو آپؐ کے سامنے لٹا دیا، آپؐ نے ان کے سر کو اپنے قدم مبارک پر رکھ لیا اور اس حالت میں ان کی جان نکلی کہ ان کے رخسار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں پر تھے (۱)۔

عمرو بن الجموحؓ کے پاؤں میں شدید لنگ تھا، ان کے چار صاحبزادے تھے سب جوان تھے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قربانی و سرفروشی کے ہر موقع پر حاضر بھی رہتے تھے، جب آپؐ غزوۂ احد کے لئے روانہ ہوئے تو عمرو بن الجموح نے بھی چلنے کا ارادہ کر لیا، ان کے بیٹوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے آپؓ کے لئے رخصت رکھی ہے، اگر آپؓ تشریف رکھیں تو اچھا ہے، ہم لوگ آپؓ کی طرف سے کافی ہیں، آپؓ پر جہاد فرض نہیں ہے۔

عمرو بن الجموحؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میرے بیٹے مجھے جہاد میں شرکت سے روک رہے ہیں، اور خدا کی قسم میری آرزو ہے کہ میں بھی شہادت پاؤں اور جنت میں اسی طرح لنگڑاتا ہوا چلوں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ اللہ نے جہاد سے تمہیں معافی دے دی ہے اور ان کے بیٹوں سے ارشاد فرمایا کہ کیا حرج ہے کہ تم ان کو جہاد میں جانے دو (وہ اپنا ارمان نکال لیں) چنانچہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوۂ احد میں شریک

---

(۱) سیرت ابن ہشام، ج۲، ص ۸۳

(۲) سیرت ابن ہشام، ج۲، ص ۸۱، اس موقع پر مولانا شبلی نے "سیرت النبی" میں فارسی کا، اور قاضی محمد سلیمان صاحب منصور پوری نے "رحمۃ للعالمین" میں اردو کا ایک ایک ایسا منتخب شعر لکھا ہے جس نے واقعہ کی تصویر کھینچ دی ہے، اور جس سے بہتر شعر کا انتخاب مشکل ہے، یہ دونوں شعر علی الترتیب یہ ہیں۔

بچہ نازرفتہ باشد زجہاں نیاز مندے　　　که بوقت جاں سپردن بسرش رسیدہ باشی

سر بوقتِ ذبح اپنا اس کے زیرِ پائے ہے　　　یہ نصیب! اللہ اکبر! لوٹنے کی جائے ہے

ہوئے، اور شہادت کی آرزو وتمنا پوری ہوئی (۱)۔

زید بن ثابتؓ بیان کرتے ہیں کہ غزوۂ احد کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے سعد بن الربیعؓ کی تلاش میں بھیجا اور فرمایا کہ اگر وہ نظر آجائیں تو میرا سلام کہنا اور کہنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا ہے کہ اس وقت تمہیں کیسا محسوس ہورہا ہے؟ کہتے ہیں کہ مقتولین کے درمیان میں ان کو تلاش کرتا پھر رہا تھا کہ ایک جگہ وہ مجھے نظر آئے، میں قریب گیا دیکھا تو آخری وقت تھا، ان کے جسم پر نیزہ، تلوار اور تیر کے ستر زخم تھے، میں نے کہا سعد! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہیں سلام کہا ہے، اور فرمایا ہے، کہ مجھے بتاؤ اس وقت تمہاری کیا کیفیت ہے انھوں نے جواب دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سلام عرض کرنا اور کہنا کہ یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) مجھے اس وقت جنت کی خوشبوں محسوس ہورہی ہے، اور میری قوم انصار سے یہ کہنا کہ اگر دشمن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہونچ گئے، اور تمہارے دم میں دم رہا تو اللہ تعالیٰ کے لئے تمہارے پاس کوئی عذر نہ ہوگا، یہ کہتے ہی ان کی روح پرواز کرگئی (۲)۔

عبداللہ بن جحشؓ نے غزوۂ احد کے سلسلہ میں کہا، اے اللہ تجھے تیری قسم کہ میں کل دشمن کا مقابلہ کروں وہ مجھے قتل کردیں، پھر میرا پیٹ چاک کردیں اور میرے ناک کان کاٹ ڈالیں پھر تو مجھ سے پوچھے کہ یہ سب کس کے لئے تھا؟ میں جواب دوں تیرے لئے (۳)۔

مسلمانوں کا دوبارہ جماؤ

جب مسلمانوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچان لیا تو ان کو نئی زندگی مل گئی اور وہ ایک بار پھر اٹھ کھڑے ہوئے، آپؐ ان کو لے کر دوبارہ وادی کی طرف بڑھے راستہ میں ابی بن خلف نے آپ کو دیکھا، اور دیکھتے ہی کہنے لگا، محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اگر تم سلامت رہے تو میری خیر نہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اس کو جانے دو، لیکن جب وہ آپؐ سے بالکل قریب آگیا تو آپؐ نے ایک صحابی سے نیزہ لے کر اس کی گردن میں مارا نیزہ لگتے ہی اس نے گھوڑے سے گر کر کئی قلابازیاں کھائیں (۴) اس موقع پر حضرت علی کرم اللہ وجہہ، اپنی ڈھال میں پانی بھر کر لائے اور روئے انور پر جو خون تھا، اس کو دھویا، صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اس کو دھوتی تھیں، اور حضرت علی کرم اللہ

---

(۱) زاد المعاد، ج ۱، ص ۳۵۳

(۲) ایضاً (۳) ایضاً

(۴) سیرت ابن ہشام، ج ۲، ص ۸۴

وجہ، ڈھال میں پانی لے کر ڈالتے تھے، جب حضرت فاطمہؓ نے دیکھا کہ پانی سے خون کسی طرح بند نہیں ہورہا ہے، بلکہ اور زیادہ بہنے لگا تو انھوں نے چٹائی کا ایک ٹکڑا لے کر اسے جلایا، اور اس کی راکھ زخم پر باندھ دی، اس سے یہ خون اسی وقت تھم گیا (۱)۔

حضرت عائشہ اور ام سلیم رضی اللہ عنہما اس غزوہ میں مشکیزے اپنی کمر پر لاد کر مجروحین کو پانی پلاتیں، جب مشکیزے خالی ہوجاتے تو واپس جاکر انھیں دوبارہ اور سہ بارہ بھرتیں، اور ان لوگوں کی پیاس بجھاتیں (۲)، ام سلیطؓ ان کے مشکیزوں میں پانی بھر کر ان کے حوالے کرتی تھیں (۳)۔

ہند بنت عتبہ نے کچھ اور عورتوں کے ساتھ مسلمان مقتولین کی لاشوں کی بے حرمتی اور ان کا مثلہ کرنا، اور کان وناک کاٹنا شروع کیے وہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا جگر نکال کر اسے چبانے لگی لیکن وہ اس کے گلے سے اتر نہ سکا، اور اس نے اسے فوراً اگل دیا (۴)۔

جب ابوسفیان واپس ہونے لگے تو پہاڑ پر کھڑے ہوکر بہت بلند آواز سے انھوں نے نعرہ لگایا جنگ کا معاملہ ڈانواڈول ہے، آج اس کی فتح کل اس کی، ہبل کا نام اونچا رہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عمر کھڑے ہوکر اس کا جواب دو اور کہو اللہ بہت بلند وبالا ہے، اس کے سوا کوئی نہیں، ہمارے مقتولین جنت میں ہیں، اور تمہارے مقتولین دوزخ میں ہیں (۵)، یہ سن کر ابوسفیان بولے "لنا العزی و لا عزی لکم" (ہمارے پاس عزیٰ (بت) ہے تمہارے پاس نہیں)۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اس کا جواب دو، صحابہ نے عرض کیا کہ ہم کیا کہیں؟ آپؐ نے فرمایا کہو کہ "اللّٰہ مولانا و لا مولیٰ لکم" (اللہ ہمارا سرپرست ہے تمہارا کوئی سرپرست نہیں (۶) جب وہ اپنی طرف چلے اور مسلمان اپنی طرف روانہ ہونے لگے تو انھوں نے پھر آواز لگائی "آئندہ سال بدر میں پھر ہمارا تمہارا مقابلہ ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی سے فرمایا کہ کہو ہاں یہ تاریخ ہمارے تمہارے درمیان طے ہے (۷)۔

---

(۱) صحیح بخاری، غزوۂ احد باب "ما اصاب النبی من الجرح یوم احد" وصحیح مسلم باب غزوۃ احد، معمولی اختلاف کے ساتھ، نیز ابن ہشام، ج ۲، ص ۸۵، وزاد المعاد، ج ۱، ص ۳۵۲۔

(۲) صحیح بخاری غزوۂ احد باب "اِذْ هَمَّتْ طَّائِفَتَانِ مِنكُمْ اَنْ تَفْشَلَا" ومسلم باب غزوۃ النساء مع الرجال

(۳) صحیح بخاری باب ام سلیطؓ

(۴) سیرت ابن ہشام، ج ۲، ص ۹۱

(۵) سیرت ابن ہشام، ج ۲، ص ۹۳

(۶) صحیح بخاری باب غزوۂ احد

(۷) سیرت ابن ہشام، ج ۲، ص ۹۴

لوگوں کو اپنے اپنے مقتولین کا غم تھا اور وہ ان کی تجہیز و تکفین میں مشغول تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر حضرت حمزہؓ کی شہادت کا بڑا اثر تھا جو آپؐ کے چچا اور رضاعی بھائی تھے، اور ہمیشہ آپ کے لئے سینہ سپر رہے۔

ایک مومنہ کا صبر

صفیہ بنت عبدالمطلب رضی اللہ عنہا جو ان کی حقیقی بہن تھیں، ان کو دیکھنے آئیں تو آپؐ نے ان کے صاحبزادے زبیر بن العوامؓ سے فرمایا کہ ان سے مل کر ان کو واپس لوٹا دو، ان کے بھائی کی نعش کی جو بے حرمتی کی گئی ہے، اس پہ ان کی نظر نہ پڑے، انھوں نے جا کر کہا کہ امّاں! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے کہ آپ واپس جائیں، کہنے لگیں کیوں؟ مجھے معلوم ہے کہ میرے بھائی کا مثلہ کیا گیا ہے لیکن یہ سب اللہ کی راہ میں ہے، اس لئے میں انشاء اللہ اجر و ثواب کی نیت رکھوں گی، اور پورے صبر سے کام لوں گی، اس کے بعد وہ وہاں آئیں، اپنے بھائی کو دیکھا، انا للہ پڑھا، ان کے لئے دعائے مغفرت کی اور خوب دعائیں دیں، اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تدفین کا حکم فرمایا، اور وہ احد کی ہی شہادت گاہ میں آسودۂ خاک ہوئے (۱)۔

مصعب بن عمیرؓ اور دیگر شہدائے احد کس طرح دفن کئے گئے؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پرچم بردار مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ، اسلام سے پہلے قریش کے بہت ناز پروردہ نوجوان تھے، اور اپنے تجمل، اور خوش پوشاکی میں ضرب المثل تھے، ان کو ایک چادر کفن میں مل سکی جو اتنی چھوٹی تھی کہ جب سر چھپایا جاتا تو پیر کھل جاتے، پیر چھپائے جاتے تو سر کھل جاتا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان کا سر چھپا دو اور پیروں پر اذخر گھاس ڈال دو (۲)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دو، دو شہیدوں کو ایک چادر میں کفن دینے کا حکم دیتے، پھر فرماتے کہ قرآن مجید کے علم و حفظ میں کس کا حصہ زیادہ ہے جس کسی کی طرف اشارہ کیا جاتا، آپؐ پہلے اس کو لحد میں اتارنے کا حکم دیتے اور فرماتے کہ میں قیامت کے روز ان کا گواہ ہوں گا، آپؐ نے ان کو اسی

---

(۱) سیرت ابن ہشام، ج ۲، ص ۹۷

(۲) صحیح بخاری غزوۂ احد

طرح زخمی حالت میں دفن کرنے کا حکم دیا(۱)، نہ ان کی نماز جنازہ ہوئی نہ غسل دیا گیا(۲)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر صحابیات کی جاں نثاری

مسلمان مدینے پہونچے تو راستہ میں بنی دینار کی ایک خاتون کے مکان پر ان کا گذر ہوا جس کے شوہر، بھائی، اور باپ سب اس جنگ میں کام آگئے تھے، جب مسلمانوں نے ان کو یہ خبر سنائی تو انہوں نے سب سے پہلے یہ کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خیریت بتاؤ؟

ان لوگوں نے جواب دیا کہ اے امّ فلاں! الحمد للہ حضورؐ جیسا کہ تمہاری آرزو ہے صحیح سلامت ہیں، کہنے لگیں کہ مجھے آپ کو دکھاؤ میں آپ کو خود دیکھنا چاہتی ہوں، لوگوں نے آپ کی طرف اشارہ کیا، انھوں نے پاس آکر چہرۂ مبارک کو دیکھا اور کہا کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) سلامت ہیں تو ہر مصیبت ہیچ ہے(۳)۔

جاں نثاری اور فرماں برداری کی ایک مثال

ادھر دشمنانِ دین اور کفار مشرکین نے ایک دوسرے کو لعنت، ملامت کرنی شروع کی، اور کہنے لگے تم نے کچھ کر کے نہیں دیا، تم نے ایک طرف تو ان کی قوت اور شوکت کو مجروح کیا، اور ان کا زور توڑا، پھر ان کی پوری سرکوبی کئے بغیر ان کو چھوڑ دیا، اس موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ دشمنوں کا تعاقب کیا جائے، یہ وہ وقت تھا جب مسلمان زخموں سے چور چور ہو رہے تھے، دوسرے دن یکشنبہ کو صبح کے وقت آپؐ کے منادی نے اعلان کیا کہ لوگ دشمن کے تعاقب کے لئے نکل کھڑے ہوں ساتھ ہی یہ بھی اعلان کیا گیا کہ اس تعاقب میں وہی شریک ہوسکتا ہے جو کل اس جنگ میں شریک تھا، حالت یہ تھی کہ کوئی ایک مسلمان بھی ایسا نہ تھا، جو کسی نہ کسی زخم اور تکلیف میں مبتلا نہ ہو، لیکن وہ سب کے سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ روانہ ہو گئے، ایک شخص بھی ان میں سے

---

(۱) صحیح بخاری باب من قتل من المسلمین یوم احد

(۲) شہداء کو غسل نہ دینے کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں، ان کو خون میں لتھڑا ہوا اسی طرح دفن کر دیا جاتا ہے کہ خدا کے حضور میں اسی طرح پہونچیں، البتہ نماز جنازہ کے بارے میں ائمہ کا اختلاف ہے، امام مالکؒ، شافعیؒ اور احمدؒ کا مذہب نفی کا ہے، امام ابوحنیفہؒ کا اور بعض دوسرے علماء اور اعلام (اوزاعیؒ، سفیان ثوریؒ، اور اسحاق بن راھویہؒ) اس کے قائل ہیں کہ نماز پڑھی جائے، امام احمدؒ سے بھی اس کی ایک روایت ہے ان کی دلیل بعض وہ روایات ہیں جن میں احد میں شہداء پر نماز جنازہ پڑھنے کا ذکر ہے، خود عقبہ بن عامرؓ سے امام بخاری وغیرہ نے روایت کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن احد تشریف لے گئے اور آپؐ نے وہاں کے شہیدوں پر ایسی نماز جنازہ پڑھی جیسے مرنے والے پر پڑھی جاتی ہے (بخاری کتاب الجنائز) تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: شرح معانی الآثار، طحاوی، باب الصلوٰۃ علی الشہداء و نصب الرایہ للزیلعی باب احادیث الصلوٰۃ علی الشہید.

(۳) سیرت ابن ہشام، ج ۲، ص ۹۹

پیچھے نہ رہا، جب سب لوگ مدینہ سے آٹھ میل کی مسافت پر مقام حمراء الاسد تک پہونچ گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں قیام کیا آپ اور تمام مسلمان دوشنبہ، سہ شنبہ، چہار شنبہ تین روز وہاں مقیم رہے، اس کے بعد مدینہ واپس تشریف لائے (۱)۔

اللہ تعالیٰ نے اس جذبۂ اطاعت اور خوئے تسلیم ووفا کا ذکر اپنی لافانی کتاب میں اس طرح فرمایا ہے:۔

اَلَّذِیْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ مِنْۢ بَعْدِ مَآ اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ، لِلَّذِیْنَ اَحْسَنُوْا مِنْهُمْ وَاتَّقَوْا اَجْرٌ عَظِیْمٌ، اَلَّذِیْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِیْمَانًا وَّقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِیْلُ، فَانْقَلَبُوْا بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ لَّمْ یَمْسَسْهُمْ سُوْٓءٌ وَّاتَّبَعُوْا رِضْوَانَ اللّٰهِ، وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَظِیْمٍ، اِنَّمَا ذٰلِكُمُ الشَّیْطٰنُ یُخَوِّفُ اَوْلِیَآءَهٗ فَلَا تَخَافُوْهُمْ وَخَافُوْنِ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ (سورۂ آل عمران۔۱۷۲۔۱۷۵)

جنھوں نے باوجود زخم کھانے کے خدا اور رسول (کے حکم) کو قبول کیا جو لوگ ان میں نیکوکار اور پرہیزگار ہیں ان کے لئے بڑا ثواب ہے (جب) ان سے لوگوں نے آکر بیان کیا کہ کفار نے تمہارے (مقابلہ کے) لئے (لشکر کثیر) جمع کیا ہے تو ان سے ڈرو، تو ان کا ایمان اور زیادہ ہو گیا اور کہنے لگے ہم کو خدا کافی ہے، اور وہ اچھا کارساز ہے، اور پھر وہ خدا کی نعمتوں اور اس کے فضل کے ساتھ (خوش وخرم) واپس آئے ان کو کسی طرح کا ضرر نہ پہونچا اور وہ خدا کے خوشنودی کے تابع رہے اور خدا بڑے فضل کا مالک ہے یہ (خوف دلانے والا) تو شیطان ہے جو اپنے دوستوں کو ڈراتا ہے تو اگر تم مومن ہو تو ان سے مت ڈرنا اور مجھ ہی سے ڈرتے رہنا۔

جان سے زیادہ عزیز

ہجرت کے تیسرے سال قبیلۂ عضل اور قبیلۂ قارہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ کچھ ایسے لوگ ان کو دیئے جائیں، جو ان کو دین کی تعلیم دے سکیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام میں سے چھ حضرات کا ایک وفد اس کام کے لئے بھیجا جس میں عاصم بن ثابتؓ، خبیب بن عدیؓ اور زید بن الدثنہؓ بھی تھے، جب وہ مقام ''رجیع'' میں پہونچے جو عسفان اور مکہ کے درمیان واقع ہے، تو ان قبائل نے ان کے ساتھ غداری کی اور ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ ہم اللہ کے

(۱) سیرت ابن کثیر جلد ۳، ص ۹۷

سامنے عہد کرتے ہیں کہ ہم کسی کو جان سے نہ ماریں گے، کچھ مسلمانوں نے کہا کہ ہم مشرک کے کسی عہد کو قبول نہیں کرتے، انھوں نے مقابلہ کیا، اور شہید ہوئے، زید بن الدثنہؓ، خبیبؓ بن عدیؓ اور عبداللہ بن طارقؓ نے ہتھیار رکھ دیئے اور ان کو گرفتار کرلیا گیا، عبداللہ بن طارقؓ راستہ میں شہید کئے گئے، خبیبؓ اور زید بن الدثنہ رضی اللہ عنہما کو ان لوگوں نے قریش کے ہاتھ فروخت کردیا خبیبؓ کو حجیر بن ابی اہاب نے خرید لیا تا کہ اپنے باپ اہاب کے بدلہ میں قتل کرسکے، زید بن الدثنہ کو صفوان بن امیہ نے اپنے باپ امیہ بن خلف کے بدلہ کے لئے خریدا، زید رضی اللہ عنہ کو حرم سے باہر قتل کے لئے لے جایا گیا تو اس وقت قریش کے بہت سے لوگ جمع تھے، جن میں ابوسفیان بھی تھے، انھوں نے حضرت زید سے کہا، زید میں تم سے قسم دلا کر پوچھتا ہوں کیا تم یہ پسند کروگے کہ تم آرام سے اپنے گھر والوں میں ہو اور تمہاری جگہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہوں انھوں نے جواب دیا کہ مجھے تو یہ بھی گوارا نہیں کہ میں اپنے گھر میں آرام سے ہوں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک کانٹا بھی چبھے! ابوسفیان نے اس پر کہا کہ میں نے کسی کو کسی سے اتنی محبت کرتے نہیں دیکھا جتنی محبت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھی کرتے ہیں، اس کے بعد ان کو شہید کردیا گیا (۱)

جب یہ لوگ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کو سولی دینے کے لئے لائے تو انھوں نے کہا کہ اگر اس میں کوئی حرج نہ سمجھو تو مجھے دو رکعت پڑھ لینے کی اجازت دے دو، انھوں نے کہا کہ ہاں پڑھ لو، انھوں نے دو رکعت اطمینان اور پورے آداب کے ساتھ پڑھیں، پھر ان کی طرف متوجہ ہو کر کہا کہ اگر مجھے یہ خیال نہ ہوتا کہ تم لوگ اس کو ڈر پر محمول کروگے تو میں ابھی اور نماز پڑھتا، اس کے بعد انھوں نے یہ اشعار پڑھے:۔

فلست أبالي حين اقتل مسلماً على أي شق كان في الله مصرعي

(جب میں اسلام کے لئے قتل کیا جارہا ہوں تو مجھ کو اس کی پرواہ نہیں کہ اللہ کی راہ میں کس پہلو پر گر کر جان دوں گا)

وذالك في ذات الالــه وان يشاء يبارك على أوصال شلو ممزع

(یہ جو کچھ ہے خالصاً اللہ کے لئے ہے اگر وہ چاہے گا تو اس پارہ پارہ جسم پر برکت نازل کریگا)

یہ شوقیہ اشعار پڑھتے ہوئے راہ حق میں شہید ہوئے (۲)۔

---

(۱) روایت ابن اسحاق، ابن ہشام، ج۲، ص۱۷۴

(۲) تفصیل کے لئے دیکھئے سیرت ابن ہشام، ج۲، ص۱۶۹۔۱۷۶، وصحیح بخاری کتاب المغازی، باب التوحید والجهاد، معمولی اختلاف کے ساتھ، نیز ابن کثیر، ج۲، ص۱۲۳۔۱۲۵

بئر معونہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عامر بن مالک کی درخواست پر ان میں اسلام کی تبلیغ ودعوت کے لئے ایک جماعت بھیجی جن میں ستر بہترین وچیدہ مسلمان شامل تھے، یہ لوگ روانہ ہوئے اور بئر معونہ میں قیام کیا، یہاں بنی سلیم کے قبائل عصیہ، رعل اور ذکوان نے مل کر پورے قافلہ کو گھیر لیا، جب انھوں نے یہ دیکھا تو تلواریں کھینچ لیں، اور لڑ کر سب کے سب شہید ہو گئے، صرف کعب بن زیدؓ باقی بچے جنھوں نے غزوۂ خندق میں شہادت پائی (۱)۔

ایک مقتول کے آخری الفاظ جو قاتل کے قبول اسلام کا سبب بن گئے

اسی سریہ میں حرام بن ملحان بھی شہید ہوئے، ان کو جبار بن سلمی نے قتل کیا، حرام بن ملحان نے انتقال کے وقت جو الفاظ کہے وہی ان کے اسلام لانے کا سبب بن گئے، جبار خود بیان کرتے ہیں کہ مجھے جس چیز نے اسلام کی طرف کھینچا وہ یہ واقعہ ہے کہ میں نے ان کے ایک آدمی کے دونوں شانوں کے درمیان ایک نیزہ مارا میں نے دیکھا کہ وہ سینہ کے پار ہو گیا ہے، اسی وقت ان کے منہ سے یہ الفاظ نکلے "فزت ورب الکعبة" رب کعبہ کی قسم میں کامیاب ہو گیا، میں نے اپنے دل میں حیرت سے کہا کیسی کامیابی؟ کیا میں نے ان کو قتل نہیں کیا! بعد میں میں نے ان کے الفاظ کی تحقیق کی تو لوگوں نے بتایا کہ ان کا مطلب شہادت تھا، میں نے کہا خدا کی قسم وہ کامیاب رہے، اس طرح یہ جملہ ان کے اسلام کا سبب بنا (۲)۔

بنی النضیر کی جلاوطنی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبیلہ النضیر کے پاس تشریف لے گئے، جو یہود کا بہت بڑا قبیلہ تھا، وہاں جا کر آپؐ نے ان سے بنی عامر کے دو مقتولین کی دیت میں مدد چاہی، ان کے اور بنی عامر کے درمیان عہد ومعاہدہ تھا، انھوں نے اس موقعہ پر تو آپؐ سے بہت میٹھی باتیں کیں اور اچھی امیدیں دلائیں لیکن در پردہ آپ کے خلاف سازش میں مشغول رہے، ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ایک گھر کی دیوار کے نیچے تشریف فرما تھے، یہ دیکھ کر یہ لوگ آپس میں کہنے لگے کہ اس سے اچھی پوزیشن پھر تم کو ہاتھ نہ آئے گی! اگر ایک آدمی اوپر چھڑ کر ایک بھاری پتھر لڑھکا دے تو ہم سب کی جان چھوٹ جائے گی! آپؐ کے ساتھ اس موقع پر کئی حضرات صحابہ موجود تھے، جن میں حضرت ابوبکر

(۱) بخاری ومسلم وسیرت ابن ہشام۔

(۲) اس واقعہ کو بخاری میں باب غزوۃ الرجیع (کتاب المغازی) میں بیان کیا گیا ہے، ابن ہشام، ج ۲، ص ۱۸۷

صدیق، حضرت عمر، اور حضرت علی رضی اللہ عنہم بھی تھے۔

اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے ناپاک ارادوں سے آگاہ فرمادیا آپ اسی وقت اُٹھ کھڑے ہوئے اور مدینہ روانہ ہوگئے، یہاں آکر آپ نے ان سے جنگ کی تیاری شروع کی اور ان کے مقابلہ کے لئے روانہ ہوئے اور آگے بڑھ کر ان کے قبیلے میں پڑاؤ کیا، یہ مارہ ربیع الاول ۴ھ کا واقعہ ہے، آپ نے چھ راتوں تک ان کا محاصرہ کیا ان کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے اتنا رعب ڈالا کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خود درخواست کی کہ آپ ان کو یہاں سے جلاوطن کردیں لیکن ان کو جان کی امان دے دیں اونٹ جتنا لے جاسکیں اس کے لے جانے کی ان کو اجازت ہوگی، البتہ ہتھیار وہ منتقل نہ کرسکیں گے، آپ نے ان کی یہ درخواست قبول فرمالی، اور وہ سارا سامان اپنے ساتھ لے گئے جو اونٹوں پر جاسکتا تھا پھر یہ منظر دیکھا گیا کہ ایک آدمی اپنا پورا پورا گھر خود اپنے ہاتھ سے گرا رہا ہے، اور جتنا سامان لادنا ممکن ہے اونٹ پر لاد کر روانہ ہو رہا ہے(۱)، اس غزوہ کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

هُوَ الَّذِيٓ اَخۡرَجَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا مِنۡ اَهۡلِ الۡكِتٰبِ مِنۡ دِيَارِهِمۡ لِاَوَّلِ الۡحَشۡرِ، مَاظَنَنۡتُمۡ اَنۡ يَّخۡرُجُوۡا وَظَنُّوۡآ اَنَّهُمۡ مَّانِعَتُهُمۡ حُصُوۡنُهُمۡ مِّنَ اللّٰهِ فَاَتٰهُمُ اللّٰهُ مِنۡ حَيۡثُ لَمۡ يَحۡتَسِبُوۡا وَقَذَفَ فِيۡ قُلُوۡبِهِمُ الرُّعۡبَ يُخۡرِبُوۡنَ بُيُوۡتَهُمۡ بِاَيۡدِيۡهِمۡ وَاَيۡدِي الۡمُؤۡمِنِيۡنَ فَاعۡتَبِرُوۡا يٰٓاُولِي الۡاَبۡصَارِ۔ (سورۂ حشر۔۲)

وہی تو ہے جس نے کفار اہل کتاب کو حشر اول کے وقت ان کے گھروں سے نکال دیا تمہارے خیال میں یہ بھی نہ تھا کہ وہ نکل جائیں گے اور وہ لوگ یہ سمجھے ہوئے تھے کہ ان کے قلعے ان کو خدا (کے عذاب) سے بچالیں گے مگر خدا نے ان کو وہاں سے آلیا، جہاں سے ان کو گمان بھی نہ تھا، اور ان کے دلوں میں دہشت ڈال دی کہ اپنے گھروں کو خود اپنے ہاتھوں اور مومنوں کے ہاتھوں سے اجاڑنے لگے تو اے بصیرت کی آنکھیں رکھنے والو عبرت پکڑو۔

ان میں سے کچھ لوگ خیبر میں جا بسے کچھ لوگ شام چلے گئے اور مسلمانوں کو مکر وفریب، سازش اور منافقت کے ایک بہت بڑے اڈہ سے نجات ملی اور قتال کی ضرورت بھی پیش نہیں آئی "وَكَفَى اللّٰهُ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ الۡقِتَالَ" ان کی جلاوطنی کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا سب مال و دولت مہاجرین اولین میں تقسیم فرمادیا۔

---

(۱) سیرت ابن ہشام، ج ۲، ص ۱۹۰۔۱۹۱

غزوۂ ذات الرقاع

چوتھے سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نجد کے علاقہ کی طرف بغرض جہاد رخ فرمایا، آپ کا مقصد بنی محارب اور بنی ثعلبہ (قبیلۂ غطفان) کو سبق دینا تھا، آپ روانہ ہوکر مقام "نخل" (۱) میں اترے، ابوموسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم چھ اشخاص کے درمیان ایک ہی اونٹ تھا، اس کا نتیجہ یہ تھا کہ پیدل چلنے کی وجہ سے لوگوں کے پیر چھلنی ہو گئے، اور انگلیوں کے ناخن تک گر گئے، اور اس تکلیف سے بچنے کے لئے لوگوں نے اپنے پیروں پر پٹیاں اور چیتھڑے باندھ لئے، اور اسی لئے اس غزوہ کا نام "غزوات ذات الرقاع" یعنی پٹیوں والا غزوہ پڑ گیا (۲)۔

فریقین ایک دوسرے سے قریب ہوئے لیکن جنگ کی نوبت نہ آئی، لوگ ایک دوسرے سے خائف تھے، اس موقعہ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صلوٰۃ خوف بھی ادا کی (۳)۔

اس وقت تمہیں کون بچا سکتا ہے؟

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس غزوہ سے واپس ہوئے تو دوپہر کو آپ نے ایسی جگہ آرام فرمایا جہاں ببول کے بہت سے درخت تھے، اور لوگ ان درختوں کی طرف چلے گئے اور خود بدولت (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) ببول کے ایک پیڑ کے نیچے آرام فرمانے لگے، اور اپنی تلوار اسی درخت پر لٹکا دی۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، کہ اسی درمیان میں ہماری آنکھ لگ گئی اور ہم تھوڑا سوئے تھے کہ محسوس ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں آواز دے رہے ہیں، ہم نے دیکھا کہ ایک اعرابی آپ کے پاس بیٹھا ہوا ہے، آپ نے فرمایا کہ میں سو رہا تھا کہ اس نے یہ تلوار اٹھائی، میری آنکھ کھلی تو یہ تلوار میرے سر پر کھینچے ہوئے تھا، اس نے مجھ سے کہا کہ اس وقت تمہیں کون بچا سکتا ہے؟ میں نے کہا کہ اللہ، لو یہ بیٹھا ہوا ہے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو کوئی سزا نہیں دی (۴)۔

کچھ غزوات جن میں قتال کی نوبت نہیں آئی

ہجرت کے چوتھے سال شعبان کے مہینہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کا قصد فرمایا،

---

(۱) نجد میں غطفان کے علاقہ میں ایک مقام کا نام ہے۔
(۲) صحیح بخاری بروایت حضرت ابوموسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ "باب غزوة ذات الرقاع" امام بخاری نے تصریح کی ہے کہ غزوۂ ذات الرقاع خیبر کے بعد پیش آیا، یہ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کا بیان ہے۔
(۳) سیرت ابن ہشام، ج ۲، ص ۲۰۴۔
(۴) صحیح بخاری کتاب المغازی باب غزوات ذات الرقاع۔

ابوسفیان نے تاریخ طے کی تھی، آپؐ نے وہاں پہونچ کر منزل کی اور آٹھ راتیں وہاں قیام فرمایا اور ابوسفیان کے انتظار میں رہے، ابوسفیان بھی مقابلہ کے لئے نکلے لیکن واپسی ہی میں ان کو زیادہ عافیت معلوم ہوئی، انھوں نے نے اپنے آدمیوں سے کہا کہ یہ قحط اور خشک سالی کا زمانہ ہے میرا لوٹنے کا ارادہ ہے، اور تم لوگوں کو بھی لوٹ چلنا چاہیے، غرض اس طرح لڑنے کی نوبت نہ آسکی، اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ان کے شر سے محفوظ رکھا۔

دومۃ الجندل کے غزوہ میں بھی جنگ کی ضرورت پیش نہ آئی اور آپؐ مدینہ تشریف لائے (۱)۔

---

(۱) سیرت ابن ہشام، ج ۱، ص ۲۰۹۔۲۱۳

غزوۂ خندق یا غزوۂ احزاب

(شوال ۵ھ)

غزوۂ خندق یا غزوۂ احزاب ماہ شوال ۵ھ میں پیش آیا(۱)، یہ ان اہم واقعات اور غزوات میں سے ہے، جس کے اثرات اسلام اور مسلمانوں کی تاریخ، دعوت اسلامی کے مستقبل، دین حق کے فروغ اور اسلام کی پیش قدمی میں بہت دوررس ثابت ہوئے، یہ ایک فیصلہ کن لڑائی تھی، اور ایسی سخت آزمائش جس کا تجربہ مسلمانوں کو اس سے قبل کبھی نہ ہوا تھا۔

اِذْجَآءُ وْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ وَاِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا، هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَزُلْزِلُوْا زِلْزَالاً شَدِيْداً (سورۂ الاحزاب، ۱۰۔۱۱)

جب وہ تمہارے اوپر اور نیچے کی طرف سے تم پر چڑھ آئے، اور جب آنکھیں پھر گئیں، اور دل (مارے دہشت کے) گلوں تک پہونچ گئے اور تم خدا کی نسبت طرح طرح کے گمان کرنے لگے، وہاں مومن آزمائے گئے اور سخت طور پر ہلائے گئے۔

اس غزوہ کا اصل سبب یہود تھے، واقعہ اس طرح ہے کہ بنی النضیر اور بنی وائل کے کچھ لوگ گئے اور قریش سے مل کر ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف اکسانا چاہا، قریش کو اس قسم کی جنگوں کا تجربہ تھا اور وہ بہت پہلے سے اسے بھگتے ہوئے تھے، اس لئے ان کی ہمت نہ پڑتی تھی، لیکن یہودیوں کے وفد نے صورت حال کو بہت سازگار اور خوشنما بنا کر ان کے سامنے پیش کیا، اور کہا کہ ہم لوگ سب آپ کے ساتھ ہوں گے، اور جب تک اس دین کو جڑ بنیاد سے ختم نہ کریں گے دم نہ لیں گے، اس بات پر قریش بہت خوش ہوئے اور اس کے بعد انھوں نے جوش و مسرت کے ساتھ ان کی دعوت قبول کی، سب اس پر متحد ہو گئے اور تیاریاں شروع کر دیں، وفد وہاں سے چل کر قبیلہ غطفان میں آیا اور ان کو بھی اس جنگ میں شرکت کی دعوت دی، ان کے مختلف قبائل میں گھوم پھر کر مدینہ پر حملہ کا نیا منصوبہ تفصیل

---

(۱) سیرت ابن ہشام، ج۲، ص۲۱۴۔

کے ساتھ ان کے سامنے رکھا اور قریش کی آمادگی سے بھی ان سب کو باخبر کیا(۱)۔

ان کوششوں کے نتیجہ میں ان کے درمیان ایک فوجی معاہدہ ہوگیا جس کے اہم شرکاء میں قریش، یہود، اور غطفان تھے، انھوں نے کچھ اور شرائط پر بھی اتفاق کیا، جس میں ایک اہم شرط یہ بھی تھی کہ غطفان اس متحدہ لشکر میں چھ ہزار سپاہیوں کے ساتھ حصہ لیں گے اس کے معاوضہ میں یہود قبائل غطفان کو خیبر کے باغات کی پوری سال کی فصل دیا کریں گے، الغرض قریش نے چار ہزار جنگ جو اسکے لئے اکٹھا کیے، غطفان نے چھ ہزار، کل تعداد دس ہزار ہوئی، لشکر کا سپہ سالار ابوسفیان کو مقرر کیا گیا(۲)

حکمت مومن کا گمشدہ مال ہے

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع ملی کہ یہ لوگ اس طرح متحد ہوکر مدینہ پر حملہ کرنا چاہتا ہیں، اور اس کا عزم کر چکے ہیں کہ مسلمانوں کے وجود کو ہمیشہ کے لئے ختم کردیں گے تو مسلمانوں نے بہت سنجیدگی کے ساتھ اس کا نوٹس لیا اور جنگ کے لئے تیار ہوگئے، انھوں نے مدینہ میں قلعہ بند ہوکر مدافعانہ جنگ کو ترجیح دی لشکر اسلام اس وقت تین ہزار مجاہدین پر مشتمل تھا۔

اس موقع پر سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے مدینہ کے سامنے (۳) خندقیں کھودنے کا مشورہ دیا، یہ ایرانیوں کی معروف جنگی حکمت عملی تھی (۴) حضرت سلمانؓ نے عرض کیا، یا رسول اللہ! ایران میں جب ہم کو گھوڑسوار لشکر کے حملہ کا خطرہ ہوتا تھا تو ہم لوگ اس کے مقابلہ کے لئے خندقیں کھودتے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی رائے پسند فرمائی، اور مدینہ کے شمال مغرب میں واقع میدان میں خندقیں کھودنے کا حکم فرمایا یہی وہ کھلا حصہ تھا جہاں سے دشمن کو دراندازی کا موقع مل سکتا تھا(۵)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خندق کھودنے کا کام اپنے اصحاب میں اس طرح تقسیم فرمایا کہ ہر دس آدمیوں کے ذمہ چالیس ہاتھ پڑا(۶)، خندق کا طول تقریباً پانچ ہزار ہات تھا، گہرائی سات

---

(۱) سیرت ابن ہشام، ج۲، ص۲۱۴۔۲۱۵

(۲) ایضاً ص۲۱۹۔۲۲۰

(۳) سیرت ابن ہشام، ج۲، ص۲۲۴

(۴) خندق دراصل لفظ "کندہ" کا معرب ہے، فارسی میں خندک اور کندک اسی معنی میں استعمال ہوتے ہیں، (دیکھئے فرہنگ عمید)

(۵) کھدائی کا کام مدینہ کے شمال مشرق سے شروع ہوکر شمال مغرب تک تمام ہوا، اس کا مشرقی کنارا "حرۃ واقم" سے ملتا تھا، اور مغربی کنارہ "وادی بطحان" کے مغرب سے جہاں مغربی (حرۃ الوبرۃ) واقع ہے، ملاحظہ ہو (مدینہ طیبہ کے شہر کا نقشہ) مستفاداز "آثار المدینہ المنورۃ" تالیف الاستاذ عبدالقدوس الانصاری،

(۶) سیرت ابن کثیر، جلد۳، ص۱۹۲

ہاتھ سے دس تک، چوڑائی بالعموم نو سے کچھ اوپر ہوتی تھی (۱)۔

مسلمانوں میں ہمدردی و مساوات کی ایک نئی لہر

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خندق کھودنے میں مسلمانوں کے ساتھ بنفس نفیس شریک ہوئے اور سب نے مل کر پوری ہمت اور استقامت کے ساتھ یہ کام انجام دیا (۲)، سردی بہت سخت تھی، غذا ان کو اتنی ملتی تھی کہ جسم و جان کا رشتہ قائم رہے، کبھی وہ بھی نہ ملتی تھی، حضرت ابو طلحہؓ کہتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھوک کی شکایت کی اور اپنا پیٹ کھول کر دکھایا، جس پر ایک پتھر بندھا ہوا تھا، یہ دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے شکم مبارک سے کپڑا اٹھایا اور ہم نے دیکھا کہ اس میں دو پتھر بندھے ہوئے ہیں (۳)۔

اس کے باوجود سب خوش و خرم تھے، اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے تھے، رجز پڑھتے تھے اور اس کی حمد کے ترانے گاتے تھے، اور ایک حرف شکایت ان کی زبان پر نہ آتا تھا۔

حضرت انسؓ راوی ہیں کہ ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خندق کے قریب تشریف لائے، آپؐ نے دیکھا کہ مہاجرین اور انصار صبح سویرے سخت ٹھنڈک میں خندق کھودنے میں مصروف ہیں، ان کے پاس غلام اور ملازم نہ تھے، جو ان کے بجائے یہ کام انجام دیتے، آپؐ نے ان کی اس سخت محنت اور بھوک کو ملاحظہ فرمایا تو آپؐ کی زبان مبارک سے یہ الفاظ نکلے۔

اللّٰھم لاعیش الا عیش الاخرۃ فاغفر الانصار والمھاجرۃ

(اے اللہ زندگی تو دراصل آخرت کی زندگی ہے، پس معاف فرما انصار کو اور مہاجرین کو)۔

یہ سن کر اس کے جواب میں انھوں نے کہا:۔

نحن الذین بایعوا محمداً علی الجھاد ما بقینا ابداً (٤)

ہم وہ ہیں جنھوں نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے جہاد پر اس وقت تک کے لئے بیعت کی ہے جب تک ہماری جان میں جان ہے۔

---

(۱) غزوۃ الاحزاب ''استاذ احمد باشمیل''

(۲) تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو سیرت ابن ہشام، ج ۲، ص ۲۱۶

(۳) ترمذی۔ علامہ طیبی شرح مشکوٰۃ میں لکھتے ہیں کہ عرب میں اس عہد میں رواج تھا کہ جس کو بھوک ستاتی تھی، اور پیٹ بالکل چپک جاتا تھا وہ اپنے کو سیدھا رکھنے کے لئے پیٹ پر ایک پتھر باندھ لیتا تھا، مشکوٰۃ المصابیح مع حواشی، ج ۲، ص ۴۴۸

(۴) صحیح بخاری بروایت انسؓ (کتاب المغازی باب غزوۃ الخندق)۔

وہ بیان کرتے ہیں ایک مٹھی جو کہیں سے مل جاتے تو اس کا ملیدہ بنالیا جاتا اور اس میں تھوڑی سی چربی شامل کر لی جاتی، حالانکہ اس کا ذائقہ اور بوسب میں فرق آچکا ہوتا۔

تنگی و محاصرہ کی تاریکی میں اسلامی فتوحات کا نور

خندق کی کھدائی میں ایک جگہ ایک بڑی چٹان سامنے آگئی، جس پر کدال کام نہیں کر رہی تھی، لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جا کر آپ ؐ کو اس کی اطلاع کی، آپ ؐ نے اس کو دیکھا تو خود کدال اٹھائی اور بسم اللہ کہہ کر اس پر ایک ایسی ضرب لگائی کہ اس کا ایک تہائی حصہ ٹوٹ گیا، اس وقت آپ ؐ نے فرمایے، اللہ اکبر، مجھے شام کی کنجیاں دی گئیں، اس کے بعد دوسرا تہائی حصہ بھی آپ ؐ نے توڑ ڈالا اور ارشاد فرمایا اللہ اکبر، مجھے فارس کی کنجیاں دی گئیں، خدا کی قسم میں مدائن کا سفید محل اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں، پھر تیسری بار آپ ؐ نے بسم اللہ کہہ کر اس پر ضرب لگائی اور باقی ماندہ پتھر بھی پاش پاش ہوگیا، آپ ؐ نے فرمایا اللہ اکبر، مجھے یمن کی کنجیاں دی گئیں، خدا کی قسم میں اس وقت اسی جگہہ صنعاء شہر کے دروازے دیکھ رہا ہوں (۱)، یہ ارشاد اس وقت ہوا جب مسلمانوں کو اپنے زندہ سلامت رہنے کا بھی یقین نہ تھا، ایک طرف بھوک ان کو ہلکان کئے ڈال رہی تھی، دوسری طرف ٹھنڈک جان لیوا ثابت ہو رہی تھی، تیسری طرف دشمن سر پر تھا۔

غزوۂ خندق میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض معجزات

اس غزوہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کئی معجزات ظاہر ہوئے، جب مسلمانوں کو خندق کھودنے میں دشواری ہوتی اور اس طرح کی کوئی چیز رکاوٹ بنتی تو آپ کسی برتن میں پانی طلب فرماتے، اس میں اپنا لعب دہن ڈال دیتے، اور جو کچھ اللہ تعالیٰ آپ ؐ سے کہلاتا آپ ؐ دعا فرماتے جب یہ پانی اس پتھر پر چھڑکا جاتا تو وہ ریت کے تودہ کی طرح نرم ہو جاتا (۲)۔

کھانے میں ایسی کھلی برکت ہوتی کہ تھوڑا سا کھانا بہت بڑی تعداد کے لئے کافی ہو جاتا، اور نہ صرف کافی ہوتا بلکہ پورا لشکر سیر ہو جاتا۔

جابر بن عبداللہ ؓ کہتے ہیں کہ ہم خندق کے روز کھدائی کر رہے تھے کہ ایک بڑا اور سخت پتھر سامنے آگیا، سب لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ یہ بہت سخت پتھر

---

(۱) بیہقی بروایت براء بن عازب الانصاری۔ (ابن کثیر، ج ۳، ص ۱۹۴)

(۲) سیرت ابن ہشام، ج ۲، ص ۲۱۷۔۲۱۸

سامنے آگیا ہے جو خندق کھودنے میں رکاوٹ بن رہا ہے آپؐ نے فرمایا کہ میں اترتا ہوں پھر آپؐ نے ایسی حالت میں کھڑے ہوئے کہ آپؐ کے پیٹ پر ایک پتھر بندھا ہوا تھا، اس وقت حالت یہ تھی کہ تین روز سے ہمارے منھ میں کوئی چیز نہ گئی تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کدال اٹھائی اور اس پتھر پر ماری، پتھر ریت کی طرح بھربھرا کر گر گیا، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھوڑی دیر کے لئے مجھے گھر جانے کی اجازت مرحمت فرمادیں، گھر پہونچ کر میں نے اپنی بیوی سے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس حال میں دیکھا ہے کہ جس کے دیکھنے کی مجھ میں تاب نہیں، کیا تمہارے پاس کچھ کھانے پینے کا سامان ہے؟ انھوں نے کہا ہاں کچھ جو ہے، اور ایک بکری کا بچہ ہے، میں نے بکری کے بچہ کو ذبح کیا، جو کو پیسا، اور ایک دیگچی میں گوشت چڑھادیا، جب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جانے لگا تو اس وقت آٹا گوندھ چکا تھا، دیگچی چولہے پر تھی اور تیار ہونے کے قریب تھی، میں نے واپس آکر عرض کیا کہ میں نے تھوڑے بہت کھانے کا انتظام کیا ہے آپؐ اور دو ایک آدمی تشریف لے چلیں، آپؐ نے دریافت فرمایا، کتنا کھانا ہوگا میں نے تفصیل بتائی، آپؐ نے یہ سن کر فرمایا یہ تو بہت ہے، اور اچھا ہے، اپنے گھر میں کہنا کہ دیگچی چولہے سے اس وقت تک نہ اتاریں، اور نہ تنور سے روٹیاں نکالیں جب تک میں نہ آجاؤں، پھر آپؐ نے فرمایا، لوگو! بسم اللہ، چنانچہ تمام مہاجرین اور انصار کھڑے ہوگئے اور میں اپنی بیوی کے پاس پہونچا اور کہا کہ کچھ خبر بھی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سارے مہاجرین اور انصار اور جتنے بھی آدمی آپؐ کے ساتھ ہیں سب کو لے کر تشریف لا رہے ہیں، کہنے لگیں کیا کھانے کے بارے میں آپؐ نے کچھ پوچھا؟ میں نے کہا ہاں۔ آپؐ نے فرمایا لوگو، اندر داخل ہو اور بھیڑ نہ لگاؤ، آپؐ روٹی کے ٹکڑے کر کے اس پر گوشت رکھتے جاتے، اور گوشت و روٹی لینے کے بعد دیگچی اور تنور کو ڈھک دیتے تھے، اور اپنے اصحاب کرام کے سامنے کھانا پیش فرماتے تھے، پھر کپڑا ہٹا کر اسی طرح روٹی توڑتے اور گوشت لیتے رہے اور اصحاب کرام کو عنایت فرماتے رہے، یہاں تک کہ سب خوب شکم سیر ہوگئے اور اس کے بعد بھی کھانا بچ رہا پھر آپ نے جابر رضی اللہ عنہ کی اہلیہ سے فرمایا، اب تم کھاؤ، اور دوسروں کو دو، اس لئے کہ سب لوگ اس وقت بھوک اور فاقہ میں ہیں (۱)۔

ایک دوسری روایت میں حضرت جابرؓ کے یہ الفاظ نقل کئے گئے ہیں کہ میں آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا، اور آہستہ سے عرض کیا یا رسول اللہ ہم نے ایک جانور ذبح کیا ہے اور ہمارے پاس تھوڑا سا جو تھا، اس کو پیس لیا ہے، آپؐ اور چند حضرات تشریف لے چلیں، آپؐ نے بلند آواز سے کہا کہ

---

(۱) صحیح بخاری (باب غزوۃ الخندق)

خندق والو! جابر نے ایک بڑی دعوت کا انتظام کیا ہے(۱)۔

کڑی آزمائش

قریش نے آگے بڑھ کر مدینہ کے مقابل پڑاؤ ڈالا، ان کے لشکر کی تعداد دس ہزار تھی غطفان بھی اپنے زیر اثر قبائل کے ساتھ اسی جگہ مقیم ہوئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تین ہزار مسلمانوں کے ساتھ ان کے مقابلہ کے لئے روانہ ہوئے، خندق ان دونوں لشکروں کے درمیان حائل تھی، مسلمانوں اور بنی قریظہ کے درمیان ایک معاہدہ تھا، حی بن اخطب نے جو بنی النضیر کا سردار تھا، ان کو کہہ سن کر عہد شکنی پر آمادہ کرلیا، بنی قریظہ نے یہ اقدام قدرے انکار اور تردد کے بعد کیا، اس کے نتیجے میں خوف ودہشت کی فضا سارے شہر میں چھا گئی، منافقین نے بھی پاؤں نکالے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خیال ہوا کہ اس وقت قبیلۂ غطفان سے اس بات پر صلح کرلینا مناسب ہے کہ مدینہ کے پھلوں کا ہمیشہ ایک تہائی حصہ ان کو دیا جائے گا، یہ خیال انصار کی وجہ سے آپؐ کے دل میں آیا جن پر جنگ کا سب سے زیادہ بوجھ پڑتا تھا، اور اب آپؐ ان کو مزید آزمائش میں ڈالنا نہ چاہتے تھے، لیکن اوس وخزرج کے دونوں سردار سعد بن معاذ اور سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہما کے عزم وہمت، ثابت قدمی اور استقامت کو دیکھ کر آپؐ نے اپنی یہ رائے تبدیل فرمادی انھوں نے عرض کیا کہ جس وقت ہملوگ شرک وبت پرستی کی آلودگیوں میں پڑے ہوئے تھے، نہ ہم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے تھے، اور نہ اس کو پہچانتے تھے، اس وقت کھجور کا ایک دانہ بھی (ضیافت اور خرید وفروخت کے علاوہ) ہم ان کو دینے کے روادار نہ تھے، اور اب جب ہم کو اللہ تعالیٰ نے اسلام سے سرفراز کیا اور ہدایت نصیب کی، آپؐ کی ذات اور اسلام سے ہمیں عزت بخشی کیا ہم ان کو اپنا مال دے دیں گے؟ خدا کی قسم ہمیں اس کی کوئی ضرورت نہیں، ہمارے پاس ان کے لئے تلوار کے سوا کچھ نہیں ہے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ان کے اور ہمارے درمیان فیصلہ فرمادے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر ارشاد فرمایا، جیسی تمہاری رائے ہو!

جاہلیت کے شہسوار اور اسلام کے شہسوار کا مقابلہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے ساتھ تمام مسلمانوں نے وہاں قیام کیا، دشمن نے ان کا محاصرہ کرلیا تھا، لیکن جنگ کی نوبت نہ آئی تھی، البتہ یہ ہوا کہ دشمن کے کچھ گھوڑسوار تیزی کے ساتھ آگے

---

(۱) حدیث میں اس موقعہ پر کھانے کے لئے لفظ ''سُور'' آیا ہے؛ اس موقع پر علامہ محمد طاہر پٹنی نے ''مجمع بحار الانوار'' میں لکھا ہے کہ یہ اصلاً لفظ فارسی لفظ ہے اور شادی کی بڑی دعوت کے لئے بولا جاتا ہے۔

بڑھے اور خندق کے کنارے تک پہونچ گئے، اور اسے دیکھ کر کہنے لگے یہ ایک نئی تدبیر اور نیا جال ہے، جس سے عرب واقف نہیں ہیں، پھر تلاش کر کے وہ ایک ایسی جگہ پہونچے جہاں خندق کی چوڑائی بہت کم تھی، یہاں پہونچ کر انھوں نے اپنے گھوڑوں کو ایڑ لگائی تو وہ گھوڑے اس کو پار کر گئے اور مدینہ کی سرزمین پر دوڑنے لگے، اس دستے میں عرب کا نامی گرامی شہسوار عمرو بن عبدود بھی تھا، جس کا مقابلہ ایک ہزار گھوڑ سواروں سے کیا جاتا تھا، ایک جگہ ٹھہر کر اس نے آواز لگائی کہ ہے کوئی مقابلہ کرنے والا؟ یہ سن کر حضرت علی کرم اللہ وجہہ، سامنے آئے اور کہا عمرو! تم نے اللہ سے عہد کیا تھا کہ قریش کا کوئی شخص اگر تمہیں دو باتوں کی دعوت دے گا تو ایک تم ضرور قبول کرو گے، اس نے جواب دیا کہ ہاں، حضرت علیؓ نے کہا ٹھیک ہے میں تمہیں اللہ کی اور اس کے رسول کی، اور اسلام کی دعوت دیتا ہوں، اس نے کہا کہ مجھے اس کی کوئی ضرورت نہیں، حضرت علیؓ نے کہا تو پھر میں تمہیں مقابلہ کی دعوت دیتا ہوں، کہنے لگا، کیوں آخر میرے بھتیجے، بخدا! میں تمہیں قتل کرنا نہیں چاہتا؟ حضرت علیؓ نے کہا، لیکن خدا کی قسم میں تمہیں ضرور قتل کرنا چاہتا ہوں۔

یہ سن کر عمرو کا خون گرم ہو گیا، وہ اپنے گھوڑے سے اتر پڑا اس کی کوچیں کاٹ دیں، اس کے چہرہ پر غصہ میں ایک طمانچہ مارا، پھر اسی حالت میں حضرت علیؓ کی طرف متوجہ ہوا، مقابلہ شروع ہوا، تھوڑی دیر دونوں نے اپنے جوہر دکھائے پھر حضرت علیؓ نے اس کو ٹھکانے لگا دیا (۱)، ان کے دوسرے شہسواروں میں نوفل بن مغیرہ بھی تھا، یہ دیکھ کر یہ سب شہسوار بھاگ نکلے اور خندق پھاند کر راہ فرار اختیار کی۔

ماں اپنے جگر کے ٹکڑے کو جہاد اور شہادت پر آمادہ کرتی ہے

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جو بنی حارثہ کے قلعہ میں مسلمان عورتوں کے ہمراہ تھیں، اور اس وقت تک پردہ کا حکم نازل نہ ہوا تھا، بیان فرماتی ہیں کہ سعد بن معاذؓ ادھر سے گذرے، وہ ایک اتنی چھوٹی زرہ پہنے ہوئے تھے، کہ ان کا پورا ہاتھ اس سے باہر تھا، وہ رجز پڑھتے جاتے تھے، ان کی والدہ نے دیکھ کر کہا کہ بیٹے تم نے بہت دیر کر دی جلدی جاؤ، حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ میں نے ان سے کہا کہ ام سعد، بخدا میری خواہش ہے کہ سعد کی زرہ اس سے بڑی ہوتی، چنانچہ وہی ہوا، جس کا خطرہ حضرت عائشہؓ نے ظاہر کیا تھا، اسی کھلے ہوئے ہاتھ پر ایک تیر ایسا آ کر لگا کہ اس نے وہاں کی خاص رگ (اکحل) کاٹ دی، اور بنی قریظہ کے غزوہ کے موقع پر وہ شہید ہوئے (۲)۔

---

(۱) ابن کثیر، ج ۳، ص ۲۰۲۔۲۰۳

(۲) ابن کثیر، جلد ۳، ص ۲۰۷

غیبی نصرت

مشرکوں نے مسلمانوں کو اس طرح گھیر لیا کہ جیسے وہ کسی قلعے میں محصور ہو گئے ہوں، یہ محاصرہ تقریباً ایک ماہ تک جاری رہا اس درمیان ان کو ہر قسم کی تکلیفوں اور مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑا، اور منافقوں کا نفاق بھی ظاہر ہو گیا، چنانچہ بعض لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مدینہ واپس جانے کی اجازت چاہی اور یہ بہانہ کیا کہ ان کے گھر کھلے رہ گئے ہیں حالانکہ ایسی کوئی بات نہ تھی اور سب گھر محفوظ تھے، یہ صرف راہِ فرار اختیار کرنے کی ترکیب تھی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے اصحاب کرام خوف و پریشانی کی اس کیفیت میں تھے کہ اچانک نعیم بن مسعود غطفانی آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا یا رسول اللہؐ! میں اسلام لا چکا ہوں لیکن میری قوم کو میرے اسلام لانے کا علم نہیں ہے اب جیسا منشا ہو حکم فرمائیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسل نے فرمایا تم اکیلے ہو تم وہیں رہ کر ہماری مدد کرو، اس لئے کہ جنگ حیلہ وتدبیر کا نام ہے، نعیم بن مسعودؓ وہاں سے رخصت ہوئے بنی قریظہ کے پاس آئے اور ان سے کچھ ایسی باتیں کیں کہ ان کو خود اپنے موقف اور پالیسی پر شبہ پیدا ہو گیا کہ قریش اور قبائل غطفان سے (جو باہر کے لوگ ہیں) ان کا یہ ربط وضبط اور مہاجرین اور انصار سے (جو مقامی باشندے اور ان کے پرانے پڑوسی ہیں) ان کی یہ دشمنی کہاں تک صحیح ہے، انھوں نے ان کو یہ بھی مشورہ دیا کہ وہ قریش اور غطفان کی حمایت میں لڑنے سے پہلے ان کے کچھ خواص اور سرداوں کو اپنے پاس بطور یرغمال رکھ لیں تا کہ ان کا بھروسہ رہے، انھوں نے یہ سن کر کہا کہ واقعی تم نے بہت اچھی بات سجھائی، پھر وہاں سے چل کر وہ سرداران قریش کے پاس گئے اور اپنی خیر خواہی اور اخلاص کا مظاہرہ کرنے کے بعد ان سے کہا کہ یہود اپنے اس فعل پر پچھتا رہے ہیں، اور یہ سوچ رہے ہیں کہ قریش کے کچھ شرفاء اور سربرآوردہ لوگ بطور رہن ان کے ہاتھ میں رہیں تا کہ کوئی عہد شکنی کا خطرہ نہ رہے ان کا ارادہ یہ ہے کہ ان سرداروں کو وہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے حوال کر دیں گے، اور وہ ان کے سر تلوار سے اڑا دیں گے، پھر غطفان کے پاس گئے اور ان سے بھی وہی کہا جو قریش سے کہہ چکے تھے، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دونوں فریق ایک دوسرے سے چوکنے اور محتاط ہو گئے اور ان کے دلوں میں یہود کی طرف سے سخت کینہ پیدا ہو گیا، تمام متعلقہ پارٹیوں میں تفرقہ پڑ گیا، اور ہر شخص ایک دوسرے سے خائف رہنے لگا، چنانچہ جب ابوسفیان اور قبیلۂ غطفان کے سرداروں نے ایک فیصلہ کن جنگ کا آغاز کرنا چاہا تو یہود نے ٹال مٹول سے کام لینا شروع کیا

اوران کے کچھ آدمی بطور یرغمال کے طلب کیے، جب یہ بات انھوں نے سنی تو ان کو پورا یقین ہوگیا کہ نعیم بن مسعودؓ نے جو کچھ کہا تھا، حرف بحرف صحیح تھا، انھوں نے ان کی یہ درخواست قبول کرنے سے انکار کردیا، دوسری طرف یہود کو بھی اندازہ ہوگیا کہ ان کی بات سچی تھی، اس طرح ان سب کے قوی اور ارادو میں اضمحلال پیدا ہوگیا، اوران کا شیرازہ منتشر ہوگیا۔

اللہ تعالیٰ کا کرنا یہ ہوا کہ کفروشرک کے ان لشکروں اور دشمنان دین کی ان فوجوں پر ان سرد وبخ بستہ راتوں میں ایسی تیز ہوا چلی کہ ان کی قیام گاہیں اکھڑ گئیں اور دیگچیاں الٹ گئیں، یہ منظر دیکھ کر ابوسفیان نے کہا کہ قریش کے لوگو! اب یہ ٹھہرنے کی جگے جگہ نہیں رہی، ہمارے خچر اور گھوڑے ہلاک ہوگئے، بنوقریظہ نے ہم سے بدعہدی کی ہے، اور بہت وحشت ناک اور تکلیف دہ اطلاعیں ان کی طرف سے ہم کو ملی ہیں، اس آندھی نے جو قیامت ڈھائی ہے وہ بھی تم لوگ دیکھ رہے ہو، دیگچیاں تک ٹھہر نہیں رہی ہیں، آگ جلانا مشکل ہو رہا ہے، ہماری کوئی قیام گاہ اور جائے پناہ محفوظ نہیں رہی، اب یہاں سے چل نکلو میں بھی واپس جانے کا ارادہ کرچکا ہوں، یہ کہہ کر ابوسفیان اپنے اونٹ کے قریب گئے جو بندھا ہوا تھا، اس پر بیٹھ گئے اور اس کو ایڑ لگائی جب اونٹ کھڑا ہوگیا، تب اس کی رسی کھولی۔

جب غطفان کو یہ خبر پہونچی کہ قریش کوچ کر گئے تو انھوں نے بھی اپنی جگہ کا رخ کیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت نماز پڑھ رہے تھے، حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ (جن کو آپؐ نے ان متحدہ پارٹیوں میں اپنا مخبر بنا کر بھیجا تھا تا کہ وہ آپ کو ان کی نقل وحرکت سے آگاہ کرسکیں) واپس آئے تو جو کچھ دیکھا تھا، اس سے آپ کو آگاہ کردیا(۱) صبح نمودار ہوئی تو آپؐ خندق چھوڑ کر مدینہ تشریف لے چلے مسلمان بھی واپس آگئے، اور اپنے ہتھیار رکھ دیئے (۲)، قرآن کریم اس واقعہ کے بارے میں کہتا ہے:۔

يَآ أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ إِذْ جَآءَتْكُمْ جُنُودٌ فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحاً وَّجُنُوداً لَّمْ تَرَوْهَا، وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيراً۔(سورۂ احزاب۔۹)

مومنو! خدا کی اس مہربانی کو یاد کرو جو (اس نے) تم پر (اس وقت کی) جب فوجیں تم پر (حملہ کرنے کو) آئیں تو ہم نے ان پر ہوا بھیجی، اور ایسے لشکر (نازل کئے) جن کو تم دیکھ نہیں سکتے تھے، اور جو کام تم کرتے ہو خدا ان کو دیکھ رہا ہے۔

وَرَدَّ اللّٰهُ الَّذِينَ كَفَرُوا بِغَيْظِهِمْ لَمْ يَنَالُوا خَيْراً، وَكَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِينَ الْقِتَالَ، وَكَانَ

---

(۱) پورا واقعہ صحیح مسلم باب غزوۃ الاحزاب بروایت ابن اسحٰق ملاحظہ کریں۔

(۲) تفصیل سیرت ابن کثیر، ج۳،ص۲۱۴، میں ملاحظہ فرمائیں۔

اللّٰہُ قَوِیًّا عَزِیْزًا۔(سورۂ احزاب۔ ۲۵)

اور جو کافر تھے ان کو خدا نے پھیر دیا وہ اپنے غصہ میں) بھرے ہوئے تھے) کچھ بھلائی حاصل نہ کر سکے اور خدا مومنوں کو لڑائی کے بارے میں کافی ہوا اور خدا طاقت ور (اور) زبردست ہے۔

اس طرح جو بادل بڑے زور وشور سے اٹھا تھا وہ گرج چمک کے بغیر برسے نکل گیا اور مدینہ کا مطلع صاف تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس سال کے بعد سے اب قریش تم پر چڑھ کر نہ آئیں گے، بلکہ تم ہی ان پر حملہ آور ہوگے(۱)۔

غزوۂ خندق میں مسلمانوں کے زیادہ سے زیادہ سات آدمی شہید ہوئے اور مشرکین چار آدمی قتل کئے گئے۔

---

(۱) سیرت ابن کثیر، جلد ۳، ص ۲۲۱

غزوۂ بنی قریظہ
(۵ھ)

بنی قریظہ کی عہد شکنی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ تشریف لائے، تو آپؐ نے مہاجرین اور انصار کے درمیان ایک ایسا عہد نامہ تحریر کرایا جس میں یہود کو امان دی گئی تھی، اور ان سے معاہدہ کیا گیا تھا، جس میں ان کے مذہب اور مال واملاک کی حفاظت کی ذمہ داری لی گئی تھی، کچھ شرطیں ان کے حق میں لگائی گئی تھیں، اور کچھ شرطیں ان پر عائد کی گئی تھیں، اس عہد نامہ کی خاص خاص باتیں یہ تھیں۔

یہود میں لیس جو ہمارا ساتھ دے گا اس کے ساتھ تعاون اور مساوات کا معاملہ کیا جائے گا، نہ ان پر ظلم کیا جائے گا، اور نہ ان کے خلاف مدد دی جائے گی، مدینہ کا کوئی مشرک نہ قریش کے جان و مال کو امان اور پناہ دے گا، اور نہ کسی مومن کے مقابلہ میں اس کے لئے سینہ سپر ہوگا، یہود لڑائی میں جب تک شریک رہیں گے، مسلمانوں کی طرح اس کے اخراجات بھی برداشت کریں گے، یہود کے قبائل (۱) مسلمانوں کے ساتھ ایک قوم کی طرح رہیں گے، یہودیوں کو اپنے مذہب کی آزادی رہے گی، مسلمانوں کو اپنے مذہب کی، وہ اپنے ماتحتوں غلاموں اور اپنے معاملہ میں پوری طرح بااختیار ہوں گے۔

اس میں یہ بھی تھا کہ اس عہد نامہ اور تحریری معاہدہ کی رو سے جنگ میں ایک دوسرے کی مدد کرنا ان پر لازم ہوگا، جائز امور اور اطاعت الٰہی کے حدود کے اندر، خیر خواہی خلوص اور صلاح کا رویہ رکھنا ہوگا، یثرب پر حملہ ہوا تو وہ مشترکہ طور پر اس کا مقابلہ کریں گے (۲)، لیکن بنی النضیر کے سردار حیّ ابن اخطب یہودی نے بنی قریظہ کو مسلمانوں سے عہد شکنی اور قریش سے اتحاد و دوستی پر آمادہ کرلیا، حالانکہ ان کے سردار کعب بن اسد القرظی نے کہا تھا کہ ”میں نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میں سچائی اور وفاداری کے سوا کوئی اور چیز نہیں دیکھی“ بہر حال کعب بن اسد نے اپنے عہد توڑ دیا، اور اس کے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان جو کچھ طے پایا تھا، اس سے اپنے کو بری کرلیا۔

---

(۱) اس معاہدہ میں قبائل یہود کے نام یہ دیئے گئے ہیں، بنی عوف، بنی ساعدہ، بنی جشم، بنی الاوس اور بنی ثعلبہ۔

(۲) سیرت ابن ہشام، ج ۱، ص ۵۰۳-۵۰۴

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی اس عہد شکنی کی اطلاع ملی تو آپؐ نے سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو جو اوس کے سردار تھے، اور اوس بنو قریظہ کے حلیف تھے، اور خزرج کے سردار سعد بن عبادہ کو انصار کے کچھ لوگوں کے ساتھ اس خبر کی تحقیق کے لئے روانہ کیا، وہاں انھوں نے جا کر پتہ لگایا تو جتنا سنا تھا، اس سے بدتر حالت پائی، ان لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے نازیبا الفاظ استعمال کئے اور تلخ لہجہ میں کہنے لگے کیسا اللہ کا رسول؟ ہمارے اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے درمیان کوئی عہد معاہدہ نہیں ہے(۱)۔

انھوں نے جنگ کی باقاعدہ تیاری بھی شروع کردی اور مسلمانوں کے پیٹھ پیچھے چھرا گھونپنا چاہا(۲)، یہ نوعیت کھلے ہوئے حملے اور دوبدو میدان جنگ سے کہیں زیادہ سخت اور خطرناک تھی، اس صورت حال کی تصویر قرآن کریم کی مندرجہ ذیل آیات میں اس طرح پیش کی گئی ہے؟

اِذْ جَآءُ وْكُمْ مِنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ۔ (سورۂ احزاب۔ ۱۰)

جب وہ تمہارے اوپر اور نیچے کی طرف تم پر چڑھ آئے۔

مسلمانوں کے لئے یہ بہت سخت حادثہ تھا اور اس کو قدرتی طور پر بہت محسوس کیا گیا، اس کا اندازہ ہمیں اس سے ہوسکتا ہے کہ سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے (جو ان سے زیادہ سے زیادہ قریب اور مصیبت میں مددگار وغم گسار رہ چکے تھے) غزوۂ خندق کے موقع پر جب ایک تیر ان کے شانہ پر لگا، اور اس سے وہاں کی ایک نازک اور اہم رگ کٹ گئی اور ان کو اپنی موت کا یقین ہوگیا تو یہ جملہ کہا کہ "اے اللہ مجھے اس وقت تک موت نہ دے جب تک میری آنکھیں بنی قریظہ کی تباہی دیکھ کر ٹھنڈی نہ ہوجائیں" (۳)۔

بنی قریظہ کی طرف پیش قدمی

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمان غزوۂ خندق سے واپس ہوئے اور مدینہ پہونچ کر سب مسلمانوں نے اپنے ہتھیار رکھ دئے تو حضرت جبرئیل تشریف لائے اور کہا کہ یارسول اللہ!

---

(۱) سیرت ابن ہشام، ج ۲، ص ۲۲۰۔۲۲۳۔

(۲) موٹگمری واٹ کی کتاب CAMBRIDGE HISTORY OF ISLAM میں ہے کہ مدینہ منورہ میں ایک بڑا قبیلہ باقی رہ گیا تھا، یہ بنی قریظہ کا قبیلہ تھا، جب مشرکوں نے مدینہ کا محاصرہ کیا تھا تو اس وقت یہ مسلمانوں کے ساتھ خلوص ودوستی کا مظاہرہ کرتا تھا، لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں کہ وہ درپردہ مشرکین سے مل چکا تھا اور پُشت سے وار کرنے کے لئے اولین موقع کے انتظار میں تھا۔ ج ۱، ص ۴۹

(۳) حضرت سعد کو ایک قریشی کا تیر لگا تھا، بنی قریظہ کے کسی آدمی کے ہاتھ سے انھوں نے زخم نہیں کھایا تھا صحیح بخاری میں اس کا نام ابن العرقہ قریشی بتایا گیا ہے، اس لئے یہ سمجھنا صحیح نہیں ہے، کہ اس تیر کی وجہ سے حضرت سعدؓ کو بنی قریظہ پر غصہ تھا، اور اسی بنا پر انھوں نے یہ سخت فیصلہ کیا۔

کیا آپؐ نے ہتھیار رکھ دیئے؟ آپؐ نے فرمایا کہ ہاں، اس پر حضرت جبرئیلؑ نے کہا کہ فرشتوں نے ابھی اپنے ہتھیار نہیں رکھے! اللہ عزوجل نے آپ کو یہ حکم دیا ہے کہ بنی قریظہ کی طرف روانہ ہو جائیں، میں بھی وہیں کا ارادہ کر رہا ہوں کہ ان میں تزلزل پیدا کر دوں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک منادی کرنے والے کو طلب فرمایا اور حکم دیا کہ وہ لوگوں میں جا کر اعلانِ عام کرے کہ ہر اس شخص کو جو سننے اور ماننے والا ہے یہ چاہئے کہ نمازِ عصر بنی قریظہ میں پڑھے(۱)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی قریظہ میں پہونچ کر ان کا محاصرہ کر لیا جس کا سلسلہ پچیس شب و روز جاری رہا، یہاں تک کہ وہ اس محاصرہ سے تنگ آ گئے، اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا(۲)۔

ابولبابہ کی ندامت اور توبہ کی قبولیت

اس درمیان میں بنی قریظہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ پیغام بھیجا کہ آپؐ ہمارے پاس بنی عمرو بن عوف کو بھیج دیجئے (یہ لوگ اوس کے حلیف بھی تھے) تا کہ ہم ان سے اپنے معاملہ میں مشورہ کر سکیں، ان کی درخواست پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابولبابہؓ کو وہاں بھیجدیا، ان کو دیکھتے ہی سب لوگ سروقد کھڑے ہو گئے عورتیں اور بچے دھاڑیں مار کر رونے لگے، یہ دیکھ کر ان کا دل کچھ پسیج گیا اس کے بعد یہ سب لوگ کہنے لگے ابولبابہ! کیا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے فیصلہ پر سر تسلیم خم کر لیا جائے؟ انھوں نے کہا ہاں، اسی کے ساتھ اپنے گلے پر ہاتھ پھیر کر اس کی طرف اشارہ کیا، ابولبابہؓ کہتے ہیں کہ ابھی میرے قدم بھی وہاں سے نہ ہٹے تھے کہ مجھے محسوس ہوا کہ میں نے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خیانت کی ہے، چنانچہ وہ فوراً الٹے پاؤں واپس ہوئے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے کے بجائے مسجد نبوی کے ایک ستون سے اپنے کو باندھ دیا اور اعلان کر دیا کہ میں اس وقت تک اس جگہ سے نہ ہٹوں گا جب تک اللہ تعالیٰ میرے قصور کو معاف نہ فرمادے گا، انھوں نے اللہ تعالیٰ سے یہ عہد کیا کہ آئندہ وہ بنی قریظہ کے علاقہ میں قدم بھی نہ رکھیں گے، اور اس مقام کی بھی شکل نہ دیکھیں گے، جہاں انھوں نے اللہ اور اس کے رسول کی خیانت کی تھی۔

جب اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی اور یہ آیت نازل ہوئی:۔

---

(۱) سیرت ابن ہشام، ج ۲، ص ۲۳۳۔۲۳۴، صحیح بخاری میں یہ قصہ کسی قدر تفصیل و اضافہ کے ساتھ باب "مرجع النبی صلی اللہ علیہ وسلم من الاحزاب، و مخرجه الی بنی قریظه و محاصرته ایاهم" میں بیان کیا ہے صحیح مسلم میں کتاب الجهاد و السیر میں باب "جواز قتال من نقض العهد و جواز انزال الحصن علی حکم عادل حکیم اهل للعدل" میں یہ واقعہ درج کیا ہے۔

(۲) سیرت ابن ہشام، ج ۲، ص ۲۳۵۔

وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَيِّئًا، عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ، اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ. (سورۂ توبہ۔۱۰۲)

اور کچھ لوگ ہیں کہ اپنے گناہوں کا (صاف) اقرار کرتے ہیں، انھوں نے اچھے اور برے عملوں کو ملا جلا دیا تھا، قریب ہے کہ خدا ان پر مہربانی سے توجہ فرمائے بے شک خدا بخشنے والا مہربان ہے۔

تو فوراً لوگ ان کو کھولنے کے لئے تیزی سے آگے بڑھے، انھوں نے کہا نہیں، خدا کی قسم جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود اپنے دست مبارک سے مجھے آزاد نہ کریں گے، میں اسی حالت میں رہوں گا، جب نماز فجر کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے اور ان کے قریب سے گزرے تو آپؐ نے ان کو کھولا، یہ کھجور کے اس تنے سے تقریباً بیس رات بندھے رہے، ہر نماز کے وقت ان کی اہلیہ آتیں اور نماز کے لئے ان کو کھول دیتیں پھر وہ دوبارہ اپنے کو اس سے باندھ لیتے (۱)۔

سعد بن معاذؓ کی حق پرستی اور بے لاگ فیصلہ

بنو قریظہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ کو تسلیم کرلیا، لیکن قبیلۂ اوس کے دل میں بنی قریظہ کی طرف سے نرم گوشہ تھا، وہ تیزی کیساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہنے لگے، یا رسول اللہ خزرج کے مقابلہ میں ہمارا ان سے معاہدہ ہے، اور انھوں نے ہمارے بھائیوں کے حلیفوں (یعنی بنی قینقاع) کے ساتھ مل کر جو کچھ کیا ہے، وہ آپ کے علم میں ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی یہ بات سن کر فرمایا، اوس کے لوگو! کیا تم اس پر تیار ہو کہ تمہارا ہی کوئی آدمی اس کا فیصلہ کردے انھوں نے کہا ہاں ہم تیار ہیں، آپؐ نے فرمایا میں یہ کام سعد بن معاذؓ کے حوالے کرنا چاہتا ہوں ان کو بلوایا گیا، جب وہ آئے تو ان کے قبیلہ والوں نے ان سے کہا کہ ابو عمرو! اپنے حلیفوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنا، اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہارے سپرد یہ معاملہ اسی لئے کیا ہے کہ تم ان لوگوں کے ساتھ حسن سلوک کا برتاؤ کرو جب انھوں نے زیادہ اصرار کیا تو انھوں نے کہا کہ سعد کو قسمت سے یہ موقع ملا ہے کہ آج اس کو حکم الٰہی کے سامنے اس وقت کسی کی ملامت کی پرواہ نہ ہو، سعدؓ نے کہا، میں یہ فیصلہ کرتا ہوں کہ ان کے مرد قتل کردیئے جائیں، ان کا مال تقسیم کرلیا جائے، بچے اور عورتیں غلام بنالئے جائیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسل نے فرمایا، تم نے اللہ کے حکم

---

(۱) سیرت ابن ہشام، ج ۲، ص ۲۳۶۔۲۳۸

کے مطابق فیصلہ کیا ہے(۱)۔

اسرائیلی شریعت کے مطابق سزا

یہ فیصلہ بنی اسرائیل کی شریعت کے جنگی قوانین کے بھی مطابق تھا، اس لئے کہ توریت آیت ۱۱۔۱۲۔۱۳ میں ہے:۔

''اور جب تو کسی شہر کے پاس اس سے لڑنے کے لئے آپہونچے تو پہلے اس سے صلح کا پیغام کر تب یوں ہوگا کہ اگر وہ تجھے جواب دے کہ صلح منظور اور دروازے تیرے لئے کھول دے تو ساری خلق جو اس شہر میں پائی جاوے تیری خراج گزار ہوگی اور تیری خدمت کرے گی اور اگر وہ تجھ سے صلح نہ کرے بلکہ تجھ سے جنگ کرے تو اس کا محاصرہ کر اور جب خداوند تیرا خدا اسے میرے قبضے میں کردیوے تو وہاں کے ہر ایک مرد کو تلوار کی دھار سے قتل کر، مگر عورتوں اور لڑکوں اور مواشی کو اور جو کچھ اس شہر میں ہو اس کا سارا لوٹ اپنے لئے لے'' (کتاب استثاء، باب ۲۰، آیات ۱۰ تا ۱۴ کتاب مقدس منجانب بائبل سوسائٹی ۱۸۸۲ء)

بنی اسرائیل میں قدیم زمانے میں یہی رواج تھا توریت میں آتا ہے، اور انھوں نے مدیانیوں سے لڑائی کی جیسا خداوند نے موسیٰ کو فرمایا تھا، اور سارے مردوں کو قتل کیا، اور انھوں نے ان مقتولوں کے سوا اوی اور راقم اور صور حور اور رابع کو جو مدیان کے پانچ بادشاہ تھے جان سے مارا اور باعور کے بیٹے بلعام کو بھی تلوار سے قتل کیا، اور بنی اسرائیل نے مدیان کی عورتوں اور ان کے بچوں کو

---

(۱) سیرت ابن ہشام ج ۲، ص ۲۳۹۔۲۴۰ مسلم شریف کے الفاظ یہ ہیں "قضيت بحكم الله وربما قال بحكم الملك" (تم نے اللہ کے حکم کے مطابق فیصل کیا اور شاید آپؐ نے یہ فرمایا کہ مالک الملک کے فیصلہ کے مطابق فیصلہ کیا) مشہور روایت کسرہ کے ساتھ ہے اور اس کے معنی وہ ہیں جو مذکور ہوئے، بعض روایتوں میں فتحہ کے ساتھ ہے، اس سے حضرت جبرئیل علیہ السلام مراد ہیں، مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرشتہ جو فیصلہ لے کر آیا تھا، اس کے مطابق تم نے فیصلہ کردیا، (صحیح مسلم باب "جواز قتال من نقض العهد۔ كتاب الجهاد والسير)

ان مقتولین کی تعداد آٹھ سو سپاہیوں کی تھی جیسا کہ کامل ابن اثیر، ج ۲، ص ۱۲۷ میں ہے۔

بعض معاصر اہل قلم نے مدینہ جیسے چھوٹے شہر اور نبی رحمتؐ کی کریمانہ سیرت کے پیش نظر تاریخی استناد کے بجائے قیاس سے کام لیتے ہوئے اس تعداد کو مستبعد بتایا ہے، ملاحظہ ہو ڈاکٹر برکات احمد کی کتاب (MUHAMMAD & THE JEWS)۔

اس واقعہ کے متعلق (جو یہود کے شعور کو متاثر کرنے والا ہے) یہودی مآخذ بھی خاموش ہیں، ایک یہودی مؤلف سموئیل اسبک نے سولہویں صدی مسیحی میں ایک اہم کتاب "مآثر شهداء يهود" لکھی، لیکن اس نے بھی بنوقینقاع اور بنونضیر کی مدینہ سے جلاوطنی اور بنوقریظہ کے جنگ جوؤں کے قتل کا ذکر نہیں کیا۔

اسیر کیا اوران کی مواشی اور بھیڑ بکری اور مال واسباب سب کچھ لوٹ لیا او وران کے سارے شہروں کو جن میں وہ رہتے تھے،اوران کے سب قلعوں کو پھونک دیا''(۱)

موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں اسی قانون پر عمل کیا جاتا تھا،اوراس کوان کی اجازت اورتائید حاصل تھی،توریت ہی میں ہے۔

''تب موسیٰ اورالعازر کاہن اور جماعت کے سارے سرداران کے استقبال کے لئے خیمہ گاہ سے باہر گئے اورموسیٰ لشکر کے رئیسوں پر اوران پر جو ہزاروں کے سردار تھے،اوران پر جو سیکڑوں کے سردار تھے، جو جنگ کر کے پھرے غصہ ہوا،اوران کو کہا کہ کیا تم نے سب عورتوں کو جیتا رکھا''(۲)، سعد بن معاذؓ کے اس فیصلہ اور حکم کی تعمیل کی گئی،اوراس طرح مدینہ یہودی سازش،مکروفریب،اورفتنہ سامانیوں سے محفوظ ہوگیا،اورمسلمانوں کواطمینان ہوگیا کہ اب پیچھے سے ان پر کوئی حملہ نہ ہوگا اورکسی اندرونی سازش کوسراٹھانے کا موقع نہ ملے گا۔

خزرج نے سلام بن ابی الحقیق کو بھی قتل کردیا جس نے مسلمانوں کے خلاف یہ سب پارٹی بندی کی تھی،اوران کا ناپاک اتحاد قائم کیا تھا،اس سے پہلے''اوس'' کعب بن الاشرف کا خاتمہ کرچکے تھے، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عداوت اورآپؐ کے خلاف لوگوں کواکسانے اورشورشیں برپا کرنے میں سب سے آگے تھا،ان دونوں کے قتل سے مسلمانوں کوفتنہ وفساد کے ان سرغنوں سے نجات ملی جواسلام اورمسلمانوں کے خلاف مستقل اور ہمہ وقت سازش میں مشغول رہتے اورنئی نئی تحریکیں اور تجویزیں کرتے رہتے تھے،اورسب نے اطمینان کی سانس لی(۳)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی قریظہ سے جو معاملہ فرمایا وہ جنگی سیاست اورعرب کے یہودی قبائل کی سرشت اورافتادطبع کے مطابق تھا،ان کے لئے اسی قسم کی سخت اورعبرت ناک سزا کی ضرورت تھی،جس سے عہد شکنی کرنے والوں اوردھوکہ بازوں کو ہمیشہ کے لئے سبق مل جائے اورآئندہ نسلیں اس سے عبرت پکڑیں R.V. C. BODLEY اپنی کتاب THE MESSENGER- THE LIFE OF MOHAMMAD میں اس واقعہ پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتا ہے:۔

> محمد بلادعرب میں تنہا تھے، یہ ملک رقبہ کے لحاظ سے ریاست ہائے متحدہ امریکہ کا ایک تہائی ہے،اوراس کی آبادی پچاس لاکھ ہے،ان کے پاس ایسے لشکر بھی نہ تھے جو

---

(۱) کتاب مقدس،گنتی،باب ۳۱،آیت ۷تا ۱۰منجانب بائبل سوسائٹی مطبوعہ ۱۸۸۳ء

(۲) ایضاً آیت ۱۳، ۱۴، ۱۵۔

(۳) سیرت ابن ہشام،ج ۲،ص ۲۷۳

لوگوں کو امتثال امر اور اطاعت پر مجبور کر سکتے، سوائے ایک مختصر لشکر کے جس کی نفری تین ہزار تھی، یہ لشکر بھی پوری طرح مسلح نہ تھا، اس لحاظ سے اگر محمدؐ اس سلسلہ میں سستی وغفلت سے کام لیتے اور بنی قریظہ کو ان کی بدعہدی پر کوئی سزا دیئے بغیر چھوڑ دیتے تو جزیرۃ العرب میں اسلام کی بقا مشکل تھی، اس میں شک نہیں کہ یہود کے قتل کا معاملہ بہت سخت تھا، لیکن یہ مذاہب کی تاریخ میں کوئی انوکھا اور نیا واقعہ نہ تھا، اور مسلمانوں کے نقطۂ نظر سے اس کارروائی کا پورا جواز موجود تھا، اس سے دوسرے عرب قبائل اور یہود کسی عہد شکنی اور غداری سے پہلے بار بار سوچنے پر مجبور ہوئے اس لئے کہ وہ اس کا انجام بد دیکھ چکے تھے، اور اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے تھے کہ محمدؐ اپنے فیصلہ کو نافذ کرنے کی طاقت رکھتے ہیں'' (۱)

سر اسٹینلی لین پول لکھتا ہے:۔

''یہ یاد رکھنا چاہئے کہ ان لوگوں کا جرم مملکت سے غداری تھا، وہ بھی ایک محاصرہ کے دوران، جن لوگوں نے تاریخ میں یہ پڑھا ہے کہ ولنگٹن کی فوج جس راستہ سے گذری اس کی نشاندہی مفرور سپاہیوں، اور لوٹ مار کرنے والوں کی لاشیں کرتی تھیں، جو درختوں پر لٹکی ہوئی تھیں، انھیں ایک غدار قبیلہ کے ایک سرسری فیصلہ کی رو سے قتل کئے جانے پر متعجب نہیں ہونا چاہئے'' (۲)۔

مدینہ میں یہود کے اس آخری قلعہ اور مورچہ کے خاتمہ کا ایک فائدہ یہ ہوا کہ نفاق کا کیمپ قدرتی طور پر کمزور پڑ گیا اور منافقین کی سرگرمیاں سست ہو گئیں ان کے حوصلے پست ہو گئے، اور ان کی بہت کچھ خود اعتمادی اور بڑی بڑی امیدیں جو انھوں نے باندھ رکھی تھیں ختم ہو گئیں، اس لئے کہ یہ ان کے مستحکم قلعوں میں سے آخری قلعہ تھا جو فتح ہو گیا، ڈاکٹر اسرائیل ولفنسون نے غزوہ بنی قریظہ پر تبصرہ کرتے ہوئے اس حقیقت کا اعتراف ان الفاظ میں کیا ہے:۔

''جہاں تک منافقین کا تعلق ہے بنی قریظہ کی لڑائی کے بعد ان کی آواز پست پڑ گئی اور اس کے بعد ان کے اعمال واقوال سے کوئی ایسی بات ظاہر نہ ہوئی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے اصحاب کے فیصلہ کے خلاف ہوتی جیسا کہ اس سے

THE MESSENGER-THE LIFE OF MUHAMMAD, (LONDON 1946), (۱) P.P. 202-203

SELECTION FROMTHE KORAN INDRO. P.IXV(۲)

پہلے توقع کی جارہی تھی'' (۱)۔

عفوودرگذراورسخاوت ودریادلی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نجد کی طرف کچھ سواروں کو ایک مہم پر روانہ فرمایا، یہ لوگ واپس آئے تو اپنے ساتھ بنی حنیفہ کے سردار ثمامہ بن اثال کو قیدی بنا کر لائے اور ان کو مسجد کے ایک ستون سے باندھ دیا گیا، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ادھر سے گذرے تو آپؐ نے ان کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا، ثمامہ! کچھ کہنا تو نہیں ہے؟ انھوں نے جواب دیا کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اگر آپ قتل کریں گے تو ایسے شخص کو قتل کریں گے جس کی گردن پر خون ہے، اگر احسان کریں گے تو ایک شکر گزار اور احسان شناس پر احسان کریں گے اور اگر آپ کو مال ودولت مطلوب ہے تو آپؐ بتائیں، آپؐ جو مطالبہ بھی رکھیں گے وہ پورا کیا جائے گا، آپؐ یہ سن کر آگے بڑھ گئے دوسری بار جب آپ کا ادھر سے گذر ہوا تو آپؐ نے اس سے یہی سوال کیا اور اس نے یہی جواب دیا اور آپؐ نے وہی رویہ اختیار کیا جو پہلے کیا تھا، تیسری بار جب آپؐ ادھر سے تشریف لے گئے تو آپؐ نے حکم دیا کہ ثمامہ کو رہا کرو، چنانچہ اس کو رہا کر دیا گیا، اس کے بعد ثمامہ نے مسجد کے قریب کے ایک کھجور کے باغ میں جا کر غسل کیا اور آپؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کیا اور عرض کیا کہ خدا کی قسم ایک وقت تھا کہ مجھے آپؐ کے چہرے سے زیادہ کوئی چہرہ برا نہ لگتا تھا، لیکن آج آپ کا روئے انور مجھے ہر چیز سے زیادہ عزیز ہے، اور خدا کی قسم آپؐ کے دین سے زیادہ روئے زمین پر مجھے کسی اور دین سے بغض نہ تھا، لیکن آج آپ کا دین سارے ادیان ومذاہب سے زیادہ مجھے عزیز ومحبوب ہے، میرا قصہ یہ ہے کہ میں عمرہ کی نیت سے جارہا تھا کہ آپؐ کے سواروں نے مجھے گرفتار کرلیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بشارت دی اور عمرہ ادا کرنے کی ہدایت فرمائی، جب ثمامہ قریش سے ملے تو ان لوگوں نے کہا کہ ثمامہ تم بے دین ہو گئے، انھوں نے جواب دیا نہیں خدا کی قسم میں تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر ایمان لایا ہوں، بخدا تمہارے پاس یمامہ کے گیہوں کا ایک دانہ بھی اس وقت تک نہ پہونچے گا، جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی منظوری نہ ہوگی، یمامہ مکہ کی غلہ کی منڈی تھی، اور وہیں سے غلہ کی رسد آتی تھی،

---

(۲) الیہود فی بلاد العرب، ص ۱۵۵۔ استاذ محمد احمد باشمیل نے صحیح نے لکھا ہے کہ ''غزوۂ احزاب'' صرف یہودی غزوہ تھا جسے یہود کے سازشی ذہن نے خیبر میں برپا کیا اور اس میں یہودی سرمایہ صرف ہوا جو جنگ چھیڑنے اور یہودی دائرہ اثر بڑھانے کے لئے ضمانتوں کے حصول کے لئے ہی صرف ہوتا ہے۔

غزوۂ بنی قریظہ، غزوۂ احزاب کی توسیعی شکل تھی، کیونکہ یہود بنی قریظہ، قریش، یہودی فوجی اتحاد کا تیسرا بازو تھا، جو مسلمانوں کو بالکلیہ برباد کرنے پر آمادہ تھا، (غزوہ بنی قریظہ ص ۱۴۹۔۱۵۵)

اس کے بعد وہ اپنے علاقہ میں واپس گئے، اور اونٹوں کے کارواں کو جو گیہوں لے کر جاتے تھے، مکہ جانے سے روک دیا، اس کا اثر یہ پڑا کہ قریش کو فاقہ کی نوبت آگئی، اور انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مبارک میں عرض داشت بھیجی کہ ثمامہ کو غذائی اشیاء اور اجناس کے برآمد کی اجازت دے دیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی یہ درخواست قبول فرمائی (۱)۔

غزوۂ بنی المصطلق اور واقعۂ افک

شعبان ۶ھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر ملی کہ بنی المصطلق (جو خزاعہ کی ایک شاخ تھے) جنگ کے لئے جمع ہو رہے ہیں، یہ اطلاع سن کر آپ بھی مقابلہ کے لئے تشریف لے چلے اور منافقین کی اتنی بڑی تعداد آپؐ کے ساتھ ہوگئی کہ اس سے پہلے کسی غزوہ میں نہ تھی (۲)، ان کا سربراہ اور قائد عبداللہ بن ابی ابن سلول بھی ساتھ تھا، غزوہ احزاب میں (جس میں قریش نے پورے اتحاد کا مظاہرہ کیا تھا، اور دوسرے تمام قبائل اپنے ساتھ ملا لئے تھے) مسلمانوں کی فتح وکامرانی نے اس گروہ کو نعل درآتش کر دیا، مسلمانوں کا ستارۂ اقبال برابر عروج پر تھا پیہم کامیابیاں کفار مکہ، مدینہ اور اس کے اطراف میں بسنے والے یہود اور منافقین کے لئے حلق کا ایک ایسا کانٹا بن گئی تھیں جس سے ان کو کسی وقت قرار وسکون نہ ملتا تھا، وہ یہ سمجھ چکے تھے کہ مسلمان کو اب میدان جنگ میں اور کثرت تعداد اور ساز وسامان سے شکست نہیں دی جاسکتی، اس لئے انھوں نے داخلی محاذ میں رخنہ اندازی اور فتنہ پردازی کا راستہ اختیار کیا، مسلمانوں میں تفرقہ پیدا کرنے کے لئے قومی اور قبائلی نخوت کو ہوا دی، مقام رسالت کی بے حرمتی اور اس پر مسلمانوں کے اعتماد ویقین کو کمزور کرنے کا منصوبہ بنایا اور کاشانہ نبوت کے خلاف زبان درازی اور الزام تراشی کی خطرناک مہم چلانے کا فیصلہ کیا، ان کا خیال تھا کہ اس طرح اس نئے اور مثالی معاشرے کی چولیں ہل جائیں گے جس میں ہر فرد دوسرے کا آئینہ ہے، جب وہ اپنے بھائی کے بارے میں کوئی ناروا اور نازیبا بات سنتا ہے تو پہلے اپنا جائزہ لیتا ہے اگر اپنے نفس کو پاک اور صاف پاتا ہے، تو پھر جس طرح اپنے لئے ایسی بے بنیاد بات نہیں کرتا دوسرے کے لئے بھی نہیں کرتا، اسی طرح اگر اہل بیت نبوت پر اعتماد نہ رہے تو اس معاشرہ میں ایک دوسرے پر سے اعتماد اٹھ جائے گا، کسی شخص پر بھی اعتماد باقی نہ رہے گا، بلاشبہ منافقین کی ایک نہایت خطرناک اور گہری سازش

(۱) زاد المعاد، ج ۱، ص ۳۷۷، وصحیح مسلم کتاب الجہاد والسیر باب "الامداد بالملائکۃ یوم بدر"

(۲) ابن سعد اپنی کتاب طبقات میں لکھتے ہیں، آپ کے ساتھ اس غزوہ میں منافقین کی اتنی بڑی تعداد شریک ہوئی جو اس سے پہلے کبھی کسی غزوہ میں شریک نہیں ہوئی تھی (کتاب الطبقات الکبیرات، ج ۲، ق/۱، لیڈن ۱۳۲۵ھ، ص ۴۵

تھی، اور یہ چال اور مکر وفریب کی پالیسی بنی المصطلق کے غزوہ میں جس طرح کھل کر سامنے آئی اتنی کسی اور غزوہ میں نہ آئی تھی۔

آخر کار لڑائی کا وقت آپہونچا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مقابلہ کے لئے روانہ ہوئے اور بنی المصطلق کے چشمہ پر جس کو مریسیع (۱) کہتے ہیں آپؐ نے قیام کیا، یہ جگہ ساحل کے رُخ پر مقام "قدید" کے قریب واقع تھی، یہاں دونوں لشکر باہم دست وگریباں ہوئے، اور انجام کار بنی المصطلق کو شکست ہوئی (۲)۔

اسی موقع پر حضرت عمرؓ کا ایک اجیر جو بنی غفار کے قبیلہ سے تعلق رکھتا تھا، اور جہینہ کا ایک شخص جو خزرج کا حلیف تھا، آپس میں لڑنے لگے تو جہنی نے آواز لگائی اے انصاریو! اجیر نے صدا لگائی اے مہاجرین! عبداللہ بن ابی ابن سلول نے یہ سن کر بہت غصہ ہوا وہ اس وقت اپنے آدمیوں میں بیٹھا ہوا تھا، اس نے کہا کہ اچھا ان مہاجرین کے حوصلے یہاں تک پہونچے؟ انھوں نے ہمارے علاقہ میں آکر ہم سے رسہ کشی کی اور اپنی تعداد بڑھانے کی کوشش کی، واللہ یہ معاملہ ویسا ہی ہے جیسا اس مثال میں بیان کیا گیا ہے، "سمن کلبک یا کلک" اپنے کتے کو خوب کھلا پلا کے موٹا کرو تم ہی کو کھائے گا، خدا کی قسم جب ہم مدینہ واپس جائیں گے تو ہاں کے باعزت وسربرآوردہ وہاں کے ذلیل لوگوں کو نکال کر باہر کریں گے پھر اپنے آدمیوں کی طرف متوجہ ہوکر اس نے کہا یہ سب کچھ تم نے اپنے ہاتھوں کیا ہے، تم نے اپنے وطن میں ان کو جگہ دی، اپنا مال اپنے اور ان کے درمیان تقسیم کیا، خدا کی قسم اگر تم اپنے ہاتھ کو ذرا روک لیتے اور اس قدر فراخ دلی سے کام نہ لیتے تو وہ یقیناً دوسرا گھر دیکھتے۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات سنی تو آپؐ نے لشکر کی واپسی کا حکم دیدیا تاکہ لوگ فتنہ میں نہ پڑیں، اور شیطان کو وسوسہ اندازی کا موقع نہ مل سکے یہ واپسی آپؐ کے معمولی کے خلاف تھی، آپؐ کے حکم پر سب لوگ چل کھڑے ہوئے، آپؐ اس روز مسلسل چلتے رہے، یہاں تک کہ شام ہوگئی، رات بھر سفر رہا یہاں تک صبح ہوگئی، سفر جاری رہا، یہاں تک کہ دن چڑھ گیا، اور سورج کی تمازت سے لوگوں کو تکلیف ہونے لگی، اس وقت آپؐ نے قیام فرمایا، لوگ اس قدر تھک چکے تھے کہ زمین سے ان کی پیٹھ بھی نہ لگی تھی کہ، وہ نیند کے آغوش میں پہونچ گئے، عبداللہ بن ابی کے فرزند عبداللہ

---

(۱) اس نسبت سے اس غزوہ کو غزوہ المریسیع بھی کہا جاتا ہے (دیکھئے طبقات ابن سعد وغیرہ)

(۲) غزوۂ بنی المصطلق سیاسی فوجی، اور اقتصادی اہمیت کا بھی حامل تھا، اس لئے کہ اس کا صدر مقام مریسیع مکہ کی تجارت کی شاہ راہ پر واقع تھا وہ مکہ سے مدینہ کا ایک ذیلی راستہ بھی تھا جس سے مسافر اور تجارتی قافلے گذرتے تھے۔

لشکر سے پہلے مدینہ پہونچ گئے اور راستہ میں اپنے باپ کا راستہ روک کر کھڑے ہوگئے، انھوں نے عبداللہ بن ابی کو دیکھا تو اپنا اونٹ بٹھالیا اور کہا کہ میں تمہیں اس وقت تک نہیں چھوڑوں گا جب تک کہ اپنی زبان سے تم نہ کہدو کہ میں ذلیل ہوں اور صاحب عزت محمد ہیں (صلی اللہ علیہ وسلم) اس درمیان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ادھر گذر ہوا آپؐ نے یہ سن کر فرمایا کہ عبداللہ جانے دو! جب تک وہ ہمارے درمیان ہیں ہم ان کے ساتھ اچھا سلوک کریں گے (۱)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قاعدہ تھا کہ جب آپؐ سفر کا ارادہ فرماتے تو ازواج مطہرات کے لئے قرعہ ڈالتے جس کا نام نکلتا ان کو اپنے ہمراہ لے لیتے غزوہ بنی المصطلق میں حضرت عائشہؓ کے نام قرعہ نکلا، چنانچہ آپ ان کو ہمراہ لے گئے، واپسی پر جب مدینہ قریب ہوا تو آپؐ نے قیام فرمایا اور رات کا کچھ حصہ وہیں گزارا، اس کے بعد آپؐ نے کوچ کا اعلان کیا، حضرت عائشہ صدیقہؓ قضاء حاجت کے لئے گئیں تو ایک ہار جو ان کے گلے میں پڑا ہوا تھا کسی جگہ ٹوٹ کر گر گیا، اور ان کو پتہ بھی نہ چل سکا، جب وہ اپنے محمل میں واپس آئیں تو ان کو معلوم ہوا کہ ان کا ہار غائب ہے، وہ اس کی تلاش کے لئے پھر وہاں گئیں، اسی درمیان میں کوچ کا اعلان ہوگیا، جن حضرات کے ذمہ ان کی سواری تھی وہ معمول کی مطابق آئے، اور یہ سمجھ کر کہ حضرت عائشہؓ اندر ہوں گی محمل تھام لیا اور روانہ ہوگئے، وہ بہت کمسن اور ہلکی پھلکی تھیں، اس لئے انھیں اندازہ نہ ہوسکا اور اس کا شبہ بھی نہیں ہوا کہ وہ اس کے اندر تشریف نہیں رکھتی ہیں، حضرت عائشہ صدیقہؓ واپس آئیں تو یہاں کوئی نہ تھا، سب روانہ ہو چکے تھے، انھوں نے اپنی چادر اوڑھی اور وہیں لیٹ گئیں، اسی درمیان میں صفوان بن معطل السلمی جو اپنی ایک ضرورت سے قافلہ سے بچھڑ گئے تھے، ادھر آنکلے، ان کو دیکھا تو انا للہ پڑھا اور کہنے لگے کہ یہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حرم محترم ہیں، اس کے بعد انھوں نے اپنا اونٹ ان کے قریب کردیا اور خود پیچھے ہٹ گئے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس میں سوار ہوگئیں تو انھوں نے اونٹ کی نکیل تھامی اور تیز رفتاری کے ساتھ قافلہ کے تعاقب میں روانہ ہوئے، جب وہ قافلے کے قریب پہونچے، تو قافلہ منزل پر پڑاؤ کر چکا تھا، لیکن اس واقعہ سے لوگوں میں کسی قسم کی سنسنی پیدا نہیں ہوئی، اس لئے کہ صحرا کی زندگی اور قافلوں کی آمد و رفت میں وہ ان باتوں کے عادی تھے، عزت و ناموس کی حفاظت ان کے خمیر میں تھی، اور اس قسم کی پست خیالی سے ان کے عربی اوصاف کو کوئی واسطہ نہ تھا، جاہلیت اور اسلام دونوں میں اسی اصول پر کاربند تھے، ایک جاہلی شاعر کہتا ہے:۔

(۱) طبقات ابن سعد، ج ۲، ص ۴۶، طبع لیڈن۔

وأغض طرفي ان بدت لي جارتي حتى يواري جارتي ماواها(١)

(دیوان الحماسہ)

''اگر میرے پڑوس کی کسی خاتون پر میری نظر بھی پڑ جاتی ہے تو میں اپنی نظریں نیچی کر لیتا ہوں، یہاں تک کہ اس کا نشیمن اس کو اپنے اندر چھپا لے''۔

دوسری طرف صحابۂ کرام کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق وہ تھا جو باپ بیٹے کے درمیان ہوتا ہے، آپ کی ازواج مطہرات، امہات المومنین کا درجہ رکھتی تھیں؟ آپؐ ان کی نظر میں حقیقی باپ اور ساری دنیا سے زیادہ محبوب تھے، صفوان بن المعطل بھی دینداری صلاح وتقویٰ اور حیا وعفت میں نیک نام تھے، یہ بھی ذکر آتا ہے کہ ان کو عورتوں سے کوئی دلچسپی اور سروکار نہ تھا۔

غرض کہ یہ کوئی ایسا مسئلہ نہ تھا، جس کی طرف لوگوں کو التفات بھی ہوتا، لیکن عبداللہ بن ابی نے اس کو بالکل اپنا لیا اور مدینہ واپس آکر اس کا خوب چرچا کیا، منافقین نے جو اس کے منتظر تھے، اس موقع کو غنیمت جانا اور اس کی اچھی طرح تشہیر کی، ان کے نزدیک یہ ایک ایسا حربہ تھا، جس سے مسلمان آسانی کے ساتھ فتنہ میں پڑ سکتے تھے، اور مقام رسالت اور اہل بیت کے ساتھ ان کی تعظیم اور محبت کا رشتہ کمزور کیا جا سکتا تھا، اس سے مسلمانوں کا باہمی اعتماد اور ایک دوسرے پر بھروسہ بھی مجروح ہوتا تھا، اس سازش کے کچھ ایسے سادہ دل مسلمان بھی شکار ہو گئے جن کو زیادہ باتیں کرنے کا شوق تھا اور جو بغیر تحقیق کے بات نقل کرنے کے عادی تھے (۲)۔

---

(۱) اسی طرز عمل کی ایک جھلک ام سلمہؓ کے واقعہ میں بھی ہمیں نظر آتی ہے، جب ان کو اپنے شوہر کے ساتھ مدینہ ہجرت کرنے سے بجبر روک دیا گیا، چنانچہ روزانہ وہ جا کر اس جگہ بیٹھ جاتیں، اور شام تک روتی رہتیں، تقریباً ایک سال تک ان کا یہ حال رہا، یہاں تک کہ ان سنگ دلوں کا دل پسیجا، اور انھوں نے ان کو مدینہ جانے کی اجازت دے دی انھوں نے اپنا اونٹ تیار کیا اور اللہ کا نام لے کر اس پر بیٹھ گئیں اور روانہ ہو گئیں، راستہ میں انھیں عثمان بن طلحہ ملے اور ان کی یہ حالت دیکھ کر از راہ ہمدردی ان کی نکیل تھام لی اور مدینہ تک ان کے ساتھ رہے، ام سلمہ کہتی ہیں کہ ان سے زیادہ کسی شریف عرب سے میرا سابقہ نہیں پڑا، ان کا حال یہ تھا کہ جب کوئی منزل آتی تو وہ اونٹ کو بٹھا کر پیچھے چلے جاتے میں اتر جاتی تو آتے اور سامان اتار کر اس کو ایک درخت سے باندھ دیتے آگے کہتی ہیں کہ جب تک مجھے مدینہ نہیں پہونچا دیا وہ برابر یہی کرتے رہے (سیرت ابن کثیر، ج ۲، ص ۲۱۵۔۲۱۷) یہ اس وقت کی بات ہے جب عثمان بن طلحہ اسلام نہیں لائے تھے اس لحاظ سے صفوان بن المعطل السلمی اس پاک نفسی اور اخلاق عالیہ کے زیادہ حقدار تھے اس لئے کہ وہ بہت پہلے اسلام قبول کر چکے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت ورفاقت کا شرف ان کو حاصل تھا۔

(۲) اسی بات کی طرف قرآن مجید میں اشارہ کیا گیا ہے "إِذْ تَلَقَّوْنَهُ بِأَلْسِنَتِكُمْ وَتَقُولُونَ بِأَفْوَاهِكُم مَّا لَيْسَ لَكُم بِهِ عِلْمٌ وَتَحْسَبُونَهُ هَيِّنًا وَهُوَ عِندَ اللَّهِ عَظِيمٌ" (جب تم اپنی زبانوں سے اس کا ایک دوسرے سے ذکر کرتے تھے اور اپنے منہ سے ایسی بات کہتے تھے جس کا تم کو کچھ علم نہ تھا اور تم اسے ایک ہلکی بات سمجھتے تھے، اور خدا کے نزدیک وہ بڑی بھاری بات تھی۔) (سورۃ النور۔۱۵)

جب حضرت عائشہؓ کو مدینہ میں اچانک اس کی خبر ہوئی تو وہ سناٹے میں آگئیں اور رنج وغم سے ان کا یہ حال ہوگیا کہ آنسو تھمتے نہ تھے، راتوں کی نیند اڑ گئی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے یہ معاملہ بہت سخت اور سنگین تھا، آپ کو جب علم ہوا کہ بات کہاں سے چلی تھی تو اس وقت آپ تشریف لائے اور عبداللہ بن ابی کے سلسلہ میں کچھ کہنے کی اجازت لی، آپ منبر پر تشریف رکھتے تھے، چنانچہ آپؐ نے فرمایا، اے مسلمانو! مجھے کون اس شخص کے معاملہ میں کچھ کہنے کی اجازت دیتا ہے، جس کی میرے گھر والوں کے بارے میں ایذا رسانی کا مجھ پتہ چلا ہے، خدا کی قسم مجھے اپنے اہل خانہ کے بارے میں جو کچھ علم ہے، وہ اطمینان بخش ہی ہے، لوگوں نے اس معاملہ میں جن صاحب کا ذکر کیا ہے، ان کے بارے میں بھی مجھے اچھی ہی بات معلوم ہے، وہ جب کبھی میرے گھر آتے تو میرے ہمراہ آتے تھے، ''اوس'' کے کچھ لوگ یہ سن کر غیظ وغضب سے بھر گئے اور کہنے لگے کہ جس نے اتنی بڑی بات زبان سے نکالی ہے ہم اس کی گردن اڑا دینے کے لئے تیار ہیں خواہ وہ اوس کا آدمی ہو یا خزرج کا، عبداللہ بن ابی کا خزرج سے تعلق تھا، اس کی یہ گفتگو سن کر قبائلی حمیت پیدا ہونے لگی اور دونوں قبیلے جوش میں آگئے قریب تھا کہ شیطان کا جادو ان پر چل جائے اور وہ باہم دست وگریباں ہو جائیں، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فہم وتدبر اور حلم وبردباری کی برکت سے یہ بات وہیں ختم ہوگئی، ادھر حضرت عائشہؓ کو اپنی بے گناہی کا پورا یقین تھا، اس لئے ان کے رویہ میں اعتماد، خودداری اور عزت نفس کی پوری جھلک نظر آرہی تھی، ان کا حال اس بے گناہ اور معصوم صفت ہستی کا تھا جو ہر شک وشبہ اور الزام سے بالاتر ہوتی ہے، ان کو پورا یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ ان کو بالآخر صاف بری کردے گا، اور دامان رسالت پر بدگمانی او رتہمت کا یہ داغ ہرگز باقی نہ رہے گا، لیکن ان کو یہ خیال نہ تھا کہ اللہ تعالیٰ ان کے لئے خاص طور پر وحی نازل فرمائے گا، اور یہ آیتیں قرآن مجید کا جز بن کر قیامت تک پڑھی جاتی رہیں گی۔

ان کو زیادہ انتظار بھی نہیں کرنا پڑا کہ ان کے بارے میں قرآن کی حسب ذیل آیتیں نازل ہوئیں اور سات آسمانوں کے اوپر سے ان کی برأت کا اعلان کیا گیا۔

اِنَّ الَّذِیْنَ جَآءُوْ بِالْاِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنْكُمْ ، لَاتَحْسَبُوْهُ شَرًّا لَّكُمْ ،بَلْ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ لِكُلِّ امْرِیءٍ مِّنْهُمْ مَّااكْتَسَبَ مِنَ الْاِثْمِ وَالَّذِیْ تَوَلّٰی كِبْرَهٗ مِنْهُمْ لَهٗ عَذَابٌ عَظِیْمٌ، لَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بِاَنْفُسِهِمْ خَيْرًا وَّقَالُوْا هٰذَآ اِفْكٌ مُّبِيْنٌ ۔(سورۂ نور۔۱۱۔۱۲)

جن لوں نے بہتان باندھا ہے تم ہی میں سے ایک جماعت ہے اس کو اپنے حق میں برا نہ سمجھنا بلکہ وہ تمہارے لئے اچھا ہے ان میں سے جس شخص نے گناہ کا جتنا حصہ لیا اس کے لئے اتنا وبال

ہے، اور جس نے ان میں سے اس بہتان کا بڑا بوجھ اٹھایا ہے اس کو بڑا عذاب ہوگا، جب تم نے وہ بات سنی تو مومن مردوں اور عورتوں نے کیوں اپنے دلوں میں نیک گمان نہ کیا، اور کیوں نہ کہا کہ یہ صریح بہتان ہے۔

اس طرح اس زبردست فتنہ کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہوگیا اور یہ بات اس طرح ختم ہوئی کہ معلوم ہوتا تھا کہ کوئی بات ہی نہیں ہوئی مسلمان معمول کے مطابق اسی جوش وولولہ کار کے ساتھ اپنے ان عظیم کاموں کی تکمیل میں مشغول ہوگئے، جن پر نہ صرف ان کی بلکہ پوری انسانیت کی فلاح وکامرانی کا انحصار تھا (۱)۔

(۱) یہ واقعہ سیرت ابن ہشام سے ماخوذ ہے، ج ۲، ص ۲۸۹۔۳۰۲، نیز حدیث عائشہؓ بروایت بخاری۔

صلح حدیبیہ
(ذی القعدہ ۶ ھ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خواب اور مکہ میں داخلہ کے لئے مسلمانوں کی تیاری

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں دیکھا کہ آپ مکہ میں داخل ہوئے اور بیت اللہ کا طواف کیا۔

یہ رویائے صادقہ تھا، لیکن اس میں زمانہ، مہینہ اور سال کا کوئی تعین نہ تھا (۱) آپ نے صحابۂ کرام کو مدینہ میں یہ خواب سنایا، یہ خوش خبری سن کر سب لوگ بہت مسرور ہوئے، مکہ اور کعبہ (جس کی محبت وعظمت ان کے خمیر میں شامل اور ان کے رگ وریشہ میں پیوست تھی) مدت ہوئی ان سے چھوٹ چکا تھا، ان کے دل میں طواف کا بڑا اشتیاق تھا اور وہ بہت بے چینی سے اس دن کے منتظر تھے، جب یہ سعادت ان کو دوبارہ حاصل ہو، مہاجرین میں مکہ کا اشتیاق قدرتی طور پر بہت زیادہ تھا، اس لئے کہ وہ وہیں پیدا ہوئے اور پلے بڑھے تھے، اور اس کی محبت گویا ان کی گھٹی میں پڑی تھی، بایں ہمہ عرصۂ دراز سے وہ اس کے دیدار اور زیارت سے محروم تھے، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو یہ خبر دی تو ان کو اس میں ذرا بھی شبہ نہ ہوا کہ اس خواب کی تعبیر اسی سال نکل آئے گی اس بات نے ان کی آتش شوق کو اور بھڑکا دیا اور وہ سب کے سب آپ کے ساتھ روانہ ہونے کے لئے آمادہ ہو گئے شاذ ونادر ہی کوئی اس سے مستثنیٰ تھا، عمرہ کا احرام بھی آپ نے باندھ لیا تھا تاکہ لوگوں کو اس کا علم ہو جائے کہ آپ صرف زیارت بیت اللہ کی غرض سے تشریف لے جا رہے ہیں (۲)۔

وہاں پہونچ کر آپ نے قبیلہ خزاعہ کے ایک مخبر کو قریش کا پتہ لگانے کے لئے متعین کیا جب آپ مقام عسفان (۳) کے قریب پہونچے تو اس مخبر نے آپ کو اطلاع دی کہ قبیلۂ کعب بن لوی نے آپ کے مقابلہ اور پیش قدمی روکنے کے لئے احابیش (۴) کو اکٹھا کر رکھا ہے اور خاصی بڑی فوج

---

(۱) ملاحظہ ہو تفسیر سورۃ الفتح، ص ۲۷۔ از ابن کثیر، (لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْ يَا بِالْحَقِّ الآية)

(۲) زاد المعاد، ج ۱، ص ۳۸۰، نیز ابن ہشام، ج ۲، ص ۳۰۸

(۳) مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک موضع ہے۔ (۴) جنگ جو افراد جو مختلف قبائل سے تعلق رکھتے تھے۔

منظم کر لی ہے، ان کا ارادہ ہے کہ جنگ کر کے آپؐ کو بیت اللہ تک پہونچنے سے باز رکھیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش قدمی جاری رکھی جب آپؐ اس گھاٹی پر پہونچے جہاں سے ان کی طرف اتار شروع ہوتا ہے تو آپ کی اونٹنی ''قصواء'' بیٹھ گئی لوگوں نے یہ دیکھ کر کہنا شروع کیا قصواء اڑ گئی، قصواء اڑ گئی، آپؐ نے فرمایا قصواء اڑی نہیں، اور یہ اس کا شیوہ نہیں، اس کو ہاتھیوں کے روکنے (۱) والے نے روکا ہے، اور قسم اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے، وہ لوگ کوئی بھی ایسا منصوبہ پیش کرتے ہیں جس میں اللہ تعالیٰ کی تعظیم کا پہلو مدنظر رکھا جاتا ہے، اور مجھ سے صلۂ رحمی کا سوال کرتے ہیں تو میں ان کا سوال ضرور پورا کروں گا، پھر آپؐ نے اونٹنی کو ڈانٹا وہ اسی وقت اچھل کر کھڑی ہوگئی، لیکن اپنا رخ بدل کر حدیبیہ کی طرف روانہ ہوگئی، اور اسکے آخری کنارہ پر ایک پانی کے گڈھے کے پاس جس میں ذرا سا پانی تھا رک گئی، لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پیاس کی شکایت کی، آپؐ نے اپنے ترکش سے ایک تیر نکالا اور حکم دیا کہ اس کو اس گڈھے میں ڈال دیا جائے اس کو ڈالتے ہی پانی اس میں جوش مارنے لگا اور سب لوگ اچھی طرح سیراب ہوئے (۲)۔

مسلمانوں کے مکہ میں داخلہ سے قریش کی پریشانی

قریش کو جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری اور اس جگہ قیام کی خبر ملی تو ان کو سخت گھبراہٹ ہوئی آپؐ نے اس موقع پر مناسب سمجھا کہ اپنے اصحاب کرام میں سے کسی ایک کو بھیج کر ان کو اطمینان دلا دیا جائے چنانچہ وہاں بھیجنے کے لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو طلب فرمایا وہ حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) مکہ میں بنی عدی بن کعب کا ایک آدمی بھی موجود نہیں ہے، جو ان کے درپے آزار ہونے پر میری حمایت کر سکے، آپ عثمانؓ کو وہاں جانے کا حکم فرمائیں کہ ان کا پورا خاندان وہاں موجود ہے، اور وہ پیغام رسانی کا فریضہ بھی اچھی طرح انجام دے سکتے ہیں، آپؐ نے حضرت عثمانؓ کو بلوا کر قریش کے پاس بھیجا اور فرمایا کہ ان سے جا کر کہدو کہ ہم جنگ کرنے کے لئے نہیں بلکہ عمرہ کا ارادہ کر کے یہاں آئے ہیں، ان کو اسلام کی بھی دعوت دینا، آپؐ نے ان کو یہ بھی ہدایت کی کہ مکہ میں جو اہل ایمان مرد و عورتیں ہیں ان کے پاس جا کر ان کو فتح کی بشارت دیں اور ان کو یہ خوش خبری سنائیں کہ اللہ تعالیٰ مکہ میں اپنے دین کو غالب کرنے والا ہے، یہاں تک کہ ایمان کو پوشیدہ رکھنے کی ضرورت باقی نہ رہے (۳)۔

---

(۱) آپ کا اشارہ ''ابرہہ'' کے ہاتھی کی طرف تھا جس کو اللہ تعالیٰ نے مکہ میں داخل ہونے سے باز رکھا۔

(۲) زاد المعاد، ج ۱، ص ۳۸۱ (۳) ایضاً

عشق ووفا کا امتحان

حضرت عثمانؓ روانہ ہوئے مکہ پہونچ کر وہ ابوسفیان اور قریش کے سربرآوردہ اشخاص کے پاس گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ پیغام ان کو پہونچایا، جب وہ اپنی بات کہہ چکے تو انھوں نے حضرت عثمانؓ سے کہا کہ اگر تم طواف کرنا چاہتے ہو تو طواف کرلو، انھوں نے جواب جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طواف نہ کرلیں گے، میں اس وقت تک طواف نہیں کرسکتا (۱)۔

جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ واپس آئے تو مسلمانوں نے کہا ابوعبداللہ تم تو بڑے مزے میں رہے تم نے طواف کرکے اپنے دل کا ارمان نکال لیا ہوگا، کہنے لگے تم لوگوں نے بڑی بدگمانی سے کام لیا، قسم اس ذات کی جسکے قبضے میں میری جان ہے اگر مجھے ایک سال بھی وہاں ٹھہرنا پڑتا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں تشریف فرما ہوتے تب بھی میں اس وقت تک طواف نہ کرتا جب تک کہ حضور طواف نہ کرلیتے، مجھے تو قریش نے طواف کی دعوت بھی دی تھی لیکن میں نے انکار کردیا (۲)۔

بیعت رضوان

ادھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اطلاع ملی کہ حضرت عثمانؓ شہید کردیئے گئے، آپؐ نے لوگوں کو بیعت کی دعوت دی تمام لوگ جوش ووارفتگی کے ساتھ آپؐ کے چاروں طرف جمع ہوگئے آپ اس وقت ایک درخت کے نیچے تشریف رکھتے تھے، آپؐ نے اس پر بیعت کی کہ کوئی راہ فرار نہ اختیار کرے گا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنا دست مبارک تھاما اور فرمایا یہ عثمانؓ کی طرف سے ہے (۳)، یہ وہی بیعت رضوان تھی جو حدیبیہ میں ببول کے ایک درخت کے نیچے انجام پائی اور اسکا ذکر قرآن مجید کی حسب ذیل آیات میں کیا گیا:۔

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا۔ (سورہ ففتح۔۱۸)

(اے پیغمبر) جب مومن تم سے درخت کے نیچے بیعت کررہے تھے، تو خدا ان سے خوش ہوا، اور جو (صدق وخلوص) ان کے دلوں میں تھا وہ اس نے معلوم کرلیا تو ان پر تسلی نازل فرمائی اور انھیں جلد فتح عنایت کی۔

---

(۱) سیرت ابن ہشام، ج۲، ص ۳۱۵

(۲) زاد المعاد، ج۱، ص ۳۸۲

(۳) ایضاً

مذاکرات ثالثی اور صلح کی کوشش

یہ صورت حال ابھی قائم تھی کہ اچانک بدیل بن ورقاء الخزاعی، خزاعہ کے کچھ آدمیوں کے ساتھ وہاں پہنچا اس نے ان معاملات پر گفتگو کرنا چاہی، اور دریافت کیا کہ آپؐ کی آمد کا مقصد کیا ہے؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہم لوگ کسی سے جنگ کرنے کے لئے نہیں آئے ہیں ہم صرف عمرہ کی نیت سے یہاں آئے ہیں، قریش کو جنگ نے پہلے ہی چور چور کر رکھا ہے، اگر وہ چاہیں تو میں کچھ مدت ان سے طے کرلوں، اور وہ میرے اور لوگوں کے درمیان کا راستہ چھوڑ دیں، اور اگر وہ چاہیں تو اسی گروہ میں شامل ہوجائیں جس میں اور لوگ شامل ہوئے ورنہ انھیں کچھ مدت آرام کا موقع تو مل ہی جائے گا، لیکن اگر جنگ کے علاوہ کوئی صورت ان کو قبول نہیں تو اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے، میں اپنے اس معاملہ (دین) کے سلسلہ میں جنگ کروں گا، یہاں تک کہ میرا سر تن سے جدا ہوجائے، یا اللہ اپنے دین کو غالب فرمادے۔

جب بدیل نے ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام پہونچایا تو عروۃ بن مسعودؓ الثقفی نے کہا کہ انھوں نے بہت سمجھ داری کی تجویز رکھی ہے، میری رائے یہ ہے کہ تم اس کو مان لو اور مجھے ان سے مل لینے دو، سب نے کہا ہاں جاؤ بات کرلو، عروہ بن مسعود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آکر ملے اور آپؐ نے ان سے گفتگو شروع فرمائی، عروہ کنکھیوں سے صحابۂ کرام کو دیکھتے جاتے تھے، جن کا حال یہ تھا کہ اگر آپ تھوکتے تو کوئی نہ کوئی اس کو ہاتھ پر لے لیتا اور اپنے چہرے اور جسم پر مل لیتا، آپ کوئی حکم فرماتے تو ہر شخص تعمیل کے لئے لپکتا، وضو فرماتے تو وضو کے پانی پر جاں نثار اس طرح ٹوٹتے کہ لڑائی کا خطرہ ہونے لگتا، آپ کلام فرماتے تو سب ہمہ تن گوش ہوجاتے فرط تعظیم اور ادب کی وجہ سے کوئی آپؐ سے نظریں ملانے کی ہمت نہ کرتا، عروہ نے واپس جاکر اپنے ساتھیوں سے کہا کہ اے قوم! میں بادشاہوں کے دربار میں گیا ہوں میں قیصر و کسریٰ اور نجاشی کی شان و شوکت بھی دیکھی ہے لیکن خدا کی قسم میں نے نہیں دیکھا کہ کسی بادشاہ کے درباری و مصاحبین ایسا ادب اور اس درجہ تعظیم کرتے ہوں جیسے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی کرتے ہیں، انھوں نے جو کچھ یہاں دیکھا اس کی تفصیل ان کو بتائی اور کہا کہ انھوں نے بہت اچھی تجویز رکھی ہے تم لوگ اس کو مان لو(۱)۔

معاہدہ و صلح نامہ

اس درمیان میں بنی کنانہ کا ایک اور شخص (جس کا نام مکرز بن حفص تھا) بھی وہاں پہونچا اور

---

(۱) زاد المعاد، ج ا، ص ۳۸۲

دونوں نے اپنے چشم دید واقعات قریش کے سامنے بیان کئے، قریش نے سہیل بن عمرو کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں روانہ کیا، آپؐ نے ان کو دیکھتے ہی فرمایا کہ ان کو بھیجنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ صلح کے خواہشمند ہیں، آپؐ نے یہ بھی فرمایا کہ معاہدہ کی تحریری دستاویز تیار کرو (۱)۔

حلم وحکمت کی جامعیت کی ایک مثال

آپؐ نے معاہدہ کی تحریر کے لئے کاتب (جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ تھے) طلب فرمایا اور ارشاد ہوا لکھو "بسم اللہ الرحمن الرحیم" سہیل نے کہا جہاں تک رحمان کا تعلق ہے بخدا ہم اس سے واقف نہیں ہیں، اسی پرانے دستور کے مطابق، باسمك اللھم لکھو، آپؐ نے فرمایا کہ لکھ دو باسمك اللھم مسلمان یہ دیکھ کر بول اٹھے کہ نہیں ہم تو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھیں گے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہوا باسمك اللھم ہی لکھو۔

پھر آپؐ نے فرمایا کہ لکھو یہ وہ ہے جس کا اللہ کے رسولؐ نے معاہدہ کیا یہ سن کر سہیل نے کہا کہ خدا کی قسم اگر ہمارا اس پر ایمان ہوتا کہ آپؐ اللہ کے رسول ہیں تو ہم آپ کو بیت اللہ سے روکتے ہی کیوں؟ اور آپؐ سے جنگ ہی کیوں کرتے، آپؐ اس کی جگہ محمدؐ بن عبداللہ لکھیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں اللہ کا رسولؐ ہوں خواہ تم جھٹلاؤ، لکھو محمد بن عبداللہ آپؐ نے حضرت علیؓ کو اس کے مٹانے کا حکم دیا، حضرت علیؓ نے کہا کہ خدا کی قسم مجھ سے یہ کام نہیں ہوسکتا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے اس کی جگہ دکھاؤ انھوں نے آپ کو یہ جگہ دکھائی تو آپؐ نے اس کو خود مٹا دیا (۲)۔

صلح اور آزمائش

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کے رسول نے یہ معاملہ اس پر کیا ہے کہ تم لوگ ہمارے اور بیت اللہ کے درمیان حائل نہ ہو اور ہم اس کا طواف کرلیں سہیل نے کہا کہ ہمیں ڈر ہے کہ عربوں میں ایسا چرچا ہونے لگے کہ یہ معاہدہ ہم نے دب کر کیا ہے، آئندہ سال آپ طواف کرسکتے ہیں، آپؐ نے یہ دفعہ بھی معاہدہ میں شامل کرلی۔

سہیل نے کہا کہ یہ بھی لازم ہوگا کہ اگر ہمارے یہاں سے کوئی شخص آپؐ کے یہاں

---

(۱) سیرت ابن ہشام، ج ۲، ص ۳۱۶، نیز صحیح بخاری باختلاف بعض الفاظ ملاحظہ ہو کتاب المغازی باب عمرة القضاء

(۲) صحیح مسلم کتاب الجهاد والسير باب صلح الحديبيه۔

چلا جائے خواہ وہ آپؐ ہی کے مذہب پر ہو تو آپؐ اس کو ہمیں پلٹا دیں گے، مسلمانوں نے کہا کہ سبحان اللہ اگر کوئی مسلمان ہو کر ہمارے پاس آتا ہے تو ہم اس کو مشرکوں کے حوالے کیسے کر سکتے ہیں؟

یہ بات ہو ہی رہی تھی کہ اچانک ابو جندل بن سہیل بیڑیوں میں گرتے پڑتے پہونچے وہ مکہ کے نشیب سے آئے تھے، اور کسی نہ کسی طرح اپنے آپ کو مسلمانوں تک پہونچا دیا تھا، سہیل نے کہا اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ پہلا شخص ہے جس کی واپسی کا مطالبہ (عہد نامہ کی رو سے) میں آپؐ سے کرتا ہوں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ابھی تو ہم نے تحریر بھی مکمل نہیں کی، اس نے جواب دیا اگر ایسا ہے تو پھر میں کسی بات پر آپ سے معاملہ کرنے پر تیار نہیں ہوں، آپؐ نے فرمایا میرے کہنے سے انھیں اجازت دیدو، اس نے کہا میں آپؐ کے کہنے سے اجازت نہیں دے سکتا، آپؐ نے فرمایا کہ اچھا جو تمہارا جی چاہے کرو، اس نے کہا مجھے کچھ نہیں کرنا ہے، یہ سن کر ابو جندل بولے، مسلمانو! میں مسلمان ہو کر آیا ہوں، اور پھر مشرکوں کو واپس کیا جا رہا ہوں، کیا تم لوگ دیکھتے نہیں میرے ساتھ کیا ہو رہا ہے؟ انھوں نے اللہ کے راستے میں سخت تکلیفیں اٹھائی تھیں (۱)، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مطالبہ پر ان کو واپس فرما دیا، فریقین میں یہ بھی معاہدہ ہوا کہ دس سال تک دونوں کشت وخون سے پرہیز کریں گے، تاکہ لوگ امن واطمینان کے ساتھ رہ سکیں، اور کوئی کسی پر دست درازی نہ کر سکے دوسری بات یہ طے ہوئی کہ اگر قریش سے کوئی شخص اپنے ولی وسرپرست کی اجازت کے بغیر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس آنکلا تو وہ اس کو واپس کردیں گے، اور اگر محمدؐ کے ساتھیوں میں سے کوئی شخص قریش کے پاس آنکلا تو وہ اس کو واپس نہ کریں گے، نیز یہ کہ جو شخص محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے معاہد اور جوار (حفاظت) میں داخل ہونا چاہے ہو سکتا ہے، اسی طرح جو قریش کے معاہدہ اور جوار میں آنا چاہے، اس کو اس کی اجازت ہوگی (۲)۔

مسلمانوں کا امتحان

جب مسلمانوں نے یہ صلح اور واپسی کی بات سنی اور انھوں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کس طرح اس کو برداشت کیا تو یہ بات ان کے لئے اتنی روح فرسا ثابت ہوئی کہ ان کی جان پر بن گئی، یہاں تک کہ حضرت عمرؓ، حضرت ابوبکرؓ کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے یہ نہیں فرمایا تھا کہ ہم لوگ بیت اللہ جائیں گے اور طواف کریں گے؟ انھوں نے کہا ہاں فرمایا تھا، لیکن کیا انھوں نے تم سے یہ کہا تھا کہ تم اسی سال بیت اللہ بھی جاؤ گے اور طواف بھی کرو گے؟ (۳)۔

---

(۱) زاد المعاد، ج ۱، ص ۳۸۳، صحیح بخاری میں یہ واقعہ "باب الشروط فی الجہاد" کے تحت آیا ہے۔

(۲) سیرت ابن ہشام، ج ۲، ص ۳۱۷-۳۱۸

(۳) صحیح بخاری، باب الشروط فی الجهاد والمصالحة مع اهل العرب

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس صلح نامہ سے فارغ ہوئے تو آپ قربانی کے جانوروں کی طرف متوجہ ہوئے اوران کو جا کر ذبح کیا اس کے بعد حلق کرایا مسلمانوں کے لئے یہ بات کسی سانحہ سے کم نہ تھی، اس لئے کہ مدینہ سے نکلتے وقت ان کے دل میں اسکا وسوسہ بھی نہیں تھا کہ انھیں مکہ جانے اور عمرہ کرنے کا موقع نہ مل سکے گا، لیکن جب انھوں نے آپ کو قربانی کرتے اور حلق کراتے دیکھا تو سب اسی وقت تیزی سے کھڑے ہوگئے اور آپ کی اتباع کرتے ہوئے قربانی اور حلق میں مشغول ہوگئے (۱)۔

ذلت آمیز صلح یا کھلی ہوئی فتح؟

اس کے بعد آپؐ مدینہ تشریف لائے اور راستہ ہی میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں۔

اِنّـا فَتَحنَا لَكَ فَتحاً مُّبِيناً، لِيَغفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَ نبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكَ وَيَهْدِيَكَ صِرَاطاً مُّسْتَقِيماً، وَيَنْصُرَكَ اللّٰهُ نَصْرًا عَزِيْزًا (سورۂ فتح۔۱۔۳)

اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم نے تم کو فتح دی صریح وصاف، تا کہ خدا تمہارے اگلے اور پچھلے گناہ بخش دے اور تم پر اپنی نعمت پوری کردے اور تمہیں سیدھے راستہ پر چلائے، اور خدا تمہاری زبردست مدد کرے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا یہی فتح ہے؟ آپؐ نے فرمایا ہاں! (۲)۔

بصورت ناکامی، بحقیقت کامیابی

جب آپؐ مدینہ تشریف لے آئے آپؐ کے پاس قریش کا ایک آدمی پہونچا جس کا نام ''ابو بصیر'' عتبہ بن اسید تھا، اس کی تلاش وتعاقب میں انھوں نے دو شخص بھیجے اور وہ معاہد آپ کو یاد دلایا، چنانچہ آپ نے اس شخص کو ان دونوں کے حوالے کیا، اور یہ دونوں اسے ساتھ لے کر واپس آگئے، لیکن راستہ میں یہ شخص کسی طرح بچ نکلنے میں کامیاب ہوگیا، اور سمندر کے ساحل پر آگیا، دوسری طرح ابو جندل بن سہیل بھی کسی طرح ان کی زد سے نکل آئے اور ابو بصیر سے آملے اور اب یہ ہونے لگا کہ قریش کا جو بھی مسلمان مکہ سے جان اور ایمان بچا کر نکلتا تو وہ سیدھا ابو بصیر سے جاملتا، رفتہ رفتہ ان کی پوری جمعیت تیار ہوگئی، یہ لوگ یہ کرتے کہ قریش کا جو بھی قافلہ شام جانے والا انھیں ملتا یہ اس کا راستہ روک کر اس کے مال واسباب پر قبضہ کر لیتے اور سب قافلے والوں کو قتل کر ڈالتے، عاجز آکر قریش نے

(۱) تفصیل کے لئے دیکھئے زاد المعاد، ج۱، ص۳۸۳

(۲) دیکھئے صحیح مسلم کتاب الجهاد والسير باب "صلح الحديبية"

اللہ کا واسطہ اور رشتہ داری اور قرابت کی دہائی دے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ آپ ان لوگوں کو ضرور بلوا بھیجیں، اب جو بھی آپ کے پاس پہونچے گا وہ مامون ومحفوظ رہے گا(۱)۔

یہ صلح فتح وظفر میں کیسے تبدیل ہوئی؟

آخر میں پیش آنے والے واقعات نے یہ ثابت کر دکھایا کہ صلح حدیبیہ سے (جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے موقف سے بہت کچھ اتر کر معاہدہ فرمایا تھا اور قریش کا مطالبہ مان لیا تھا، اور انھوں نے بھی اس کو اپنی بڑی جیت اور نفع کا سودا سمجھا تھا اور مسلمانوں نے اس کو اپنی ایمانی قوت اور نبی کی کامل اطاعت کے جذبہ سے برداشت کر لیا تھا) دراصل اسلام کے اقبال وظفر مندی کا ایک نیا دروازہ کھل گیا اور اس کی وجہ سے اسلام کو جزیرۃ العرب میں اس قدر تیزی کے ساتھ فروغ ہوا کہ اس سے پہلے کبھی نہ ہوا تھا، اس نے فتح مکہ کا بھی دروازہ کھولا، اور اسی کے نتیجے میں قیصر وکسریٰ مقوقس نجاشی اور امراء عرب کو دعوت اسلام دی گئی، اللہ تعالیٰ نے بالکل صحیح ارشاد فرمایا ہے:۔

وَعَسٰی اَنْ تَکْرَهُوْا شَیْئاً وَّهُوَ خَیْرٌ لَّکُمْ، وَعَسٰی اَنْ تُحِبُّوْا شَیْئاً وَّهُوَ شَرٌّلَّکُمْ وَاللّٰهُ یَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ۔ (سورۂ بقرہ۔ ۲۱۶)

مگر عجب نہیں کہ ایک چیز تم کو بری لگے اور وہ تمہارے حق میں بھلی ہو اور عجب نہیں کہ ایک چیز تم کو بھلی لگے اور وہ تمہارے لئے مضر ہو اور (ان باتوں کو) خدا ہی بہتر جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

اس صلح کے بہترین فوائد ونتائج میں ایک یہ بات بھی تھی کہ قریش نے مسلمانوں کی حیثیت اور مرتبہ کو تسلیم کیا اور ایک باعزت اور طاقت ور فریق کی حیثیت سے جس کیساتھ معاہدے کئے جاتے ہیں، اور مذاکرات ہوتے ہیں، ان کو ان کی جائز جگہ دی اور شاید اس صلح کا سب سے بہتر ثمرہ وہ جنگ بندی اور امن کی فضا تھی جس کی وجہ سے مسلمانوں کو (جو عرصہ سے جنگوں کے ایک طویل سلسلے میں الجھے ہوئے تھے، اور جس نے ان کی ساری توانائی اور قوت نچوڑ لی تھی) اطمینان کی سانس لینے، اور کسی قدر آرام کرنے، نیز اس پرسکون اور پرامن وقفہ میں یکسوئی اور جمعیت خاطر کے ساتھ اس کی دعوت پہونچانے اور فریضہ تبلیغ ادا کرنے کا بہترین موقع مل گیا۔

اس صلح نے مسلمانوں اور مشرکوں کو جو اب تک باہم دست وگریباں تھے ایک دسرے سے ملنے جلنے اور ایک دوسرے کو سمجھنے کا موقع بھی فراہم کیا، اور اس کی وجہ سے اسلام کے وہ محاسن مشرکین

---

(۱) زاد المعاد، ج ۱، ص ۳۸۴

کے سامنے آئے جواب تک اس قدر حسن وزیبائی کے ساتھ سامنے نہ آئے تھے، مثلاً شرک وبت پرستی کی نجاست سے یکسر نجات، دشمنی وعداوت، انسانی خون کی پیاس اور قتل وغارت گری سے مکمل نفرت جو قومی شیوہ بن گیا تھا، اخلاقی قلب ماہیت وانقلاب جو پندرہ سال کی قلیل مدت میں ان لوگوں کی زندگی میں رونما ہوا تھا جو کسی دوسری قوم کے افراد یا کسی غیر ملک کے باشندے نہ تھے، انھیں کے ہم قوم ہم رنگ اور ہم زبان تھے، انھیں کی طرح مکہ میں پیدا ہوئے تھے، اور ان کی ایک عمر انھیں کے ساتھ بسر ہوئی تھی، پھر یہ کس چیز کا کرشمہ تھا کہ وہ ان چند برسوں میں مٹی سے اکسیر اور پتھر سے پارس بن گئے تھے؟ اسلام کی تعلیمات، اور صحبت نبوی کے سوا کوئی چیز، اہل مکہ اور ان مہاجرین کے درمیان فرق کرنے والی نہ تھی، چنانچہ ایک سال بھی اس صلح پر نہ گذرا تھا، اور مکہ بھی ابھی فتح ہونا باقی تھا کہ عربوں کی اتنی بڑی تعداد حلقہ بگوش اسلام ہوئی کہ گذشتہ پندرہ برسوں میں اس قدر نہ ہوئی تھی۔

امام ابن شہاب زہری (م ۱۲۴ھ) کہتے ہیں ''اسلام کو اس سے پہلے اتنی بڑی کوئی فتح حاصل نہ ہوئی، جب فریقین (قریش اور مسلمان) میں صلح ہوئی، جنگ بندی کا اعلان ہوا، اور لوگ بلاخوف وخطر ایک دوسرے سے ملنے لگے، اور ان کو ساتھ رہنے اور بات چیت کرنے کا موقعہ ملا جس سمجھ دار آدمی سے اسلام کے بارے میں گفتگو کی گئی وہ دائرہ اسلام میں داخل ہو گیا۔

تنہا ان دو برسوں میں اتنے آدمی داخل اسلام ہوئے جتنے اب تک ہوئے تھے، بلکہ شاید اس سے بھی زیادہ'' (۱)

ابن ہشام کہتے ہیں ''زہری کے قول کی مزید دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حدیبیہ میں (بروایت جابر بن عبداللہ) چودہ سو آدمی تھے، اس کے دو سال بعد فتح مکہ کے موقع پر آپ کیساتھ دس ہزار صحابہ کی جمعیت تھی'' (۲)

اس جنگ بندی اور صلحنامہ کی بدولت ان مسلمانوں کو فائدہ پہونچا جو مکہ میں اپنی مجبوری وبے بسی کی وجہ سے باقی رہ گئے تھے، اور قریش کے استہزاء واہانت کا ہدف بنے ہوئے تھے، اور ابو جندل کے ہاتھ پر قریش کے نوجوانوں کی ایک بڑی تعداد نے اسلام قبول کیا، اسلام کے اس نئے داعی اور مبلغ کی یہ کوشش اور اسلام کا مکہ میں فروغ مشرکین کے لئے ایک دردسر بن گیا۔

یہ سب لوگ ابوبصیر کے کاروان حق سے آملے اور دیکھتے ہی دیکھتے اسلام کی دعوت وقوت

---

(۱) سیرت ابن ہشام، ج ۲، ص ۳۲۲

(۲) ایضاً۔

وشوکت کا ایک بڑا مرکز تعمیر ہو گیا، قریش کو اس کی بڑی فکر دامن گیر ہوئی انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ ان لوگوں کو مدینہ بلالیں، چنانچہ آپؐ نے ایسا ہی کیا اور اس طرح جس تنگی و مصیبت میں یہ لوگ گرفتار تھے، اس سے ان کو نجات ملی، یہ سب دراصل اسی صلح کی برکت اور جنگ بندی کے اسی معاہدہ کا نتیجہ تھا(۱)، اس مصالحانہ اور امن پسندانہ رویہ کا جو آپؐ نے اس موقع پر اپنایا، نیز جنگ سے عدم دلچسپی صلح جوئی کے جذبہ اور بردباری واعتدال کے جس طرز عمل کا آپؐ سے اظہار ہوا اس کا ایک فائدہ یہ بھی نکلا کہ وہ عرب قبائل جو ابھی اسلام میں داخل نہیں ہوئے تھے، اس نئے دین اور اس کے داعی کو نئی نظر سے دیکھنے لگے، ان کے دلوں میں اسلام کی عظمت اور اسکا وہ احترام اور محبت پیدا ہو گئی جو اس سے پہلے نہ تھی، یہ ایک ایسا تبلیغی ودعوتی فائدہ تھا جس کو معمولی نہیں کہا جاسکتا تھا، اگرچہ اس کی کوئی کوشش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں نے نہیں کی تھی۔

خالد بن ولید اور عمرو بن العاصؓ

صلح حدیبیہ دلوں کی فاتح ثابت ہوئی چنانچہ خالد بن الولید نے (جو قریش کے سوار افواج کے سپہ سالار تھے، اور جنھوں نے بڑے بڑے معرکے سر کئے تھے) صلح حدیبیہ کے بعد ہی اسلام قبول کیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں سیف اللہ (خدا کی تلوار) کا لقب مرحمت فرمایا وہ راہِ خدا میں ہر طرح کامیاب و بامراد اور سرخرو، وسرفراز ہو کر نکلے اور اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھوں سے شام کا علاقہ فتح کروایا۔

عمرو بن العاصؓ نے بھی جو ایک بڑی سپہ سالار اور جرنیل تھے، اور بعد میں فاتح مصر کی حیثیت سے سامنے آئے، اسی زمانہ میں اسلام قبول کیا، دونوں صلح حدیبیہ کے بعد مدینہ طیبہ حاضر ہو کر دولت اسلام سے سرفراز ہوئے اور مراتب علیا حاصل کئے (۲)۔

---

(۱) زاد المعاد، ج۱ص ۳۸۸۔۳۸۹

(۲) دیکھئے سیرت ابن ہشام، ج۲ص ۲۷۷۔۲۷۸

سلاطین وامراء کو دعوت اسلام

(اواخر ٦ھ یا اوائل ۷ھ)

حکیمانہ طرز دعوت

صلح ہونے کے بعد حالات قدرتی طور پر پرسکون ہو گئے، دعوت اسلامی کو سانس لینے کا موقع ملا، اور ترقی وپیش قدمی کی نئی راہیں کشادہ ہوئیں اس موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلاطین عالم اور امراء عرب کو متعدد خطوط لکھے اور ان کو بڑے حکیمانہ انداز میں اسلام کی دعوت دی (۱)، اس کے لئے آپؐ نے بڑا اہتمام فرمایا اور ہر بادشاہ کے لئے ایسے ایلچی کا انتخاب کیا جو اس کے مرتبہ وحیثیت کے مطابق گفتگو کر سکے اور وہاں کی زبان نیز ملک کے حالات سے واقف ہو (۲)۔

---

(۱) قابل ترجیح قول یہ ہے کہ یہ خطوط صلح حدیبیہ کے بعد ماہ ذی الحجہ ٦ھ میں بھیجے گئے جیسا کہ واقدی کی رائے ہے، یہ ۶۲۷ھ کے مطابق ہے، اس لئے کہ ان سلاطین میں سر فہرست ایرانی شہنشاہ خسرو دوئے پرویز تھا، اور وہ مارچ ۶۲۸ھ میں مارا گیا۔

ہرقل کو جو خط لکھا گیا اگر اسکا سنہ بھی ۶۲۸ھ تسلیم کیا جائے تو اس کا اس کے ہاتھ میں پہونچنا محل نظر ہے، اس لئے کہ وہ اسی سال آرمینیا کے دورہ پر جا چکا تھا، دیکھئے "عربوں کی فتح مصر" (ترجمہ عربی) از الفرڈ بٹلر ص ۱۳۹۔۱۴۰، اس لئے ماننا پڑتا ہے کہ یہ خطوط عیسوی تقویم کے مطابق ۶۲۷ء میں روانہ کئے جا چکے تھے اور وہ ٦ھ کے مطابق ہے۔

(۲) ابن سعد نے طبقات (جلد ۲، ص ۲۳) میں اس سلسلہ میں جو کچھ لکھا ہے، اور سیوطی نے اپنی کتاب "الخصائص الکبریٰ (جلد ۲، ص ۱۱) میں اس موضوع پر جو کلام کیا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بات خارق عادت طریقہ پر بطور معجزہ ظاہر ہوئی تھی، ان دونوں نے جو روایتیں نقل کی ہیں، اس میں یہ الفاظ آتے ہیں کہ "ان میں ہر ایک اس ملک کی زبان جہاں وہ بھیجا گیا تھا، خود بخود بولنے لگا" مصنف کو اس معجزہ کے امکان ووقوع میں کوئی اشکال نہیں ہے، اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور انبیاء کی سیرت اس قسم کے معجزات اور خارق عادت واقعات سے بھری ہوئی ہے، تاہم اس کے نزدیک یہ بات بالکل ممکن اور قرین قیاس ہے کہ یہ دراصل رسول اللہ کی حکمت ودانش اور حسن انتخاب پر مبنی ہو سکتا ہے، اس لئے کہ رومی، فارسی زبانیں نیز مصر کے قبطی باشندوں کی اور اہل حبشہ کی زبان عربوں سے ان کے مسلسل میل جول اور آمد ورفت کی وجہ سے ان کے لئے کوئی انوکھی بات نہ تھی، مسئلہ صرف ان چار زبانوں کا تھا، جزیرۃ العرب کے دوسرے امراء اور سرداران قبائل کے سلسلے میں کوئی دشواری نہ تھی، اور عربی زبان میں ان کو دعوت اسلام دی گئی، اس لئے یہ بات بالکل قرین قیاس ہے، کہ اس مہم کے لئے انھیں لوگوں کا انتخاب کیا گیا ہو جو رومی، فارسی، قبطی اور حبشی زبان پہلے سے جانتے ہوں اور ایسے لوگوں سے عرب کی سرزمین خالی نہ تھی، جو ان ملکوں میں بار بار جانے اور عرصہ تک رہنے کی وجہ سے ان چاروں زبانوں سے آشنا اور ان کے ذریعہ سے سفارت کا فرض انجام دینے پر قادر ہوں۔

صحابۂ کرام نے عرض کیا کہ یہ لوگ ایسے خط کو تسلیم نہیں کرتے جس پر مہر نہ ہو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لئے ایک خاص مہر بنوائی جس کا حلقہ چاندی کا تھا اور درمیان میں محمد رسول اللہ اسی طرح نقش تھا(۱)

وہ تحریریں بتاتی ہیں کہ یہ دین عربوں کا یا جزیرۃ العرب کا نہیں بلکہ نوع انسانی کا دین تھا، چنانچہ وہ عرب سے باہر کی متمدن اور بااثر حکومتوں کے لئے چیلنج ثابت ہوئیں، اور اس صورت میں انھیں اپنا زوال نظر آنے لگا کہ وہ خود اس دعوت کو قبول نہ کریں یا کم از کم اپنی رعایا کو اس دعوت کو سمجھنے اور اس کے بارے میں فیصلہ کرنے کا موقعہ نہ دیں۔

مکاتیب نبوی

ان سلاطین میں جن کے نام یہ خطوط روانہ کئے گئے، رومی شہنشاہ ہرقل، ایرانی شہنشاہ کسریٰ پرویز، حبشہ کے بادشاہ نجاشی اور مصر کے بادشاہ مقوقس کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

ہرقل کو آپؐ نے اپنا مکتوب دحیۃ الکلبی کے ہاتھ ارسال فرمایا اور انھوں نے ''بصریٰ'' کے رئیس اور سردار کے ذریعہ اس مکتوب گرامی کو ہرقل تک بھجوایا، اس مکتوب کا متن یہ ہے:۔

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم ۔ من محمد عبد اللّٰہ و رسولہ ،الی "ھرقل" عظیم الروم، سلام علی من اتبع الھدیٰ ، اما بعد فانی أدعوك بدعایة الاسلام اسلم تسلم، یوتك اللّٰہ اجرك مرتین، فان تولیت فان علیك اثم الیریسیین"یا اھل الکتٰب تعالوا الی کلمة سواء بیننا و بینکم ان لا نعبد الا اللّٰہ ولانشرك بہ شیئاً ولایتخذ بعضنا بعضاً اربابا من دو ن اللّٰہ فان تولو افقولوا اشھدوا بانا مسلمون"(۲)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ محمدؐ کی طرف سے جو خدا کا بندہ اور رسول ہے، یہ خط ہرقل کے نام ہے جو روم کے رئیس اعظم ہیں، ان کو سلامتی ہو جو ہدایت کا پیرو ہو، اس کے بعد میں تم کو اسلام کی دعوت کی طرف بلاتا ہوں، اسلام لاؤ، تم سلامت رہو گے خدا تم کو دگنا اجر دے گا اور اگر تم نے نہ مانا تو اہل ملک کا گناہ تمہارے اوپر ہوگا اے اہل کتاب! ایک ایسی بات کی طرف آؤ جو ہم میں اور تم میں یکساں ہے، وہ یہ کہ ہم خدا کے سوا کسی کو نہ پوجیں اور ہم میں سے کوئی کسی کو (خدا کو چھوڑ کر) خدا نہ بنائے، اور تم

---

(۱) ملاحظہ ہو صحیح بخاری کتاب الجہاد باب ''دعوۃ الیہود والنصاریٰ وعلیٰ مایقاتلون الخ'' وشمائل ترمذی۔
(۲) صحیح بخاری باب ''کیف کان بدء الوحی الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

نہیں مانتے تو گواہ رہو کہ ہم مانتے ہیں۔

کسریٰ پرویز کے نام آپؐ نے حسب ذیل خط بھیجا:۔

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم من محمد رسول اللّٰہ الیٰ کسریٰ عظیم فارس، سلام علیٰ من اتبع الھدیٰ، وآمن باللّٰہ ورسولہ وشھد ان لا الٰہ الا اللّٰہ وانی رسول اللّٰہ الی الناس کافۃ لینذر من کان حیا، اسلم تسلم، فان ابیت فعلیک اثم المجوس(۱)۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، محمد پیغمبر خدا کی طرف سے کسریٰ رئیس فارس کے نام، سلام ہے اس شخص پر جو ہدایت کا پیرو ہوا اور اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے، اور یہ گواہی دے کہ خدا صرف ایک خدا ہے اور یہ کہ خدا نے مجھ کو تمام دنیا کا پیغمبر مقرر کر کے بھیجا ہے تاکہ وہ ہر زندہ شخص کو خدا کا خوف دلائے تم اسلام قبول کرو تو سلامت رہو گے، ورنہ مجوسیوں کا وبال تمہاری گردن پر ہوگا۔

نجاشی کے نام یہ مکتوب تھا:۔

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم من محمد رسول اللّٰہ الی النجاشی عظیم الحبشۃ سلام علی من اتبع الھدیٰ ، اما بعد، فانی احمد الیک اللّٰہ الذی لا الٰہ الا ھو الملک القدوس السلام المومن المھیمن، واشھد ان عیسیٰ بن مریم روح اللّٰہ وکلمۃ القاھا الی مریم البتول الطیبۃ الحصینۃ فحملت بعیسیٰ من روحہ ونفخہ کما خلق آدم بیدہ، وانی أدعوک الی اللّٰہ وحدہ لا شریک لہ والموالاۃ علی طاعتہ وان تتبعنی وتومن بالذی جاء نی، فانی رسول اللّٰہ وانی ادعوک وجنودک الی اللّٰہ عزوجل وقد بلغت ونصحت فاقبل نصیحتی والسلام علی من اتبع الھدیٰ(۲)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ محمدؐ کی طرف سے جو اللہ کا رسول ہے، یہ خط نجاشی کے نام ہے جو حبشہ کا رئیس اعظم ہے سلام ہے اس شخص پر جو ہدایت کا پیرو ہو، اما بعد، میں حمد بیان کرتا ہوں تم سے اس اللہ کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں، جو بادشاہ ہے قدوس ہے، سلام ہے، مومن اور مہیمن ہے، اور گواہی دیتا ہوں اس بات کی عیسیٰ بن مریم اللہ کی روح اور اس کا کلمہ ہیں جس کو اس نے پاک نفس و پاکباز مریم البتول میں پھونکا تھا، پس اس کی روح اور اسکے نفخ سے عیسیٰ ان کے بطن میں قرار پائے جیسے اس نے آدم کو

(۱) الطبری، ج ۳، ص ۹۰

(۲) طبقات ابن سعد، ج ۳، ص ۱۵

اپنے ہاتھ سے بنایا تھا، میں تم کو دعوت دیتا ہوں ایک اللہ پر ایمان لانے کی جس کا کوئی شریک نہیں، اور اس کی طاعت، موالات کی، اور یہ کہ تم میری اتباع کرو، اور جو کچھ میرے اوپر وحی آئی ہے، اس پر ایمان لاؤ، پس بے شک میں اللہ کا رسول ہوں، اور میں تم کو اور تمہارے لشکروں کو اللہ عزوجل کی طرف بلاتا ہوں، میں نے اپنا پیغام کہدیا اور نصیحت پوری کردی پس یہ نصیحت قبول کرو، اور سلام ہو اس پر جو ہدایت کا پیرو ہو۔

قبطیوں کے سردار اور بادشاہ مقوقس کے نام یہ مضمون تھا:۔

بسم اللّٰـه الرحمـن الرحيم ـمن محمد عبداللّٰه ورسولـه الى "الـمقوقس" عظيم القبط، سلام على من اتبع الهدىٰ، اما بعد!فانى ادعوك بدعاية الاسلام اسلم تسلم، واسلم يوتك اللّٰه اجرك مرتين ،فان توليت فان عـليك اثـم اهـل القبط "ياهل الكتب تعالوا الى كلمة سواء ل بيننا وبينكم ان لا نـعبـدالا اللّٰـه ولانشرك به شيئا ولا يتخذ بعضنا بعضا اربابا من دون اللّٰه، فان تولوا فقولوا اشهدوا بانا مسلمون"(۱)

خدائے رحمٰن ورحیم کے نام سے محمد رسول خدا کی طرف سے مقوقس رئیس قبط کے نام اس کو سلامتی ہو، جو ہدایت کا پیرو ہے اس کے بعد میں تم کو اسلام کی دعوت دیتا ہوں اسلام لے آؤ سلامت رہو گے خدا تم کو دگنا اجر دے گا اگر تم نے نہ مانا تو اہل ملک کا گناہ

---

(۱) مواہب لدنیہ، ج ۳، ص ۲۴۷۔۲۴۸، اس وقت تک پانچ نامہ ہائے مبارک کے اصل نسخے دریافت ہو چکے ہیں ان کی تصویریں بھی بہت سے اسلامی رسائل واخبارات میں شائع ہو چکی ہیں۔

جہاں تک مقوقس کے نام سے فرمان مبارک کا تعلق ہے، فرانسیسی مستشرق BARTHELEMY کو مصر کے مقام اخمیم کے ایک قدیم دیر میں ۱۸۵۰ء میں ہرن کی جھلی (رق) پر لکھی ہوئی ایک تحریر ملی، مطالعہ وتحقیق کے بعد ثابت ہوا کہ یہ وہ فرمان مبارک ہے جو مقوقس کے نام بھیجا گیا تھا (ایشیاٹک جرنل ۱۸۵۴ء اور رسالہ "الہلال مصر" نومبر ۱۹۰۴ء)

اسی طرح نجاشی اور کسریٰ کے نام کے فرمان کی اصل بھی مل چکی ہے۔

رومی بادشاہ ہرقل کو بھیجا جانے والا مکتوب گرامی اسپین میں ساتویں صدی ہجری تک محفوظ تھا، جس کا پتہ چھٹی صدی کے مشہور محدث ومورخ علامہ سہیلی نے دیا ہے۔

ابوالعباس شہاب الدین احمد بن محمد قسطلانی (م ۹۲۳ھ) نے "ارشاد الساری شرح صحیح البخاری" کے جزء اول ص ۸۱ پر لکھا ہے کہ:۔

"کہا جاتا ہے کہ الملك المنصور قلاؤن الصالحی کے زمانہ میں شاہ افرنگ نے سیف الدین قلج کے سامنے ایک مطلاّ صندوق کھولا اور اس میں سے ایک سنہر الفافہ نکالا پھر اس میں سے ایک خط نکالا جس کے اکثر حروف مٹ گئے تھے اور کہا کہ یہ تمہاری نبی کا مکتوب میرے دادا قیصر کے نام تھا جسے ہم بحفاظت رکھتے چلے آرہے ہیں، اور ہمارے اجداد نے ہمیں یہ وصیت کی ہے کہ جب تک یہ مکتوب ہمارے پاس رہیگا تب تک ہماری بادشاہت بھی رہے گی اس لئے ہم لوگ اس کی حفاظت کرتے ہیں (تازہ اطلاع کے مطابق یہ مکتوب شریف شاہ حسین ملک شرق اردن کے پاس موجود ہے)۔

تمہارے اوپر ہوگا، اے اہل کتاب! ایک ایسی بات کی طرف آؤ جو ہم میں اور تم میں یکساں ہے وہ یہ ہے کہ ہم خدا کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور ہم میں سے کوئی کسی کو (خدا کو چھوڑ کر) خدا نہ بنائے اور تم نہیں مانتے تو گواہ رہو کہ ہم مانتے ہیں۔

فرامین نبوی میں مکتوب الیہم کے مابہ الامتیاز حالات کی رعایت

ذہین قاری وہ باریک فرق محسوس کرلیں گے جو حکمت دعوت ورسالت کے پیش نظر نمایاں ہیں، اور جن میں ان بادشاہوں کے امتیازی عقائد اور ذہنی کیفیات کا لحاظ کیا گیا ہے، چنانچہ ہرقل ومقوقس کلی یا جزئی طور پر الوہیت مسیح کے قائل تھے، اور انھیں ''ابن اللہ'' مانتے تھے تو ان کے نام خطوط میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسم گرامی کے ساتھ ''عبداللہ'' کا لفظ ہے، اور بسم اللہ کے بعد دونوں خط اس طرح شروع ہوتے ہیں:

"من محمد عبداللّٰه ورسوله الى هرقل عظيم الروم" اور "من محمد عبداللّٰه ورسوله الى المقوقس عظيم القبط" جب کہ کسریٰ پرویز کے نام مکتوب کا سرنامہ اس طرح تھا "من محمد رسول اللّٰه الى كسرىٰ عظيم فارس" ہرقل ومقوقس کے نام کے خطوط میں یہ آیت کریمہ لکھی گئی:۔

"قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْـًٔا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ (سورۂ آل عمران۔ ٦٤)

آپ فرمادیجئے کہ اے اہل کتاب آؤ ایک ایسی بات کی طرف جو کہ ہمارے اور تمہارے درمیان برابر ہے کہ بجز اللہ تعالیٰ کے ہم کسی اور کی عبادت نہ کریں اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں اور ہم میں سے کوئی کسی دوسرے کو رب نہ قرار دے خدا تعالیٰ کو چھوڑ کر پھر اگر وہ لوگ اعراض کریں تو تم لوگ کہدو کہ تم اس کے گواہ رہو کہ ہم تو ماننے والے ہیں۔

لیکن کسریٰ پرویز کے خط میں یہ آیت درج نہیں، کیونکہ اس کے مخاطب وہ اہل کتاب ہیں، جو الوہیت مسیح کے قائل ہیں، اور جنھوں نے اللہ کے علاوہ اپنے احبار ورہبان اور مسیحؑ کو بھی اپنا رب بنالیا تھا، ہرقل بیزنطینی سلطنت کا سربراہ تھا اور مقوقس مصر کا بادشاہ تھا، دونوں اس عہد کی مسیحی دنیا کے قائد اور (حضرت مسیحؑ کے بارے میں ایک طبیعت یا دو طبیعتوں کے معمولی اختلاف کے سوا) مسلم مذہبی رہنما بھی تھے(۱)۔

---

(۱) تفصیل کے لئے ملاحظہ کریں مصنف کی کتاب "ماذا خسر العالم بانحطاط المسلمين" ص ۳۸۔۳۹ (دار القلم تیرہواں ایڈیشن) یا اردو ترجمہ ''انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر''۔

کسریٰ پرویز اور اس کی قوم چونکہ آفتاب پرست اور آتش پرست تھی، اور دو خداؤں، خدائے خیر "یزداں" اور خدائے شر "اہرمن" کو مانتی تھی، اور نبوت اور آسمانی رسالت کے صحیح مفہوم سے نا آشنا تھی، اس لئے ایرانی بادشاہ کے نام کے نامہ مبارک میں یہ عبارت لکھی گئی:۔

وانی رسول الله الی الناس کافة لینذر من کان حیاً.

اور میں تمام لوگوں کے لئے اللہ کا ایسا رسول ہوں جو شعوری طور پر زندہ لوگوں کو آگاہ کرے۔

یہ سلاطین کون تھے؟

ہمیں اس پیغمبرانہ اقدام کی اہمیت وعظمت کا (جو ان خطوط کے ذریعہ کیا گیا) اس وقت اندازہ نہیں ہوسکتا، جب تک ان چاروں اشخاص ہرقل، کسریٰ، نجاشی اور مقوقس کے معاصر تاریخ میں مرتبے اور حیثیت، ان کی سلطنتوں کے رقبہ ووسعت اور ان کے شوکت اور دبدبے کا ہمیں علم نہ ہو، اگر کوئی شخص ساتویں صدی مسیحی کی سیاسی تاریخ سے واقف نہیں ہے، اور اس کو ان ملکوں کے متعلق ضروری معلومات حاصل نہیں ہیں تو وہ یہ سمجھ سکتا ہے کہ یہ خطوط چند مقامی حکام اور والیان ریاست (۱) کے نام لکھے گئے ہیں، جو ہر زمانہ میں اور ہر جگہ پائے جاتے ہیں۔

اس کے برخلاف جو شخص اس عہد کے سیاسی نقشہ میں ان بادشاہوں کی اہمیت جانتا ہے، ان کی تاریخ اور سیرت وکردار سے واقف ہے، اور ان کی قوت واقتدار اور رعب ودبدبہ کو اچھی طرح سمجھتا ہے، وہ محسوس کرے گا کہ یہ عظیم اقدام اور جرأت وہی نبی کرسکتا تھا جو خدا کی طرف سے اس کام پر مامور کیا گیا ہو، اس پر اس دعوت وپیغام کی پوری ذمہ داری ہو، اس پر ضعف اور خوف کا سایہ بھی نہ پڑا ہو اور آسمانوں اور زمینوں کے حقیقی بادشاہ اور مالک الملک کی اس پر ایسی تجلی ہو کہ تاج وسریر کے مالک اسکو گڑیا گڈے یا بے جان پتلے معلوم ہوتے ہوں، جن کو بادشاہوں کی پوشاک میں آراستہ کرکے تخت حکومت پر بٹھا دیا گیا ہو، اس لئے یہاں معاصر تاریخ اور معتبر مورخوں کی شہادتوں کی مدد سے ان کا تعارف کرایا جاتا ہے۔

قیصر روم ہرقل اول (۶۱۰-۶۴۱ء)

بازنطینی شہنشاہ قیصر روم ہرقل اول ایک وسیع وعریض شہنشاہی کا مالک تھا، جس نے ایرانی شہنشاہی کے ساتھ مل کر اس عہد کی ساری متمدن دنیا کو آپس میں تقسیم کرلیا تھا اور جس کا سکہ آدھی دنیا

---

(۱) مثلاً برطانوی عہد کے نظام حیدرآباد، نواب بھوپال یا مہاراجہ سندھیا (گوالیار) مہاراجہ گیکواڑ (بڑودہ) کے نام تبلیغی خطوط لکھے جائیں۔

میں چل رہا تھا، تین براعظموں یورپ، ایشیا اور افریقہ میں اس کے خوش حال، دولت منداور ترقی یافتہ ومتمدن مقبوضات اور نوآبادیوں (DOMINIONS) تھیں یہ سلطنت رومۃ الکبریٰ کی جانشین تھی، جس کے زیرنگیں تقریباً پوری متمدن قدیم دنیا رہ چکی تھی (۱)۔

یہ بادشاہ ایک یونانی خاندان کا فرد تھا، کپوڈیشیا میں پیدا ہوا اور قرطاجنہ کا رتھیج (CARTHAGE) میں پرورش پائی، وہ افریقہ کا ایک حاکم (EXARCH OF AFRICA) کا لڑکا تھا، اس میں کوئی بات ایسی نہ تھی جس سے اس کی غیر معمولی ذہانت، حوصلہ مندی اور قائدانہ صلاحیت کا اظہار ہوتا جب فوقس (PHOCUS) نے غاصبانہ طور پر بازنطینی سلطنت کے شہنشاہ موریقس "ماریس (MAURICE)" کو (جس کے کسریٰ پرویز پر احسانات تھے) ۶۰۲ء میں قتل کیا تو ایرانیوں کو بازنطینی سلطنت پر فوج کشی کا بہانہ مل گیا اور انھوں نے اس کی اینٹ سے اینٹ بجادی، اس عظیم الشان بازنطینی سلطنت کی آخری سانسیں تھیں (۲)، کہ ہرقل کو قرطاجنہ سے طلب کیا گیا، اس نے فوقس کو قتل کیا اور ۶۱۰ء (۳) میں زمام حکومت اپنے ہاتھ میں لے لی، اس وقت پورا ملک موت وزیست کی کشمکش میں گرفتار تھا، اور خشک سالی، وبائی امراض، غربت اور مالی نقصانات سے دیوالیہ ہو چکا تھا ہرقل نے اپنی حکومت کے ابتدائی سال ایک پرسکون اور عافیت پسند انسان کی طرح گزارے اور کوئی بڑا کام انجام نہیں دیا لیکن ۶۱۶ء میں اس کے اندر اچانک ایک انقلاب برپا ہو گیا (یہ وہ سال ہے جس میں قرآن مجید نے چند برسوں کے اندر غلبۂ روم کی پیشین گوئی کی تھی) (۴) اور وہ دیکھتے ہی دیکھتے عیش پرست اور آرام طلب بادشاہ سے ایک پرجوش اور غیرت مند قائد اور جنرل میں تبدیل ہو گیا، یہ خیال اس کے اعصاب پر بری طرح سوار ہو گیا، اس کے اندر غیرت قومی نے جوش مارا، چنانچہ اس نے ایران کے قلب کا رخ کیا، اپنی چھنی ہوئی زمین اور کھوئی ہوئی عزت واپس لی، ایران کے مشہور شہروں پر قبضہ کر لیا ایران کے قلب وجگر میں اتر کر مرکز سلطنت

---

(۱) اس شہنشاہیت کے حدود اور اس کی ریاستوں اور صوبوں کی تفصیل جو پورے ایشیاء اور افریقہ میں پھیلے ہوئے تھے، کتاب کے باب اول میں "مشرقی رومی سلطنت" کے عنوان سے ہم بیان کر چکے ہیں۔

(۲) اس کی تفصیلات (GIBBON) کی کتاب (DECLINE AND FALL OF THE ROMAN EMPIRE) اور "آرتھر کرسٹن سین" کی کتاب "ایران بعہد ساسانیان" میں ملاحظہ فرمائیں۔

(۳) اس واقعہ کے ایک سال بعد جزیرۃ العرب میں حضورؐ کی بعثت ہوئی۔

(۴) دیکھئے سورۂ روم کی ابتدائی آیات، نیز راقم سطور کا مقالہ "قرآن مجید میں غلبۂ روم کی پیشین گوئی" مندرج کتاب "مطالعۂ قرآن کے اصول ومبادی"۔

میں اپنے جھنڈے گاڑ دیئے اور عظیم اور قدیم ایرانی شہنشاہی کی عزت وعظمت کو خاک میں ملا دیا، اور اس کو زخموں سے اس قدر چور چور کر دیا کہ معلوم ہونے لگا کہ اب سلطنت کا دم واپسیں ہے، اور آل ساسان کے تخت کی چولیں بالکل ہل چکی ہیں، یہ فاتح واپس آکر ۶۲۵ء میں قسطنطنیہ میں داخل ہوا، اور ۶۲۹ء میں صلیب مقدس (جس کو ایرانی اٹھالے گئے تھے) وہاں دوبارہ نصب کرنے اور اپنی نذر پوری کرنے کے لئے بیت المقدس کے لئے روانہ ہوا، لوگ تعظیم واحترام کے اظہار کے لئے اس کے راستے میں فرش وقالین بچھاتے تھے، اور گل پاشی وعطر بیزی کرتے تھے(۱)، صلیب کو دوبارہ نصب کئے جانے کی خوشی میں وہاں جشن عظیم کا انتظام کیا اور اس فتح کی خوشیاں منائی گئیں، یہ وہ وقت تھا، جب ہرقل کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نامہ مبارک ملا جس میں اس کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی گئی تھی (۲)

لیکن اس کے بعد ہی ہرقل اپنی سستی وغفلت، اور آرام طلبی وعیش پرستی کے اسی حال میں آ گیا جس میں پہلے تھا، یہاں تک کہ مجاہدین اسلام نے اس سلطنت کے زوال کا فیصلہ کر دیا، اور ایشیاء وافریقہ سے اس کا خاتمہ ہو گیا، اور یہ وسیع سلطنت صرف یورپ وایشیائے کوچک میں منحصر ہو کر رہ گئی، بہر حال اپنے زمانے کے عظیم شہنشاہوں میں اس کا شمار تھا، سلطنت کے رقبہ ووسعت، جنگی طاقت اور تمدن وترقی میں اگر کوئی اس کا ہمسر وہم مرتبہ تھا تو وہ ایرانی شہنشاہ خسرو دوم تھا، ۶۴۱ء میں اس کا قسطنطنیہ میں انتقال ہوا، اور وہیں مدفون ہوا۔

کسریٰ پرویز (خسرو پرویز دوم، ۵۹۰-۶۲۸ء)

یہ ہرمز کا چوتھا بیٹا اور خسرو اول معروف بہ نوشیرواں عادل کا پوتا تھا، عرب اس کو کسریٰ پرویز کے نام سے یاد کرتے ہیں، اس کے باپ کے قتل کے بعد ۵۹۰ء میں اس کی تاج پوشی ہوئی، بہرام چوبین نے اس کے خلاف بغاوت کی، خسرو نے شکست کھائی اور ساسانی مملکت کو چھوڑ کر بازنطینی فرماں روا موریقس (MAURICE) سے پناہ طلب کی اور اپنے ملک کی بازیافت میں اس کی مدد چاہی، موریقس نے زبردست فوجوں کے ساتھ اس کی مدد کی، ان خون آشام جنگوں کے بعد بہرام

---

(۱) فتح الباری، ج۱، ص۲۱

(۲) ہرقل کو نامۂ مبارک پہونچنے میں بخلاف کسریٰ کے جو تاخیر ہوئی اس کا سبب یہ تھا کہ یہ خط اولاً بُصریٰ کے سربراہ کے حوالہ کیا گیا کہ وہ اسے قیصر کے حوالہ کرے، وہ قیصر کی جنگی مصروفیات اور دار السلطنت سے دوری کی وجہ سے غالباً یہ خط بروقت اس کے حوالہ نہ کر سکا، دوسرے یہ کہ مغربی مآخذ میں اس کا ذکر ہے کہ ہرقل کو ۶۲۸ء میں ایک بغاوت کو فرو کرنے کے لئے آرمیبیا جانا پڑا اور اسی لئے وہ اپنی نذر ۶۲۹ء میں پوری کر سکا۔

کوشکست کا منہ دیکھنا پڑا اور خسرو اپنے آبا و اجداد کے تخت حکومت پر دوبارہ قابض ہو گیا، ۶۱۲ء میں خسرو نے بازنطینی سلطنت پر اپنے معنوی باپ اور ولی نعمت موریقس کا بدلہ اس کے قاتل اور تخت قیصری کے غاصب (PHOCUS) سے لینے کا تہیہ کرلیا، فوقس کے قتل نے بھی اس کو مزید پیش قدمی سے باز نہ رکھا، اور وہ قسطنطنیہ تک بڑھتا چلا گیا اور اپنی قدیم حریف سلطنت کی اس طرح اینٹ سے اینٹ بجادی کہ اس کی کوئی مثال پہلے نہیں ملتی ۶۱۵ء تک اس کی فتوحات اور اقبال مندی کا ستارہ پورے عروج پر پہونچ گیا، یہاں تک کہ ہرقل نے ایرانیوں کو ان کے ملک سے بے دخل کر دیا اور ساسانی مملکت کے قلب وجگر پر حملے کیے، خسرو کو اپنا ملک خیر باد کہہ کر ایک محفوظ اور دور دراز علاقہ میں پناہ لینی پڑی، لیکن جلد ہی ۶۲۸ء کی بغاوت میں اس کا کام تمام ہو گیا۔

مورخین ایران کا اتفاق ہے کہ خسرو دوم، ایران کا سب سے عظیم اور شان وشوکت رکھنے والا شہنشاہ تھا، اس کے عہد میں مملکت ساسانیہ اپنی ترقی وخوش حالی، پرتکلف زندگی، لوازم تعیش اور آرائش وزیبائش کے نقطۂ عروج پر تھی، ہندوستان کی شمال مغربی ریاستوں تک اسکا سکہ رواں تھا (۱)، اس کے نام کے ساتھ یہ شاندار تمہید ہوتی تھی، ''خداؤں میں انسان غیر فانی، اور انسانوں میں خدائے لاثانی، اسکے نام کا بول بالا آفتاب کے ساتھ طلوع کرنے والا، شب کی آنکھوں کا اجالا (۲)'' اس کے عہد میں ملک نے جتنی ترقی کی تھی، اور اس کو جو شان وشوکت حاصل ہوئی تھی، اس کے متعلق مشہور مؤرخ طبری کے الفاظ یہ ہیں:۔

''یہ بادشاہ سب سے زیادہ سخت گیر، سب سے زیادہ قوت فیصلہ اور دوررس نگاہ رکھنے والا تھا، شجاعت وبہادری اور فتح وظفر کے کارناموں، دولت کی فراوانی اور تقدیر کی ہمزبانی اور زمانہ کی مساعدت کے اسباب جتنے اسکے لئے مہیا تھے، کسی اور بادشاہ کے لئے نہ تھے، اس کا لقب پرویز پڑ گیا، جس کے معنی عربی میں مظفر یعنی فاتح واقبال مند ہوتے ہیں'' (۳) تہذیب وتمدن کی جدت طرازیوں اور نکتہ آفرینیوں میں اس کا کوئی جواب نہ تھا، ماکولات ومشروبات کے شعبے میں اس نے نئی نئی چیزیں ایجاد کی تھیں (۴)۔

عطریات وخوشبو وغیرہ میں بھی وہ آخری منزل پر تھا، اس کے عہد میں پرتکلف ومتنوع کھانوں اعلیٰ قسم کی شرابوں اور بہترین عطریات کا لوگوں میں ایک خاص ذوق پیدا ہو گیا تھا، نغمہ وسرود اور فن موسیقی نے اس کے عہد میں بڑا عروج حاصل کیا تھا لوگوں کو ان چیزوں سے غیر معمولی دلچسپی پیدا ہو گئی تھی، اس

(۱) ایران بعہد ساسانیان، ص ۶۰۲

(۲) ایران بعہد ساسانیان، ص ۶۰۴، ماخوذ از تھیوفی لیکٹس

(۳) تاریخ طبری، ج ۲، ص ۱۳۷، المطبعة الحسينية الطبعة الاولىٰ (مصر)

(۴) تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو تاریخ طبری، ص ۹۹۵

کو دولت جمع کرنے اور نوادرات اور نفیس اشیاء اکٹھا کرنے کا بڑا شوق تھا، جب اس کا خزانہ (۶۰۷ء تا ۶۰۸ء) میں قدیم عمارت سے طیسفون (مدائن) کی نئی عمارت میں منتقل کیا گیا تو اس کی مقدار ۴۶۸ ملین (یعنی چھیالیس کروڑ اسی لاکھ) مثقال سونا تھی، جو سینتیس کروڑ پچاس لاکھ طلائی فرنک کے برابر ہوتا ہے اس کی تخت نشینی کے تیرہویں سال اس کے خزانہ شاہی میں ۸۸۰ ملین (یعنی اٹھاسی کروڑ مثقال سونا موجود تھا (۱) اس نے ۳۷ سال حکومت کی اور اس کے بعد اس کا بیٹا شیرویہ تخت حکومت پر بیٹھا۔

مقوقس

یہ اسکندریہ کا گورنر اور مصر میں بازنطینی شہنشاہی کا نائب سلطنت (VICEROY) تھا، عرب مورخ زیادہ تر اس کو مقوقس کے نام سے یاد کرتے ہیں، اس کے اصلی نام اور کنیت میں بڑا اختلاف ہے، مورخ ابوصالح جنھوں نے چھٹی صدی ہجری (۱۲۰۰ء) میں اپنی تاریخ قلم بند کی تھی، اس کا ذکر ''جریج بن مینا المقوقس'' کے نام سے کیا ہے، ابن خلدون نے لکھا ہے کہ وہ قبطی تھا، مقریزی نے اس کو ''المقوقس الرومی'' لکھا ہے، جب ایرانیوں نے مصر پر حملہ کیا تو بازنطینیوں کے مقرر کردہ گورنر نے راہِ فرار اختیار کی اس کا نام (JOHN THE ALMONER) تھا، یہ اسکندریہ سے بھاگ کر قبرص پہنچا، اور وہیں اس کی موت ہوئی، اسکے بعد ہرقل نے اس کی جگہ دوسرے نائب سلطنت کو جس کا نام جارج تھا، مقرر کیا اور شاید یہ وہی شخص ہے جس کو عرب جریج کہتے ہیں، اس نے اس کو ملکانی کلیسا کا سربراہ بھی مقرر کیا، بعض مورخین لکھتے ہیں کہ اس کی تقرری ۶۲۱ء میں ہوئی، الفرڈ بٹلر (ALFREDJ BUTLER) لکھتا ہے:۔

> ''عربوں کا خیال تھا کہ جو حاکم بازنطینی حکومت کی طرف سے ایران پر فتح یابی کے بعد مصر کا گورنر مقرر ہوا، اس کا لقب مقوقس تھا، اور وہ ایک وقت میں ملک کا حاکم اور کلیسا کا سربراہ اور مذہبی پیشوا بھی ہوتا تھا، چنانچہ انھوں نے جارج کے لئے (جو وہاں کا نائب سلطنت تھا) یہ لقب تجویز کیا، وہ اس کو ترجیح دیتا ہے کہ مقوقس اس کا اصل نام نہیں بلکہ لقب ہے، جو قدیم قبطی زبان کا لفظ ہے، یہ بھی ممکن ہے کہ ایرانیوں کے مصر پر غلبہ اور اقتدار کے وقت کسی قبطی لاٹ پادری نے کلیسا کی سربراہی اور زمام اقتدار دونوں اپنے ہاتھ میں لے لی ہوگی، تاہم صلحنامہ ۶۲۸ء میں لکھا گیا، اس لئے ممکن ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مکتوب گرامی مقوقس کے نام اسی وقفہ میں پہونچا ہو،

(۱) ایران بعہد ساسانیان، ص ۶۱۱

جب مصر کا حاکم تقریباً خود مختار تھا'' (١)۔

یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے نام کے ساتھ ''عظیم القبط'' قبطیوں کے رہنما اور سردار کے الفاظ بھی لکھے۔

مصر بازنطینی شہنشاہی کی سب سے زرخیز ریاست تھی، اور پیداوار اور آبادی دونوں کے لحاظ سے سب سے آگے تھی، غذائی اجناس دار السلطنت میں یہیں سے سپلائی ہوتی تھیں، فاتح مصر عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ، نے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نامۂ مبارک ارسال کرنے کے چودہ برس بعد وہاں فاتحانہ داخل ہوئے تھے، امیر المومنین عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے نام اپنے خط میں مصر کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے:۔

''مصر کی سرزمین بہت سرسبز و شاداب ہے، اسکا طول ایک مہینہ کی مسافت اور عرض دس دن کی مسافت کے بقدر ہے'' (٢)، اس کی آبادی اور کثرت تعداد کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ جب عمرو بن العاصؓ نے ٢٠ھ مطابق ٦٤٠ء میں فتح مصر کے بعد یہ شمار کرایا کہ جزیہ کے مستحق کون کون لوگ ہیں تو ان کی تعداد ساٹھ لاکھ سے زیادہ نکلی (٣)، رومیوں کی تعداد اس میں ایک لاکھ تھی، حضرت عمرو بن العاصؓ کے خط میں یہ بھی ہے۔

> ''میں نے ایک ایسا شہر فتح کیا ہے، جس کی تعریف میں صرف اتنا لکھتا ہوں کہ مجھے وہاں چار ہزار بلند و مستحکم مقامات نظر آئے جہاں چار ہزار حمام تھے، یہودیوں کی تعداد چالیس ہزار تھی، بادشاہوں کے لئے چار سو تفریح گاہیں تھیں'' (٤)۔

نجاشی

یہ ملک قدیم زمانہ سے حبشہ (ABYSSINIA) ایتھوپیا ETHIOPIA کہلاتا ہے، یہ مشرقی افریقہ کا حصہ ہے، اور بحر احمر کے جنوب مغرب میں واقع ہے، جس زمانہ کا ہم ذکر کر رہے ہیں، اس وقت اس کے حدود کیا تھے، اسکا تعین اس وقت آسان نہیں۔

---

(١) دیکھئے APPENDIX-C, PP. 508-540، ملاحظہ ہو ''عربوں کی فتح مصر'' الفرڈ بٹلر، مصر کے اس گورنر کا نام بعض کتابوں میں الجد کیروس یا قیدس بتایا گیا ہے۔

(٢) النجوم الزاہرۃ، ابن تغری بردی، ج ١، ص ٣٢

(٣) دائرۃ معارف القرن العشرین از محمد فرید وجدی، دیکھئے، مادہ ''مصر'' مصنف کو مختلف ملکوں میں اضافہ آبادی کے تناسب کو دیکھتے ہوئے اس تعداد میں شبہ ہے، اس لئے کہ مصر کے باشندوں کی تعداد اس وقت بھی چالیس ملین سے زائد نہیں۔

یہاں کی حکومت بھی دنیا کی قدیم ترین حکومتوں میں تھی، یہودی مآخذ سے معلوم ہوتا ہے کہ ملکہ سبا حبشہ ہی میں رہتی تھیں، اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی اولاد آج تک حبشہ کی حکمراں ہے، یہود نے ہیکل سلیمانی کی تباہی کے بعد یہاں آباد ہونا شروع کیا، عیسائیت کو چوتھی صدی عیسوی سے وہاں فروغ ہوا، اور جب یمن کے بادشاہ نے اپنے ملک میں عیسائیوں پر مظالم شروع کیے تو جسٹینین اول نے حبشہ کے بادشاہ سے عیسائیوں کی مدد کرنے اور ان مظالم کا سد باب کرنے کا مطالبہ کیا، چنانچہ ۵۲۵ء میں اس نے یمن پر قبضہ کرلیا، اور یمن پر حبشی اقتدار تقریباً ۵۰ سال تک قائم رہا، اسی زمانہ میں حبشہ کی طرف سے یمن کے بادشاہ ابرہہ نے بیت اللہ پر فوج کشی کی اور واقعہ فیل کا ظہور ہوا۔

حبشہ کا دارالسلطنت "AXUM" تھا، کہ ایک آزاد اور خود مختار حکومت تھی، جو کسی غیر ملکی حکومت کے تابع نہ تھی، اور نہ کسی کو خراج اور ٹیکس وغیرہ دیتی تھی، بازنطینی شہنشاہی سے اس کا تعلق صرف مذہبی رشتۂ عیسائیت کی بنیاد پر تھا، اس کا ثبوت صاف طور پر اس سے ملتا ہے کہ بازنطینی فرمانروا جسٹینین نے تیسری صدی کے وسط میں "JULIAN" نامی ایک شخص کو حبش کے دربار شاہی میں اپنا سفیر نامزد کیا (۱)۔

"DE LACY O'LEARY" اپنی کتاب ARABIA BEFORE MOHAMMAD میں لکھتا ہے۔

> ”حبشہ ۵۲۲ء سے لے کر ظہور اسلام تک مشرقی بحر احمر اور افریقہ کی ساری تجارت پر مسلسل قابض رہا، بلکہ شاید وہ ہندوستان کی تجارت پر بھی قابض تھا“۔

حبشہ کے بادشاہ کو ہمیشہ نجاشی (NAGUSA NAGASHI) کہا جاتا تھا، البتہ اس نجاشی کے تعین اور نشاندہی میں مختلف اقوال اور روایتیں آئی ہیں، جس کے نام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا نامۂ مبارک بھیجا تھا، اور اس کو اسلام کی دعوت دی تھی، اس سلسلے میں ہمارے سامنے دو مستقل بالذات اور ایک دوسرے سے ممتاز شخصیتیں ہیں، پہلی وہ شخصیت ہے، جس کے عہد میں مکہ کے مسلمانوں نے ہجرت کی تھی، اور جن میں جعفرؓ بن ابی طالب بھی تھے، یہ نبوت کے پانچویں سال کا واقعہ ہے، یہ بات بہت خلاف قیاس ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت تک مکتوب روانہ فرمادیا ہو، اس لئے کہ اس وقت کے حالات اس کی بالکل اجازت نہیں دیتے تھے، اور اس کام کا وقت ابھی نہ آیا تھا، آپؐ نے ہجرت سے قبل کسی بادشاہ کو کوئی مکتوب روانہ فرمایا ہو اور اسلام قبول کرنے کی

---

(۱) A. H. M. JONES & ELIZABETH MONROE : A HISTORY OF ABYSSINIA (OXFORD)

دعوت دی ہو، اس کا کوئی سراغ ہمیں نہیں ملتا، زیادہ سے زیادہ جو بات ملتی ہے وہ یہ کہ اس موقع پر آپ ؐ نے اس سے ان مسلمانوں کو پناہ دینے کی فرمائش کی، جو قریش کے مظالم سے تنگ آچکے تھے، ابن ہشام اور دوسرے مصنفین نے اس باب میں جو کچھ لکھا ہے، اس سے اتنا ضرور اندازہ ہوتا ہے کہ ایمان اس کے دل میں اتر چکا تھا، اور وہ اس بات کو تسلیم کرتا تھا کہ عیسیٰ بن مریم علیہ الصلاۃ والسلام اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں، اور اس کا حکم ہیں، جو اس نے مریمؑ پر القاء کیا تھا۔

جہاں تک اس نجاشی کا تعلق ہے، جس کو آپ ؐ نے دعوتِ اسلام پر مشتمل اپنا مکتوب روانہ فرمایا، وہ حافظ ابن کثیر کے رجحان کے مطابق وہ نجاشی ہے، جو ان مسلم نجاشی کے بعد والی ہوا، جن سے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کو سابقہ پڑا تھا، ابن کثیر کہتے ہیں ''یہ بات اس وقت پیش آئی، جب آپ ؐ نے فتح مکہ سے قبل روئے زمین کے سلاطین کو خطوط لکھے، اور ان کو دین حق کی دعوت دی' ہمارے نزدیک قابل ترجیح قول یہی ہے کہ یہی وہ نجاشی تھا، جس نے اسلام قبول کیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو اس کی وفات کی خود اطلاع فرمائی، اور اس کے لئے دعائے مغفرت کی، ابی نے واقدی اور دوسرے سیرت نگاروں سے روایت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ''یہ وہی نجاشی ہے، جس کے لئے آپ ؐ نے دعائے مغفرت فرمائی'' یہ واقعہ تبوک سے واپسی پر رجب ۹ ھ میں پیش آیا تھا۔

اس طرح ان مختلف روایات کی تصدیق ہو جاتی ہے، اور قرائن سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، واللہ اعلم۔

ان سلاطین نے نامہائے مبارک کے ساتھ کیا معاملہ کیا؟

''ہرقل'' ''نجاشی'' اور ''مقوقس'' ان تینوں نے مکاتیب نبوی کے ساتھ ادب کا معاملہ کیا، ان کی طرف سے ان کے جواب میں تواضع اور احترام تھا، نجاشی اور مقوقس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قاصدوں کا بہت اکرام کیا، مقوقس نے آپ کو ہدایا بھی بھیجے، ان میں دو باندیاں بھی تھیں جن میں ایک کا نام ماریہ تھا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے ابراہیم ان ہی کے بطن سے تھے۔

جہاں تک کسریٰ پرویز کا تعلق ہے، اس نے نامۂ مبارک سنتے ہی چاک کر ڈالا، اور بولا ''میرا غلام ہو کر مجھ کو یوں لکھتا ہے'' (۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی تو آپ ؐ نے فرمایا:

---

(۱) نظامی گنجوی نے جو ایران کے باایمان مسلمان شاعر تھے شاہ ایران کی اس گستاخی کو اپنے اس شعر میں بڑی لطافت کے ساتھ ادا کیا ہے، وہ کہتے ہیں:۔

دریداں نامۂ گردن شکن را　　　　نہ نامہ بلکہ نام خویشتن را

’’اللہ اس کے ملک کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے‘‘(۱)

کسریٰ نے یمن کے حاکم باذان کو اس کا حکم دیا کہ آپ کو حاضر کیا جائے، اس نے بابویہ کو آپؐ کے پاس بھیجا اور یہ کہلوایا کہ شہنشاہ کسریٰ نے باذان کو ہدایت کی ہے کہ کسی کو بھیج کر آپ کو وہاں حاضر کیا جائے، انھوں نے مجھے اس لئے بھیجا ہے کہ آپؐ میرے ساتھ چلیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو یہ اطلاع دی کہ ’’اللہ تعالیٰ نے کسریٰ پر اس کے بیٹے شیرویہ کو مسلط کر دیا ہے، جس نے اس کو قتل کر دیا ہے(۲)، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو خبر دی تھی وہ حرف بحرف صحیح نکلی، کسریٰ کے تخت پر اس کا لڑکی ’’قباذ‘‘ جس کا لقب ’’شیرویہ‘‘ تھا، قابض ہوا، کسریٰ اسی کے اشارے پر ۶۲۸ء میں قتل کیا گیا، اس کی موت کے بعد ملک کا شیرازہ منتشر ہو گیا، اور حکمراں خاندان کے ہاتھ سلطنت ایک کھلونا بن گئی، شیرویہ بھی چھ ماہ سے زیادہ حکومت نہ کر سکا، اور اس کے تخت پر چار سال کے اندر یکے بعد دیگرے دس بادشاہ متمکن ہوئے، سلطنت کی چولیں ہل گئیں، آخر میں یزدگرد پر سب کا اتفاق ہوا، اور اس سلطنت کا تاج اس کے سر پر رکھا گیا، یہ ساسانی خاندان کا آخری فرمانروا تھا، اور اس کو اسلامی افواج کا سامنا کرنا پڑا تھا، جنھوں نے بالآخر سلطنت آل ساسان کی قسمت پر مہر لگا دی اور اس سلطنت کا جس کا چار سو سال تک دنیا میں ڈنکا بجتا رہا چراغ گل ہو گیا، یہ واقعہ ۶۳۷ء میں پیش آیا اور اس طرح یہ پیشین گوئی آٹھ سال کے اندر اندر پوری ہو گئی (۳)، اور آپؐ کی پیشین گوئی کا دوسرا جزو بھی پورا ہوا کہ ’’اذا هلك كسرىٰ فلا كسرىٰ بعدهٗ‘‘(۴)

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ایران کا وارث و حاکم بنا دیا، اہل ایران کو اسلام کی ہدایت دی، ان میں علم و دین کے بڑے بڑے امام اور اسلام کی غیر معمولی شخصیتیں پیدا ہوئیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا بالکل صحیح ثابت ہوا کہ:۔

لو كان العلم بالثريا لتنا وله انا من ابناء فارس(۵)

---

(۱) صحیح بخاری باب ’’كتاب النبي صلى الله عليه وسلم الىٰ كسرىٰ وقيصر‘‘ کسریٰ کے نام کا فرمان مبارک جو دستیاب ہوا ہے، اس میں چاک کا نشان اب بھی موجود ہے جو درمیان میں سے اوپر سے نیچے کی طرف دائیں طرف جھکتا ہوا ہے، اور اس کو سی دیا گیا ہے، یہ فرمان مبارک شیشہ میں فریم کیا ہوا حکومت لبنان کے ایک سابق وزیر ہیزی فرعون کے پاس محفوظ ہے، (مقالہ ڈاکٹر عز الدین ابراہیم پیش کردہ سیرت کانفرنس، دوحہ، ربیع الاول ۱۴۰۰ھ بحوالہ مقالہ ڈاکٹر صلاح الدین المنجد، شامل جریدہ ’’الحیاۃ‘‘)

(۲) تاریخ طبری، ج ۳ ص ۹۰۔۹۱

(۳) ایران بعہد ساسانیان تلخیص از باب نہم و باب دہم ’’ساسانی سلطنت کا دور آخر‘‘

(۴) یہ اس روایت کے الفاظ ہیں جو مسلم نے ابن عیینہ سے نیز امام شافعی نے اپنی سند سے بیان کی ہے۔ ابن کثیر، ج ۴، ص ۵۱۳

(۵) مسند امام احمد، ج ۲، ص ۳۹۹

اگر علم ثریا پر بھی ہوگا تو کچھ ایرانی نژاد لوگ حاصل کر کے رہیں گے۔

ہرقل اور ابوسفیان کا مکالمہ

ہرقل نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں صحیح معلومات حاصل کرنے اور صحیح حقائق سے آگاہ ہونے کی کوشش کی اور کسی ایسے شخص کی جستجو کی جو آپ کے بارے میں صحیح رپورٹ دے سکے، حسن اتفاق سے ابوسفیان اس وقت غزّہ میں موجود تھے، اور تجارت کی غرض سے آئے ہوئے تھے، ان کو شاہی دربار میں لایا گیا، بادشاہ کے سوالات ایک ایسے دانشمند، واقف اور تجربہ کار شخص کے سوالات تھے، جو تاریخ مذاہب، انبیاء کے خصائص اور سیرت، ان کی قوموں کا ان سے معاملہ، اللہ تعالیٰ کی سنت سے بخوبی واقف ہو، ابوسفیان نے بھی قدیم عربوں کی طرح اس شرم سے کہ لوگ ان کو غلط بیانی کرنے والا نہ کہیں، ان سوالات کا بالکل صحیح صحیح جواب دیا۔

یہ مکالمہ درج ذیل ہے:۔

ہرقل: ان کا نسب کیسا ہے؟

ابوسفیان: وہ ہم میں عالی نسب سمجھے جاتے ہیں۔

ہرقل: کیا جو بات وہ کہتے ہیں ان سے پہلے بھی کسی نے کہی تھی۔

ابوسفیان: نہیں۔

ہرقل: اس خاندان میں کوئی بادشاہ گذرا ہے؟

ابوسفیان: نہیں۔

ہرقل: کیا صاحب اثر لوگوں نے ان کا اتباع کیا ہے یا کمزوروں نے؟

ابوسفیان: کمزور لوگوں نے۔

ہرقل: ان کے پیرو بڑھ رہے ہیں یا گھٹتے جاتے ہیں؟

ابوسفیان: بڑھتے جاتے ہیں۔

ہرقل: کیا کوئی ان کے دین میں داخل ہونے کے بعد دین کو ناپسند کر کے پھر بھی جاتا ہے؟

ابوسفیان: نہیں۔

ہرقل: کیا ان کے اس دعوے سے پہلے بھی تم نے کبھی ان پر جھوٹ کا تجربہ کیا ہے؟

ابوسفیان: نہیں۔

ہرقل: کیا وہ عہد وقرار کی خلافت ورزی بھی کرتے ہیں؟

ابوسفیان: ابھی تک تو نہیں کی، لیکن اب جو نیا معاہدہ صلح ہے اس میں دیکھیں وہ عہد پر قائم رہتے ہیں یا نہیں؟

ہرقل: تم لوگوں نے ان سے کبھی جنگ بھی کی؟

ابوسفیان: ہاں!

ہرقل: نتیجۂ جنگ کیا رہا؟

ابوسفیان: جنگ کا پانسہ ہمارے اور انکے درمیان پلٹتا رہتا ہے، کبھی ہم غالب آتے ہیں، کبھی وہ۔

ہرقل: وہ کیا تعلیم دیتے ہیں؟

ابوسفیان: وہ کہتے ہیں کہ ایک خدا کی عبادت کرو، کسی اور کو خدا کا شریک نہ بناؤ، نماز پڑھو، پاکدامنی اختیار کرو، سچ بولو، صلہ رحمی کرو۔

ہرقل نے مترجم سے کہا کہ ان سے کہو کہ ہم نے تم سے ان کے نسب کی بابت دریافت کیا تو تم نے بتایا کہ وہ تم میں شریف النسب ہیں، پیغمبر اچھے ہی خاندانوں میں پیدا ہوتے ہیں۔ میں نے تم سے دریافت کیا کہ کیا اس خاندان میں کسی اور نے بھی نبوت کا دعویٰ کیا تھا، تو تم نے کہا کہ نہیں، اگر ان سے پہلے کسی نے یہ دعویٰ کیا ہوتا تو میں کہتا کہ وہ اسی کی نقل کر رہے ہیں۔ میں نے تم سے پوچھا کہ کیا ان کے خاندان میں کوئی بادشاہ گذرا ہے، تم نے کہا نہیں، اگر کوئی بادشاہ گذرا ہوتا تو میں کہتا کہ اپنے خاندان کی بادشاہت کے طالب ہیں۔ میں نے دریافت کیا کہ کیا تم ان کو اس دعوت سے پہلے بھی کبھی جھوٹا کہتے تھے، تم نے کہا نہیں، میں جانتا ہوں کہ یہ ناممکن تھا کہ وہ لوگوں سے تو جھوٹ نہ بولیں اور اللہ پر جھوٹ باندھیں۔ میں نے تم سے دریافت کیا کہ شرفاء و بااثر لوگ ان کے متبع ہیں یا غریب اور کمزور، تم نے کہا کمزوروں نے ہی ان کی پیروی کی ہے، پیغمبروں کے (ابتدائی) پیرو ہمیشہ غریب ہی لوگ ہوتے ہیں۔ میں نے تم سے دریافت کیا کہ ان کے پیرو بڑھتے جاتے ہیں یا گھٹتے جاتے ہیں، تم نے کہا کہ بڑھتے جاتے ہیں، ایمان کا یہی معاملہ ہے (کہ بڑھتا جاتا ہے) یہاں تک کہ کمال کو پہونچ جائے، میں نے تم سے پوچھا کہ کوئی ان کے دین سے ناراض ہوکر مرتد بھی ہو جاتا ہے، تم نے کہا نہیں، ایمان کا حال یہی ہوتا ہے، جب دلوں کو اس کی چاشنی حاصل ہو جاتی ہے تو وہ نکلتا نہیں ہے۔ میں نے تم سے پوچھا کہ کیا وہ عہد و پیمان کی خلاف ورزی بھی کرتے ہیں، تم نے کہا نہیں، پیغمبر اسی طرح خلاف ورزی نہیں کرتے، اور میں نے تم سے دریافت کیا کہ وہ کیا سکھاتے ہیں، تم نے بتایا کہ وہ تم کو یہ

سکھاتے ہیں کہ تم اللہ کی عبادت کرو، اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرو، اور تم کو بتوں کی پوجا سے روکتے ہیں، نماز، سچائی، پاکدامنی کی تعلیم دیتے ہیں، اگر تمہارا کہنا سچ ہے تو عنقریب اس وقت جہاں میرے قدم ہیں، وہاں تک ان کا قبضہ ہو جائے گا، مجھ کو یہ ضرور خیال تھا کہ ایک پیغمبر آنے والا ہے، لیکن یہ خیال نہ تھا کہ وہ عرب میں پیدا ہوگا، اگر میں وہاں جاسکتا تو ضرور ان کی ملاقات کے لئے جاتا، اور اگر میں ان کے پاس ہوتا تو ان کے پاؤں دھوتا (۱)۔

ہرقل نے ارکان سلطنت اور اعیان قوم کو محل میں طلب کیا، اور دروازے بند کروا دیئے، پھر حاضرین کی طرف متوجہ ہو کر اس نے کہا: اے اہل روم! کیا تم خیر و فلاح چاہتے ہو؟ اور چاہتے ہو کہ تمہارا ملک باقی رہے اگر ایسا ہے تو تم اس نبی کے ہاتھ پر ایمان لے آؤ، حاضرین تیزی سے دروازوں کی طرف بھاگے تو ان کو بند پایا، جب ہرقل نے ان کی برہمی دیکھی، اور ان کے ایمان لانے سے مایوس ہو گیا تو اس نے حکم دیا کہ ان کو واپس لاؤ، اور کہا کہ ابھی میں نے جو بات کہی تھی، وہ اس لئے کہی کہ اپنے دین پر تمہاری مضبوطی کا امتحان لوں، میں نے یہ دیکھ لیا تو سب نے اس کے سامنے پیشانی ٹیک دی، اور اس سے خوش ہو گئے (۲)۔

غرض ہرقل نے سعادت و نجات کا یہ زریں موقع کھو دیا اور اس ابدی دولت پر فانی سلطنت کو ترجیح دی، جس کا انجام یہ ہوا کہ عہد فاروقی میں اس کو اس سے بھی ہاتھ دھونا پڑا (۳)۔

اریسی کون تھے؟

"اریسین" یا "یریسین" کا لفظ روایات کے اختلاف کے باوجود صرف اس خط میں آیا ہے، جو ہرقل کے نام لکھا گیا، اس کے علاوہ جتنے مکاتیب سلاطین کو آپؐ نے روانہ فرمائے کسی میں یہ لفظ ہمیں نہیں ملتا، علماء حدیث اور علماء لغت کا اس لفظ کے اصلی مفہوم کے بارے میں خاصا اختلاف ہے، مشہور قول یہ ہے کہ "اریسین" "اریسی" کی جمع ہے، اور وہ خدمت گاروں، شاگرد پیشہ اور کاشتکاروں کے لئے آتا ہے (۴)۔

ابن منظور نے بھی "لسان العرب" میں اس کو کاشتکاروں کے ہم معنی قرار دیا ہے، اور اس کو امام لغت ثعلب سے نقل کیا ہے، ابن الاعرابی کے قول کا حوالہ دیتے ہوئے بھی اس مادہ کے یہی معنی لکھے ہیں، اور ابو عبیدہ کا قول نقل کیا ہے کہ "میرے نزدیک اریس سردار اور بڑے کو کہتے ہیں، جس کے حکم کی تعمیل کی جائے اور جب وہ اطاعت چاہے تو اس کی اطاعت کی جائے" (۵)۔

(۱،۲،۳) الجامع الصحیح للبخاری، ج۱، باب "كيف كان بدأ الوحي الى رسول الله صلى الله عليه وسلم"۔
(۴) دیکھئے شرح مسلم للنووی اور "مجمع بحار الانوار" از علامہ محمد طاہر پٹنی۔
(۵) دیکھئے "لسان العرب" "مادہ" "ارس"۔

اس موقع پر ایک پڑھا لکھا آدمی جس کی ان ملکوں کے خصائص وحالات پر نظر تھی، یہ سوال کرسکتا ہے کہ اگر اریسین سے مراد کاشتکار تھے تو شہنشاہ ایران کسریٰ پرویز اس کا زیادہ مستحق تھا کہ اس کو ان کے بارے میں اس کی ذمہ داری سے آگاہ کیا جاتا اور یہ لفظ اس خط میں آتا جو کسریٰ کے نام بھیجا گیا، اس لئے کہ کاشتکاروں کا طبقہ سلطنت ساسانی میں بازنطینی سلطنت کے مقابلہ میں زیادہ وسیع اور نمایاں تھا، اور ایران کی قومی آمدنی اور ذرائع معیشت کا زیادہ تر انحصار زراعت پر تھا، جیسا کہ ازہری نے اس کی طرف اشارہ کیا ہے، اور ابن منظور نے ان کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ:۔

''سوادعراق کے لوگ جو کسریٰ کے دین پر تھے، زراعت پیشہ اور کاشتکار تھے، اہل روم ساز وسامان کی تیاری اور صنائع کا پیشہ کرتے تھے، اور اس لئے وہ مجوس کو اریسین کہتے تھے، اریس کی طرف نسبت کرتے ہوئے جس کے معنی کاشتکار کے ہیں عرب بھی ایرانیوں کو ''فلاحین'' کاشتکار کے لقب سے یاد کرتے تھے'' (۱)۔

ان سب وجوہ سے ہمارے نزدیک ترجیح اس قول کو ہے کہ اریسین سے مراد اریوس مصری (ARIUS, 280-336) کے پیرو ہیں، جو ایک مستقل مسیحی فرقہ کا بانی تھا، جس نے مسیحی عقائد اور اصلاح کے شعبہ میں ایک خاص کردار ادا کیا، اس فرقے نے بازنطینی سلطنت اور مسیحی کلیسا کو عرصۂ دراز تک پریشان رکھا تھا ''اریوس'' وہ شخص ہے، جس نے توحید کا نعرہ بلند کیا اور خالق ومخلوق (عیسائیوں کے الفاظ میں) ''باپ بیٹے'' کے درمیان فرق کرنے کی دعوت دی، اس نے اس موضوع پر بحث ومباحثہ کا دروازہ کھول دیا اور عیسائی معاشرہ میں صدیوں تک یہی موضوع رہا، اس کے خیالات کا خلاصہ یہ ہے کہ خدائے واحد کی یہ شان نہیں ہے کہ وہ زمین پر ظاہر ہو، اس لئے اس نے حضرت مسیحؑ کو قوت اور کلام الٰہی سے بھر دیا خدا کے بنیادی صفات میں وحدانیت اور ابدیت ہے اور اس نے اپنی ذات سے براہ راست کسی کو پیدا نہیں کیا (جنا نہیں) بیٹا خود ''خدا'' نہیں ہے بلکہ امر رب کی حکمت کا ایک مظہر ہے، اور اس کی الوہیت اضافی ہے نہ کہ مطلق (۲)۔

جیمس میکنین (JAMES-MACKINON) اپنی کتاب ''مسیح سے قسطنطین تک'' میں لکھتا ہے:۔

''اریوس'' کا اصرار تھا کہ تنہا اللہ کی ذات قدیم ہے، ازلی ابدی ہے اس کا کوئی شریک نہیں، وہی ہے جو بیٹے کو عدم سے وجود میں لایا، اس لئے بیٹا ازلی نہیں ہے، اللہ

---

(۱) دیکھئے ''لسان العرب'' مادہ ''ارس''۔

(۲) تفصیل کے لئے دیکھئے، انسائیکلو پیڈیا مذاہب واخلاق، جلد ۱، مقالہ ARIANISM، ص ۷۷۷

ہمیشہ سے باپ نہیں ہے، چنانچہ ایک زمانہ ایسا گذرا ہے کہ بیٹے کا وجود ہی نہ تھا، بیٹا اپنی ایک مستقل حقیقت رکھتا ہے، جس میں اللہ اسکا شریک نہیں، وہ تبدیلیوں اور انقلاب سے متاثر بھی ہوتا ہے، اور وہ صحیح معنی میں خدا کہلانے کا مستحق نہیں، ہاں اس کو کامل قرار دیا جاسکتا ہے، لیکن وہ بہر حال ایک کامل مخلوق ہے''(۱)۔

دوسری طرف اسکندریہ کا کلیسا چوتھی صدی عیسوی میں حضرت مسیحؑ کی الوہیت کا مطلق طریقہ سے قائل تھا، اور اس کے نزدیک خالق ومخلوق اور باپ بیٹے میں کوئی تفریق نہ تھی۔

اس کو مصری کلیسا کے لاٹ پادری الیکزنڈر (ALEXANDER) نے ۳۲۱ء میں اسکندریہ کے کلیسا سے بے دخل کر دیا'' اریوس شہر چھوڑ کر چلا گیا، لیکن اس کی بے دخلی سے یہ جھگڑا ختم نہیں ہوا، شہنشاہ قسطنطین نے اس نزاع کو ختم کرانے کی کوشش کی، لیکن اس میں کامیابی نہیں ہوئی، ۳۲۵ء میں اس نے نیقیہ NICAEA میں ایک کانفرنس بلائی جس میں دو ہزار تیس پادری شریک ہوئے، شہنشاہ کا رجحان الوہیت مسیحؑ کی طرف تھا، اس لئے اس نے اریوس کے خلاف فیصلہ دیا، اس کے باوجود نمائندوں کی اکثریت اریوس کی مؤید تھی، اور صرف تین سو اٹھارہ پادری بادشاہ کے ساتھ تھے، تاہم اس نے اریوس کو الیریا (ILLYRIA) میں جلاوطن کر دیا، اور اس کی سب تحریریں جلا دی گئیں، جس کے پاس اس کی کوئی تحریر ملتی اس کو سخت سزا دی جاتی، لیکن ان کوششوں سے اریوس کی اہمیت اور لوگوں میں اس کی ہر دلعزیزی اور مقبولیت ختم نہ کی جاسکی۔

آخر کار قسطنطین ہی کو اپنا رویہ نرم کرنا پڑا، اور اس نے اس کے عقیدہ سے پابندی اٹھالی، اپنے سب سے بڑے حریف ورقیب الیکزنڈر کی موت اور اس کے جانشین ATHANASIUS کی جلاوطنی کے بعد اریوس اسکندریہ پھر واپس آگیا، قریب تھا کہ قسطنطین اس کو مصری کلیسا کا سربراہ مقرر کر دے، اور اس کا مذہب قبول کر لے، لیکن موت نے اس کا موقع نہیں دیا (۲)۔

''ڈریپر'' نے اپنی کتاب ''معرکۂ مذہب وسائنس'' میں لکھا ہے کہ تیرہ مسیحی مجالس نے چوتھی صدی عیسوی میں اریوس کے خلاف فیصلہ دیا تھا، پندرہ مسیحی مجالس نے اس کی تائید کی تھی، سترہ مسیحی مجالس نے جو رائے ظاہر کی وہ اس کی رائے کے بہت قریب تھی، اس طرح ۴۵ مسیحی مجالس، اس مسئلہ پر غور وفیصلہ کرنے کے لئے منعقد کی گئیں۔

واقعہ یہ ہے کہ مسیحی دنیا میں چوتھی صدی سے قبل عقیدۂ تثلیث کا عام رواج نہیں

---

(۱) "FROM CHRIST TO CONSTANTINE"- (LONDON, 1936)

(۲) انسائیکلوپیڈیا مذہب واخلاق مقالہ "ARIANISM"

ملتا ''نیو کیتھولک انسائیکلوپیڈیا'' میں آتا ہے کہ:۔

> ''عقیدۂ تثلیث کی تشکیل جدید اور اس کے راز سے پردہ صرف انیسویں صدی کے نصف ثانی میں ہی اٹھ سکا، مطلق عقیدۂ توحید پر اگر کوئی گفتگو کرتا ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ مسیحی تاریخ کے آغاز سے چوتھی صدی کی آخری چوتھائی تک منتقل ہو جاتا ہے، یہ کہ ایک معبود کے تین مظاہر ہیں، مسیحی دنیا میں یہ نظریہ اسی مخصوص تاریخی وقفہ میں پھیلا تھا''(۱)

یہ عقیدہ و دعوت الوہیت مسیح کی کھلی ہوئی دعوت کے ساتھ ہمیشہ برسرِ پیکار رہی، کبھی اس کا پلڑا بھاری ہوتا، کبھی اس کا، بازنطینی مملکت کی مشرقی ریاستوں میں عیسائیوں کی بہت بڑی تعداد اریوس کے عقیدہ کی حامل تھی، یہاں تک کہ تھیوڈوس THEOSODIUS THE GREAT نے قسطنطنیہ میں عیسائی کانفرنس طلب کی، جس نے الوہیت مسیحؑ اور ان کے خدا کا بیٹا ہونے کے عقیدہ کو باقاعدہ منظور کرلیا، اور اس کے اعلان کے بعد اریوس عقیدہ کی دعوت ختم ہوگئی، اور یہ تحریک نظروں سے اوجھل ہوگئی، تاہم عیسائیوں کی ایک جماعت اس کے بعد بھی اس سے وابستہ رہی، اور یہ لوگ ''فرقۂ اریسہ'' یا ''اریسین'' کے نام سے مشہور ہوئے۔

اس لئے قابل ترجیح اور قرین قیاس یہی قول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس جملہ سے ''فان تولیت فان علیک اثم الاریسین'' سے مراد یہی ہے، اسلئے کہ اس وقت کی مسیحی دنیا میں جس کی زمام قیادت عظیم بازنطینی مملکت کے ہاتھ میں تھی اور جس کا سربراہ ہرقل تھا، یہی فرقہ نسبتاً توحید کا حامل اور اس پر اب تک قائم تھا۔

عجیب بات یہ ہے کہ عصر اول کے بعض جلیل القدر علماء اسلام نے بھی اسی رجحان کا اظہار کیا ہے، امام طحاویؒ (م ۳۲۱ھ) اپنی کتاب ''مشکل الآثار'' میں لکھتے ہیں:۔

> ''بعض حقائق آگاہ علماء نے بیان کیا ہے کہ ہرقل کی جماعت میں ایک فرقہ تھا، جس کو ''اریسیہ'' کہتے تھے، یہ توحید الٰہ اور حضرت مسیحؑ کی عبدیت کا قائل تھا، نصاریٰ مسیحؑ کی ربوبیت کے بارے میں جو کچھ کہتے تھے، یہ فرقہ اس کو تسلیم نہیں کرتا تھا، یہ دین مسیحؑ پر قائم تھا، اور انجیل میں جو کچھ تھا، اس پر عمل پیرا تھا، نصاریٰ اس سے آگے بڑھ کر جو کچھ کہتے تھے، وہ اس پر ایمان نہ رکھتا تھا اگر یہ بات صحیح ہے تو اس فرقہ کو ''اریسیون'' رفع کے ساتھ اور ''اریسین'' نصب اور جر کے ساتھ کہنا دونوں جائز ہے، جیسا کہ علماء

---

(۱) "THE NEW CATHOLIC ENCYCLOPAEDIA" مقالہ ''تثلیث مقدس'' ج ۱۴، ص ۲۹۵

حدیث کا خیال"(۱)۔

اسی کے قریب قریب رائے امام نوویؒ شارح مسلم (م۶۷۶ھ) نے بھی ظاہر کی ہے، وہ کہتے ہیں:۔

"دوسرا قول یہ ہے کہ وہ یہود و نصاریٰ ہیں، جو عبداللہ بن اریس (۲) کے ماننے والوں میں تھے، جس کی طرف اروسیت کو منسوب کیا جاتا ہے"(۳)۔

مکاتیب بنام امرائے عرب

امرائے عرب میں آپؐ نے منذر بن ساوی (حاکم بحرین)(۴) جیفر بن الجلند ا بن عبدالجلند ازدی (۵) (امرائے عمان) اور حوذہ بن علی (۶) (حاکم یمامہ) اور حارث بن شمر الغسانی کے نام مکاتیب ارسال کیے (۷)، منذر بن ساوی نیز جلندا کے دونوں بیٹوں جیفر اور عبد نے اسلام

---

(۱) مشکل الآثار، ج۲، ص۳۹۹

(۲) یہ امام نووی کی فروگذاشت معلوم ہوتی ہے، اس لئے کہ ظہور اسلام سے تین سو برس قبل اس کا وجود تھا، اور اس کا نام بھی کوئی اسلامی عربی نام نہ تھا۔

(۳) شرح صحیح مسلم للنووی، ج۲، ص۹۸

(۴) بحرین نجد کے اس خطہ کو کہتے ہیں جس کا نام اب "الاحساء" ہے، حضرت ابوعبیدہ کی قیادت میں جو لشکر بھیجا گیا تھا، اور جس میں عظیم مچھلی کے ہاتھ آنے کا واقعہ پیش آیا، وہ اسی سمت روانہ کیا گیا تھا، اور احادیث صحیحہ میں اس موقع پر "البحرین" ہی کا لفظ آتا ہے، یہیں سے بڑی مقدار میں مال غنیمت بھی آیا تھا، جس کا ذکر احادیث میں آتا ہے، اب یہ نام یہاں سے منتقل ہوکر جزیرۃ العرب کے اس حصہ کی طرف منتقل ہوگیا، جو خلیج کی ریاستوں میں ایک ریاست ہے، جو بحرین کے نام سے مشہور ہے، اس کے زیادہ تر باشندے بنی عبدالقیس، بنی بکر بن وائل اور تمیم کے قبائل سے تھے، ان مکتوبات کی تحریر کے وقت وہاں کا والی اور حاکم منذر بن ساوی تھا، جو بنی تمیم کے قبیلہ کا فرد تھا، ان مکتوبات کے متن کے لئے جو ملوک و امرائے عرب اور رؤسائے قبائل کو تحریر کیے گئے اور ان کے نامہ بروں اور مکتوب الیہم کے بارے میں معلومات کے لئے ملاحظہ ہو کتاب: "اعلام السائلین عن کتب سید المرسلین" (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تالیف امام محمد بن طولون دمشقی (۸۸۰۔۹۵۳ھ) طبع مؤسسۃ الرسالۃ۔

(۵) مؤرخین کے بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ الجلندا کسی خاص شخص کا نام نہیں تھا، وہ ایک لقب تھا، جس کے معنی اہل عمان کی زبان میں سردار یا مذہبی پیشوا کے تھے، ان میں اول الذکر بادشاہ عمر میں اپنے بھائی سے بڑا تھا (ملاحظہ ہو"نہایۃ الارب" و"تاریخ العرب قبل الاسلام")

(۶) (حوذہ بن علی الحنفی) یمامہ کا بادشاہ تھا، اور دین عیسائیت پر تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلیط بن عمرو کو اسی کے پاس بھیجا تھا، یمامہ کے حدود اس وقت مشرق میں بحرین سے ملتے تھے، اور مغرب میں حجاز سے جا ملتے تھے، یمامہ کے مقامات میں (منفوحۃ) بھی ہے، جو اعشیٰ جاہلی شاعر کا وطن ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بنوحنیفہ وہاں کے نمایاں قبائل میں تھے، انھیں میں مسیلمہ بن حبیب پیدا ہوا تھا جس کا لقب دعوائے نبوت کی وجہ سے کذاب پڑ گیا۔

(۷) تاریخ طبری، ج۳، ص۸۴۔۸۵

قبول کرلیا، حوذہ بن علی حاکم یمامہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ اس کو اقتدار میں شریک کیا جائے، آپ نے انکار فرمایا اور اس کے بعد جلد اس کی موت ہوگئی (۱)۔

غزوہ بنی لحیان اور غزوہ ذی قرد

صلح حدیبیہ (۶ھ) اور غزوۂ خیبر کے درمیان، غزوہ بنی لحیان اور غزوۂ ذی قرد واقع ہوئے (۲)، جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنفس نفیس تشریف لے گئے، اور ابن مکتوم کو مدینہ کا والی مقرر کیا، پہلے غزوہ کا سبب واقعہ رجیع کے افراد خبیب بن عدی اور ان کے ساتھیوں کے خون کا مطالبہ وجواب تھا، اور دوسرے کا سبب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جنگل میں چرنے والی اونٹنیوں پر مشرکین کی غارتگری، بنی غفار کے ایک آدمی کا قتل اور ان کی بیوی کا اغوا تھا (۳)۔

---

(۱) زادالمعاد، ج۲، ص۵۸

(۲) صحیح مسلم میں سلمۃ بن الاکوعؓ کی روایت جسے ابن حجر نے فتح الباری میں ترجیح دی ہے، اصحاب سیر متفق ہیں کہ غزوۂ ذی قرد صلح حدیبیہ سے پہلے ہوا ہے۔

(۳) سیرت ابن ہشام، ق۲، ص۲۷۹۔۲۸۹

غزوۂ خیبر
(۷ھ)

اللہ کا انعام

اللہ تعالیٰ نے حدیبیہ میں بیعت رضوان کے شرکاء کو جنھوں نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کی تھی، اور اللہ تعالیٰ کے حکم اور ارشاد کو اپنی خواہش نفس، اپنی رائے اور فہم پر مقدم رکھا تھا، فتح قریب اور مال کثیر کی بشارت دی اور ارشاد ہوا:۔

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا، وَّمَغَانِمَ كَثِيْرَةً يَّاْخُذُوْنَهَا، وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا۔ (سورہ الفتح ۱۸۔۱۹)

(اے پیغمبر) جب مومن تم سے درخت کے نیچے بیعت کر رہے تھے تو خدا ان سے خوش ہوا اور جو (صدق و خلوص) ان کے دلوں میں تھا وہ اس نے معلوم کر لیا، ان پر تسلی نازل فرمائی انھیں جلد فتح عنایت کی، اور بہت سی غنیمتیں جو انھوں نے حاصل کیں، اور خدا غالب حکمت والا ہے۔

ان فتوحات کا مقدمہ اور پیش خیمہ غزوہ خیبر تھا، ''خیبر'' ایک یہودی نو آبادی تھی، جس میں بڑے مستحکم قلعے تھے (۱)، یہ یہود کا جنگی مستقر اور جزیرۃ العرب میں ان کا آخری قلعہ تھا، یہ یہودی مسلمانوں کے خلاف برابر ریشہ دوانیوں میں مصروف رہتے، اور اس بات کو کسی وقت نہ بھولتے کہ ان کے دوسرے بھائیوں کے ساتھ کیا ہوا ہے، وہی سب کچھ ان کے ساتھ بھی پیش آسکتا ہے، وہ قبیلہ غطفان کے ساتھ مل کر مدینہ طیبہ پر حملہ کی سازش کر رہے تھے (۲)، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی

---

(۱) ان قلعوں میں ناعم، قموص، اور حصن الشق، حصن نطاۃ، حصن السلالم، حصن الوطیح، حصن الکتیبہ زیادہ مشہور تھے، یعقوبی نے لکھا ہے کہ خیبر میں پچیس ہزار جنگجو موجود تھے (ج ۲، ص ۵۶، منقول از کتاب ''صحابہ و تابعین'' از مولوی مجیب اللہ ندوی، ناشر دار المصنفین اعظم گڑھ)

(۲) مشہور انگریز مستشرق W. MONTGOMERY WATT اپنی کتاب 'MOHAMMAD PROPHET AND STATESMAN' (محمد صلی اللہ علیہ وسلم بحیثیت پیغمبر اور سیاستداں) میں لکھتا ہے کہ ''خیبر کے یہود اور خاص طور پر قبیلہ بنی النضیر کے وہ سردار جن کو............ (بقیہ اگلے صفحہ پر)

ارادہ فرمالیا کہ اب ان سے اوران کی سازشوں سے نجات حاصل کرلی جائے، اوراس محاذ کی طرف سے اطمینان اوریکسوئی حاصل ہو، یہ علاقہ مدینہ کے شمال مشرق میں ستر میل کی مسافت پر واقع تھا۔

لشکر اسلام نبی کی قیادت میں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ سے نکل کر مدینہ میں ذی الحجہ کا پورا مہینہ اور محرم کا کچھ حصہ قیام فرمایا اوراس کے بعد خیبر کی طرف رخ کیا۔

عامر بن الاکوع رضی اللہ عنہ لشکر کے ساتھ تھے، اور یہ رجزیہ اشعار پڑھتے جاتے تھے:

واللہ لو لا اللہ ما اهتدينا ولا تصدقنا ولا صلينا

خدایا اگر تو ہدایت نہ کرتا تو نہ ہم ہدایت پاتے نہ خیرات دیتے نہ روزہ رکھتے۔

انا اذا قوم بغوا علينا وان ارادوا فتنة أبينا

ہم وہ لوگ ہیں کہ جب کوئی قوم ہم پر یورش کرتی ہے، اور آمادۂ فساد ہوتی ہے، تو ہم اس سے صاف انکار کردیتے ہیں۔

فانزلن سكينة علينا وثبت الاقدام ان لاقينا(۱)

تو ہمارے اوپر سکینت کا نزول فرما اور مقابلہ کے وقت ہمارے قدموں کو جمائے رکھ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اس ایمانی لشکر کو لے کر یہاں تشریف لائے، ان کی تعداد ایک ہزار چار سو تھی، اوران کے ساتھ دوسو گھوڑے تھے، آپؐ نے اس کو اس میں شرکت کی اجازت نہ دی جو حدیبیہ کے موقع پر پیچھا رہا تھا، ان صحابیات کی تعدا جو مریضوں کے علاج ومعالجہ، زخمیوں کی مرہم پٹی اور پانی وغذا کے انتظام کی ذمہ دار تھیں، بیس تھی۔

آپؐ نے رجیع کے مقام پر جو یہود اور قبیلۂ غطفان کے درمیان واقع تھا لشکر کو پڑاؤ کا حکم دیا،

(پچھلے صفحہ کا بقیہ)..........رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے مدینہ سے جلاوطن کردیا تھا، محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے خلاف اپنے دل میں سخت کینہ رکھتے تھے، یہی لوگ تھے جنھوں نے عرب کے دوسرے قبائل کو اپنی دولت کے ذریعہ اکسا کر مسلمانوں کے خلاف جنگ پر آمادہ کیا اور یہی وہ بنیادی سبب تھا جس کی وجہ سے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے خیبر پر لشکر کشی کی"۔ ص ۱۸۹ (لندن ۱۹۶۱ء)۔ اس غزوہ کا مقصد صرف یہودیوں کی اس قوت کا توڑنا ہی نہیں تھا جو خیبر میں مجتمع ہوگئی تھی بلکہ حجاز ونجد کے درمیان شمال اور جزیرۃ العرب کے وسط کے ایک بڑے طاقتور قبیلہ غطفان کی طرف سے بھی اطمینان حاصل کرنا تھا جو عربی قبائل کا ایک نہایت جنگجو اور طاقتور مجموعہ تھا، اس کی طرف سے اطمینان کئے بغیر مکہ کی طرف باطمینان فوج کشی ممکن نہ تھی۔

(۱) سیرت ابن کثیر، ج ۳، ص ۳۴۴۔۳۴۵، وصحیح مسلم باب "غزوۂ خیبر" بعض الفاظ اوراشعار کے اختلاف کے ساتھ۔

مقصد یہ تھا کے ان کے اور اہل خیبر کے درمیان سلسلۂ رسد و مواصلات ختم ہو جائے، اس لئے کہ وہ ان سے ملے ہوئے اور ان کے حمایتی تھے، نتیجہ خاطر خواہ نکلا اور یہ لوگ ان کی حمایت اور امداد نہ کر سکے، اپنے گھر بار اور کاروبار میں لگے رہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل خیبر کے لئے انھوں نے راستہ صاف کر دیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لشکر کے لئے غذا فراہم کرنے کا حکم دیا تو صرف ستو حاصل کئے جا سکے، چنانچہ اسی پر اکتفار کیا گیا (۱)، جب آپ خیبر کے سامنے تشریف لائے تو آپؐ نے اللہ تعالیٰ سے دعاء فرمائی فتح خیبر کا سوال کیا، اور اس جگہ کے شر سے اور یہاں کے لوگوں کے شر سے پناہ مانگی، آپ کی عادت مبارکہ تھی کہ جب آپ کسی غزوہ کا ارادہ فرماتے تو رات کو حملہ نہ کرتے، بلکہ صبح تک انتظار کرتے، اگر اذان کی آواز آپؐ کے کانوں میں آتی تو آپ توقف فرماتے اور حملہ نہ کرتے، اسی طرح آپؐ نے یہاں بھی رات گذاری، صبح ہوئی تو اذان کی آواز نہ سنائی دی، یہ دیکھ کر آپؐ نے حملہ کی نیت سے پیش قدمی کی، راستہ میں خیبر کے کسان مزدور اپنے پھاوڑے اور جھابے لئے نظر آئے، جب انھو ں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور لشکر کو دیکھا تو انھوں نے نعرہ لگایا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور لشکر آ گیا، اور راہ فرار اختیار کی، آپؐ نے یہ دیکھ کر فرمایا "اللّٰہ اکبر، خربت خیبر" اللہ کی شان خیبر برباد ہوا" انا اذا نزلنا بساحة قوم فساء صباح المنذرین" ہم جب کسی قوم پر حملہ آور ہوتے ہیں، تو ان کی صبح بری ہوتی ہے، (ان کی شامت آ جاتی ہے) جنھیں پہلے ہی ڈرایا اور آگاہ کیا جا چکا ہے (۲)۔

مظفر و منصور قائد

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے خیبر کے قلعوں کی طرف توجہ کی، اور ایک ایک کر کے ان قلعوں کو فتح کرنا شروع کیا، ان قلعوں میں ایک قلعہ ایسا تھا، جو نامور یہودی شہسوار مرحب کا تخت گاہ تھا (۳)، اس کو حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے سر کیا، اس کا واقعہ یہ ہے کہ یہ قلعہ مسلمانوں کے لئے بہت سخت و دشوار گزار ثابت ہو رہا تھا، اور ان کا قابو اس پر نہیں چل پا رہا تھا، حضرت علیؓ کی آنکھیں اس وقت آشوب کر آئی تھیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "کل پرچم وہ شخص لے گا، جس سے اللہ اور اس کے رسول کو محبت ہے، اس کے ذریعہ یہ قلعہ فتح ہوگا"۔ اس منصب عظیم کے بڑے بڑے صحابہ امیدوار تھے، اور ہر شخص یہ خیال کرتا کہ شاید اس کو یہ سعادت حاصل ہو، آپؐ نے حضرت

---

(۱) ابن کثیر، ج ۲، ص ۳۴۵۔۳۴۶، نیز صحیح بخاری باب غزوۂ خیبر باختصار۔

(۲) سیرت ابن ہشام، ج ۲، ص ۳۲۹۔۳۳۰

(۳) روایات کے تتبع سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا نام قلعہ قموص تھا۔

علیؓ کو طلب فرمایا، ان کی آنکھوں میں تکلیف تھی، وہ آئے تو آپؐ نے اپنا مبارک لعاب دہن ان کی آنکھوں میں لگایا، اور ان کے حق میں دعا کی وہ اسی وقت ایسے اچھے ہوئے کہ معلوم ہوتا تھا کہ ان کو درد ہی نہ تھا، آپؐ نے پرچم ان کے حوالے کیا(۱)، انھوں نے کہا کہ "کیا یہود سے اس وقت تک جنگ کروں جب تک کہ وہ مسلمان نہ ہو جائیں؟" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "یہاں سے روانہ ہو، یہاں تک کہ ان کے سامنے پڑاؤ ڈالو پھر ان کو اسلام کی دعوت دو، اور اللہ تعالیٰ کا اس سلسلہ میں ان پر جو حق ہے، اس سے ان کو آگاہ کرو، خدا کی قسم اگر تمہارے ذریعہ اللہ تعالیٰ ایک آدمی کو بھی ہدایت دے دے تو یہ تمہارے لئے سرخ اونٹوں سے بھی زیادہ بہتر ہے" (۲)۔

شیر خدا اور ایک نامور یہودی شہسوار کا مقابلہ

حضرت علی کرم اللہ وجہہ پرچم اسلام اور لشکر اسلام کے ساتھ خیبر پہونچے تو نامور یہودی شہسوار "مرحب" رجز پڑھتا ہوا مقابلہ پر آیا، اس سے آپ کے دو دو ہاتھ ہوئے۔

حضرت علیؓ نے پہلے اس پر ایک ہی سخت ضرب لگائی جو اس کے خود اور سر کو پھاڑتی چلی گئی، اور داڑھ تک اتر گئی، اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح نصیب فرمائی (۳)۔

محمد بن مسلمہؓ نے بھی اس معرکہ میں اپنی ہمت اور بہادری کے جوہر دکھائے اور متعدد شہسواروں اور پہلوانوں کو موت کے گھاٹ اتارا۔

محنت کم، اجرت زیادہ

خیبر کے ایک حبشی غلام نے جو اپنے مالک کی بکریاں چرانے پر مامور تھا یہ دیکھا کہ اہل خیبر نے ہتھیار اٹھالئے ہیں، اور جنگ کے لئے تیار ہیں تو اس نے پوچھا کہ آپ لوگوں کا کیا ارادہ ہے؟ انھوں نے کہا کہ ہم اس شخص سے جنگ کرنے جارہے ہیں جو نبوت کا مدعی ہے، نبوت کے ذکر نے اس کے دل پر خاص اثر کیا وہ اپنی بکریوں کے ریوڑ کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت

---

(۱) صحیح بخاری و صحیح مسلم باب "غزوۂ خیبر"
(۲) صحیح بخاری باب "غزوۂ خیبر" نیز صحیح مسلم ونسائی، سرخ اونٹ عرب میں بڑی دولت اور ایک نایاب چیز سمجھی جاتی تھی۔
(۳) بعض اہل سیر نے یہ واقعہ قلعہ ناعم کی فتح کے سلسلے میں نقل کیا ہے، اور بعض نے قلعہ قموص کے سلسلہ میں بخاری میں اس کے مختلف ٹکڑے آئے ہیں مگر قلعہ کے نام کا تعین نہیں ہے، ابن ہشام وغیرہ میں محمد بن مسلمہؓ کو مرحب کا قاتل بتایا گیا ہے، لیکن صحیح مسلم کی روایت میں حضرت علیؓ کے نام کی تصریح اور ان کے رجزیہ اشعار بھی مذکور ہیں (مسلم حدیث نمبر ۱۸۰۷ کتاب الجہاد والسیر)

میں حاضر ہوا، اور دریافت کیا کہ آپ کیا کہتے ہیں؟ اور کس چیز کی دعوت دے رہے ہیں، آپ نے جواب دیا کہ میں اسلام کی طرف بلاتا ہوں، اور یہ کہ تم گواہی دو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اور میں خدا کا رسول ہوں، اور اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو، غلام نے کہا کہ اگر میں یہ گواہی دوں اور اللہ عزوجل پر ایمان لے آؤں تو مجھے کیا ملے گا؟ آپؐ نے فرمایا کہ ''اگر تمہاری اس عقیدہ پر موت آئی تو تمہارے لئے جنت ہے، وہ یہ سن کر اسلام لے آیا اور پھر کہنے لگا، اے اللہ کے نبی میرے پاس یہ بکریاں امانت ہیں (ان کا کیا ہوگا)؟ آپؐ نے فرمایا تم ان کو صباء کے میدان میں لے جا کر چھوڑ دو، اللہ تمہاری یہ امانت ادا کردے گا، اس نے یہی کیا، خدا کا کرنا کہ یہ بکریاں اپنے مالک کے پاس خود واپس چلی گئیں، اور یہودی کو علم ہوگیا کہ اس کا غلام مسلمان ہو چکا ہے، اس موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے اور لوگوں کو خطاب فرمایا، ان کو نصیحت فرمائی اور جہاد کا شوق دلایا، جب دونوں فریق برسرِ پیکار ہوئے تو شہداء اسلام میں سیاہ فام غلام بھی تھا، مسلمان اسے اٹھا کر اپنے خیمہ میں لائے، بعض روایتوں میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شامیانہ پر نظر ڈالی پھر اپنے اصحاب کرام کی طرف رخ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ ''اللہ تعالیٰ نے اس غلام کے ساتھ بہت اکرام کا معاملہ فرمایا، اور اس کو خیبر پہونچایا، میں نے دیکھا کہ اس کے سرہانے جنت کی دو حوریں موجود ہیں، حالانکہ اس نے اللہ کے لئے ایک سجدہ بھی نہیں کیا تھا'' (۱)۔

آپ کی رفاقت میں نے اس لئے نہیں کی تھی

ایک اعرابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، ایمان لایا اور آپؐ کی اتباع و پیروی قبول کی، اور کہا کہ میں بھی آپؐ کے ساتھ ہجرت کروں گا، آپؐ نے اس کو بعض صحابہ کرام کے حوالہ کیا اور فرمایا کہ اس کا خیال رکھیں، غزوۂ خیبر کے موقع پر کچھ مال غنیمت آپؐ نے تقسیم فرمایا، یہ اعرابی اس وقت چراگاہ میں گیا ہوا تھا، جب وہ واپس آیا تو اس کو حصہ رسدی دیا گیا، اس نے کہا کہ یہ کیا ہے؟ لوگوں نے اس کو بتایا کہ یہ تمہارا حصہ ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہیں دیا ہے، وہ اسے لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، اور دریافت کیا کہ یا رسول اللہ! یہ کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا: ''یہ تمہارا حصہ ہے'' اس نے کہا کہ میں اس کی خاطر آپؐ کے ساتھ نہیں ہوا تھا، میں نے تو اس لئے آپؐ کی اتباع کی تھی کہ مجھے اس جگہ اپنے حلق کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اس

(۱) زاد المعاد، ج ۱، ص ۳۹۳۔

نے کہا دشمن کا کوئی تیر لگے، میری موت ہو جائے اور میں جنت میں پہونچ جاؤں، آپؐ نے فرمایا "اگر تمہاری نیت صحیح ہے تو اللہ ایسا ہی کرے گا"۔

خیبر کے موقع پر جب دشمن سے جنگ ہوئی، اور شہداء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لائے گئے تو اس میں یہ خوش نصیب بھی تھا، آپؐ نے دریافت فرمایا کیا یہ وہی شخص ہے؟ صحابہ کرامؓ نے جواب دیا کہ جی ہاں، آپؐ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس نے سچائی کا معاملہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے بھی اس کی خواہش کو سچ کر دکھایا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے جبۂ مبارک میں اس کو کفن دیا، پھر اس کی نماز جنازہ پڑھی اور اس کے لئے یہ دعا فرمائی کہ "اے اللہ تیرا یہ بندہ تیرے راستہ میں ہجرت کے لئے نکلا تھا، یہ تیری راہ میں شہید ہوا ہے، اور میں اس کا گواہ ہوں" (۱)

خیبر میں قیام کی شرط

غرض اس طرح یکے بعد دیگرے قلعہ پر قلعہ فتح ہوتا گیا، اور کئی کئی دن مسلسل جنگ اور محاصرہ میں گذرنے لگے، یہاں تک کہ اس صورت حال سے عاجز ہو کر یہودیوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے صلح کی پیش کش کی، لیکن آپؐ کا ارادہ ان کو وہاں سے بے دخل اور جلاوطن کرنے کا تھا، انھوں نے کہا کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو آپؐ اسی جگہ قیام کی اجازت دے دیجئے، زمین کی دیکھ بھال اور کھیتی باڑی میں ہم مشغول رہیں گے، اس لئے کہ آپؐ لوگوں سے زیادہ ہم اس فن سے واقف ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے اصحاب کرامؓ کو کاشتکاری کا تجربہ نہ تھا، اگر وہ یہ کام اپنے ہاتھ میں لے لیتے تو سارا وقت اسی کی نذر کرنا پڑتا، چنانچہ آپؐ نے خیبر میں قیام کی اجازت ان کو اس شرط پر دے دی کہ تمام پیداوار غلہ اور پھلوں کا آدھا مسلمانوں کو ملے گا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب تک چاہیں گے معاہدہ کو برقرار رکھیں گے (۲)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیداوار کی تقسیم کے لئے ان کے پاس عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کو بھیجا کرتے تھے، وہ اندازہ کر کے اس کو دو حصوں میں تقسیم کر دیتے پھر ان سے کہتے کہ ان میں سے جو حصہ چاہیں لے لیں، وہ لوگ یہ دیکھ کر کہتے کہ اسی ادا (انصاف) پر آسمان اور زمین تھمے ہوئے ہیں (۳)۔

---

(۱) زاد المعاد، ج ۱ ص ۳۹۴

(۲) زاد المعاد، ج ۱ ص ۳۹۴-۳۹۵، تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں سنن ابی داؤد "باب المساقاۃ"

(۳) فتوح البلدان از بلاذری، ص ۳۴

مذہبی رواداری اور کشادہ قلبی

غزوۂ خیبر میں جو مال غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ لگا، اس میں توریت کے متعدد نسخے تھے، یہودیوں نے درخواست کی کہ وہ ان کو عطا کر دیئے جائیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ یہ سب صحیفے ان کے حوالے کر دیئے جائیں (۱)۔

یہودی فاضل ڈاکٹر اسرائیل ولفنسون اس واقعہ پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے:۔

''اس واقعہ سے ہمیں اندازہ ہوتا ہے کہ ان مذہبی صحیفوں کا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے دل میں کس درجہ احترام تھا، آپؐ کی اس رواداری اور فراخدلی کا یہودیوں پر بڑا اثر پڑا، وہ آپؐ کے اس احسان کو کبھی نہیں بھول سکتے کہ آپؐ نے ان کے مقدس صحیفوں کے ساتھ کوئی ایسا سلوک نہیں کیا، جن سے ان کی بے حرمتی لازم آتی ہو، اس کے مقابلہ میں ان کو یہ واقعہ بھی خوب یاد ہے کہ جب رومیوں نے یروشلم کو ۷۰ء قبل مسیح میں فتح کیا تو انھوں نے ان مقدس صحیفوں کو آگ لگادی، اور ان کو اپنے پاؤں سے روندا، اسی طرح متعصب نصرانیوں نے اندلس میں یہودیوں پر مظالم کے دوران توریت کے صحیفے نذر آتش کئے، یہ وہ عظیم فرق ہے، جو ان فاتحین (جن کا ابھی اوپر ذکر گذرا ہے) اور اسلام کے نبی کے درمیان ہمیں نظر آتا ہے'' (۲)

جعفر بن ابی طالبؓ کی آمد

اسی غزوہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی جعفر بن ابی طالب اور ان کے رفقاء آپؐ سے آکر ملے، آپ کو اس سے بے حد مسرت ہوئی، بہت بشاشت اور شوق کے ساتھ آپؐ نے ان کا استقبال کیا، ان کی پیشانی کو بوسہ دیا، اور فرمایا ''بخدا میں نہیں جانتا کہ کس چیز سے میں زیادہ خوش ہوں، خیبر کی فتح سے یا جعفرؓ کی آمد سے'' (۳)۔

یہود کی ایک مجرمانہ سازش

اسی غزوہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو زہر دیا گیا، سلام بن مشکم کی یہودی بیوی زینب بنت حارث نے آپ کو زہر ملا کر ایک بھنی ہوئی بکری کا تحفہ دیا، پہلے اس نے دریافت کیا کہ اس کا کون

---

(۱) تاریخ الخمیس، ج ۲، ص ۶۰

(۲) تاریخ الیہود فی بلاد العرب، ص ۱۷۰

(۳) زاد المعاد، ج ۱، ص ۳۹۷

سا حصہ آپ کوزیادہ مرغوب ہے، آپؐ نے فرمایا دست، یہ سن کر اس نے دست میں خاص طور سے زہر ملایا، آپؐ نے جب دست سے کچھ حصہ توڑ کر نوش فرمایا تو خود اس گوشت نے آپ کو اطلاع دی کہ اس میں زہر ملا ہے، چنانچہ آپؐ نے اسی وقت اس لقمہ کو اگل دیا۔

اس کے بعد آپؐ نے یہودیوں کو جمع کیا، اور فرمایا کہ اگر میں تم سے کچھ پوچھوں تو کیا تم صحیح صحیح جواب دوگے؟ انھوں نے کہا کہ ہاں، آپؐ نے فرمایا کہ کیا تم نے اس بکری میں زہر ملایا ہے؟ انھوں نے جواب دیا کہ ملایا ہے آپؐ نے فرمایا کہ تم کو اس پر کس چیز نے آمادہ کیا؟ انھوں نے جواب دیا کہ ہم نے سوچا کہ اگر آپؐ (نعوذ باللہ) جھوٹے ہیں تو آپؐ سے چھٹی مل جائے گی، اور اگر واقعی نبی ہیں تو زہر آپؐ پر اثر نہ کرے گا، اس کے بعد اس عورت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر کیا گیا، اس نے بھی اعتراف جرم کرلیا اور کہا کہ میں نے آپ کی جان لینے کا ارادہ کیا تھا، آپؐ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ مجھ پر تمہیں قابو نہیں دے سکتا، صحابہ کرامؓ نے اجازت چاہی کہ اس عورت کو قتل کردیں، آپؐ نے فرمایا: نہیں اس وقت آپؐ نے اس سے کوئی تعرض نہیں کیا، اور اسکو کوئی سزا نہ دی؛ اور نہ قتل کرنے کی اجازت دی، بعد میں جب اس زہر خورانی کے نتیجہ میں بشر بن البراء بن معرور کا انتقال ہوگیا، جو اس کھانے میں شریک تھے، تو اس کو قتل کردیا گیا (۱)۔

غزوۂ خیبر کے اثرات

غزوۂ خیبر اور اس میں مسلمانوں کی شاندار فتح کا عرب کے ان قبائل پر جو ابھی تک اسلام نہیں لائے تھے، بہت خوشگوار اثر پڑا، ان کو خیبر میں یہودیوں کی جنگی طاقت، ان کی دولت مندی، وفارغ البالی، غذائی اشیاء کی فراوانی، سامان جنگ کی کثرت قلعوں کے استحکام اور حملہ آور فوجوں اور تجربہ کار جرنیلوں کے لئے اس کے سخت اور دشوار گذار اور ناقابل تسخیر ہونے کا بخوبی اندازہ تھا، اور یہ معلوم تھا کہ ان میں ''مرحب'' اور حارث ابی زینب جیسے تجربہ کار شہسوار اور تربیت یافتہ ماہرین جنگ موجود ہیں، چنانچہ اس فتح نے ان کے تمام اندازے غلط ثابت کئے، اور ان کے عزائم اور بعد کے واقعات پر اس کا گہرا اثر پڑا۔

ڈاکٹر اسرائیل ولفنسون غزوۂ خیبر اور تاریخ اسلام پر اس کے اثرات پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے:

> ''اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اسلامی فتوحات کی تاریخ میں غزوۂ خیبر کی بہت بڑی اہمیت ہے، یہی وجہ ہے کہ عرب کے تمام قبیلے بہت فکرمندی کے ساتھ اس کے نتیجے کا انتظار کررہے تھے، اور اسکا فیصلہ انصار و یہود کی تلوار کی جھنکار پر ہونا تھا، رسول اللہ صلی

---

(۱) بخاری نے حضرت ابوہریرہؓ سے مختصراً اس روایت کو نقل کیا ہے، (باب الشاة التی سمّت للنبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم بخیبر)

اللہ علیہ وسلم کے بہت سے دشمن جو عرب کے مختلف شہروں اور دیہاتوں میں میں تھے، اس غزوہ سے بڑی امیدیں لگائے بیٹھے تھے" (۱)۔

مال غنیمت

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فتح خیبر سے فارغ ہوئے تو آپؐ نے فدک (جو ایک آباد قصبہ اور حجاز کے بالائی حصہ میں دوسرے قصبات اور قریوں کی طرح ایک مستقل ریاست تھی) (۲) کی طرف توجہ فرمائی یہودیوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نصف نصف پر مصالحت کرنی چاہی، آپؐ نے ان کی پیش کش کو قبول فرمایا، اس سے جو حاصل ہوتا آپؐ اس کو اپنے اور مسلمانوں کے مفاد میں جہاں مناسب سمجھتے تقسیم فرمادیتے (۳)۔

اس کے بعد آپ وادی القری (۴) تشریف لے گئے، یہ خیبر اور تیماء کے درمیان ایک نو آبادی تھی، جس کو یہود نے اسلام سے قبل آباد کیا تھا، اور اس نے ان کے مرکز کی حیثیت اختیار کرلی تھی، عرب کے کچھ لوگ بھی ان کے ساتھ آکر شامل ہوگئے تھے، ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوت اسلام دی، اور ان سے ارشاد فرمایا کہ اگر وہ اسلام قبول کرلیں گے، تو ان کا مال وجان سب محفوظ رہے گا، اور ان کا حساب اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہوگا۔

اس غزوہ میں کئی مقابلے ہوئے، جن میں زبیر بن العوامؓ کی بہادری کے جوہر ظاہر ہوئے اور فتح وکامیابی کا سہرا ان کے سر رہا، چنانچہ دوسرے ہی روز سے یہود نے جو کچھ ان کے ہاتھ میں تھا، وہ مسلمانوں کے ہاتھ میں دے دیا، مسلمانوں کو اُن غزوات میں بڑا مال غنیمت ہاتھ لگا، اور بہت وافر سامان ملا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ساری دولت کو صحابہ کرامؓ میں تقسیم فرمادیا، آراضی اور کھجور کے باغات یہود کے ہاتھ میں چھوڑے گئے اور ان پر معاملہ ہوگیا۔

جب تیماء (۵) کے یہودیوں کو معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل خیبر، اہل

---

(۱) تاریخ الیہود فی بلاد العرب، ص ۱۶۲۔

(۲) اس قصبہ کی آبادی یہود بنی مرہ اور بنی سعد بن بکر کے قبائل کے افراد پر مشتمل تھی، (نہایۃ الأرب۔ ۷/ ۲۰۹)

(۳) سیرت ابن ہشام، ج ۲، ص ۳۶۸

(۴) وادی القری اس وادی کو کہتے ہیں، جس میں بہت سے گاؤں ہوں، یہاں عرب اور یہودی آباد تھے، اس کا شمار جزیرۃ العرب کے سرسبز وشاداب علاقوں میں ہے، اس میں چشمے اور کنویں بھی پائے جاتے ہیں۔

(۵) یہ وادی القریٰ اور شام کے درمیان، شام سے قریب تر ایک قصبہ ہے، قدیم زمانہ میں شام سے آنے والے حجاج کے راستہ میں پڑتا تھا، یہیں سموئل (یہودی شاعر) کا مشہور قلعہ "الابلق الفرد" کہتے ہیں، واقع تھا۔

فدک و وادی القریٰ سے یہ معاملہ فرمایا ہے، تو انھوں نے آپؐ سے مصالحت کرلی اور ان کا مال و جائداد انہی کے قبضے میں رہی، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ واپس تشریف لے آئے (۱)۔

مہاجرین کی پاک نفسی واحتیاط

جب مسلمان مدینہ واپس آگئے تو مہاجرین نے انصار کو ان کے وہ عطیات واپس کرنا چاہے جو انھوں نے ان کی پریشان حالی اور عسرت کے زمانہ میں انھیں کھجور کے درختوں اور باغوں کی شکل میں دیئے تھے، اس لئے کہ خیبر میں وہ خود صاحب جائداد ہوگئے تھے، اور ان کے پاس بھی باغات تھے، ام سلیمؓ نے (جو انسؓ بن مالک کی والدہ تھیں) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس زمانے میں کچھ کھجور کے درخت پیش کئے تھے، آپؐ نے اپنی آزاد شدہ باندی ام ایمن کو عنایت فرمادیئے تھے، فدک کے حاصل ہونے کے بعد آپؐ نے ام سلیمؓ کو یہ درخت واپس فرمادیئے تھے، اور ام ایمن کو کھجور کے ہر درخت کے بدلہ میں باغ فدک سے دس درخت عنایت فرمائے (۲)۔

خیبر کے بعد بھی بہت سے سریے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف مقامات پر بھیجے اور جلیل القدر صحابہ کو اس کا امیر مقرر فرمایا، ان میں سے کچھ سریوں میں جنگ ہوئی اور کچھ میں جنگ کی نوبت نہیں آئی (۳)۔

عمرة القضاء

دوسرے سال ۷ھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمان عمرة القضاء کی نیت سے تشریف لے چلے قریش نے کوئی مزاحمت نہیں کی، آپ کو مکہ جانے دیا اور اپنے گھروں میں تالے ڈال کر جبل قعیقان (۴) پر چلے گئے، آپؐ نے تین روز وہاں قیام فرمایا، اور عمرہ سے فراغت کی، اللہ تعالیٰ نے اس واقعہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے:۔

لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْيَا بِالْحَقِّ، لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ، مُحَلِّقِيْنَ رُءُوْسَكُمْ وَمُقَصِّرِيْنَ، لَاتَخَافُوْنَ فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوْا فَجَعَلَ مِنْ دُوْنِ ذٰلِكَ

---

(۱) زاد المعاد، ج ۱، ص ۴۰۵، تلخیص کے ساتھ۔

(۲) زاد المعاد، ج ۱، ص ۴۰۶، مسلم نے اس قصہ کو مفصل طور پر "کتاب الجهاد والسير" میں باب "رد المهاجرين الى الأنصار منائحهم من الشجر والثمر حين استغنوا عنها بالفتوح" درج کیا ہے، اسی میں قریظہ اور نضیر کی فتح کا بھی ذکر ہے۔

(۳) تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو زاد المعاد، ج ۱، ص ۴۰۹۔۴۱۰

(۴) صحیح بخاری (باب عمرة القضاء)

فَتۡحًا قَرِیۡبًا۔(سورة الفتح۔ ۲۷)

بے شک خدا نے اپنے پیغمبر کو سچا (اور) صحیح خواب دکھایا کہ خدا نے چاہا تو مسجد حرام میں اپنے سر مونڈ وا کر اور اپنے بال کتر وا کر امن وامان سے داخل ہو گے اور کسی طرح کا خوف نہ کرو گے، جو بات تم نہیں جانتے تھے، اس کو معلوم تھی سو اس نے اس سے پہلے ہی جلد فتح کرادی۔

لڑکیوں کی پرورش وتربیت میں مقابلہ اور حقوق میں مساوات

اسلام کے اثر سے ان لوگوں کے دل ودماغ میں انقلاب عظیم واقع ہو چکا تھا، وہ لڑکی جو پہلے خاندان کے لئے اور اشراف ورؤساء قوم کی نگاہ میں باعث ننگ وعار تھی (اور بعض قبیلوں میں اس کو زندہ درگور کردینے تک کا رواج تھا) آج ایسی عزیز ومحبوب بن چکی تھی جس کی پرورش اور تربیت کے لئے آپس میں مقابلہ کی نوبت آجاتی تھی، مسلمان سب برابر تھے، اور مساویانہ حقوق رکھتے تھے، کسی کو کسی پر اگر فوقیت تھی تو کسی فضیلت علمی وعملی اور کسی معقول بنیاد پر، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ سے واپسی کا قصد کیا تو سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کی چھوٹی بچی ''امامہؓ'' چچا چچا پکارتی ہوئی آپؐ کے پیچھے ہولی، حضرت علیؓ نے اسے لے لیا اور حضرت فاطمہؓ کے حوالے کیا اور کہا کہ دیکھو یہ چچا کی لڑکی ہے، اب حضرت علی، زید، جعفر رضی اللہ عنہم کے درمیان اس مسئلہ پر کشمکش ہونے لگی، حضرت علیؓ نے کہا کہ اسے میں لیتا ہوں، یہ میری چچازاد بہن ہے، حضرت جعفرؓ نے کہا کہ میری بھی چچازاد بہن ہے، اور اس کی خالہ میرے نکاح میں ہے، حضرت زیدؓ نے کہا (اسلام کے رشتہ سے) یہ میری بھتیجی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جعفرؓ کے حق میں فیصلہ دیا کہ چونکہ بچی کی خالہ ان کے گھر میں ہے، اور خالہ ماں کی جگہ پر ہوتی ہے (اسلئے اس کو وہاں زیادہ آرام ملے گا) حضرت علیؓ سے آپ نے بطور دلداری فرمایا کہ ''تم میرے ہو اور میں تمہارا ہوں'' حضرت جعفرؓ سے فرمایا: ''تم سیرت وصورت دونوں میں مجھ سے مشابہ ہو'' حضرت زیدؓ سے ارشاد ہوا کہ: ''تم میرے بھائی ہو اور میرے مولیٰ ہو'' (۱)

---

(۱) صحیح بخاری کتاب المغازی باب ''عمرۃ القضاء''

غزوۂ موتہ (۱)

(جمادی الاولیٰ ۸ھ)

مسلمانوں کے سفیر کا قتل اور اس کا شاخسانہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حارث بن عمیر الازدیؓ کو اپنے مکتوب عالی کے ساتھ بصریٰ کے حاکم شرجیل بن عمرو الغسانی کے پاس بھیجا، جو رومی سلطنت کے تابع تھا، شرجیل نے حکم دیا کہ ان کو باندھ دیا جائے، اس کے بعد ان کو سامنے بلوا کر شہید کر دیا (۲)، سفراء اور قاصدوں کے قتل کرنے کا کبھی بھی دستور نہ تھا، خواہ کتنا ہی شدید اختلاف ہو، یا خط کا مضمون کتنا ہی ناگوار ہو، یہ ایسا واقعہ تھا کہ جس سے چشم پوشی کسی طرح جائز نہ تھی، یہ عام قاصدوں اور سفیروں کے لئے خطرہ کی بات اور مکتوب اور صاحب مکتوب دونوں کی اہانت تھی، اس لئے اس طرح کی گستاخی کرنے والے کی سرکوبی اور مظلوم کا بدلہ ضروری تھا، تاکہ کسی کو آئندہ اس کی جرأت نہ ہو سکے، سفراء کا خون اس طرارزاں نہ ہو، اور اس قسم کا المناک واقعہ دوبارہ پیش نہ آئے۔

رومی قلمرو میں پہلی اسلام فوج

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر پہونچی تو آپؐ نے ایک لشکر بصریٰ بھیجنے کا ارادہ فرمایا یہ واقعہ جمادی الاولیٰ ۸ھ کا ہے۔

تین ہزار مجاہدوں پر مشتمل ایک فوج اس کے لئے تیار ہوئی، آپؐ نے باوجود اس کے کہ اس لشکر میں بڑے بڑے جلیل القدر اور عالی مرتبہ انصار و مہاجرین موجود تھے، زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو امیر مقرر کیا، جو آزاد کردہ غلام تھے، اسی کے ساتھ آپؐ نے ہدایت فرمائی کہ اگر وہ شہید یا زخمی ہو جائیں تو جعفرؓ بن ابی طالب کو امیر مقرر کیا جائے، ان کے ساتھ بھی یہی واقعہ پیش آئے تو عبداللہ بن رواحہؓ کو امیر

(۱) موتہ شرق اُردن کے شہر ''کرک'' کے جنوب میں بارہ کلومیٹر کے فاصلہ پر واقع ہے، مدینہ اور موتہ کا فاصلہ تقریباً گیارہ سو کلومیٹر کا ہے، اس فاصلہ کو مسلمانوں نے اونٹوں اور گھوڑوں پر اس طرح طے کیا کہ اس کا سلسلہ بالکل منقطع ہو چکا تھا، مرکز سے خبر رسانی کا بھی کوئی انتظام نہ تھا، اور پورا سفر گویا دشمنوں کے جبڑوں کے درمیان تھا۔

(۲) زادالمعاد، ج ۱، ص ۴۱۴

مقرر کیا جائے، جب روانگی کا وقت قریب ہوا تو لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعین کردہ امراء کو رخصت کیا، اور ان کو اپنا سلام پیش کیا(۱)، ان کے سامنے ایک طویل اور پر مشقت سفر تھا، اور ایسے دشمن سے واسطہ تھا، جس کو اس زمانہ کی سب سے بڑی سلطنت کی پشت پناہی حاصل تھی۔

یہ اسلامی فوج روانہ ہوئی اور آگے بڑھ کر اس نے مقام ''معان'' پر پڑاؤ ڈالا یہاں مسلمانوں کو اطلاع ملی کہ ہرقل ''بلقاء'' میں ایک لاکھ رومی فوج کے ہمراہ مقیم ہے، اس کے ساتھ بہت بڑی تعداد میں عرب قبائل لخم، جذام، بلقین، بہرا اور بلی آ ملے ہیں، مسلمانوں نے دو راتیں اس مقام ''معان'' پر گذاریں، اور صورت حال پر غور کرتے رہے، رائے ٹھہری کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں خط روانہ کیا جائے اور دشمن کی تعداد سے آپ کو مطلع کر دیا جائے، پھر یا تو آپ ہمارے لئے کمک روانہ فرمادیں، یا مقابلہ کا حکم فرمائیں تو اس کی تعمیل کی جائے (۲)۔

ہم دشمن سے تعداد اور قوت کی بنیاد پر نہیں لڑتے

اسی موقع پر عبداللہ بن رواحہؓ نے مجاہدین اسلام کو ہمت دلائی اور کہا کہ خدا کی قسم آج تم اس چیز کو ناگوار اور تلخ محسوس کر رہے ہو جس کے لئے تم نکلے تھے، اور جو تمہاری دلی مراد تھی، یعنی شہادت، انھوں نے کہا کہ ہم دشمن کا مقابلہ تعداد اور قوت کی بنیاد پر نہیں کرتے ہم تو اس کا مقابلہ اس دین کی طاقت سے کرتے ہیں، جس سے اللہ تعالیٰ نے ہم کو سرفراز کیا ہے، اس لئے چل کھڑے ہو، اور یاد رکھو! دونوں صورت میں ہمارا فائدہ ہے، جیت ہو تب بھی اور شہادت ہو تب بھی، یہ سن کر سب لوگ اسی وقت اٹھ کھڑے ہوئے اور روانہ ہو گئے۔

مجاہدین سر بکف

جب اسلامی لشکر بلقاء کے قریب پہونچا تو رومیوں اور عربوں کا ایک لشکر جرار ان کے سامنے تھا، یہ لشکر ''مشارف'' کے مقام پر تعینات تھا، مسلمانوں کو دیکھ کر یہ قریب ہوا، مسلمانوں نے ایک گاؤں میں جس کا نام موتہ تھا، مورچہ سنبھال لیا، اور جنگ کا آغاز ہو گیا (۳)۔

زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے (جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پرچم ہاتھ میں لئے تھے)

---

(۱) سیرت ابن ہشام، ج ۲، ص ۳۷۳

(۲) زاد المعاد، ج ۱، ص ۴۱۵

(۳) سیرت ابن ہشام، ج ۲، ص ۳۷۷۔۳۷۸

جنگ کا آغاز کیا اور آخر کار شہید ہوئے، نیزوں نے ان کے سارے جسم کو چھلنی کردیا، ان سے پرچم جعفرؓ نے لے لیا، اور لڑتے رہے، جب لڑائی کا دباؤ بڑھا تو گھوڑے سے اتر گئے اور اس کی اگلی ٹانگیں کاٹ دیں، اور پیادہ پا لڑنا شروع کیا، اتنے میں ان کا داہنا بازو کٹ گیا، انھوں نے پرچم اپنے بائیں ہاتھ میں لے لیا، بایاں ہاتھ بھی کٹ گیا تو پرچم کو انھوں نے اپنے دونوں زخمی اور کٹے ہوئے بازوؤں سے جکڑ لیا، یہاں تک کہ شہادت سے سرخرو ہوئے اس وقت ان کی عمر ۳۳ سال تھی، (۱)، ان کے سینے اور بازوؤں کے درمیان اور سامنے کے حصہ میں نوے زخم تھے، جو تلوار اور نیزہ کے تھے، کوئی زخم پشت کی طرف نہ تھا (۲)، غرض اس طرح یہ باہمت نوجوان جنت کی نعمتوں کے ترانے گاتا ہوا اور دشمن کی کثرت تعداد اور قوت وشوکت اور سامان اور دنیا کی ظاہری زیب وزینت کو پیروں سے روندتا ہوا اس دنیا سے رخصت ہوا۔

جعفرؓ کی شہادت کے بعد عبداللہ بن رواحہؓ نے پرچم اپنے ہاتھ میں لیا اور آگے بڑھے، انھوں نے بھی اپنا گھوڑا چھوڑ دیا، اسی درمیان میں ان کے ایک چچازاد بھائی ایک ہڈی جس میں ذرا سا گوشت لگا ہوا تھا لے کر آئے اور کہا کہ اس کو پیٹ میں ڈال لو تاکہ کچھ توانائی آجائے، تم نے کئی روز سے کچھ کھایا نہیں ہے، عبداللہ بن رواحہؓ نے ان ہی کے ہاتھ سے ذرا گوشت اپنے منہ میں لیا، پھر اس کو پھینک دیا، تلوار اپنے ہاتھ میں لی، آگے بڑھ کر دشمن سے دو دو ہاتھ کئے، اور جام شہادت نوش کیا (۳)۔

حضرت خالدؓ کی ماہرانہ قیادت

ان کے بعد لوگوں نے حضرت خالد بن ولیدؓ کی قیادت پر اتفاق کر لیا، اور انھوں نے پرچم اسلام اپنے ہاتھ میں لیا، وہ بہت بہادر، امور جنگ سے واقف اور تجربہ کار شخص تھے، انھوں نے اسلامی لشکر کو جنوب کی طرف موڑ لیا، دشمن شمال کی طرف چلا گیا (۴)، دوسری طرف رات نے اپنے سیاہ پردے ڈال دیئے، اور دونوں فریقوں نے اس فرصت کو غنیمت جانا اور ان کو سلسلۂ جنگ جاری نہ رکھنے میں عافیت نظر آئی۔

یہ حقیقت ہے کہ پسپائی کا عمل (جیسا کہ عراقی جنرل شیت خطاب کہتے ہیں) پسپائی کے شکست میں بدل جانے کے احتمال کے سبب مشکل ترین فوجی عمل ہوتا ہے، اور شکست ایسی مصیبت ہوتی ہے، جو

---

(۱) زاد المعاد، ج۱، ص ۴۱۵ باختصار

(۲) ابن کثیر، ج ۳، ص ۴۷۳ و زاد المعاد، ج ۱ ص ۴۱۵ صحیح بخاری میں ہے کہ ہم نے ان کو مقتولین میں دیکھا تو ان کے جسم پر نوے سے اوپر زخم کے نشان نظر آئے، جو نیزہ اور تیر کے تھے (باب غزوۂ موتہ)

(۳) زاد المعاد، ج ۱، ص ۴۱۵ و سیرت ابن ہشام، ج ۲، ص ۳۷۹

(۴) ایضاً

شکست خوردہ کے لئے عموماً بڑے نقصانات کا سبب بن جاتی ہے، اس لئے موتہ میں مسلمانوں کے معمولی نقصانات اس فوجی فائدہ کے مقابلہ میں ناقابل لحاظ ہیں کہ اس سے رومی فوجی طاقت، انکی تنظیم اور اسالیب جنگ کی معلومات حاصل ہوئیں، جو بعد کی جنگوں میں مسلمانوں کے کام آئیں (۱)۔

حضرت خالدؓ نے اپنے آدمیوں کی اچھی خاصی تعداد اپنے لشکر کے عقب میں تعینات کردی، ان لوگوں نے صبح کے وقت اتنی بلند آواز سے نعرے لگائے اور شور برپا کیا کہ دشمن کے دل میں بات بیٹھ گئی کہ شاید مدینہ سے نئی کمک آگئی ہے، اس کی وجہ سے رومیوں پر مسلمانوں کا بڑا رعب پڑا، اور وہ آپس میں کہنے لگے کہ جب تین ہزار کے لشکر نے یہ آفت ڈھائی ہے تو جب ان کے پاس نئی کمک پہنچ گئی ہے جس کی تعداد اور قوت کا اندازہ ہی نہیں تو اس وقت یہ لوگ ہمارے ساتھ کیا کریں گے؟ یہ سوچ کر رومیوں کی ہمت پست ہوگئی، اور انھوں نے مقابلہ کا ارادہ ترک کردیا اور اس طرح اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو لڑائی کی زحمت وتکلیف سے محفوظ رکھا (۲)۔

آنکھوں دیکھا حال

ادھر مسلمان میدان جنگ میں اپنی شجاعت کے جوہر دکھا رہے تھے، اور ادھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں صحابۂ کرامؓ سے اس معرکہ کا آنکھوں دیکھا حال بیان فرمارہے تھے، انس بن مالکؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زید، جعفر اور عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہم کی شہادت کی اطلاع مدینہ خبر پہونچنے سے قبل ہی دے دی تھی، آپؐ نے فرمایا کہ "اب زیدؓ نے پرچم لیا وہ شہید ہوئے، جعفرؓ نے لیا، وہ بھی شہید ہوئے، ابن رواحہ نے لیا وہ بھی شہید ہوئے (اس وقت آپؐ کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے) یہاں تک کہ اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار (سیف اللہ خالد بن الولیدؓ) نے پرچم اپنے ہاتھ میں لیا، اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح نصیب فرمائی" (۳)۔

جعفر طیّار

جعفر رضی اللہ عنہ کے بارے میں آپؐ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دونوں بازوؤں

---

(۱) شیت خطاب "الرسول القائد" ص ۲۰۶۔۲۰۷ موتہ کے بارے میں ملاحظہ ہو، ENCYCLOPAEDIA OF ISLAM : ART. MUTA

(۲) المغازی للواقدی

(۳) صحیح بخاری باب غزوہ موتہ

کے بدلہ ان کو دو شہپر عطا کئے ہیں، جن سے وہ جنت میں جہاں چاہیں پرواز کرتے ہیں'' (۱) اسی لئے ان کا لقب جعفر طیارؓ (اڑنے والے) اور ذی الجناحین (دو بازوؤں اور پروں والے) پڑ گیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ودلداری

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جعفرؓ کی اہلیہ سے فرمایا کہ جعفر کے بچوں کو ہمارے پاس لانا، جب وہ آئے تو آپؐ نے ان کو اپنے روئے انور سے ملایا، اور آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے، پھر آپؐ نے ان کی شہادت کی خبر سنائی، جب محاذ جنگ سے شہادت کی اطلاع آگئی تو آپ نے اپنے گھر والوں سے فرمایا کہ جعفر کے گھر والوں کے لئے کھانا تیار کرو، اس حادثہ نے ان کو اس قابل نہیں رکھا کہ وہ کھانا پکانے کی طرف توجہ کریں، آپ کے چہرۂ مبارک سے بھی رنج وغم کا اثر ظاہر ہو رہا تھا (۲)۔

حملہ کرنے والے، نہ کہ بھاگنے والے

جب لشکر واپس ہوتے ہوئے مدینہ کے قریب پہونچا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں نے آگے بڑھ کر اس کا استقبال کیا، بچے بھی ان کے پیچھے پیچھے دوڑ رہے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سواری پر تھے، آپؐ نے فرمایا کہ ''بچوں کو اپنے ساتھ بٹھالو اور جعفرؓ کا بچہ مجھے دیدو'' آپؐ کے پاس ان کے بچے عبداللہ کو لایا گیا، آپؐ نے اس کو اپنی گود میں بٹھا لیا، (مسلمان چونکہ میدان جنگ سے ہٹ آنے کے عادی نہ تھے، یہ ان کے لئے پہلا واقعہ تھا) اس لئے وہ ان غازیوں پر مٹی پھینکتے تھے، اور کہتے تھے، بھاگنے والو، کیا اللہ کے راستہ سے بھاگے ہو؟ آپؐ نے فرمایا، بھاگنے والے نہیں ہیں، انشاء اللہ حملہ کرنے والے ہیں (۳)۔

غزوۂ موتہ اور فتح مکہ کے درمیان

غزوۂ موتہ اور فتح مکہ کے درمیان ایک سریۃ ذات السلاسل کے نام سے جمادی الاخریٰ ۸ھ میں بھیجا گیا، یہ مقام وادی القریٰ کی پشت پر تھا، اور قبیلۂ قضاعہ کے علاقہ میں واقع تھا، اسلامی لشکر نے اس موقع پر دشمن کا پوری طرح صفایا کر دیا، دوسرا سریہ سریۃ الخبط تھا، اس کے امیر ابوعبیدہ

---

(۱) صحیح بخاری میں ہے کہ ''حضرت عمرؓ سے جب حضرت جعفرؓ کے صاحبزادے ملتے تو کہتے ''السلام علیك یا ابن ذی الجناحین'' (دو پروں والے کے لڑکے تم پر سلام ہو) (باب غزوۂ موتہ) وزادالمعاد، ج۱ص ۴۱۵

(۲) سیرت ابن ہشام، ج۲، ص ۳۸۰-۳۸۱

(۳) بروایت امام احمد بن حنبل

ابن الجراح رضی اللہ عنہ تھے، یہ رجب ۸ھ میں بھیجا گیا، اس میں مہاجرین وانصار کے تین سو آدمی شریک تھے، آپ نے ان کو جُہینہ کے ایک قبیلہ کی سرکوبی کے لئے سمندر کے قریب روانہ فرمایا، راستہ میں ان مجاہدین کو سخت بھوک اور فاقہ کا سامنا کرنا پڑا، حتی کہ درختوں کے پتوں پر گزراوقات ہونے لگی، اس وقت سمندر نے ان کے لئے عنبر نام کی ایک بہت بڑی مچھلی فراہم کردی جس نے نصف ماہ تک ان کا کام چلایا، اس کا تیل بھی انھوں نے نکالا اور خوب فائدہ اٹھایا، اس کی وجہ سے ان کی صحت وقوت بحال ہوگئی، اور جسم تروتازہ ہوگئے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ واقعہ سنا تو فرمایا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہاری مہمانی تھی، آپؐ نے اس کا کچھ گوشت بھی نوش فرمایا(۱)۔

(۱) زادالمعاد، ج۱، ص۱۴۷، صحیح بخاری میں یہ روایت "باب غزوۃ سیف البحر" میں بیان کی گئی ہے۔

فتح مکہ

(رمضان ۸ھ)(۱)

فتح مکہ کا پس منظر

جب دین حق اور مسلمانوں کی دینی تربیت کی بنیادیں خدا کے حکم سے اچھی طرح مستحکم ہوگئیں، اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو آزمالیا اوران کے دلوں اور نیتوں کا پورا امتحان کرلیا، قریش کے ظلم وسرکشی، قبول حق سے انکار، راہِ حق میں رکاوٹیں کھڑی کرنے، اور مسلمانوں کو مسلسل ایذا پہونچانے اور طرح طرح کے الزامات لگانے اور ستانے کا جام لبریز ہوگیا، بلکہ چھلکنے لگا تو مشیتِ الٰہی کا فیصلہ ہوا کہ اب اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمان مکہ میں فاتح بن کر داخل ہوں، کعبہ کو بتوں کی آلائش، جھوٹ، اور فحش کلامی کی گندگی وناپاکی سے پاک وصاف کریں، مکہ کو اس کی پرانی حیثیت اور مرتبہ پر واپس لائیں، بیت اللہ کو پوری انسانیت عامہ کے لئے سرچشمۂ ہدایت وبرکت بنائیں، اور اس کے فیضان رحمت کو دنیا کے تمام انسانوں کے لئے عام کردیں۔

بنی بکراور قریش کی عہد شکنی

اللہ تعالیٰ نے اس فتح مبین کے لئے خاص اسباب پیدا فرمائے اور خود قریش کو نادانستہ طور پر اس کا باعث اور محرک بنادیا، اور ایک ایسا واقعہ ظہور پذیر ہوا، جس نے فتح مکہ کو نہ صرف جائز بلکہ ناگزیر اور ضروری کردیا" وللہ جنود السمٰوات والارض "(اور اللہ تعالیٰ کے قبضے میں آسمانوں اور زمین کے لشکر ہیں)۔

صلح حدیبیہ کے معاہدہ کی ایک دفعہ تھی کہ جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد و پناہ میں آنا چاہے، وہ ایسا کرسکتا ہے، اور جو شخص قریش کی پناہ اور عہد قبول کرنا چاہے، وہ اس میں آزاد ہوگا، چنانچہ بنو بکر نے قریش کو ترجیح دی، اوران کی حمایت وپشت پناہی قبول کی اور خزاعہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت اور پشت پناہی پسند کی (۲)۔

بنو بکر اور خزاعہ میں بہت پرانی دشمنی تھی، اور انتقامی کارروائیوں کا ایک سلسلہ جاری تھا، اور

---

(۱) مطابق جنوری ۶۳۰ء (۲) سیرت ابن ہشام، ج ۲، ص ۳۹۰

بعثت کے پہلے سے تھا، اسلام نے آکر ان دونوں کے درمیان ایک دیوار کھڑی کردی، اور اس معاملہ کے سوا کسی اور چیز پر غور کرنے کی فرصت لوگوں کے پاس نہ ہوئی، جب یہ صلح ہوئی اور یہ دونوں قبیلے دو مخالف کیمپوں میں تقسیم ہوگئے، تو بنو بکر نے اس موقع کو غنیمت جان کر خزاعہ سے اپنا حساب بے باق کرنا چاہا، بنو بکر کے کچھ لوگوں سے ساز باز کرکے خزاعہ پر اس وقت شبخون مارا جب وہ پانی کے ایک چشمہ کے پاس مقیم تھے، لڑائی ہوئی اور خزاعہ کے متعدد آدمی مارے گئے۔

قریش نے بنی بکر کی ہتھیاروں سے مدد کی، اور رات کے اندھیرے سے فائدہ اٹھاتے ہوئے، قریش کے بڑے سردار اس جنگ میں شریک ہوئے، یہ لوگ خزاعہ کو ڈھکیلتے ہوئے حرم تک پہونچ گئے، حرم پہونچ کر قریش کے بعض لوگوں نے کہا، اب ہم حرم میں داخل ہوگئے ہیں، اپنے معبودوں کا خیال کرو، اپنے معبودوں کا خیال کرو، جواب ملا کہ آج کے دن کوئی معبود نہیں، بنی بکر آج بدلہ چکالو اس کے بعد تمہیں موقع نہیں ملے گا(۱)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فریاد

اس موقع پر عمرو بن سالم الخزاعی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آکر ملے، اور آپؐ کے سامنے کھڑے ہوکر کچھ اشعار پڑھے، اور اس میں آپؐ کے اور خزاعہ کے درمیان جو عہد و پیمان تھا، اس کا واسطہ دے کر آپ کی حمایت و اعانت کے طالب ہوئے، نیز آپ کو اس کی اطلاع کی کہ قریش نے عہد شکنی کی ہے، اور آپؐ کے عہد نامہ اور میثاق کو ختم کردیا ہے، اور اس حالت میں جب وہ پانی پر تھے، انھوں نے ان پر شبخون مارا، اور رکوع و سجود کی حالت میں ہم لوگ قتل کئے گئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر فرمایا: عمرو بن سالم! تمہاری ضرور مدد ہوگی۔

آخری طور پر اتمام حجت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مناسب سمجھا کہ اس خبر کی مزید تصدیق کرلی جائے، تاکہ قریش کے پاس کہنے کے لئے کوئی بات نہ رہے، آپؐ نے ان کے پاس ایک آدمی کو بھیجا، اور اس کو یہ ہدایت کی کہ ان کے سامنے تین صورتیں رکھے، ایک یہ کہ وہ خزاعہ کے مقتولین کا ''خوں بہا'' دیں، یا جس نے اس معاہدہ کو توڑا ہے، اور خزاعہ پر حملہ کیا ہے، اس سے بے تعلقی کا اعلان کریں، یہ لوگ بنی بکر کی شاخ بنونفاسہ سے تعلق رکھتے تھے، یا پھر جیسا انھوں نے کیا ہے، وہی ان کے ساتھ کیا جائے گا، ان

(۱) زادالمعاد، ج۱ص۴۱۹ و سیرت ابن ہشام، ج۲ص۳۹۰۔

کے بعض سرداروں نے کہا کہ ہاں ہم برابر کا جواب پسند کریں گے، اس طرح قریش کی ذمہ داری سے مسلمان بری الذمہ ہوگئے، اور ان پر حجت قائم ہوگئی (۱)۔

معاہدہ کی تجدید کے لئے قریش کی کوشش

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر پہونچی تو آپؐ نے فرمایا کہ گویا میں دیکھ رہا ہوں کہ ابوسفیان معاہدہ کی توثیق اور اس کی مدت میں توسیع کے لئے تمہارے پاس آئے ہیں، اور ایسا ہی ہوا قریش نے جو کچھ کیا تھا، اس سے ان کو ایک قسم کا اندیشہ لاحق ہوا، اور اس سخت جواب کو ناپسند کیا، جو بعض کم عقل لوگوں نے دیا تھا، اور ان کو اس پر پچھتاوا ہوا، انھوں نے ابوسفیان ہی کو اس معاہدہ کی توثیق اور اس کی مدت میں توسیع کے لئے روانہ کیا (۲)۔

ماں باپ اور اولاد پر حضورؐ کو ترجیح

ابوسفیان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملنے کے لئے مدینہ تو اپنی لڑکی ام حبیبہؓ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ) کے گھر گئے، اور آپؐ کے بستر مبارک پر بیٹھنا چاہا، لیکن ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے ان کو روک دیا، انھوں نے کہا کہ بیٹی! میں نہیں سمجھ پایا کہ تم نے اس بستر کو میرے لائق نہیں سمجھا، یا مجھ کو اس بستر کے لائق نہیں سمجھا؟

انھوں نے جواب دیا کہ اصلی بات یہ ہے کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بستر ہے، اور آپ مشرک وناپاک ہیں، میں یہ پسند نہیں کرتی کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر پر بیٹھیں، انھوں نے جواب دیا، خدا کی قسم ہم سے جدا ہونے کے بعد تم تو بہت بدل گئیں (۳)۔

ابوسفیان کی پریشانی اور ناکامی

اس کے بعد ابوسفیان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے، اور آپ سے گفتگو کی لیکن آپؐ نے ان کو کوئی جواب نہ دیا، پھر وہ حضرت ابوبکرؓ کے پاس گئے، اور ان سے خواہش کی کہ وہ رسول اللہ صلی

(۱) زرقانی نے مواہب میں ابن عائذ سے ابن عمر کے حوالہ سے بیان کیا ہے کہ جن صاحب کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کام کے لئے بھیجا تھا، ان کا نام ضمرہ تھا، اور قریش کے جس شخص نے اس کا جواب دیا تھا اس کا نام قرطہ بن عمرو تھا، (دیکھئے شرح المواهب اللدنیه للزرقانی، ج۲، ص۳۴۹)۔

(۲) زاد المعاد، ج۱، ص۴۲۰ و سیرت ابن ہشام، ج۲، ص۲۹۵۔۲۹۶۔

(۳) زاد المعاد، ج۱، ص۴۲۰ و سیرت ابن ہشام، ج۲، ص۳۹۶، اصل عربی کے الفاظ ہیں "واللّٰہ لقد اصابك بعدی شر" یعنی نیا دین قبول کرنے کے بعد تو اب پہچان ہی نہیں پڑتیں، اور اپنے دین وایمان کے سامنے اپنے باپ کا بھی کچھ خیال نہیں۔

اللہ علیہ وسلم سے ان کی طرف سے بات کرلیں، انھوں نے جواب دیا کہ یہ کام میں نہیں کرسکتا، حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہم ان سب کو بہلانے پھسلانے کی انھوں نے کوشش کی، لیکن ان حضرات میں سے کسی نے بھی اس کی ہامی بھر نہ بھری، اور کہا کہ مسئلہ اتنا اہم اور سنگین ہے کہ ہم لوگ بول نہیں سکتے، ان کی حیرانی اور پریشانی اس قدر بڑھی کہ انھوں نے حضرت فاطمہؓ سے کہا کہ اے بنت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا تم اپنے اس بچے کو (یہ کہتے ہوئے، انھوں نے حضرت حسنؓ بن علیؓ کی طرف اشارہ کیا جو پانچ سال کے خوردسال بچے تھے، اور کھیل رہے تھے) اشارہ کرسکتی ہو کہ یہ اتنا زبان سے کہہ دے کہ میں نے فریقین میں بیچ بچاؤ کرادیا، یہ کہہ کر وہ قیامت تک کے لئے عربوں کا سردار بن جائے گا، انھوں نے جواب دیا کہ میرا بچہ ابھی اس قابل نہیں ہوا (کہ ایسے اہم معاملات میں دخل دے اور فریقین میں بیچ بچاؤ کرے) پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کی مرضی کے خلاف کوئی بھی صلح صفائی پر آمادہ نہیں کرسکتا، جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کی پریشانی دیکھی، اور ان کو اندازہ ہوا کہ وہ کس کرب اور مصیبت میں ہیں تو انھوں نے کہا کہ میں نہیں سمجھتا کہ اس وقت کوئی چیز بھی تمہارے کام آسکتی ہے تم بنی کنانہ کے سردار ہو کھڑے ہو اور خود لوگوں میں صلح صفائی کراؤ، پھر اپنے گھر کی راہ لو انھوں نے جواب دیا کہ کیا تمہارے خیال میں اس سے کچھ فائدہ ہوسکتا ہے؟ انھوں نے کہا بخدا میں تو ایسا نہیں سمجھتا لیکن میں تمہارے لئے اس کے سوا کوئی چارہ کار بھی نہیں دیکھتا، یہ سن کر ابوسفیان مسجد میں کھڑے ہوئے اور اعلان کیا لوگو! میں نے صلح کرادی اس کے بعد اونٹ پر سوار ہوئے، اور اپنا راستہ لیا (۱)۔

جب قریش نے یہ قصہ سنا تو کہنے لگے تم کوئی بات لے کر نہیں آئے، یہ کارروائی نہ ہمارے لئے مفید ہے نہ تمہارے لئے۔

مکہ کی تیاری اور حاطب ابن ابی بلتعہ کا خط

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو جہاد کی تیاری کا حکم فرمایا، اور اس کا اہتمام کیا کہ ساری باتوں کو خفیہ رکھا جائے، اس کے بعد آپؐ نے اپنی مکہ روانگی کا اعلان کیا، اور لوگوں کو تیار رہنے اور سامان تیار رکھنے کی ہدایت کی، آپؐ نے یہ بھی فرمایا کہ اے اللہ اس کا انتظام فرمادے کہ قریش کا کوئی جاسوس، اور مخبر اپنا کام نہ کرسکے، اور ہم اچانک قریش کے سر پہ پہونچ جائیں (۲)۔

مدینہ کا اسلامی معاشرہ بہر حال ایک انسانی اور بشری معاشرہ تھا، اور اس میں انسانی جذبات

---

(۱) سیرت ابن ہشام، ج ۲، ص ۳۹۶-۳۹۵

(۲) زاد المعاد، ج ۱، ص ۴۲۱ و سیرت ابن ہشام، ج ۲، ص ۳۹۷

واحساسات اور خواہشات کی زندہ حقیقت اور واقعات کی وہ جھلکیاں موجود تھیں، جو کسی زندہ، فطری اور غیر مصنوعی معاشرہ میں ہوتی ہیں، اس لئے وہ صحیح کام بھی کرتے تھے، اور ان سے غلطیاں بھی ہوتی تھیں، ہوسکتا ہے وہ اپنے فیصلوں اور اقدامات میں بعض اوقات کسی تاویل سے بھی کام لیتے ہوں، اور اس تاویل میں وہ حق پر بھی ہوں، دراصل یہ ان تمام انسانی معاشروں کا خاصہ ہے، جن میں آزادی اور باہمی اعتماد کی فضاء پائی جاتی ہو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر ان کے کسی اقدام کو غلط سمجھتے تو ان کے لئے عذر تلاش کرتے، اور ان کے ساتھ رعایت وتسامح کا معاملہ فرماتے، ان غلطی کرنے والوں کے لئے آپ کا سینۂ مبارک بہت کشادہ تھا، اور ان کی فضیلت اور دعوت وجہاد میں ان کے کارناموں، اور اسلام کے لئے ان کی سابقہ خدمات کا آپ کو ہمہ وقت احساس رہتا تھا، حدیث، سیرت اور تاریخ اسلام نے ایسے کمتر بلکہ نادر واقعات بھی محفوظ کردیئے ہیں، جو بجائے خود ان کتابوں کی امانت ودیانت اور حق گوئی اور انصاف پسندی کی شہادت اور سند ہیں۔

ان واقعات میں حاطب ابن ابی بلتعہ کا واقعہ بھی ہے، یہ ان لوگوں میں ہیں، جنھوں نے مکہ سے ہجرت کی اور جنگ بدر میں شریک ہوئے، روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ روانگی کے ارادے سے صحابہ کرام کو باخبر کیا، اور خاموشی کے ساتھ اس کی تیاریاں شروع ہوگئیں، ت وحاطب بن ابی بلتعہ نے ایک خط لکھا جس میں ان لوگوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روانگی کی اطلاع تھی، انھوں نے یہ خط ایک عورت کے حوالہ کیا، اور اگر وہ اس کو بحفاظت قریش تک پہونچادے تو اس کے لئے کچھ معاوضہ کا بھی وعدہ کیا، اس نے اس خط کو اپنے بالوں کے جوڑے میں چھپالیا اور روانہ ہوگئی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب غیبی طریقہ سے اطلاع ملی تو آپ نے حضرت علی وحضرت زبیر رضی اللہ عنہما کو اس کے تعاقب میں روانہ فرمایا اور ارشاد ہوا کہ تم لوگ جاؤ جب تم روضۃ الخاخ (مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک مقام ہے) کے قریب پہونچوں گے تو تم کو وہاں ایک مسافر عورت ملے گی جس کے پاس قریش کے نام یہ خط ہوگا، یہ دونوں گھوڑے دوڑاتے ہوئے وہاں پہونچے، اسی جگہ یہ عورت ان کو ملی، انھوں نے اس کو سواری پر سے اترنے پر مجبور کیا اور کہا کہ تمہارے پاس کوئی خط ہے؟ اس نے جواب دیا کہ میرے پاس کوئی خط نہیں ہے، انھوں نے اس کے سامان واسباب کی تلاشی لی، لیکن کچھ نہ ملا، حضرت علیؓ نے اس سے کہا کہ میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات غلط نہیں ہوسکتی، نہ ہم غلط کہتے ہیں، بخدا تجھے یہ خط نکالنا پڑے گا، ورنہ ہم تیری جامہ تلاشی لیں گے، جب اس نے دیکھا کہ یہ لوگ اس پر اڑے ہوئے ہیں، تو اس نے کہا کہ منھ

ادھر کرلو، انھوں نے منہ ادھر کرلیا، اس نے پانے جوڑے کو کھول کر یہ خط نکالا، اور ان کے حوالے کیا یہ دونوں حضرات خط لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے، یہ حاطبؓ بن ابی بلتعہ کا خط تھا، جس میں قریش کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روانگی کی اطلاع تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حاطبؓ کو طلب فرمایا، انھوں نے حاضر ہو کر کہا کہ یا رسول اللہؐ آپ عجلت نہ فرمائیں، خدا کی قسم میں اللہ اور رسولؐ پر ایمان رکھتا ہوں، نہ میں نے اپنا دین تبدیل کیا ہے، نہ اپنی وفاداری، لیکن میرا قریش سے ویسا تعلق نہیں جیسا ان مہاجرین کا ہے، جن کی ان میں قرابتیں اور خاندانی تعلقات ہیں، جو ان کے عزیزوں کے پشت پناہ بن سکتے ہیں، میرا معاملہ یہ ہے کہ میں صرف ان کا حلیف ہوں، میرے گھر کے لوگ اور بچے تو وہاں ہیں، لیکن ان کو خاندانی طور پر کوئی حمایت و پشت پناہی حاصل نہیں (۱)، میں نے سوچا کہ جب مجھے یہ چیز حاصل نہیں ہے تو میں ان پر کوئی ایسا احسان کردوں جس سے میرے خاندان کے لوگ محفوظ رہیں، حضرت عمرؓ نے یہ سن کر کہا کہ یا رسول اللہؐ مجھے اجازت دے دیجئے میں اسی وقت اس کی گردن اڑادوں، اس لئے کہ اس نے اللہ اور اس کے رسولؐ کے ساتھ خیانت کی ہے، اور منافق لوگوں میں ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ بدر میں شریک تھے، اور عمر تمھیں کیا معلوم کہ کہیں اللہ تعالیٰ نے اہل بدر کو مخاطب کر کے فرمادیا ہو کہ تم جو چاہو کرو میں نے تمہارے سب قصور معاف کردیئے ہیں، یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے انھوں نے کہا کہ اللہ اور اس کے رسولؐ زیادہ جانتے ہیں (۲)۔

غرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان میں مدینہ سے روانہ ہوئے لشکر اسلام دس ہزار صحابیوں پر مشتمل تھا (۳) ''مرّ الظہران'' میں آکر اس نے منزل کی اس نقل و حرکت سے اللہ تعالیٰ نے قریش کو بالکل بے خبر رکھا، اور وہ خوف و بے یقینی اور انتظار کی ملی جلی کیفیت کا شکار ہو گئے۔

---

(۱) حاطب ابن ابی بلتعہ کا تعلق قبیلہ لخم سے تھا، جو شمالی حجاز اور شام کے عربی قبائل میں سے ہے، وہ قریش میں کس کے حلیف تھے، اس کے بارے میں کئی اقوال ہیں، ایک یہ کہ وہ بنی اسد ابن عبد العزیٰ کے حلیف تھے، کوئی ان کو حضرت زبیرؓ کا حلیف بتاتا ہے، کسی کا بیان ہے کہ عبد اللہ بن حمید اسدی کے آزاد کردہ غلام تھے۔ (ملاحظہ ہو ''الاصابة فی تمییز الصحابة'' للعلامه احمد ابن حجر العسقلانی، ج۱، ص۳۰۰)

مشہور روایت کے مطابق مقوقس شاہ مصر کے نام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خط لے کر وہی گئے تھے، مرزبانی نے ''معجم الشعراء'' میں ان کو جاہلیت میں قریش کے شہسواروں اور شعراء میں شمار کیا ہے، مدائنی کے بیان کے مطابق ۳۰ھ میں زمانہ خلافت حضرت عثمانؓ میں ان کا انتقال ہوا۔

(۲) زاد المعاد، ج۱، ص۴۲۱، صحاح میں بھی یہ قصہ مروی ہے، ترجمہ کے وقت صحیح بخاری کے الفاظ پیش نظر رکھے گئے ہیں۔

(۳) باب غزوۃ الفتح فی رمضان، صحیح بخاری۔

پروانۂ معافی

راستہ میں آپ کو آپ کے چچازاد بھائی ابوسفیان (ابن الحارث بن عبدالمطلب) ملے آپؐ نے ان سے منہ پھیر لیا، اس لئے کہ انھوں نے آپ کو بڑی ایذا پہونچائی تھی، اور آپؐ کی ہجو کہی تھی، انھوں نے حضرت علیؓ سے اس بات کا شکوہ کیا، انھوں نے کہا کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روئے مبارک کے سامنے کی طرف آؤ، اور وہ کہو جو برادران یوسف نے یوسف علیہ السلام سے کہا تھا "تَاللّٰهِ لَقَدْ اٰثَرَكَ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَاِنْ كُنَّا لَخٰطِئِيْنَ" (۱) (خدا کی قسم خدا نے تم کو ہم پر فضیلت بخشی ہے، اور بے شک ہم خطا کار تھے) اس لئے کہ آپ یہ پسند نہیں فرماتے کہ اچھی اور نرم بات کہنے میں آپ سے کوئی بڑھ جائے، انھوں نے یہی کیا اور سامنے آکر یہ آیت پڑھی، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ وَهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ" (۲) (آج تم پر کوئی الزام نہیں، اللہ تعالیٰ تمھیں معاف فرمائے اور وہ سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحیم ہے) اس کے بعد بہت اچھے اور راسخ مسلمانوں میں ان کا شمار ہوا، لیکن اسلام لانے کے بعد پھر کبھی انھوں نے شرم کے مارے آپؐ سے آنکھیں چار نہیں کیں (۳)۔

ابوسفیان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا کہ آگ کے الاؤ روشن کئے جائیں، چنانچہ اس کی تعمیل کی گئی، اسی وقت ابوسفیان بن حرب جاسوسی کی غرض سے اور حالات کا اندازہ کرنے کے لئے ادھر سے گذرے اور ان کے منہ سے نکلا کہ اس شان کا لشکر اور اس طرح کی روشنی تو میں نے اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی، حضرت عباسؓ (بن عبدالمطلب) اس سے پہلے ہجرت کر چکے تھے، اور اس لشکر میں موجود تھے، انھوں نے ابوسفیان کی آواز پہچان لی، اور کہا دیکھو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں میں تشریف فرما ہیں، کل قریش کا انجام کتنا ہولناک ہوگا، پھر یہ سوچ کر کہ کوئی مسلمان ان کو دیکھ لے گا تو فوراً ان کا کام تمام کر دے اپنے خچر کے پیچھے انھیں بٹھالیا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لائے، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر مبارک ان پر پڑی تو آپؐ نے فرمایا ابوسفیان! تمہارا بھلا ہو، کیا ابھی تک اس کا وقت نہیں آیا کہ تم اس پر ایمان لاؤ کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں؟

---

(۱) سورۂ یوسف۔۹۱

(۲) سورۂ یوسف۔۹۲

(۳) زادالمعاد، ج ۱، ص ۴۲۱

انھوں نے کہا میرے ماں باپ آپؐ پر قربان آپؐ کتنے حلیم اور کتنے کریم ہیں، اور کس قدر صلہ رحمی کرنے والے ہیں، خدا کی قسم میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ اللہ کے سوا کسی اور معبود کا وجود ہوتا تو آج میرے کچھ کام آتا، آپؐ نے فرمایا ابوسفیان! خدا تمہیں سمجھ دے کیا اب بھی اس کا وقت نہیں آیا کہ تم اس بات کا اقرار کرو کہ میں اللہ کا رسول ہوں؟!

ابوسفیان نے کہا میرے ماں باپ آپؐ پر قربان، آپ کتنے حلیم، کتنے کریم اور کتنے صلہ رحمی کرنے والے ہیں، لیکن جہاں تک اس معاملہ کا تعلق ہے، اس بارے میں مجھے ابھی کچھ شبہ ہے۔

حضرت عباسؓ نے فرمایا "بندۂ خدا قبل اس کے کہ تمہارے گردن تلوار سے اڑا دی جائے اسلام قبول کرلو، اور گواہی دو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں، یہ سن کر ابوسفیان اسلام لائے اور شہادت دے کر اس فریضہ سے عہدہ برآ ہوئے (۱)۔

معافی کی صدائے عام

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معافی اور امن وحفاظت کا دائرہ اس روز وسیع فرما دیا کہ اہل مکہ میں سے صرف وہی شخص ہلاک ہوسکتا تھا، جو خود معافی وسلامتی کا خواہش مند نہ ہو اور اپنی زندگی سے بیزار ہو، آپ نے فرمایا کہ جو ابوسفیان کے گھر میں داخل ہوجائے گا، اس کو پناہ ملے گی، جو اپنے گھر کا دروازہ بند کرلے گا، وہ محفوظ ہے جو مسجد (حرام) میں داخل ہوگا اس کو امن ہے (۲)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل لشکر کو ہدایت فرمائی کہ مکہ داخل ہوتے وقت صرف اس شخص پر ہاتھ اٹھائیں جو ان کی راہ میں حائل ہو اور ان کی مزاحمت کرے، آپؐ نے اس کا بھی حکم فرمایا کہ اہل مکہ کی منقولہ وغیر منقولہ جائداد کے مسئلہ میں مکمل احتیاط برتی جائے، اور اس میں مطلق دست درازی نہ کی جائے (۳)۔

ابوسفیان فتح کے جلوس کا نظارہ کرتے ہوئے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو ہدایت کی کہ ابوسفیان کو ایسی جگہ لے جائیں جہاں سے اسلامی دستوں کی پیش قدمی کا نظارہ ہوسکے۔

یہ فاتحانہ دستے سمندر کی موجوں کی طرح متلاطم نظر آتے تھے، مختلف قبائل اپنے اپنے

---

(۱) سیرت ابن ہشام، ج ۲، ص ۴۰۳، وزاد المعاد، ج ۱، ص ۴۲۲۔

(۲) سیرت ابن ہشام، ج ۲، ص ۴۰۹ یہ روایت، صحیح بخاری میں مختصر طور پر آئی ہے، باب "این رکز النبیؐ الرایة یوم الفتح"۔

(۳) ایضاً۔

جھنڈوں کے ساتھ گذر رہے تھے، جب کوئی قبیلہ گذرتا تو ابوسفیان عباس رضی اللہ عنہ سے اس کا نام دریافت کرتے، اور کہتے کہ مجھے اس قبیلہ سے کیا سروکار؟ یہاں تک کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم بنفس نفیس ایک مسلح دستے میں تشریف لائے، جو سبز معلوم ہو رہا تھا، یہ مہاجرین وانصار کا ایسا آہن پوش دستہ تھا کہ ان کی صرف آنکھیں نظر آتی تھیں۔

ابوسفیان نے یہ منظر دیکھ کر کہا کہ خدا کی شان، عباسؓ یہ کون لوگ ہیں؟ انھوں نے جواب دیا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جو مہاجرین وانصار کے جلو میں تشریف لے جا رہے ہیں، انھوں نے کہا ان میں سے کسی کو اس سے پہلے یہ طاقت اور شان وشوکت حاصل نہ تھی، خدا کی قسم اے ابوالفضل! تمہارے بھتیجہ کا اقتدار آج کی صبح کتنا عظیم ہے، انھوں نے کہا کہ ابوسفیان یہ نبوت کا معجزہ ہے۔

اس کے بعد ابوسفیان نے بلند آواز سے اعلان کیا کہ اے قریش کے لوگو! یہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اتنی طاقت کیساتھ تمہاری پاس آئے ہیں، جس کا تم کو کبھی تجربہ نہ ہوا ہوگا، اب جو ابوسفیان کے گھر میں آجائے گا اس کو امان دی جائے گی لوگ یہ سن کر کہنے لگے، اللہ تم سے سمجھے تمہارے گھر کی حقیقت ہی کیا ہے کہ ہم سب کو اس میں پناہ مل سکے؟ پھر انھوں نے کہا جو اپنے گھر کا دروازہ بند کر لے گا اس کو امان ملے گی، جو مسجد (مسجد حرام) میں چلا جائے گا، اس کو امان ملے گی، چنانچہ لوگ منتشر ہو گئے، اپنے اپنے گھروں اور مسجد حرام میں پناہ گیر ہوئے (۱)۔

نیاز مندانہ، نہ کہ فاتحانہ داخلہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں اس شان سے داخل ہوئے کہ سر مبارک عبدیت وتواضع کے غلبہ سے بالکل جھک گیا تھا، قریب تھا کہ آپؐ کی ٹھوڑی اونٹنی کے کجارہ سے لگ جائے، آپؐ داخل ہوتے وقت سورۂ فتح پڑھ رہے ہیں (۲)۔

مکہ کے اس فاتحانہ داخلہ میں (جو جزیرۃ العرب کا قلب وجگر اور روحانی وسیاسی مرکز تھا) عدل ومساوات، تواضع اور اظہار عبدیت کا کوئی انداز نہ تھا جس کو آپؐ نے اختیار نہ فرمایا ہو، اسامہ (۳) کو جو آپ کے مولیٰ (آزاد کردہ غلام) حضرت زید کے صاحبزادہ تھے، آپؐ نے اپنی

---

(۱) ایضاً،ص۵۴۴ وزاد المعاد، ج۱،ص۴۲۳

(۲) ابن کثیر، ج۳،ص۵۵۴ صحیح بخاری میں معاویہ بن قرہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فتح مکہ کے دن اس حالت میں دیکھا کہ آپ اپنی اونٹنی پر تشریف رکھتے تھے، اور سورۂ فتح ترجیع کے ساتھ تلاوت فرما رہے تھے۔

(۳) ابن کثیر، ج۳،ص۵۵۶۔

سواری کے پیچھے جگہ دی بنی ہاشم اور اشراف قریش میں سے جن کی بڑی تعداد وہاں موجود تھی، یہ شرف کسی کو حاصل نہ ہوا، یہ واقعہ جمعہ کی صبح ۲۱ر رمضان کا ہے۔

فتح کے روز ایک شخص نے آپؐ سے گفتگو کی تو اس پر کپکپی طاری ہوگئی، آپؐ نے فرمایا ڈرو نہیں اطمینان رکھو میں کوئی بادشاہ نہیں ہوں میں تو قریش کی ایک ایسی عورت کا لڑکا ہو جو گوشت کے سوکھے ٹکڑے کھایا کرتی تھی (۱)۔

معافی ورحم کا دن ہے خونریزی کا نہیں

جب سعد بن عبادہؓ جو انصار کے دستہ کے امیر تھے، ابوسفیان کے پاس سے گذرے، انھوں نے کہا "اَلْیَوْمَ یوم الملحمة، الیوم تستحل الکعبة، الیوم اذل اللّٰه قریشا" (آج گھمسان کا رن ہے، اور خونریزی کا دن ہے، آج کعبہ میں سب جائز ہوگا، آج اللہ تعالیٰ نے قریش کو ذلیل کیا ہے) جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دستہ میں ابوسفیان کے پاس سے گذرے تو انھوں نے آپؐ سے اس کی شکایت کی، اور کہا کہ یا رسول اللہ آپؐ نے سنا! سعد نے ابھی کیا کہا؟ آپؐ نے فرمایا کیا کہا ہے؟: انھوں نے وہ سب دہرا دیا، سعد کے جملہ کو آپؐ نے ناپسند فرمایا اور فرمایا "الیوم یوم المرحمة، الیوم یعز اللّٰه قریشاً، ویعظم اللّٰه الکعبة" (نہیں آج تو رحم ومعافی کا دن ہے، آج اللہ تعالیٰ قریش کو عزت عطا فرمائے گا، اور کعبہ کی عظمت بڑھائے گا (۲)۔

آپؐ حضرت نے حضرت سعدؓ کو بلوا بھیجا اور اسلامی پرچم ان سے لے کر ان کے صاحبزادے قیسؓ کے حوالے کیا، آپؐ نے یہ خیال فرمایا کہ ان کے صاحبزادے کو پرچم دینے کے معنیٰ یہ ہوں گے کہ گویا پرچم ان سے واپس نہیں لیا گیا ہے (۳)۔

اس طرح ایک حرف کی تبدیلی (الملحمہ کے بجائے المرحمہ فرمادینے) اور ایک ہاتھ کو دوسرے ہاتھ سے تبدیل کردینے سے (جن میں سے ایک باپ کا ہاتھ تھا، دوسرا بیٹے کا) آپؐ نے سعد بن عبادہ (جن کے ایمانی اور مجاہدانہ کارنامے اظہر من الشمس تھے) کی ادنیٰ دلشکنی کے بغیر

---

(۱) صحیح بخاری کتاب المغازی "باب حجة الوداع"۔

(۲) ابن اموی نے مغازی میں اس روایت کا ذکر کیا ہے (دیکھئے فتح الباری، ج ۸ ص ۷)، صحیح بخاری میں یہ واقعہ الفاظ کے تھوڑے اختلاف کے ساتھ بیان کیا گیا ہے، اور اس میں سعد بن عبادہ کے سوال اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جواب کا ذکر ہے، اموی کا پورا نام یحیٰ بن سعید بن ابان ہے، اور ان کا شمار معتبر رُواۃ میں ہے، جس کے لئے حدیث کی اصطلاح میں صدوق کا لفظ آتا ہے، اصحاب صحاح نے ان سے روایت کی ہے، انکی وفات ۱۹۴ھ میں ہوئی۔

(۳) زاد المعاد، ج ۱، ص ۴۲۳

ابوسفیان کی (جن کو تالیف قلب کی ضرورت تھی) دلجوئی کا سامان ایسے حکیمانہ بلکہ معجزانہ طریقہ پر انجام دے دیا، جس سے بہتر طریقہ پر تصور میں آنا مشکل ہے، باپ کے بجائے، ان کے بیٹے کو یہ منصب عطا کر دیا، جس سے ابوسفیان کے زخم خوردہ دل کی تسکین منظور تھی، دوسری طرف آپ سعد بن عبادہ کو بھی آزردہ خاطر نہیں دیکھنا چاہتے تھے، جنھوں نے اسلام کے لئے بڑی خدمات انجام دی تھیں۔

معمولی جھڑپیں

اس موقع پر صفوان ابن امیہ، عکرمہ بن ابی جہل، سہیل بن عمرو اور خالد بن ولید کے ساتھیوں کے درمیان کچھ جھڑپیں ہوئیں، جن میں تقریباً ایک درجن مشرکین مارے گئے، اس کے بعد انھوں نے شکست قبول کر لی، اس کی وجہ یہ تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلامی لشکر کے سالاروں کو یہ ہدایت فرما دی تھی کہ جب وہ مکہ میں داخل ہوں تو صرف اس پر ہاتھ اٹھائیں جو ان پر ہاتھ اٹھائے (۱)۔

حرم سے بتوں کی صفائی

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں اپنے مقام پر پہونچ گئے اور لوگ بھی مطمئن ہو گئے تو اس وقت آپ باہر تشریف لائے، بیت اللہ کی طرف روانہ ہوئے، وہاں جا کر بیت اللہ کے گرد طواف کیا، اس وقت آپؐ کے دست مبارک میں ایک کمان تھی، کعبہ میں تین سو ساٹھ بت تھے، آپؐ اس کمان سے ان بتوں کو کونچتے تھے، اور فرماتے تھے:۔

جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ، اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا۔(سورۂ اسراء ۔ ۸۱)

حق آ گیا اور باطل مٹ گیا، اور باطل مٹنے ہی کی چیز تھی۔

اسی کے ساتھ یہ تمام ایک ایک کر کے منہ کے بل گرتے جاتے۔ (۲)

آپؐ کو کعبہ میں کچھ تصویریں اور شبیہیں بھی نظر آئیں اور آپ کے حکم سے ان کو بھی توڑ پھوڑ دیا گیا (۳)

آج حسن سلوک اور پاس وفا کا دن ہے

جب آپؐ نے طواف پورا فرما لیا تو عثمانؓ بن طلحہ کو جو کعبہ کے کلید بردار تھے بلوایا، کعبہ کی کلید ان سے لی دروازہ کھولا گیا، اور آپ کعبہ میں داخل ہوئے، اس سے پہلے جب آپؐ نے مدینہ ہجرت

---

(۱) زاد المعاد، ج ۱، ص ۴۰۷۔ ۴۰۸

(۲) سیرت ابن ہشام، ج ۲، ص ۴۱۱، و زاد المعاد، ج ۱، ص ۴۲۴

(۳) زاد المعاد، ج ۱، ص ۴۲۴ نیز ملاحظہ ہو صحیح بخاری باب (این رکز النبی صلی اللہ علیہ وسلم الرأية يوم الفتح)

سے قبل ایک دن یہ کلید طلب فرمائی تھی، تو انھوں نے سخت جواب دیا تھا، اور آپؐ سے اہانت آمیز گفتگو تھی، اور آپؐ نے حلم اور بردباری سے کام لیتے ہوئے یہ فرمایا تھا، عثمان! ''تم یہ کلید کسی وقت میرے ہاتھ میں دیکھو گے، اس وقت میں جسے چاہوں گا اسے یہ دوں گا'' اس کے جواب میں انھوں نے کہا تھا، اگر ایسا ہوا تو وہ دن تو قریش کی بڑی ذلت وتباہی کا ہوگا'' آپؐ نے فرمایا ''نہیں اس دن وہ آباد اور باعزت ہوں گے'' یہ الفاظ عثمان بن طلحہ کے دل نشین ہوگئے اور انھوں نے محسوس کیا کہ جیسا آپؐ نے فرمایا ہے ویسا ہی ہوگا(۱)۔

جب آپ کعبہ سے باہر تشریف لائے تو کنجی آپؐ کے دست مبارک میں تھی، آپ کو دیکھتے ہی حضرت علیؓ کھڑے ہو گئے اور عرض کیا، اللہ آپؐ پر درود وسلام بھیجے آپؐ سقایہ (پانی پلانے کا انتظام) کے ساتھ حجابہ (بیت اللہ کی دربانی) بھی ہمیں عطا فرمائیں، آپؐ نے فرمایا عثمان بن طلحہ کہاں ہیں؟ ان کو بلایا گیا، آپؐ نے فرمایا عثمان! لو یہ تمہاری کنجی ہے، آج حسن سلوک اور پاس وفا کا دن ہے، یہ کنجی لو جو تمہارے پاس ہمیشہ ہمیشہ رہے گی، اور ظالم کے سوا کوئی تم سے اس کو چھین نہ سکے گا(۲)۔

توحید حق اور وحدت انسانی کا دین

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب کعبہ سے نکلنے کے لئے اس کا دروازہ کھولا تو قریش پورے حرم میں صف بستہ کھڑے تھے، اور منتظر تھے کہ اب آپ کیا کرنے والے ہیں، آپؐ نے دروازے کے دونوں بازو تھام لئے، تمام لوگ آپؐ کے نیچے تھے، پھر آپؐ نے فرمایا:۔

لا الٰه الا اللّٰه وحده لا شريك له صدق وعده ونصر عبده وهزم الاحزاب وحده، الا كل ماثرة ومال ودم فهو تحت قدمى هاتين الاسدانة البيت وسقاية الحجاج، يامعشر قريش، ان اللّٰه قد اذهب عنكم نخوة الجاهلية وتعظمها بالآباء، الناس من آدم وآدم من تراب.

ایک خدا کے سوا اور کوئی خدا نہیں ہے، اس کا کوئی شریک نہیں ہے، اس نے اپنا وعدہ سچا کیا، اپنے بندہ کی مدد کی، اور تمام جتھوں کو تنہا شکست دی، یاد رکھو کہ تمام مفاخر، تمام انتقامات، خون بہا، سب میرے قدموں کے نیچے ہیں، صرف کعبہ کی تولیت اور حجاج کی آب رسانی اس سے مستثنیٰ ہیں، اے قوم قریش، اب جہالت کا غرور اور نسب کا افتخار خدا نے مٹا دیا، تمام لوگ آدم کی نسل سے ہیں اور آدم مٹی سے بنے تھے۔

---

(۱) زاد المعاد، ج ۱، ص ۴۲۵ صحیح بخاری میں بھی یہ واقعہ آیا ہے۔

(۲) زاد المعاد، ج ۱ ص ۴۲۵ طبقات ابن سعد کے حوالہ سے۔

اس کے بعد آپؐ نے یہ آیت تلاوت فرمائی:۔

یَآ اَیُّھَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰکُمْ مِّنْ ذَکَرٍ وَّاُنْثٰی وَجَعَلْنٰکُمْ شُعُوْباً وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا، اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ، اِنَّ اللّٰہَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ (سورۂ حجرات۔۱۳) (۱)

لوگو ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہاری قوم اور قبیلے بنائے تاکہ ایک دوسرے کو شناخت کرو، اور خدا کے نزدیک تم میں زیادہ عزت والا وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے، بے شک خدا سب کچھ جاننے والا ہے (اور) سب سے خبردار ہے۔

نبی رحمتؐ

اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا، اے قریشیو! تمہیں کیا توقع ہے کہ اس وقت میں تمہارے ساتھ کیا کروں گا، انھوں نے جواب دیا ہم اچھی ہی امید رکھتے ہیں، آپ کریم النفس وشریف بھائی ہیں، اور کریم وشریف بھائی کے بیٹے ہیں، آپؐ نے ارشاد فرمایا میں تم سے وہی کہتا ہوں جو یوسفؑ نے اپنے بھائیوں سے کہا تھا۔

لا تثریب علیکم الیوم اذھبوا فانتم الطلقاء (۲)

آج تم پر کوئی الزام نہیں، جاؤ تم سب آزاد ہو۔

اس کے بعد آپؐ نے بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ کعبہ پر چڑھ کر اذان دیں، قریش کے سب سرداران اور اشراف نے یہ اعلان سنا اور وادی مکہ اذان حق سے گونج اٹھی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ام ہانی (بنت ابی طالب) کے گھر تشریف لے گئے غسل فرمایا اور اللہ تعالیٰ کے شکرانہ میں آٹھ رکعتیں صلاۃ الفتح (فتح کی نماز) کی ادا فرمائیں (۳)۔

حدود شرعیہ کے اجراء میں کوئی امتیاز روا نہیں

بنی مخزوم کی ایک عورت نے جس کا نام فاطمہ تھا، اس غزوہ میں چوری کی، اس کی برادری کے لوگ اسامہ بن زیدؓ کے پاس اس خیال سے کہ وہ رسول اللہ کو بہت عزیز ہیں، حاضر ہوئے اور سفارش کرانا چاہی، انھوں نے جب اس معاملہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کی تو آپؐ کے روئے

---

(۱) زاد المعاد، ج ۱، ص ۴۲۴

(۲) زاد المعاد، ج ۱، ص ۴۲۴

(۳) صحیح بخاری باب (منزل الرسول صلی اللہ علیہ وسلم یوم الفتح) و زاد المعاد، ج ۱، ص ۴۲۵

مبارک کا رنگ بدل گیا، آپ ؐ نے فرمایا کہ تم مجھ سے اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدود میں کسی حد کے متعلق بات کرتے ہو، اسامہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ ؐ میرے لئے اللہ تعالیٰ سے مغفرت چاہیں، شام کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب لوگوں سے خطاب فرمایا پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کی جو اس کی شان کے لائق ہے پھر فرمایا:۔

اما بعد۔ تمہارے پہلے لوگ اس لئے ہلاک ہوئے تھے کہ ان میں سے جب کوئی شریف اور ذی حیثیت آدمی چوری کرتا تھا، تو وہ اس کو چھوڑ دیتے تھے، ضعیف اور کمزور شخص چوری کرتا تھا تو اس پر حد جاری کرتے تھے، اور اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں محمد ؐ کی جان ہے، اگر فاطمہ بنت محمد ؐ نے بھی چوری کی ہوتی تو میں اس کے ہاتھ کاٹ دیتا۔

پھر اس کے بعد آپ ؐ نے حکم دیا کہ اس عورت کے ہاتھ کاٹ دیئے جائیں، چنانچہ اس کے ہاتھ کاٹے گئے، خلوص دل سے اس نے اس عمل بد سے توبہ کی، اس کے حالات سدھر گئے اور اس نے شادی بھی کر لی (۱)۔

اپنے دشمنوں کے ساتھ حسن سلوک

جب فتح مکمل ہوگئی، اور سب لوگوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امان عطا فرمائی، سوائے نو آدمیوں کے جن کے قتل کا حکم ہوا خواہ وہ کعبہ کے پردوں کے اندر ملیں، ان میں کوئی وہ تھا جو اسلام لانے کے بعد مرتد ہو گیا، کسی نے فریب دے کر کسی مسلمان کو قتل کیا تھا، کسی نے آپ ؐ کی ہجو کو تفریح طبع کا سامان بنا لیا تھا، اور اس کو لوگوں میں پھیلاتا تھا، ان میں عبداللہ بن سعد بن ابی سرح بھی تھا، جو مرتد ہو گیا تھا، عکرمہ بن ابی جہل تھا، جو اسلام کے غلبہ اور اس کے دور دورہ سے نفرت کی بنا پر اور جان کے خوف سے اپنا وطن چھوڑ کر یمن چلا گیا تھا، اس کی بیوی نے اس کے فرار کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے لئے امان طلب کی آپ ؐ نے یہ جانتے ہوئے کہ وہ روئے زمین پر آپ ؐ کے بدترین دشمن کا لڑکا ہے، اس کو امان دی اور خوشی اور استقبال میں اس طرح اس کی طرف لپکے کہ چادر بھی جسم اطہر سے ہٹ گئی تھی۔

عکرمہ اسلام لائے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت مسرّت ہوئی، اسلام میں ان کو کو خاص مقام حاصل ہوا، ارتداد کی جنگوں اور شام کے معرکوں میں انھوں نے بڑی خدمات انجام دیں۔

ان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب چچا سیدنا حمزہ کے قاتل (جبیر ابن مطعم کے

---

(۱) بخاری و مسلم، دیکھئے بخاری میں (باب مقام النبی صلی اللہ علیہ وسلم بمکۃ زمن الفتح)

غلام) وحشی بھی تھے، جن کا خون رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مباح کر دیا تھا، لیکن وہ اسلام لائے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا اسلام قبول فرمایا۔

ان میں ہبار بن الاسود بھی تھا، جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے پہلو پر نیزہ سے حملہ کیا، یہاں تک کہ وہ اونٹ سے ایک چٹان پر گر پڑیں اور اسقاط حمل کا واقعہ پیش آیا، اس کے بعد وہ بھاگ گیا، بعد میں اس نے اسلام قبول کر لیا، اور سارہ اور دو ایک گانے والیوں (جو آپؐ کی ہجو میں کہے گئے اشعار کو گاتی تھیں) کے سلسلے میں بھی آپؐ سے امان چاہی گئی، آپؐ نے ان دونوں کو امان دی اور وہ دونوں مسلمان ہو گئیں (۱)۔

ہند بنت عتبہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مکالمہ

مکہ میں ایک مجمع آپؐ سے اسلام پر بیعت کرنے کے لئے اکٹھا ہو گیا، آپؐ ان کو بیعت کرنے کے لئے کوہ صفا پر تشریف لائے اور وہاں بیٹھ کر ان سے اللہ و رسول کی سمع و طاعت پر (جہاں تک ان کے اندر اس کی قوت ہو) بیعت لی۔

جب مردوں کو بیعت کر کے آپؐ فارغ ہو گئے تو آپؐ نے عورتوں سے بیعت لی ان میں ابوسفیان کی بیوی ہند بنت عتبہ بھی تھیں، وہ نقاب میں تھیں اور سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ انھوں نے جو کچھ کیا تھا اس کی وجہ سے اپنے کو ظاہر کرنا نہیں چاہتی تھیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس پر مجھ سے بیعت کرو کہ اللہ کے ساتھ تم کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ گی ''ہند'' نے کہا خدا کی قسم آپ ہم سے وہ اقرار لے رہے ہیں، جو آپؐ نے مردوں سے نہیں لیا ہے۔

''اور چوری نہ کرو گی'' ہند نے پھر کہا کہ میں نے ابوسفیان کے مال میں سے اکثر تھوڑا تھوڑا لیا ہے، میں نہیں جانتی تھی کہ ایسا کرنا حلال ہے یا حرام، ابوسفیان نے یہ سن کر اس وقت موجود تھے کہا کہ جہاں تک گذشتہ کا تعلق ہے، تم اس سے آزاد ہو وہ تمہارے لئے حلال ہے، اس موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اچھا تم عتبہ کی بیٹی ہند ہو؟ انھوں نے جواب دیا کہ ہاں، آپؐ جو کچھ گزشتہ قصور سرزد ہوئے ہیں، ان کو معاف کریں، اللہ تعالیٰ آپ کو معاف کرے، پھر آپؐ نے فرمایا ''اور زنا نہ کرو گی'' اس نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا کوئی شریف عورت بھی زنا کر سکتی ہے؟ (۲)۔

اس کے بعد آپؐ نے ارشاد فرمایا ''اپنی اولاد کو قتل نہ کرو گی'' یہ سن کر انھوں نے کہا جب تک وہ

---

(۱) زاد المعاد، ج ۱، ص ۴۲۵

(۲) سیرت ابن کثیر، ج ۳ ص ۶۰۳

بچے رہے، ہم نے انھیں پالا، جب بڑے ہوئے تو آپؐ نے انھیں قتل کیا اب آپؐ جانیں اور وہ جانیں!

اس کے بعد ارشاد ہوا کہ "کوئی کھلا ہوا بہتان نہ باندھو گی" ہند نے کہا، بخدا بہتان تراشی بہت معیوب اور قبیح بات ہے، اور بعض مواقع پر چشم پوشی اور درگزر زیادہ بہتر ہے۔

آپؐ نے فرمایا "اور میری نافرمانی نہ کرو گی" اس نے کہا ہاں اچھی باتوں میں!(۱)

تمہارے ہی ساتھ جینا ہے اور تمہارے ہی ساتھ مرنا ہے

جب اللہ تعالیٰ نے مکہ کے دروازے اللہ کے رسولؐ کے لئے کھول دیئے جو آپؐ کی جائے پیدائش اور اصلی وطن تھا تو انصار نے آپس میں ایک دوسرے سے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اللہ تعالیٰ نے آپؐ کا دیس اور وطن فتح فرمادیا ہے، اب آپؐ یہیں قیام فرمائیں گے، مدینہ واپس نہ ہوں گے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار سے دریافت فرمایا کہ تم لوگ کیا بات کرتے تھے، اس بات کو ان کے سوا کوئی اور نہ جانتا تھا، یہ لوگ اس پر بہت شرمندہ ہوئے، اور آخر میں اعتراف کرلیا، آپؐ نے فرمایا "معاذ اللہ ایسا کیسے ہوسکتا ہے، جینا بھی تمہارے ساتھ ہے، اور مرنا بھی تمہارے ساتھ ہے" (۲)۔

دشمنوں نے آنکھیں بچھائیں اور فاسق و فاجر متقی و پرہیزگار بن گئے!

فضالہ بن عمیر کی نیت خراب ہوئی اور اس نے یہ منصوبہ بنایا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طواف میں مشغول ہوں تو اس وقت وہ کام کرلیا جائے جو کسی شقی سے نہیں ہوسکا تھا، جب وہ اس ارادے سے آپؐ کے قریب آیا تو آپؐ نے اسے متوجہ کرتے ہوئے کہا فضالہ! اس نے کہا جی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، آپؐ نے فرمایا کہ تمہارے دل میں اس وقت کیا آرہا تھا، اس نے کہا کچھ نہیں اللہ کو یاد کررہا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ سن کر ہنسے پھر فرمایا، اللہ سے معافی چاہو، پھر اپنا دست مبارک اس کے سینہ پر رکھا اس کا دل اسی وقت پرسکون ہوگیا، فضالہ بیان کرتے تھے کہ آپؐ نے اپنا ہاتھ میرے سینہ سے ہٹایا بھی نہیں تھا کہ اللہ تعالیٰ کی ساری مخلوق میں میرے لئے آپ سے زیادہ محبوب کوئی اور نہ تھا۔

انھوں نے کہا کہ اس کے بعد میں اپنے گھر کی طرف چلا راستہ میں مجھے وہ عورت ملی جس سے میں کچھ باتیں کیا کرتا تھا، اس نے کہا کہ آؤ فضالہ بیٹھیں کچھ بات کریں فضالہ کا جواب تھا، اللہ اور اسلام اب اسکی اجازت نہیں دیتا (۳)۔

---

(۱) ابن کثیر، ج ۳، ص ۶۰۲-۶۰۳، ابن کثیر کے سوا دیگر مصادر سے معمولی اضافہ کیساتھ۔

(۲) سیرت ابن ہشام، ج ۱، ص ۴۱۶

(۳) سیرت ابن ہشام، ج ۲، ص ۴۱۷، وزاد المعاد، ج ۱، ص ۴۲۶

جاہلیت کے آثار اور بت پرستی کے نشانات کا خاتمہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کعبہ کے چاروں طرف جتنے بت تھے، ان کو ختم کرنے کے لئے سرایا بھیجے اور یہ سارے کے سارے بت پاش پاش کردیئے گئے، ان میں "لات وعزیٰ" اور "منات" کے بت بھی شامل تھے، اس کے بعد آپؐ کے منادی نے مکہ میں اعلان کردیا کہ ہر وہ شخص جو اللہ اور آخرت کے دن پر یقین رکھتا ہے، اس کو چاہئے کہ اپنے گھر کے ہر بت کو توڑ دے، آپؐ نے اصحاب کرام میں سے کچھ آدمیوں کو مختلف قبائل میں بھیجا اور انھوں نے وہاں جا کر بت شکنی کا یہ مقدس فریضہ انجام دیا۔

جریر روایت کرتے ہیں کہ "جاہلیت میں ایک بت خانہ تھا، جس کا نام "ذوالخلصہ" تھا، اسی طرح "الكعبة اليمانيه" اور "الكعبة الشاميه" کے نام سے بت خانے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ "کیا تم اس "ذوالخلصہ" کو پاش پاش کر کے مجھے راحت نہ پہونچاؤ گے؟" جریر کہتے ہیں کہ "میں ڈیڑھ سو شہسواروں کو لے کر (جو احمس کے تھے، اور یہ لوگ شہسوار مانے جاتے تھے) وہاں گیا، اس بت کو بھی توڑ ڈالا اور جتنے لوگ اس وقت اس بت کے پاس حاضر تھے، ان کو بھی موت کے گھاٹ اتار دیا، اس کے بعد میں نے واپس آکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر سنائی آپؐ نے ہمارے اور احمس کے لئے دعا فرمائی" (۱)۔

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ میں کھڑے ہو کر اس کی حرمت وعظمت کا اعلان کیا اور ارشاد فرمایا کہ "کسی شخص کے لئے جو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان لاچکا ہے، یہ جائز نہیں کہ اس میں خون بہائے یا یہاں کے کسی درخت کو کاٹے، آپؐ نے یہ بھی فرمایا کہ نہ مجھ سے پہلے کسی شخص کے لئے یہاں ایسا کرنا جائز تھا اور نہ میرے بعد کبھی کسی کے لئے جائز ہوگا" اس کے بعد آپؐ مدینہ تشریف لے آئے (۲)۔

فتح مکہ کے اثرات

فتح مکہ کا عربوں کے دلوں پر بہت گہرا اثر پڑا اللہ تعالیٰ نے ان کے دل قبول اسلام کے لئے کھول دیئے اور انھوں نے وفد اور جماعتوں کی شکل میں آکر بکثرت اسلام قبول کرنا شروع کیا، کچھ ایسے قبیلے تھے، جو قریش کے ساتھ کسی نہ کسی معاہدہ سے وابستہ تھے، اور اس معاہدہ کی پابندی ان کے قبول اسلام میں رکاوٹ بن رہی تھی، کچھ قبیلے قریش سے ڈرتے تھے، اور قریش کی بڑائی وعظمت ان

---

(۱) صحیح بخاری باب غزوۃ ذی الخلصۃ۔

(۲) زاد المعاد، ج ا ص ۴۲۵-۴۲۶

کے دل میں گھر کر چکی تھی، جب انھوں نے دیکھا کہ خود قریش نے اسلام کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے ہیں، اور سر تسلیم خم کر دیا ہے، تو ان کو بھی اس کا شوق پیدا ہوا، اور یہ رکاوٹ دور ہوگئی۔

بعض قبیلے یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ مکہ میں کوئی ظالم و جابر داخل نہیں ہو سکتا ہے، نہ اس کو بری نیت سے فتح کر سکتا ہے، ان میں ایسے لوگ بھی موجود تھے، جن کے سامنے واقعۂ فیل پیش آیا تھا، اور انھوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا کہ ابرہہ کا کیا انجام ہوا، وہ کہتے تھے جانے دو، ان کے اور ان کی قوم کے پیچھے پڑنے کی ضرورت نہیں، اگر وہ ان پر غالب آئے تو اس کا مطلب یہی ہوگا کہ وہ نبی برحق ہیں (۱)۔

جب اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کے ہاتھ پر مکہ کو فتح فرمایا، اور قریش خواستہ یا نخواستہ اسلام کے سامنے سر تسلیم خم کرنے پر مجبور ہوئے تو عربوں کا اسلام کی طرف ایسا رجوع عام ہوا کہ اس سے پہلے اس کی کوئی نظیر نہیں ملتی ان کی بڑی بڑی جماعتیں اور قبیلے آپ ؐ کے پاس حاضر ہوتے اور اپنے نصیب خفتہ کو بیدار کرتے اسی موقع کے لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ہے۔

اِذَا جَآءَ نَصۡرُ اللّٰهِ وَالۡفَتۡحُ وَرَاَيۡتَ النَّاسَ يَدۡخُلُوۡنَ فِىۡ دِيۡنِ اللّٰهِ اَفۡوَاجًا۔(۲) (سورۃ النصر۔۱۔۲)

جب اللہ کی مدد آپہونچی اور فتح (حاصل ہوگئی) اور تم نے دیکھ لیا کہ لوگ غول کے غول خدا کے دین میں داخل ہو رہے ہیں۔

کمسن امیر

مکہ کو الوداع کہنے سے پہلے آپ ؐ نے عتاب بن اسید کو مکہ کے معاملات اور حج کے انتظامات کی دیکھ بھال کے لئے امیر مقرر کیا (۳)، ان کی عمر اس وقت بیس سال کے لگ بھگ تھی، حالاں کہ ان سے زیادہ سن رسیدہ بزرگ اور ارباب فضل و کمال اس وقت موجود تھے، یہ اس بات کی علامت تھی کہ عہدے اور منصب اہلیت اور قوت و صلاحیت کی بنیاد پر ملتے ہیں، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے دورِ خلافت میں ان کو اس عہدے پر بدستور باقی رکھا (۴)۔

---

(۱) صحیح بخاری روایت عمرو بن سلمہؓ (باب مقام النبی بمکہ زمن الفتح)

(۲) استفادہ از ''رحمۃ للعالمین'' مؤلفہ مولانا قاضی محمد سلیمان منصوری پوریؒ۔

(۳) ابن ہشام، ج ۲، ص ۴۴۰

(۴) الاصابۃ و اسد الغابۃ۔

غزوۂ حنین

(شوال ۸ھ)

شمع اسلام کو پھونکوں سے بجھانے کی ایک اور ناکام کوشش

جب فتح مکہ کی تکمیل ہوگئی اور لوگوں نے بہت بڑی تعداد میں اسلام قبول کرنا شروع کیا تو اس وقت گرد وپیش کی آبادی نے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف اپنے ترکش کا آخری تیر بھی چلادیا، دراصل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ اور جزیرۃ العرب میں اسلام کے فروغ اور اشاعت کو روکنے کی ایک مایوسانہ کوشش تھی۔

ہوازن کا اجتماع

قبیلۂ ہوازن قریش کے بعد نمبر دو کی طاقت سمجھی جاتی تھی، ان کے اور قریش کے درمیان رقابت اور مقابلہ کا جذبہ پہلے سے موجود تھا، چنانچہ قریش نے اسلام کی ابھرتی ہوئی طاقت کے سامنے ہتھیار رکھدیئے اور اپنی شکست تسلیم کرلی لیکن ہوازن نے اپنا سر تسلیم خم کرنے سے انکار کردیا، بلکہ اس کے اندر یہ جذبہ اور شوق پیدا ہوگیا ک اسلام کی بیخ کنی کا سہرا اس کے سر بندھے اور عرب میں اس کے کارنامہ کی شہرت ہو، اور لوگ کہیں کہ جو کام قریش نہ کرسکے، اس کو ہوازن نے کردکھایا۔

قبیلہ کے سردار مالک بن عوف النصری نے اعلان جنگ کیا، خود ان کے قبیلے ہوازن کے ساتھ پورے قبیلہ ثقیف اور قبائل "نصر وجشم" اور سعد بن بکر نے ان کی آواز پر لبیک کہا، کعب اور کلاب نے ان کی حمایت نہیں کی، سب نے مل کر صف آرائی کرکے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پیش قدمی کا پروگرام بنایا اور مال ومتاع، عورتیں اور بچے لشکر کے ساتھ رکھے تاکہ گھر والوں کی عزت وناموس کے خیال سے وہ پامردی سے مقابلہ کریں اور راہ فرار اختیار نہ کرسکیں۔

اس معرکہ میں درید بن الصمۃ بھی شریک تھا، جو ایک سن رسیدہ اور تجربہ کار شخص تھا، اور بہت عقلمند اور صائب الرائے سمجھا جاتا تھا، ان کا یہ لشکر "اوطاس" (ا) میں اترا، حالت یہ تھی کہ اونٹوں کی

(ا) قبیلۂ ہوازن کے علاقہ میں طائف کے نزدیک ایک مقام ہے جہاں غزوۂ حنین پیش آیا۔

بلبلاہٹ گدھوں، خچروں کی چیخ وپکار، بکریوں کے ممیانے اور بچوں کے رونے چلانے سے لشکر کے اندر ایک شور برپا تھا، مالک بن عوف (سردار قبیلہ) نے اپنے سپاہیوں کو ہدایت کی کہ تم مسلمانوں کو دیکھنا تو اپنی تلواروں کے نیام توڑ دینا اور ایک ساتھ پوری طاقت سے حملہ کرنا (۱)۔

دوسری طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکہ کے دو ہزار مسلمان تھے، جن میں سے کچھ لوگ نئے نئے اسلام لائے تھے، کچھ لوگوں کے ابھی اسلام قبول کرنے کی نوبت نہیں آئی تھی، اس کے علاوہ آپؐ کے اصحاب کرامؓ اور فدائیان اسلام کی دس ہزار فوج آپؐ کے ساتھ تھی، جو مدینہ سے آپؐ کے ساتھ نکلے تھے، اس طرح ان کی تعداد اب تک کے تمام غزوات سے زیادہ تھی، یہ دیکھ کر کچھ مسلمان کہنے لگے کہ آج ہم قلت تعداد کی وجہ سے شکست نہیں کھا سکتے، کثرت تعداد پر ان کو ایک طرح کا ناز ہو گیا (۲)۔

اس موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صفوان بن امیہ سے (باوجود اس کے کہ وہ مشرکین میں سے تھے) کچھ زرہیں اور ہتھیار وغیرہ مستعار لئے اور ہوازن کے معرکہ کی نیت سے تشریف لے چلے (۳)

اب بت پرستی واپس نہیں آسکتی خواہ کسی شکل میں ہو!

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس لشکر میں کچھ ایسے افراد بھی تھے جو ابھی ابھی تازہ تازہ جاہلی زندگی کو ترک کر کے اسلام میں داخل ہوئے تھے، قصہ یہ تھا کہ عرب میں بعض قبائل کو ایک بڑے اور سرسبز درخت سے جس کا نام "ذات انواط" تھا خاص عقیدت تھی، وہ اس میں اپنے ہتھیار لٹکاتے تھے، قربانیاں کرتے تھے، اور ایک دن اس کے نیچے قیام کرتے تھے، چنانچہ جب دوران سفر میں یہ درخت انھیں نظر آیا تو جاہلیت کی ان قدیم رسموں اور باتوں کو یاد کر کے اور ان زیارت گاہوں کو دیکھ کر ان کے منہ میں پانی بھر آیا اور بے ساختہ کہنے لگے یا رسول اللہؐ! جیسا ان لوگوں کا "ذات انواط" تھا، ویسا ہی ایک ہمارے لئے بھی مرکز عقیدت تجویز فرما دیجئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر فرمایا، اللہ اکبر! اس کی قسم جس کے قبضے میں محمد کی جان ہے تم نے مجھ سے ایسی فرمائش کی ہے، جیسے موسیٰ کی قوم (یہود) نے موسیٰ سے کی تھی اور کہا تھا "اِجْعَلْ لَّنَا اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ، قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ" (۴) (آپ ہمارے لئے بھی ایک معبود بنا دیجئے جیسے ان کے بہت سے معبود ہیں، انھوں

(۱) سیرت ابن ہشام، ج ۲، ص ۴۳۷۔۴۳۹

(۲) تفسیر طبری، ج ۱، ص ۶۲۔۶۳

(۳) سیرت ابن ہشام، ج ۲، ص ۴۴۰

(۴) سورۃ الاعراف۔ ۱۳۸

نے جواب دیا کہ تم بڑی جہالت کی باتیں کرنے والی قوم ہو) پھر آپؐ نے فرمایا ''بے شک تم اپنی پیشرو قوموں کی ایک ایک بات اور طریقہ کی پیروی کروگے''(۱)۔

وادی حنین میں

جب مسلمان وادی حنین میں پہونچے تو شوال کی دس تاریخ (۸ھ) تھی، انھوں نے صبح کے دھندلکے میں نشیب کی طرف اترنا شروع کیا، ہوازن ان سے پہلے اس وادی میں پہونچ چکے تھے، اور اس کی گھاٹیوں، تنگ راستوں اور آڑوں میں کمین گاہیں اور مورچے بنالئے تھے، مسلمانوں کو صرف اتنا نظر آیا کہ انھوں نے ان کو اپنے تیروں پر رکھ لیا ہے اور تلواریں بے نیام ہیں، انھوں نے ایک ساتھ اور ایک وقت میں بھرپور حملہ کیا، وہ مانے ہوئے تیرانداز تھے (۲)۔

اکثر مسلمان اس اچانک حملے سے گھبرا کر پیچھے کی طرف پلٹے کوئی کسی کو دیکھتا نہ تھا کہ وہ کہاں ہے (۳)، یہ ایک خطرناک اور فیصلہ کن لمحہ تھا، اور قریب تھا کہ جنگ کا پانسہ مسلمانوں کے خلاف پلٹ جائے، پھر اس کے بعد ان کو سنبھلنے اور اپنا مرکز قائم رکھنے کی بھی گنجائش نہ رہے، یہاں جو کچھ ہوا وہ غزوۂ احد سے بہت مشابہ تھا، جب یہ مشہور ہوگیا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہوگئے ہیں، اور وہاں مسلمانوں کے قدم اکھڑ گئے تھے۔

دشمنوں کی شماتت اور ضعیف الایمان لوگوں کی لغزشیں

مکہ کے اکھڑ لوگ جو آپؐ کے ہمراہ اس لشکر میں تھے، اور جن کے دلوں میں ابھی ایمان اترا نہ تھا، ہزیمت کی یہ شکل دیکھ کر مختلف باتیں کرنے لگے، دلوں کا چھپا ہوا کینہ اس وقت ان کی زبانوں پر آگیا، انھوں نے کہا اب سمندر سے ادھر ان کی ہزیمت کا سلسلہ ختم نہ ہوگا، بعض لوگ کہنے لگے آج ان کا جادو ٹوٹ گیا (۴)۔

فتح اور سکینت

مسلمانوں کو جس قدر تادیب اور تنبیہ اللہ تعالیٰ کو منظور تھی وہ ہوگئی اور کثرت تعداد پر خوش

---

(۱) سیرت ابن ہشام، ج۲، ص۴۴۲، اصل روایت صحاح میں بھی ہے۔

(۲) ابن ہشام، ص۴۴۲-۴۴۳

(۳) زاد المعاد، ج۱، ص۴۴۶

(۴) سیرت ابن ہشام، ج۲، ص۴۴۲-۴۴۴، اختصار کے ساتھ۔

ہونے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کو فتح کی حلاوت کے بعد پھر شکست کی تلخی کا مزہ بھی چکھایا تا کہ ان کا ایمان مضبوط ہو اور فتح سے ان کے اندر کوئی اتراہٹ اور ہزیمت سے کسی قسم کی مایوسی پیدا نہ ہو تو اس نے پھر ان کو حملہ کی پوزیشن میں پہونچا دیا، اور اپنے رسول اور تمام مسلمانوں پر ایک قسم کی سکینت نازل فرمائی، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت اپنے سفید رنگ خچر (شہباء) پر اپنی جگہ اسی طرح بے خوف و بے تردد تشریف فرما تھے، آپؐ کے ساتھ مہاجرین، انصار اور اہل بیت کے بہت کم افراد باقی رہ گئے تھے، عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ آپ کے خچر کی لگام تھامے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے جاتے تھے۔

انا النبی لا کذب.......................انا ابن عبدالمطلب (۱)

میں پیغمبر صادق ہوں.......................میں فرزند عبدالمطلب ہوں۔

اس حالت میں جب مشرکین کے دستے آپؐ کے سامنے آئے تو آپؐ نے ایک مٹھی مٹی لے کر دشمنوں کی آنکھوں میں دور تک اس طرح پھینک دی کہ وہ ان کی آنکھوں میں بھر گئی۔

جب آپؐ نے ملاحظہ فرمایا کہ ہر شخص اپنی فکر میں ہے، تو ارشاد ہوا کہ عباس یہ آواز دو کہ "یامعشر الانصار یا أصحاب السمرة" (اے انصار اے "ببول" کے درخت والو!) (۲) انھوں نے سنتے ہی کہا لبیک! لبیک! ان کی آواز بہت بلند تھی، جب ان کی آواز کسی آدمی تک پہونچتی تو وہ اسی وقت اپنے اونٹ سے کود پڑتا اور اپنی تلوار اور ڈھال لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہو جاتا، جب ایک جماعت اس طرح تیار ہوگئی تو انھوں نے کفار سے مقابلہ شروع کر دیا اور دونوں فریق گتھ گئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دستہ کے ساتھ بلندی پر تشریف لائے آپؐ نے دیکھا کہ دونوں فریق برسر پیکار ہیں یہ منظر دیکھ کر آپؐ نے فرمایا اب تنور گرم ہوگیا ہے (زور کا رن پڑا ہے) (۳) اس کے بعد آپؐ نے کچھ کنکریاں لے کر کفار کی طرف پھینک دیں عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اسکے بعد میں برابر دیکھتا رہا کہ دشمن کی تیزی ماند پڑ رہی ہے، اور وہ پسپا ہوتے نظر آرہے ہیں (۴)۔

(۱) صحیح بخاری (باب قولہ تعالیٰ "اذا عجبتکم کثرتکم") اس روایت میں یہ بھی مذکور ہے کہ ابوسفیان بن الحارث آپؐ کے سفید خچر کی باگ تھامے ہوئے تھے، یہ روایت صحیح مسلم باب غزوۂ حنین میں بھی ہے۔

(۲) اس سے مراد وہ درخت ہے، جس کے نیچے انھوں نے حدیبیہ میں بیعت رضوان کی تھی عربی میں ببول کے درخت کو سمرة کہتے ہیں اس لئے اصحاب السمر ۃ کا لقب دیا گیا۔

(۳) سیرت ابن ہشام، ج ۲، ص ۴۴۵ حمی الوطیس تنور گرم ہوگیا ہے، اس موقع پر اس عربی محاورہ کا استعمال سب سے پہلے آپ کی زبان مبارک سے ہوا ہے۔

(۴) صحیح مسلم

دونوں فریق اچھی طرح لڑے اور ابھی شکست کھا کر لوگ پوری طرح واپس بھی نہیں ہوئے کہ ان کے قیدی جن کے ہاتھ بندھے ہوئے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مبارک میں حاضر نظر آئے (۱)، اللہ تعالیٰ نے فتح ونصرت کے فرشتے نازل فرمائے اور پوری وادی ان سے بھر گئی (۲)، اس طرح ہوازن کی شکست اتمام تک پہونچی۔

لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِيْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ ، وَّيَوْمَ حُنَيْنٍ ، اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْئًا وَّضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا ، وَعَذَّبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ، وَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ۔ (سورۃ التوبہ۔ ۲۵۔۲۶)

خدا نے بہت سے موقعوں پر تم کو مدد دی ہے اور (جنگ) حنین کے دن جب کہ تم کو اپنی (جماعت کی) کثرت پر غرّہ تھا تو وہ تمہارے کچھ بھی کام نہ آئی، اور فرمین باوجود (اتنی بڑی) فراخی کے تم پر تنگ ہوگئی پھر تم پیٹھ پھیر کر پھر گئے، پھر خدا نے اپنے پیغمبر پر اور مومنوں پر اپنی طرف سے تسکین نازل فرمائی اور (تمہاری مدد کو فرشتہ کے) لشکر جو تمہیں نظر نہیں آتے تھے (آسمان سے) اتارے او رکافروں کو عذاب دیا اور کفر کرنے والوں کی یہی سزا ہے۔

اسلام اور مسلمانوں کے خلاف آخری جنگ

عربوں کے سینہ میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف جو آگ سلگ رہی تھی، وہ غزوۂ حنین کے بعد ٹھنڈی پڑ گئی، اس لئے کہ اس لڑائی نے ان کی باقی ماندہ طاقت بھی ختم کردی اور ان کے ترکش کے سارے تیر بیکار کردیئے، ان کی جمعیت ذلیل اور پراگندہ ہوگئی، اور ان کے دل قبول اسلام کے لئے کھل گئے۔

اوطاس میں

ہوازن کی شکست کے بعد ان کے ایک گروہ نے جس میں سردار قبیلہ مالک بن عوف بھی تھا، طائف میں جا کر پناہ لی، اور وہاں اپنے قلعہ کو بند کرلیا، ایک وسرے دستہ نے چل کر "اوطاس" میں پڑاو ڈال دیا، ان کے تعاقب کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سریّہ ابوعامر الاشعری کی سرکردگی میں روانہ فرمایا جس نے ان سے جہاد کیا اور ان کو شکست دی (۳)، حنین کا مال غنیمت اور

(۱) سیرت ابن ہشام، ج ۲، ص ۴۴۵

(۲) ایضاً، ص ۴۴۹، صحیح مسلم میں کتاب الجہاد والسیر کے تحت غزوۂ حنین کے باب میں یہ واقعہ بالتفصیل بیان کیا گیا ہے۔

(۳) ابن کثیر، ج ۳، ص ۶۶۰

باندیاں وغیرہ آپؐ کے پاس پہونچیں تو آپ نے ان سب کو جعرانہ(۱) بھجوادیا اور ان کو وہاں حفاظت وحراست میں کرلیا گیا(۲)۔

غلاموں اور باندیوں کی تعداد چھ ہزار تھی، اونٹ چوبیس ہزار، بکریاں چالیس ہزار سے زیادہ، اس کے علاوہ چار ہزار اوقیہ چاندی، اس میں شامل تھی، یہ سب سے بڑا مال غنیمت تھا جو اب تک مسلمانوں کے ہاتھ لگا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ حنین میں اپنے اصحاب کرام اور رفقائے جہاد کو یہ حکم صادر فرمایا کہ کسی بچہ عورت، مرد، یا غلام پر جو کام کاج کے لئے ہو، ہاتھ نہ اٹھایا جائے، آپؐ نے ایک عورت کے قتل پر جو حنین میں ماری گئی تاسف کا اظہار فرمایا(۳)۔

---

(۱) جعرانہ مکہ معظمہ سے شمال مشرق راستہ پر ایک اہم منزل ہے۔

(۲) سیرت ابن ہشام، ج۲، ص۴۵۹

(۳) سیرت ابن کثیر، ج۳، ص۶۳۸

غزوۂ طائف

(شوال ۸ھ)

ثقیف کے باقی ماندہ دستے

ثقیف کے باقی ماندہ دستے طائف چلے آئے، اور یہاں آکر شہر کے دروازے بند کر لئے، قلعہ کے اندر انھوں نے ایک سال کے غلہ کا انتظام کرلیا، اور جنگ کے لئے تیار ہو گئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اِن کی سرکوبی کے ارادہ سے طائف کی طرف تشریف لے چلے اور اس کے قریب پہونچ کر پڑاؤ ڈالا لیکن مسلمان اس میں داخل نہ ہو سکے اس لئے کہ تمام دروازے پہلے ہی سے بند کر لئے گئے تھے، ثقیف نے مسلمانوں پر سخت تیراندازی شروع کی، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ تیر نہیں ٹڈیوں کا لشکر ان پر ٹوٹ پڑا ہے، ثقیف کے لوگ اچھے تیرانداز سمجھے جاتے تھے۔

طائف کا محاصرہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دیکھ کر لشکر کو دوسری طرف منتقل کر دیا اور کوئی پچیس تیس دن تک ان کا محاصرہ رکھا، اس درمیان میں ان سے سخت لڑائی ہوتی رہی اور دونوں طرف سے خوب تیر اندازی ہوئی، اس محاصرہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی بار منجنیق (ایک قسم کی توپ) استعمال کی، محاصرہ بہت سخت تھا، مسلمانوں کے کئی آدمی کفار کے تیروں سے شہید ہوئے (۱)۔

میدان جنگ میں رحم دلی

جب محاصرہ اور جنگ نے طول کھینچا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ثقیف کے انگور کے باغات کاٹ ڈالنے کا حکم دیا، انہی باغات پر ان کی معیشت کا سارا دارومدار تھا، لوگوں نے ان کو کاٹنا شروع کیا تو انھوں نے آپؐ سے درخواست کی، اللہ کے لئے اور رشتہ (۲) کا خیال کر کے ان باغات کو چھوڑ دیں، آپؐ نے فرمایا، بے شک میں اس کو اللہ کے لئے اور رشتہ کی بنیاد پر چھوڑتا ہوں۔

---

(۱) سیرت ابن ہشام، ج ۲، ص ۴۸۳-۴۷۸، باختصار

(۲) شاید قبیلہ بنی سعد کی طرف اشارہ ہو جس میں آپؐ نے اپنی رضاعت کے دن گذارے تھے۔

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ منادی کرادی کہ جو غلام قلعے سے اتر کر ہمارے پاس آجائے گا وہ آزاد ہے، چنانچہ یہ پکار سن کر دس سے کچھ اوپر آدمی نکلے جن میں ابوبکرہ بھی تھے، جو حدیث کے ایک بڑی راوی اور عالم صحابی ہیں، آپؐ نے ان سب کو آزاد فرمایا اور ہر آدمی کو ایک مسلمان کے حوالے کیا اور اس کے کھانے پینے کی ذمہ داری اس پر ڈال دی، یہ بات طائف والوں کو بہت گراں گذری (۱)۔

محاصرہ کا خاتمہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو طائف فتح کرنے کا حکم اللہ کی طرف سے نہیں ہوا، اس لئے آپؐ نے حضرت عمر کو حکم دیا کہ واپسی کا اعلان کردیں، انھوں نے واپسی کا اعلان کیا تو لوگوں میں بہت شور ہوا، اور وہ کہنے لگے کہ ہم بغیر طائف فتح کئے کیسے چلے جائیں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اچھا قتال کے لئے چلو، انھوں نے قتال کا آغاز کیا اور اس کے نتیجے میں ان کو سخت چوٹیں پہونچیں، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرمایا کہ ہم کل صبح انشاء اللہ واپس چلیں گے مسلمان یہ سن کر بہت خوش ہوئے اور سفر کی تیاری کر کے روانہ ہونے لگے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ منظر دیکھ کر ہنسنے لگے (۲)۔

حنین کی باندی غلام اور مال غنیمت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہمراہیوں کے ساتھ جعرّانہ میں قیام کیا اور ہوازن کو اس کا موقع دیا کہ دس بیس دن کے اندر اسلام قبول کرلیں، اور آپ کی خدمت میں حاضر ہوں، پھر آپؐ نے مال غنیمت کو تقسیم فرمانا شروع کیا، اور مؤلفۃ القلوب (یعنی وہ لوگ جن کو دلداری اور تالیف قلب کے لئے حصہ دیا جاتا تھا) کا حق سب سے پہلے آپؐ نے عنایت فرمایا، ابوسفیان اور ان کے دونوں بیٹوں یزید و معاویہ کو آپؐ نے دل کھول کر عنایت فرمایا، حکیم بن الحزام، نضر بن الحارث، علاء بن الحرثہ، اور ان کے علاوہ سرداران قریش کو بھی بہت فیاضی کے ساتھ اور کثیر مقدار میں عطا فرمایا پھر آپؐ نے عام مال غنیمت منگوایا اور تمام لوگوں کو طلب فرما کر ان میں اس کو تقسیم کردیا (۳)۔

---

(۱) زاد المعاد، ج۱، ص ۴۵۷ بہ روایت ابن اسحاق۔

(۲) حوالہ سابق، صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں بھی یہ واقعہ تھوڑے حذف و اضافہ کے ساتھ آیا ہے، ہنسنے کی وجہ غالباً یہ تھی کہ کل جب واپسی کے لئے کہا گیا تھا تو لوگوں کو تردد ہوا اب جب چشم زخم پہونچے تو خوشی خوشی تیار ہوگئے، آپ کو فطرت انسانی کی اس نیرنگی پر ہنسی آئی۔

(۳) زاد المعاد، ج۱، ص ۴۴۸، اختصار کے ساتھ۔

انصار کی محبت اور ان کا ایثار

اس تقسیم پر جس میں قریش کے سرداروں اور مؤلفۃ القلوب کا بہت بڑا حصہ تھا، اور انصار کا بہت معمولی، کچھ انصاری نوجوانوں میں چہ میگوئیاں شروع ہوگئیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر انصار کو ایک احاطہ میں جمع کیا اور ان کے سامنے ایک ایسا مؤثر اور طاقتور خطبہ دیا کہ ان کے دل کے تار جھنجھنا اٹھے، آنکھیں اشکبار ہوگئیں، اور محبت وشوق کا ایک چشمہ ان کے دلوں میں اُبل پڑا۔

آپؐ نے فرمایا "کیا میں تمہارے پاس اس حالت میں نہیں آیا تھا کہ تم سب گمراہ تھے، پھر میرے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں ہدایت نصیب فرمائی، تم غریب اور مفلس تھے، اللہ تعالیٰ نے میرے ذریعہ تمہیں دولتمند کیا، تم سب ایک دوسرے کے دشمن تھے، اللہ تعالیٰ نے تمہارے ٹوٹے ہوئے دلوں کو جوڑا؟"

ان سب نے جواب دیا "اللہ اور اس کے رسول کا فضل واحسان سب سے زیادہ ہے، جب وہ خاموش ہوئے، آپؐ نے فرمایا:۔

اے انصار! کیا تم مجھے اس سوال کا جواب دوگے؟

انھوں نے کہا کہ "یا رسول اللہ ہم اس بات کا آپ کو کیا جواب دے سکتے ہیں، سارا فضل واحسان اللہ اور اس کے رسول کا ہے"

آپؐ نے فرمایا "نہیں! خدا کی قسم اگر تم چاہو تو کہہ سکتے ہو اور تم جو کہوگے سچ ہوگا، اور میں اس کی تائید کروں گا کہ آپؐ ہمارے پاس اس حالت میں آئے کہ آپ کو جھٹلایا جاچکا تھا، اس وقت ہم نے آپؐ کی تصدیق کی اور آپ کو سچا تسلیم کیا، سب نے آپ کا ساتھ چھوڑ دیا تھا، ہم نے آپؐ کی مدد کی آپ کو لوگوں نے بے خانماں کر دیا تھا، ہم نے آپ کو پناہ دی، آپ کا ہاتھ خالی تھا، ہم نے آپؐ کے ساتھ ہمدردی اور آپؐ کی تسلی وغمخواری کی"۔

پھر آپؐ نے ان کی طرف رخ کرکے ایک ایسی بات فرمائی جس میں ناز واعتماد بھی تھا، اور اس تقسیم وعطا کے فرق کی حکمت بھی بیان کر دی گئی تھی۔

آپؐ نے فرمایا "اے جماعت انصار! کیا دنیا کی چند روزہ سرسبزی وشادابی کے لئے جو میں نے ان کی تالیف قلب کے لئے انھیں دی ہے تاکہ وہ اس کی وجہ سے اسلام پر ثابت قدم رہیں اور تمہیں تمہارے اسلام کے اعتماد پر چھوڑ دیا تھا، تمہارے دل کے اندر میرے بارے میں کچھ خیال آتا ہے"۔

پھر اس کے بعد آپؐ نے ان سے ایک ایسی بات کہی جس کو سن کر وہ اپنے قابو میں نہیں

رہے، اور ایمانی محبت کے سوتے ان کے دلوں میں بے ساختہ پھوٹ پڑے۔

آپؐ نے فرمایا:۔

"اے جماعت انصار! کیا تم اس پر راضی نہیں ہو کہ لوگ اپنے ساتھ بھیڑ اور بکریاں لے کر آئیں، اور تم اپنے خیموں میں اللہ کے رسول کو ساتھ لے کر جاؤ (صلی اللہ علیہ وسلم) قسم اس کی جس کے ہاتھ میں محمدؐ کی جان ہے تم جس چیز کو اپنے ساتھ لے کر جاؤ گے وہ اس سے کہیں بہتر ہے، جو وہ لے کر جائیں گے، اگر ہجرت نہ ہوتی تو میں انصار ہی کا ایک فرد ہوتا، اگر لوگ کسی ایک راستہ اور وادی میں چلتے اور انصار کسی دوسری وادی میں تو میں انصار ہی کی وادی میں چلتا، انصار تو شعار (استر) ہیں (وہ کپڑا جو جسم پر براہ راست ہوتا ہے) دوسرا لوگ دثار ہیں، (یعنی وہ کپڑا جو اوپر ہوتے ہیں، اور جسم سے مس نہیں کرتے) اے اللہ انصار پر رحم فرما، انصار کی اولاد پر رحم فرما اور انصار کی اولاد کی اولاد پر رحم فرما"۔

یہ سن کر تمام انصاری بے ساختہ رو پڑے اور ان کی داڑھیاں آنسوؤں سے تر ہو گئیں، وہ کہنے لگے ہم اس پر راضی اور خوش ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے حصہ اور نصیب میں آئیں (۱)۔

قیدیوں کی واپسی

ہوازن کا ایک وفد جو چودہ آدمیوں پر مشتمل تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آ کر ملا، اور آپؐ سے درخواست کی کہ از راہِ احسان آپ ان قیدیوں اور مال واسباب کو انھیں واپس فرما دیں، آپؐ نے فرمایا کہ تم دیکھ رہے ہو کہ میرے ساتھ کون کون ہیں، مجھے سب سے زیادہ وہ بات پسند ہے جو سچی ہو، اب یہ بتاؤ کہ تمہاری اولاد اور تمہاری عورتیں تمہیں زیادہ محبوب ہیں یا تمہارا مال واسباب؟"

انھوں نے جواب دیا کہ ہم اپنی اولاد اور اپنی عورتوں کے برابر کسی چیز کو نہیں سمجھتے آپؐ نے فرمایا "کل صبح کی نماز کے بعد تم لوگ کھڑے ہو کر یہ کہنا کہ ہم مسلمانوں کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سفارشی بناتے ہیں، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے مسلمانوں کو سفارشی بنا کر پیش کرتے ہیں کہ آپ ہمارے غلام باندی واپس فرما دیں، جب آپؐ نے نماز صبح سے فراغت کی تو انھوں نے کھڑے ہو کر ایسا ہی کہا اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے حصہ اور بنی عبدالمطلب کے حصہ میں جو کچھ ہے، وہ تمہارے حوالے ہے، دوسرے لوگوں سے میں تمہارے لئے سفارش کرتا ہوں اس پر مہاجرین وانصار نے کہا "ہمارے حصہ کا جو کچھ ہے، وہ سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش ہے"۔

---

(۱) اصل روایت صحیحین میں ہے، صاحب زاد المعاد نے اس روایت کو زیادہ جامع اور مفصل سیاق میں بیان کیا ہے، اور ہم نے اسی کو نقل کر دیا ہے، دیکھئے صحیح بخاری، باب غزوۃ الطائف۔

بنی تمیم، بنی فزارہ اور بنی سلیم کے تین آدمی اپنے حصہ سے دستبردار ہونے پر تیار نہیں ہو رہے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ یہ لوگ مسلمان ہو کر آئے ہیں، میں نے ان کا انتظار بھی کیا اور ان کو اختیار دیا لیکن انھوں نے اپنی اولاد اور بیویوں کے برابر کسی اور چیز کو قرار نہیں دیا، اس لئے اگر کسی کے پاس ایسے قیدی ہوں اور وہ ان کو خوش دلی سے دینا چاہے تو اس کا راستہ کھلا ہوا ہے، اور اگر اپنے حق کو چھوڑنا نہ چاہے تو یہ ان کو دے دے اس شخص کو ہر حصہ کے بدلے میں چھ حصے اس پہلے مال غنیمت سے ملیں گے جو اللہ تعالیٰ نے ہمیں عنایت فرمائے گا"۔

لوگوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر ہم خوش دلی سے حاضر کرتے ہیں، آپؐ نے فرمایا، "ہمیں معلوم نہیں کہ تم میں سے کون اس پر راضی ہے، اور کون راضی نہیں ہے، اس وقت تم لوگ واپس جاؤ، تمہارے سردار اور چودھری تمہارے صحیح صحیح معاملہ سے ہمیں آگاہ کریں، غرض سب نے ان کی عورتوں اور بچوں کو واپس کر دیا اور ایک شخص بھی اس میدان میں کسی سے پیچھے نہیں رہا ہر قیدی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوشاک بھی عطا فرمائی (۱)۔

نرم دلی اور کریم النفسی

مسلمانوں نے اس ہنگامے میں دوسرے غلاموں، باندیوں کے ساتھ جو تعداد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجی ان میں حلیمہ سعدیہ کی لڑکی شیماء بھی تھیں، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعی بہن تھیں، مسلمان ان سے واقف نہ تھے، اس لئے انھوں نے لے جانے میں سختی سے کام لیا، انھوں نے مسلمانوں سے کہا کہ خدا کی قسم تم کو معلوم ہونا چاہئے کہ میں تمہاری سردار کی دودھ شریک بہن ہوں، انھوں نے ان کی بات پر یقین نہیں کیا اور ان کو آپؐ کی خدمت میں پہونچا دیا۔

جب وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں تو آپؐ سے کہا کہ یا رسول اللہؐ! میں آپؐ کی رضاعی بہن ہوں، آپؐ نے فرمایا اس کی پہچان کیا ہے؟ انھوں نے کہا کہ ہاں! جس وقت میں آپؐ کو گود میں لئے تھی، آپؐ نے میری پیٹھ میں دانت سے کاٹ لیا تھا، اس کا نشان موجود ہے، آپؐ نے نشان پہچانا، اپنی چادر مبارک ان کے لئے پھیلا دی اور ان کو اس پر بٹھایا، اور ان کو اختیار دیتے ہوئے کہا کہ اگر تم چاہو تو بہت محبت اور عزت کے ساتھ میرے ساتھ رہ سکتی ہو، اور اگر چاہو تو میں تحائف وسامان کے ساتھ تم کو رخصت کر دوں، اور تم اپنے قبیلہ میں پہونچ جاؤ، انھوں نے کہا کہ آپؐ مجھے جو کچھ

---

(۱) زاد المعاد، ج ۱، ص ۴۴۹ صحیح بخاری میں یہ واقعہ قول اللہ تعالیٰ "ویوم حنین، اذا عجبتکم الآیۃ" میں الفاظ کے معمولی اختلاف کے ساتھ آیا ہے۔

دینا چاہیں عنایت فرمادیں، اور مجھے میری قوم میں واپس فرمادیں، آپؐ نے انھیں عطا فرمایا، اور انھوں نے اسلام بھی قبول کرلیا، آپؐ نے تین غلام ایک باندی اور کچھ بکریاں انھیں عطا فرمائیں (۱)۔

عمرۂ جعرّانہ

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ حُنین سے فارغ ہوئے اور جعرّانہ میں غلاموں اور مال غنیمت کی تقسیم کا کام مکمل ہوگیا تو آپؐ نے عمرہ کے لئے احرام باندھ لیا، یہ اہل طائف کا میقات تھا، اور مکہ سے ایک منزل پر تھا، عمرہ سے فراغت کے بعد آپؐ مدینہ تشریف لائے (۲)، یہ ماہ ذی قعدہ ۸ھ (۳) کا واقعہ ہے۔

اپنی رضا و رغبت سے

جب مسلمان طائف سے واپس آئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہو "آئبون تائبون عابدون لربنا حامدون" صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہؐ، آپؐ ثقیف کے لئے بددعا کریں، آپؐ نے دعا کی کہ "اے اللہ ثقیف کو ہدایت دے اور ان کو یہاں لا"۔

عروہ بن مسعود الثقفیؓ مدینہ پہونچے سے قبل راہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملے اور اسلام لائے اور وہیں سے اسلام کی دعوت دینے کے لئے اپنی قوم میں واپس گئے ان کو اپنی قوم میں بہت قدر واحترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا، اور وہ بہت ہردلعزیز اور محبوب تھے، لیکن جب انھوں نے اپنے اسلام کا اعلان کیا اور اپنے قبیلہ کو اسلام کی دعوت دی تو ان کو تیروں کا نشانہ بنایا گیا، اور انھوں نے جام شہادت نوش کیا۔

ان کے قتل کے بعد ثقیف نے کئی ماہ توقف کیا اور آپس میں مشورہ کرنے کے بعد اس نتیجے پر پہونچے کہ موجودہ صورت حال میں ان سب عربوں سے لڑنے کی ان میں طاقت نہیں، جنھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی ہے، اور اسلام کے حلقہ بگوش ہوچکے ہیں، چنانچہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک وفد بھیجنا طے کیا۔

بت پرستی کے ساتھ کوئی سمجھوتہ اور رعایت نہیں

یہ لوگ جب آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپؐ نے مسجد نبوی کے ایک گوشہ میں ان کے

---

(۱) زاد المعاد، ج ۱، ص ۴۴۹

(۲) ابن ہشام، ج ۲، ص ۵۰۰

(۳) صحیح بخاری باب غزوۃ الحدیبیہ

لئے خیمہ لگوایا، انھوں نے اسلام قبول کیا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ درخواست کی کہ ان کے خاص بت "لات" کو تین سال تک آپؐ نہ توڑیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انکار کیا اور وہ برابر ایک ایک سال نیچے اترتے رہے، اور آپؐ انکار فرماتے رہے، آخر بات یہاں تک پہونچی کہ ان کے آنے کے ایک ماہ بعد تک اس کو نقصان نہ پہونچایا جائے، آپؐ نے انکار فرمایا اور دو افراد ابوسفیانؓ اور مغیرہ بن شعبہؓ (جو اسی قبیلہ کے تھے) کو حکم دیا کہ وہ دونوں جا کر اس بت کو پاش پاش کر ڈالیں، پھر انھوں نے درخواست کی کہ نماز سے ان کو معاف کر دیا جائے، آپؐ نے فرمایا "جس دین میں نماز نہ ہو اس میں کوئی خیر نہیں"۔

جب وہ اپنے کام سے فارغ ہوئے اور اپنے وطن کا رخ کیا تو آپؐ نے ان کے ساتھ ابوسفیان اور مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہما کو بھی روانہ فرمایا، مغیرہؓ نے بت شکنی کا فرض انجام دیا، اس کے بعد اسلام ثقیف میں عام ہو گیا، اور اہل طائف کا ایک ایک آدمی اسلام کی نعمت سے سرفراز ہوا (۱)۔

کعب بن زہیر کا قبول اسلام

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طائف سے واپس تشریف لائے، تو آپؐ کی خدمت میں کعب بن زہیر (جو شاعر بھی تھے، اور شاعر زادہ بھی) آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے، انھوں نے آپؐ کی بہت ہجو کی تھی، لیکن پھر زمین ان پر تنگ ہوئی اور وہ خود اپنے سے بیزار ہونے لگے تو ان کے بھائی بجیر نے ان کو مشورہ دیا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں تائب اور نادم ہو کر حاضر ہوں اور اسلام لے آئیں، انھوں نے ان کو ڈرایا کہ اگر ایسا انھوں نے نہ کیا تو ان کا انجام بہت برا ہوگا، اس پر انھوں نے آپ کی مدح و منقبت میں وہ مشہور قصیدہ کہا جو قصیدۂ بانت سعاد کے نام سے مشہور ہے۔

غرض وہ مدینہ آئے اور صبح کے وقت جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز فجر کے بعد تشریف فرما تھے، خدمت مبارک میں حاضر ہوئے، آپؐ کے قریب بیٹھ گئے اور اپنا ہاتھ آپؐ کے دست مبارک میں دے دیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے صورت آشنا نہ تھے، چنانچہ انھوں نے کہا کہ کعب بن زہیر تائب اور مسلمان ہو کر آپ کی خدمت میں حاضر ہے، اور آپؐ سے امان کا خواستگار ہے، کیا آپؐ اس کی توبہ قبول کریں گے؟ یہ سن کر ایک انصاری اس کی طرف لپکے اور کہا یا رسول اللہ! مجھے اللہ کے دشمن سے نمٹ لینے دیں، میں اسی وقت اس کی گردن مار دیتا ہوں، آپؐ نے فرمایا "نہیں رہنے دو، وہ توبہ کر کے اور اپنی حرکتوں سے باز ہو کر یہاں آئے ہیں" پھر کعب نے اپنا مشہور قصیدۂ لامیہ پڑھا جس کا مطلع یہ ہے:۔

---

(۱) زاد المعاد، ج ۱، ص ۴۵۸۔۴۵۹، تلخیص کے ساتھ

بانت سعاد فقلبی الیوم متبول

متیم اثرها لم یفد مکبول

سعد اجدا ہوگئی، میرا دل آج مریض محبت ہے، اور اس کے پیچھے ایسا گرفتار ہے، جس کے پیروں میں بیڑی ڈال دی گئی ہے، اور اس کو رہا کرانے کی خاطر فدیہ بھی نہیں دیا گیا۔

پھر اس قصیدہ کا وہ مدحیہ شعر پڑھا:۔

ان الرسول لنور یستضاء بہ

مھند من سیوف اللہ مسلول

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بلاشبہ ایک نور ہیں جن سے اُجالا ہے، اور وہ اللہ کی ایک تیز وبے نیام تلوار ہیں۔

یہ شعر سن کر آپ ؐ نے اپنی چادر مبارک اتار کر ان کو عطا فرمائی (۱)۔

---

(۱) زاد المعاد، ج ۱، ص ۴۶۶۔ ۴۶۸

قسطلانی نے مواھب میں ابوبکر بن الانباری کی روایت سے بیان کیا ہے کہ جب وہ اس شعر پر پہونچے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی چادر اتار کر ان پر ڈالدی، یہ وہی چادر ہے جس کو حضرت معاویہؓ نے دس ہزار دینار میں خریدنا چاہا لیکن انھوں نے جواب دیا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چادر کے لئے کسی کو ترجیح نہیں دے سکتا، کعب کے انتقال کے بعد ان کے ورثاء سے معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس کو بیس ہزار دے کر حاصل کرلیا، وہ کہتے ہیں کہ یہ وہی چادر ہے جو سلاطین اسلام کے پاس رہی (الزرقانی علی المواھب، ج ۳، ص ۰ ۷)

غزوۂ تبوک(۱)

(رجب ۹ھ)

غزوۂ تبوک کا نفسیاتی اثر اور اس کے اسباب

دشمن کے دل میں رعب وہیبت قائم کرنے اور ان لوگوں کی آنکھیں کھول دینے میں (جو یہ سمجھنے لگے تھے کہ اسلام کا شعلہ بھڑک کر عنقریب بجھ جائے گا، یا وہ بادل کے ایک ٹکڑے کی طرح ہے، جو دیکھتے ہی دیکھتے چھٹ جائے گا) غزوۂ تبوک کا وہی اثر پڑا جو فتح مکہ کا پڑا تھا، یہ غزوہ دراصل اس زمانہ کی سب سے بڑی طاقت اور سب سے بڑی سلطنت سے ٹکراؤ کے مترادف تھا جو عربوں کی نگاہ میں بڑی پرہیبت اور عظیم سلطنت تھی، چنانچہ جب ابوسفیان نے دیکھا کہ رومی شہنشاہ ہرقل نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مکتوب گرامی کو کیا اہمیت دی، اور اس سے وہ کتنا متاثر ہوا تو ان کی زبان سے یہ فقرہ نکلا (اور جس کو پڑھ کر ہرقل نے یہ اندازہ کر لیا تھا کہ جزیرۃ العرب میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور ہونے والا ہے) ''محمد بن عبداللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا معاملہ تو زور پکڑ گیا(۲) ان سے یہ رومیوں کا بادشاہ بھی ڈرنے لگا، وہ کہتے ہیں، جب سے مجھے برابر یقین رہا کہ وہ غالب آئیں گے یہاں تک کہ اللہ نے میرے دل میں اسلام ڈالا''۔

عرب اس زمانہ میں رومیوں سے جنگ اور ان پر حملہ آور ہونے کا خواب بھی نہیں دیکھ سکتے تھے، بلکہ ان کو خود اندیشہ تھا کہ کہیں انھیں کی طرف سے ان پر حملہ نہ ہو جائے، اور صحیح بات یہ ہے کہ وہ اپنے کو اس قابل بھی نہیں سمجھتے تھے کہ کوئی ان کی طرف توجہ کرے، اور ان کو اپنا نشانہ بنائے، مدینہ کے

---

(۱) تبوک مدینہ منورہ اور دمشق کے درمیان نصف فاصلہ پر ہے، اور ایلہ کے جنوب مشرق میں واقع ہے، یاقوت نے ''معجم البلدان'' میں ابوزید کے حوالہ سے لکھا ہے کہ ''تبوک حجر اور شام کی سرحد کے درمیان حجر سے چار منزل پر واقع ہے، کہا جاتا ہے کہ اصحاب الایکہ جن میں حضرت شعیب علیہ السلام کی بعثت ہوئی تھی، یہیں آباد تھے'' انتہیٰ، تبوک بحر قلزم سے چھ منزل کے فاصلہ پر ''حسمی'' اور ''شروی'' دو پہاڑوں کے درمیان واقع ہے (از دائرۃ المعارف للبستانی باختصار) اس وقت یہ اہم سعودی چھاؤنی ہے، جو مدینہ کے انتظامیہ (امارت) کے ماتحت ہے، جس کا فاصلہ مدینہ سے سات سو کلومیٹر ہے۔

(۲) ابوسفیان نے آپؐ کے لئے ابن ابی کبشہ کا لفظ طنزاً استعمال کیا تھا، ابوکبشہ کے متعلق دو قول ہیں، ایک یہ کہ خزاعہ کا کوئی شخص تھا، جس نے اپنے زمانہ میں بت پرستی چھوڑ دی تھی، دوسرے کہ یہ آپؐ کے اجداد مادری میں کوئی اس نام کا گذرا ہے (مجمع بحار الانوار)

مسلمانوں پر جب کوئی ناگہانی آفت آتی اور کوئی بڑا خطرہ درپیش ہوتا تو ان کا ذہن زیادہ سے زیادہ غسان کی عیسائی عرب ریاست کی طرف منتقل ہوتا تھا، جو رومی شہنشاہ قیصر کے ماتحت تھی۔

واقعہ ایلاء میں جو ۸ھ میں پیش آیا تھا، حضرت عمر کے الفاظ سے بھی اس پر روشنی پڑتی ہے، وہ کہتے ہیں کہ میرے ایک انصاری دوست تھے، جب میں غیر حاضر ہوتا تو وہ مجھے روداد سناتے، جب وہ غیر حاضر ہوتے تو میں ان کو خبریں پہنچاتا، اس زمانے میں ہم لوگ غسّان کے ایک بادشاہ سے بہت خوف زدہ تھے، جس کے متعلق یہ چرچا تھا کہ اس کا ارادہ ہم پر حملہ کرنے کا ہے، ہمارے دل میں ہروقت اسی کا خیال رہتا تھا، اسی اثناء میں میرے انصاری دوست آئے، اور انھوں نے دروازہ کھٹکھٹانا شروع کیا اور کہنے لگے "کھولو! کھولو!" میں نے کہا کیا غسّانی نے حملہ کردیا؟ (۱)

اس وقت رومی سلطنت کا اقبال بام عروج پر تھا، اس کی فوجوں نے ہرقل کی قیادت میں ایرانی فوجوں کو تہس نہس کردیا تھا، اور ایرانی مملکت میں اندر تک داخل ہوگئیں تھیں، چنانچہ اس زبردست اور غیر معمولی فتح کی خوشی میں اور اس کے شکرانہ کے طور پر ہرقل نے حمص سے ایلیاء تک ایک زبردست فاتح کی حیثیت سے شاہانہ جلوس میں سفر کیا (۲)، یہ ہجرت کے ساتویں سال کا واقعہ ہے، ہرقل اس وقت اس صلیب کو اٹھائے ہوئے تھا، جو اس نے ایرانیوں سے حاصل کی تھی، سارا راستہ قالین غالیچوں، اور فرش وفروش سے آراستہ تھا، ہرطرف گل پاشی ہورہی تھی، اور وہ اس فرش پر چل رہا تھا، اس شاندار فتح پر دوسال بھی نہ گذرے پائے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ سے رومیوں کے مقابلے کے لئے روانہ ہوئے، اس غزوہ کے ذریعہ جس کا عربوں کے دل ودماغ پر گہرا نقش تھا، اللہ تعالیٰ نے شام پر حملہ کا راستہ ہموار کردیا، جو حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے عہدِ خلافت میں فتح ہوا، لیکن اس کی بنیاد اسی غزوہ میں پڑ چکی تھی۔

یہ غزوہ کیسے پیش آیا، اس کے بارے میں یہ روایت بیان کی گئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اطلاع ملی کہ رومی عرب کی شمالی سرحدوں پر حملہ کی تیاری کررہے ہیں، ابن سعد اور ان کے شیخ واقدی راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نبطیوں سے یہ خبر ملی کہ ہرقل نے اپنے سپاہیوں کی ایک سال کی خوراک کا انتظام کرلیا ہے، اور ان کے ساتھ لخم، جذام، عاملہ اور غسّان اور نیز عرب کے اور

---

(۱) بخاری نے اس واقعہ کو سورۂ تحریم کی تفسیر میں اور مسلم نے کتاب الطلاق باب (بیان ان تخییرہ امرأة لایکون طلاقا) نقل کیا ہے۔

(۲) صحیح مسلم کتاب الجهاد والسیر باب (کتاب النبی صلی اللہ علیه وسلم الیٰ هرقل یدعوه الی الاسلام)۔

فاتح قبائل کو شامل کرلیا ہے، اور ان کے دستے ''بلقاء'' تک پہونچ بھی چکے تھے (۱)۔

اس روایت سے قطع نظر کر کے بھی کہا جا سکتا ہے کہ اس غزوہ کا اصل مقصد پڑوسی حکومت کو خوف زدہ کرنا تھا، جس سے مرکز اسلام اور اسلام کی بڑھتی ہوئی اور ابھرتی ہوئی دعوت اس کی روز افزوں قوت وطاقت کو نقصان پہونچ جانے کا اندیشہ تھا، اس غزوہ کے ذریعہ اس حکومت کو یہ آگاہی دینی تھی کہ وہ مسلمانوں پر ان کی سرزمین کے اندر حملہ کرنے کی جرأت نہ کرے، اور ان کو لقمۂ تر یا مالِ مفت نہ سمجھے، جس شخص کا یہ حال ہو وہ اتنی عظیم شہنشاہی پر حملہ نہیں کرسکتا، اور نہ اس کی سرحدوں میں داخل ہو کر اس کے لئے کوئی چیلنج یا خطرہ بن سکتا ہے، اس کی پشت پر وہی حکمت کارفرما تھی، جس کا ذکر قرآن مجید نے غزوۂ تبوک کے سلسلہ میں کیا ہے:۔

يَآ أَيُّهَا الَّذِينَ امَنُوا قَاتِلُوا الَّذِينَ يَلُونَكُم مِّنَ الْكُفَّارِ وَلْيَجِدُوا فِيكُمْ غِلْظَةً، وَاعْلَمُوآ اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ۔ (سورۂ توبہ ۱۲۳)

مسلمانو! ان کافروں سے جنگ کرو جو تمہارے آس پاس پھیلے ہوئے ہیں، اور چاہئے کہ وہ جنگ میں تمہاری سختی محسوس کریں، اور جان رکھو کہ خدا پرہیزگاروں کے ساتھ ہے۔

یہ مقصد اس غزوہ سے پورا ہو گیا، رومیوں نے اس کا جواب کسی جوابی حملہ اور پیش قدمی، فوجی نقل وحرکت اور سرگرمی سے نہیں دیا، بلکہ انھوں نے اس کھلے ہوئے چیلنج کے مقابلے میں ایک طرح کی پسپائی اور خاموشی اختیار کرلی اور اس نوزائیدہ طاقت کا جتنا اندازہ انھیں اس وقت ہوا اس سے پہلے کبھی نہ ہوا تھا۔

دوسرا فائدہ جو اس جراُتمندانہ غزوہ (جس میں پورا خطرہ مول لیا گیا تھا) سے حاصل ہوا وہ یہ تھا کہ وہ جزیرۃ العرب کے ان قبائل نیز ان فاتح اور بااقتدار قبائل (جو رومی شہنشاہ سے متعلق اور اس کے ماتحت تھے) کے دلوں پر مسلمانوں کا رعب وداب قائم ہو گیا، اور اس کے ذریعہ ان کو یہ موقع ملا کہ وہ دین اسلام کے مسئلہ پر سنجیدگی سے غور کریں اور یہ محسوس کریں کہ وہ کوئی پانی کا بلبلہ نہیں ہے، جو تھوڑی دیر کے لئے سطح آب پر ابھرتا ہے، اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے غائب ہو جاتا ہے، اس کا مستقبل پورے طور پر روشن ہے، اور شاید ان قوموں کو اس کے ذریعہ اسلام میں داخلہ کا کوئی موقع مل سکے جو خود ان کی سرزمین اور ان کے وطن میں ظاہر ہوا ہے ان لوگوں کے ذکر میں جو اس غزوہ میں نکلے تھے، قرآن مجید نے اسی حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے:۔

وَلَا يَطَئُونَ مَوْطِئًا يَّغِيظُ الْكُفَّارَ وَلَا يَنَالُونَ مِنْ عَدُوٍّ نَّيْلًا اِلَّا كُتِبَ لَهُم بِهِ عَمَلٌ

(۱) الزرقانی علی المواہب، ج ۳، ص ۶۳۔۶۴

صَالِحٌ۔(سورۂ توبہ۔ ۱۲۰)

جو قدم بھی وہ دشمن کے خلاف راہ خدا میں اٹھاتے ہیں وہ کافروں کے لئے غیظ وغضب کا باعث اور جو نقصان بھی وہ کفار کو پہنچاتے ہیں وہ ان کے لئے عمل نیک ثابت ہوتا ہے۔

رومیوں کو غزوۂ موتہ ابھی تک اچھی طرح یاد تھا، جس میں ان کی پوری تسلّی وتشفّی نہیں ہوسکی تھی، اور جس میں ہر فریق نے بسلامت واپسی ہی کو غنیمت سمجھا تھا، اور اس کی وجہ سے بازنطینی سلطنت اور اس کی زبردست افواج کا جو رعب عربوں کے دل پر تھا وہ بہت کمزور ہوگیا۔

مختصر یہ کہ اس غزوہ کی سیرت نبوی اور دعوتِ اسلامی کی تاریخ میں خصوصی اہمیت ہے، اور اس سے ان مقاصد کی تکمیل ہوئی جو مسلمانوں اور عربوں کے حق میں بہت دوررس تھے، اور جن کا تاریخ اسلام کے تسلسل اور آئندہ پیش آنے والے واقعات پر گہرا اثر پڑا۔

غزوہ کا زمانہ اور وقت

یہ غزوہ رجب ۹ھ میں پیش آیا(۱)، سخت گرمی کے موسم میں جب کھجور مزیدار ہوگئے تھے، اور سایہ خوشگوار ہونے لگا تھا، آپؐ نے اسکے لئے بہت طویل سفر کا ارادہ فرمایا، چونکہ بے آب وگیاہ میدانوں کو عبور کرنا تھا، اور سخت دشمن کا مقابلہ درپیش تھا، اس لئے آپؐ نے مسلمانوں کو پہلے ہی آگاہ فرمادیا تھا کہ آپ کو کس رخ پر جانا ہے(۲)، تاکہ وہ اس کے لئے اچھی طرح تیاری کرلیں، یہ زمانہ سخت عسرت اور قحط سالی کا تھا۔

منافقین اس موقع پر مختلف بہانے اور عذر کرکے گھر بیٹھ رہے، ان کو طاقتور اور خطرناک دشمن

---

(۱) غزوۂ تبوک کی اس تاریخ کا تعین شمسی حساب سے بہت دشوار ہے جس میں مدینہ سے تبوک کے لئے روانگی ہوئی، بعض سیرت نگاروں نے ماہ نومبر کو رجب ۹ھ کے مطابق قرار دیا ہے، مولوی حبیب الرحمٰن خاں صاحب کی ''جدید مفتاح التقویم'' سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے، ان میں علامہ شبلی ''خصوصیت سے قابل ذکر ہیں لیکن واقعہ کے داخلی شواہد اور حدیث صحیح کی تصریحات جو شیخین اور دوسرے اصحاب صحاح وسنن سے ثابت ہیں ان سے یہ بات قطعی طور پر ثابت ہے کہ یہ غزوہ گرمیوں کے زمانے میں ہوا کعب بن مالک کی حدیث میں صاف آتا ہے ''ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزاھا فی حر شدید حین طابت الثمار والظلال'' اسی کو اس سلسلہ میں معیار ومیزان بنانا چاہئے اور وقت کی جو تحدید اس سے مطابقت نہ رکھتی ہو اسے ناقابل اعتبار سمجھنا چاہئے، موسیٰ بن عقبہ نے ابن شہاب زہری سے جو روایت کی ہے، اس کے الفاظ یہ ہیں، ''خریف کی راتوں اور سخت گرمی میں جب کہ لوگ نخلستانوں میں رہنا پسند کرتے تھے (یہ غزوہ پیش آیا'') اس سے زیادہ واضح منافقین کا وہ قول ہے، جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے سورہ براءۃ میں کیا ہے، اور پھر اس کا رد کیا ہے''وَقَالُوْا لَا تَنْفِرُوْا فِي الْحَرِّ، قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا، لَوْ كَانُوْا يَفْقَهُوْنَ'' (انھوں نے کہا کہ اس گرمی میں (گھر کا آرام چھوڑ کر) کوچ نہ کرو (اے پیغمبر تم کہو) دوزخ کی آگ کی گرمی تو اس سے کہیں زیادہ گرم ہوگی اگر وہ سمجھتے ہوں۔ التوبہ۔۸۱)

(۲) ماخوذ از حدیث کعب ابن مالک (صحیحین)

کے خوف، سخت موسم، جہاد سے عدم دلچسپی، اور دین حق میں شک وشبہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت وہم رکابی سے باز رکھا، ان کے بارہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

فَرِحَ الْمُخَلَّفُوْنَ بِمَقْعَدِهِمْ خِلٰفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَ كَرِهُوْٓا اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَقَالُوْا لَا تَنْفِرُوْا فِي الْحَرِّ، قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا، لَوْ كَانُوْا يَفْقَهُوْنَ۔ (سورۂ توبہ۔ ۸۱)

جو لوگ (غزوۂ تبوک) میں پیچھے رہ گئے وہ پیغمبر خدا (کی مرضی) کے خلاف بیٹھ رہنے سے خوش ہوئے اور اس بات کو ناپسند کیا کہ (خدا کی راہ) میں اپنے مال اور جان سے جہاد کریں اور (اوروں سے بھی) کہنے لگے کہ گرمی میں مت نکلنا (ان سے) کہہ دو کہ دوزخ کی آگ اس سے کہیں زیادہ گرم ہے کاش یہ (اس بات کو) سمجھتے۔

جہاد اور روانگیٔ لشکر میں صحابہؓ کا ذوق وشوق اور جذبۂ مسابقت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سفر کی بہت اہتمام سے تیاری فرمائی اور لوگوں کو تیاری کا حکم فرمایا، آپؐ نے اہل ثروت کو راہِ خدا میں خرچ کرنے کی ترغیب دی چنانچہ دولت مند طبقہ کے بہت سے افراد اس موقع پر سامنے آئے اور انھوں نے ایمان واحتساب کے جذبہ سے اس میں حصہ لیا، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس پورے لشکر کو جس کو ''جیش العسرۃ'' کہا جاتا ہے، سامان فراہم کرنے کی ذمہ داری لی اور ایک ہزار دینار اس پر خرچ کئے ان کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی، بہت سے صحابہ نے جو استطاعت نہ رکھتے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سواری کی درخواست کی، آپؐ نے اس کا انتظام نہ ہونے کی وجہ سے ان سے معذرت کر دی، اس محرومی کا ان کو اس درجہ قلق تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے اس فریضہ کو ساقط فرما دیا، اور ارشاد ہوا:۔

وَّلَا عَلَى الَّذِيْنَ اِذَا مَآ اَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَآ اَجِدُ مَآ اَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ، تَوَلَّوْا وَّاَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا اَلَّا يَجِدُوْا مَا يُنْفِقُوْنَ۔ (سورۂ توبہ۔ ۹۲)

اور نہ ان (بے سروسامان) لوگوں پر (الزام) ہے کہ تمہارے پاس آئے کہ ان کو سواری دو اور تم نے کہا کہ میرے پاس کوئی ایسی چیز نہیں جس پر تم کو سوار کروں تو وہ لوٹ گئے اور اس غم سے کہ ان کے پاس خرچ موجود نہ تھا ان کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔

کچھ مسلمان وہ تھے، جن کو بغیر کسی شبہ یا تردّد کے صرف عزم وارادہ کرنے میں دیر لگی اور وہ اس غزوہ میں شریک نہ ہو سکے۔

لشکر اسلام کی تبوک کی طرف روانگی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تیس ہزار مجاہدین کے ساتھ مدینہ سے تبوک کے لئے روانہ ہوئے اس سے پہلے کسی غزوہ میں اتنی بڑی تعداد شریک نہ تھی، آپؐ نے ثنیۃ الوداع میں لشکر کو پڑاؤ ڈالنے کی ہدایت کی اور محمد بن مسلمہ الانصاریؓ کو مدینہ کا حاکم مقرر کیا، اہل بیت کے لئے حضرت علیؓ کو مقرر فرمایا، اور جب انھوں نے منافقین کی افواہوں اور چہ میگوئیوں کا آپ سے ذکر کیا تو آپؐ نے فرمایا کہ کیا تم اس پر راضی نہیں کہ تم میرے لئے ایسے ہو جیسے موسیٰ کے ساتھ ہارونؑ تھے، ہاں یہ بات ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا(۱)۔

آپؐ اس لشکر کے ساتھ ''حجر'' اور قوم ثمود کی سرزمین میں اترے اور صحابہ کرامؓ سے فرمایا کہ ''یہ ان کی سرزمین ہے جن پر عذاب نازل ہوا ہے'' آپؐ نے فرمایا کہ ''جب ان لوگوں کے مکانات میں جنھوں نے اپنے آپ پر ظلم کیا، داخل ہو تو روتے ہوئے داخل ہو، اس ڈر سے کہ کہیں تم کو بھی وہ مصیبت نہ آئے جو ان پر آئی تھی (۲)، آپؐ نے یہ بھی فرمایا کہ یہاں کا پانی نہ پینا، اور نہ نماز کے لئے اس پانی سے وضو کرنا، اگر آٹا تم نے اس پانی سے گوندھ لیا ہو تو اسے اونٹوں کو کھلا دو، اور خود اس میں سے ذرا سا بھی نہ کھاؤ''۔

جب لوگوں کو پانی کی بہت تنگی ہوئی تو انھوں نے آپؐ سے اس کی شکایت کی اور اپنی دشواری بیان کی آپؐ نے دعا فرمائی،، اور اس دعا کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے بادل بھیجا اور اس قدر بارش ہوئی کہ لوگ سیراب ہو گئے اور اپنی ضرورت کا پانی اکٹھا بھی کر لیا (۳)۔

رومیوں سے عربوں کا خوف

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تبوک تشریف لے جارہے تھے، تو کچھ منافقین آپ کی طرف اشارہ کر کے ایک دوسرے سے کہتے تھے کہ کیا تم سمجھتے ہو کہ بنی الاصفر یعنی رومیوں کی جنگ اتنی ہی آسان ہے جتنی کہ اپنے ملک کے عرب قبائل سے، خدا کی قسم ہم دیکھ رہے ہیں کہ کل یہ سب رسیوں سے جکڑے پڑے ہوں گے (۴)۔

---

(۱) صحیح بخاری باب (غزوۂ تبوک)

(۲) زاد المعاد، ج ۲ ص ۳۰۴ و سیرت ابن ہشام، ج ۲، ص ۵۲۲، صحیحین میں بھی اسی کے ہم معنی روایات آئی ہیں۔

(۳) سیرت ابن ہشام، ج ۲، ص ۵۲۲

(۴) سیرت ابن ہشام، ج ۲، ص ۵۲۴۔۵۲۶

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ایلہ کے حاکم میں صلح

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تبوک پہونچ گئے تو ایلہ کا حاکم یوحنہ بن روبہ جو سرحدی علاقوں کے حکام میں سے تھا، آپؐ کی خدمت میں آیا اور آپؐ سے صلح کرلی اور جزیہ آپ کو پیش کردیا ''جرباء'' اور ''اذرح'' کے لوگ بھی آئے اور آپؐ نے ان کو امان کی تحریر لکھدی، جس میں حدود کی ذمہ داری، پانی اور برّی و بحری راستوں کی حفاظت اور فریقین کی سلامتی کی ضمانت دی گئی تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا اکرام بھی فرمایا (۱)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ طیبہ واپسی

اس موقع پر رومیوں کی پسپائی اور سرحد پار کر کے فوج کشی کا خیال ترک کردینے کی اطلاع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہونچی اور آپؐ نے بھی اس کو مناسب نہیں سمجھا کہ ان کے ملک میں گھس کر ان کا تعاقب کیا جائے، اس غزوہ سے جس مقصد کا حصول پیش نظر تھا، وہ حاصل ہو چکا تھا، البتہ اکیدر بن عبدالملک الکندی نصرانی نے جو دومۃ الجندل کا حاکم (۲) اور رومی فوجوں کا پشت پناہ تھا، اس کی طرف سے حملہ کی ضرور اطلاع ملی، آپؐ نے اس کی سرکوبی کے لئے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو پانچ سو سواروں کے ساتھ روانہ فرمایا، حضرت خالدؓ نے اس کو گرفتار کر کے آپؐ کی خدمت میں بھیجا، آپؐ نے اس کا خون معاف کیا اور جزیہ پر اس سے مصالحت کرلی اور اس کو آزاد کردیا (۳)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تبوک میں کئی راتیں گزاریں پھر مدینہ طیبہ واپس تشریف لائے (۴)۔

---

(۱) سیرت ابن ہشام، ص ۵۲۵۔۵۲۶

(۲) دومۃ الجندل ایک آباد گاؤں تھا، جہاں اعرابی خرید وفروخت کے لئے جایا کرتے تھے، مرور زمانہ سے یہ مقام ویران اور غیر آباد ہوگیا تھا ''اکیدر'' نے آکر اس کو نئی رونق دی، اور زیتون کی کاشت وہاں شروع کی، چنانچہ اس کے بعد اعرابیوں نے وہاں آنا جانا پھر شروع کردیا، اس گاؤں کو ایک قدیم فصیل گھیرے ہوئے ہے، فصیل کے اندر ایک مستحکم قلعہ ہے جس کو شمال کے اعرابیوں میں خاصی شہرت حاصل ہے، اس کی وجہ سے اس مقام کو فوجی اہمیت بھی حاصل رہی، اس کے زیادہ تر باشندے قبیلۂ کلب سے متعلق ہیں، اکیدر اپنے آپ کو اس زمانہ کے دستور کے مطابق ملک بادشاہ کہلواتا تھا، اہل دومۃ اس زمانہ میں نصرانی مذہب پر تھے، (دیکھئے ''تاریخ العرب قبل الاسلام''، از ڈاکٹر جواد علی)۔

(۳) سیرت ابن ہشام، ج ۲، ص ۵۲۶

(۴) ایضاً ص ۵۲۷

ایک غریب مسلمان کے جنازہ میں

عبداللہ ذوالبجادینؓ کی وفات تبوک میں ہوئی، یہ اسلام قبول کرنے کے لے کوشاں تھے، لیکن ان کی قوم ان کو اس سے باز رکھتی تھی، اوران کو طرح طرح سے ستایا جاتا تھا، آخر کار انھوں نے ان کو ایک موٹی کھردری چادر میں چھوڑ دیا، اس کے سوا ان کے پاس کوئی ستر پوشی کا کپڑا نہ تھا، وہ بھاگ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہونچے جب آپؐ کے قریب ہوئے تو یہ چادر بھی پھٹ گئی، اوراس کے دو ٹکڑے ہوگئے، انھوں نے ایک ٹکڑے سے لنگی کا کام لیا، اور دوسرے ٹکڑے کو اوڑھ لیا، اسی حالت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے، اوراسی دن سے ان کا لقب ذوالبجادین'' پڑ گیا۔

جب تبوک میں ان کا انتقال ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر وحضرت عمر رضی اللہ عنہما نے رات کی تاریکی میں ان کے جنازہ کی مشایعت کی ان میں سے کسی کے ہاتھ میں مشعل تھی، جس کی روشنی میں یہ لوگ چل رہے تھے، قبر تیار تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود بدولت قبر میں اترے حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ نے نعش کو قبر میں اتارا، آپؐ فرماتے اپنے بھائی کو اور نیچے میرے قریب کرو، دونوں نے ان کو نیچے کی طرف لٹکایا، جب آپؐ نے ان کو لحد میں لٹا دیا تو فرمایا ''اللھم انی امسیت راضیاً عنه فارض عنه'' (اے اللہ میں اس سے راضی ہوں تو بھی اس سے راضی ہوجا) عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں کہ میں نے تمنا کی کہ کاش کہ اس قبر میں میں ہوتا (۱)۔

کعب بن مالک کا ابتلاء اوران کی کامیابی وسرخروئی

جن لوگوں کی اس غزوہ میں شرکت نہ کرنے کی وجہ کوئی شبہ یا وسوسہ نہیں تھا، شریک نہ ہوسکے، ان میں کعب بن مالکؓ، مرارۃ بن الربیعؓ اور ہلال ابن امیہؓ بھی تھے، یہ لوگ سابقین اوّلین میں سے ہیں، اسلام کے لئے انھوں نے بیش قیمت خدمات انجام دیں تھیں، اور راہ حق میں سخت تکلیفیں اٹھائیں تھیں، مرارۃ بن الربیعؓ اور ہلال بن امیہؓ جنگ بدر میں بھی شریک تھے، غزوات سے فرار یا پیچھے رہنا ان کی فطرت اور عادت سے دور تھا، اس کو حکمتِ الٰہی کے سوا کسی چیز سے تعبیر نہیں کیا جاسکتا، یا اس سے مقصود ان کا امتحان، ان کے نفوس کا تزکیہ اور مسلمانوں کی تربیت تھا، یہ صرف سہل انگاری، ارادہ کی کمزوری، اور اسباب ووسائل پر ضرورت سے زیادہ اعتماد اور پوری سنجیدگی اور نشاط وسرگرمی کے ساتھ اس معاملہ پر غور نہ کرنے کا نتیجہ تھا، اور یہ وہ چیز ہے، جس نے بہت سے مردانِ خدا کو جو ایمان اور خدا اور رسولؐ کی محبت میں

(۱) سیرت ابن ہشام، ج ۲، ص ۵۲۷۔۵۲۸

دوسرے مسلمانوں سے کسی طرح کم تر نہ تھے، بارہا نقصان پہونچایا ہے، اور یہی وہ نکتہ ہے، جس کی طرف اس جماعت کے تیسرے شخص کعب بن مالکؓ نے ان الفاظ میں اشارہ کیا ہے۔

''میں روزانہ اس ارادہ سے نکلتا کہ میں سفر کا ضروری سامان لے لوں اور ان کے ساتھ روانہ ہوجاؤں، لیکن بغیر کچھ کئے واپس آجاتا، پھر میں اپنے دل میں کہتا کہ مجھے دقت کیا ہے، جب چاہوں گا لے لوں گا (پیسے میرے پاس سامان بازار میں موجود ہے) میں اسی لیت ولعل میں رہا کہ کوچ کی گھڑی آگئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمان روانہ ہوگئے اور میں نے ابھی تک کچھ سامان ہی نہیں کیا تھا، میں نے کہا چلو میں آپ کی روانگی کے ایک دو دن بعد ہی روانہ ہوجاؤں گا اور راستہ میں قافلہ میں شامل ہوجاؤں گا، ان سب کی روانگی کے بعد بھی میں سامان تیار کرنے کے لئے نکلا لیکن پھر بھی کچھ کئے بغیر واپس آگیا، دوسرے دن بھی یہی ہوا، مجھ پر ایسی نیستی طاری رہی اور انھوں نے اپنے قدم تیز کردیئے اور لڑائی کا معاملہ بہت آگے نکل گیا، میں نے اس کے بعد بھی ارادہ کیا کہ اب بھی مدینہ سے روانہ ہوکر ان کو پالوں کاش کہ میں نے ایسا ہی کیا ہوتا، لیکن اس کی بھی توفیق نہ ہوئی'' (۱)۔

اللہ تعالیٰ نے ان تینوں کے ایمان، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت، اسلام سے وفاداری، اور مصیبت وراحت ہر حالت میں ثابت قدمی کا نازک امتحان لیا، وہ لوگوں کی عزت وتعظیم اور جفا وبے نیازی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی توجہ والتفات، اور اعراض وبے توجہی دونوں حالتوں میں ایسے مخلص وجاں نثار ثابت ہوئے جس کی نظیر مذہبی معاشروں اور جماعتوں کی تاریخ میں (جو ایمان وعقیدہ اور محبت وجذبات پر قائم ہوتی ہیں) ملنی مشکل ہے۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس وقت سچ بولے اور جو کچھ حقیقت تھی بے کم وکاست بیان کردی، جب لوگ باتیں بنا کر معافی حاصل کررہے تھے، انھوں نے اس وقت خود اپنے خلاف گواہی دی، جب منافقین اپنے آپ کو اس ہر طرح بری قرار دے رہے تھے۔

وہ اپنی طویل، اور بلیغ ومؤثر روایت میں اپنا قصہ بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:-

''یہ سب پیچھے رہنے والے آپؐ کے پاس حاضر ہوئے اور قسمیں کھا کھا کر آپ سے اپنے لئے عذر بیان کرنے لگے، یہ کوئی اسی سے اوپر افراد تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی ظاہری باتوں کو قبول فرمالیا، ان سے بیعت لی اور ان کے لئے مغفرت طلب فرمائی، ان کے بھیدوں اور دلی رازوں کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کیا، میں بھی آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا، سلام عرض کیا، جب میں نے آپ کو سلام کیا تو آپؐ

---

(۱) صحیح بخاری کتاب المغازی۔

نے خفگی کی مسکراہٹ کے ساتھ میرا استقبال کیا، پھر فرمایا، آؤ، میں آگے بڑھا اور آپؐ کے بالکل سامنے بیٹھ گیا، آپؐ نے مجھ سے پوچھا، تم کس وجہ سے پیچھے رہ گئے؟ کیا تم نے اپنی سواری نہیں خریدی تھی میں نے کہا جی ہاں بخدا ایسا ہی ہے، خدا کی قسم اگر میں آپؐ کے بجائے اس وقت اہل دنیا میں سے کسی شخص کے پاس ہوتا تو میں سمجھتا کہ میں کچھ عذر کر کے اس کی ناراضگی سے بچ جاؤں گا، میرے اندر بات کرنے اور اپنی ثابت کرنے کا سلیقہ بھی ہے، لیکن بخدا مجھے یقین ہے کہ میں اگر آج جھوٹ بول کر آپ کو راضی کرلوں گا تو قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو مجھ سے ناراض کردے اور اگر میں سچ بول کر آپ کو کسی قدر آزردہ کردوں گا تو اس میں مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے معافی کی امید ہے، خدا کی قسم میرے پاس کوئی عذر نہیں ہے، اور خدا کی قسم جس وقت میں پیچھے رہ گیا تھا، اس سے زیادہ میں کبھی صحتمند اور فارغ البال نہ تھا''۔

بالآخر وہ ہولناک گھڑی آگئی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو ان سے بات کرنے کی ممانعت فرمادی، مسلمان تو سمع وطاعت کے پتلے تھے، چنانچہ سب نے ان سے کنارہ کشی اختیار کرلی، اور بالکل بدل گئے، حتیٰ کہ ان کی نگاہ میں زمین و آسمان بھی بدل گئے، معلوم ہوتا تھا کہ یہ وہ زمین ہی نہیں ہے، جو پہلے تھی، اس حال میں ان کی پچاس راتیں گذریں، جہاں تک مرارۃ بن ربیعؓ اور ہلال بن امیہؓ کا تعلق ہے، وہ دونوں تھک ہار کے اپنے گھر بیٹھ رہے، اور روتے رہے، کعب بن مالکؓ ان سب سے زیادہ جوان اور طاقتور تھے، وہ باہر نکلتے تھے، مسلمانوں کے ساتھ نماز پڑھتے تھے، بازاروں میں آتے جاتے تھے، لیکن کوئی شخص ان سے گفتگو کرنے کا روادار نہ تھا۔

لیکن ان تمام باتوں نے محبت اور وفاداری کے اس رابطہ اور رشتہ پر کوئی اثر نہیں ڈالا جوان کے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان قائم تھا، اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ شفقت بھی کم نہ ہوسکی جوان کے حال پر تھی، بلکہ اس سرزنش اور تنبیہ نے ان کی اس محبت، دل کی تپش اور دردو سوز کو اور بڑھا دیا، وہ کہتے ہیں:۔

''میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوتا اور آپ کو سلام کرتا اس وقت آپ نماز سے فراغت کے بعد اپنی مجلس میں تشریف فرما ہوتے، میں اپنے دل میں سوچتا کہ آپؐ نے سلام کے جواب میں اپنے لب مبارک کو جنبش دی ہے یا نہیں؟ پھر میں آپؐ کے قریب نماز کے لئے کھڑا ہوجاتا اور کنکھیوں سے آپ کو دیکھتا رہتا، جب میں نماز کی طرف متوجہ ہوتا تو اس وقت آپ میری طرف التفات فرماتے، جب میں آپ کی طرف متوجہ ہوتا تو اس وقت آپؐ اعراض فرماتے''۔

غرض دنیا ان کے لئے بدل گئی اور اب ایک ایسے شخص نے بھی ان سے منہ پھیرلیا جس پر ان کو بڑا ناز واعتماد تھا، وہ بیان کرتے ہیں:۔

"لوگوں کی جفا سے میرے لئے یہ عرصہ بہت طویل اور شاق ہوگیا، آخر میں دیوار پھاند کر ابوقتادہ کے احاطہ میں پہونچا، وہ میرے چچا زاد بھائی بھی تھے اور مجھے سب سے زیادہ عزیز ومحبوب تھے، میں نے ان کو سلام کیا تو خدا کی قسم انھوں نے سلام کا جواب تک نہ دیا، میں نے کہا ابوقتادہ! میں تم کو اللہ کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں کیا تم جانتے ہو کہ مجھے اللہ اور اس کے رسولؐ سے محبت ہے، اس پر بھی وہ خاموش رہے، میں نے دوبارہ یہی بات کہی اور ان کو اللہ کا واسطہ دیا، وہ خاموش رہے پھر اتنا کہا کہ "اللّٰہ ورسولہ اعلم" اللہ اور اسکے رسول زیادہ جانتے ہیں، اس پر میری آنکھوں سے بے ساختہ آنسو بہنے لگے، میں اسی وقت مڑا اور دیوار پھاند کر واپس چلا گیا" (۱)۔

معاملہ یہیں پر ختم نہیں ہوا بلکہ اس کلی مقاطعہ کا اثر ان تینوں کی بیویوں تک پہنچا اور ان کو حکم ملا کہ وہ اپنی بیویوں کو علٰیحدہ کردیں، چنانچہ انھوں نے اس کی تعمیل کی۔

عشق ووفا اور استقامت وثابت قدمی کے اس امتحان کا سب سے نازک مرحلہ اس وقت آیا جب غسان کے بادشاہ نے ان کے اس محبت وتعلق کو خریدنا چاہا، یہ خیال رہ کہ یہ وہ بادشاہ ہے جس کا مصاحب وندیم بننا اور اس کی مجلس میں حاضر ہونا بڑا اشرف سمجھا جاتا تھا، اور اس میں پوری رقابت چلتی تھی، اور جس کے عرب شعراء برسوں سے گیت گارہے تھے (۲)، بادشاہ کا قاصد ان کے پاس ایسے وقت پہونچا جب وہ سخت ذہنی وقلبی پریشانی، لوگوں کی بے تعلقی، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بے رخی کے شدید ابتلاء میں تھے، اس نے ان کو شاہ غسان کا خط دیا، جس کا مضمون یہ تھا:۔

"مجھے معلوم ہوا ہے کہ تمہارے ولی نعمت نے تمہارے ساتھ جفا کا معاملہ کیا ہے، اللہ نے تمہارے لئے ذلت اور ضائع ہونے کی جگہ مقدر نہیں کی ہے، تم ہمارے پاس آجاؤ ہم تمہارے ساتھ اچھا معاملہ کریں گے"۔

اس خط سے کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کے دل میں غیرت وحمیت کی ایک بجلی کوندگئی اور ان کی محبت اور جوش مارنے لگی، وہ ایک تنور کے پاس گئے اور خط اس میں پھینک دیا۔

---

(۱) حدیث کعب بن مالکؓ صحیح بخاری

(۲) دیکھئے آں حضرت کی منقبت میں حسان بن ثابتؓ کا مشہور قصیدہ جس کے دو شعر ہیں:۔

لله درعصابة نادمتهم　　　یوماً بجلق فی الزمان الاول

یسقون من ورد البریص علیهم　　　بردیٰ یصفق بالرحیق السلسل

جب ان تینوں صاحب ایمان ہستیوں کا امتحان مکمل ہو گیا، قرآن مجید نے ان کا ذکر کر کے ان کو بقاء دوام عطا کی اور ان کے واقعہ نے مسلمانوں کے لئے ابد الآباد تک ایک سبق اور سامان عبرت ونصیحت فراہم کر دیا، اور ان کی ایمانی قوت اور حسن اسلام کا پورا ثبوت مل گیا، اور باوجود اس کے کہ زمین ان پر اپنی کشادگی کے باوجود تنگ ہو چکی تھی، بلکہ خود ان کے نفس ان کے لئے تنگ تھے، ان کے پیر جادۂ حق سے ایک لمحہ کے لئے نہ ہٹے تو اس وقت اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کے اوپر سے ان کی قبولیت کا اعلان فرمایا، اور صرف ان کی توبہ کا ذکر نہیں کیا کہ وہ کہیں اس سے تنہائی اور احساس کہتری محسوس نہ کریں، اور یہ بات ان کے لئے انگشت نمائی کا باعث نہ بنے بلکہ ان کی توبہ کی تمہید میں سید الانبیاء والمرسلین اور مہاجرین وانصار کی توبہ کا بھی ذکر کیا (۱)، جو اس غزوہ میں پیش پیش تھے، اس کا مقصد ان کا اعزاز واکرام، ان کی تسکین خاطر، لوگوں کی نگاہ میں ان کی قدر بڑھانا اور ان کی شان دوبالا کرنا تھا۔

لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيْغُ قُلُوْبُ فَرِيْقٍ مِّنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ اِنَّهٗ بِهِمْ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ، وَعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا، حَتّٰى اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ اَنْفُسُهُمْ وَظَنُّوْآ اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّآ اِلَيْهِ، ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوْبُوْا، اِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ. (سورۂ توبہ۔۱۱۷۔۱۱۸)

بے شک خدا نے پیغمبر پر مہربانی کی اور مہاجرین اور انصار پر جو باوجود اس کے کہ ان میں سے بعضوں کے دل پھر جانے کو تھے، مشکل کی گھڑی میں پیغمبر کے ساتھ رہے پھر خدا نے ان پر مہربانی فرمائی بے شک وہ ان پر نہایت شفقت کرنے والا (اور) مہربان ہے، اور ان تینوں پر بھی جن کا معاملہ ملتوی کیا گیا تھا، یہاں تک کہ جب زمین باوجود فراخی کے ان پر تنگ ہو گئی، اور ان کی جانیں بھی ان پر دوبھر ہو گئیں اور انھوں نے جان لیا کہ خدا (کے ہاتھ) سے خود اس کے سوا کوئی پناہ نہیں پھر خدا نے ان پر مہربانی کی ت کہ توبہ کریں بیشک خدا توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔

غزوات پر ایک نظر

غزوۂ تبوک کے ساتھ جو ہجرت کے نویں سال رجب میں پیش آیا، غزوات نبوی (جن کی تعداد ستائیس ہے) نیز دوسرے سرایا اور چھاپوں (جن کی تعداد ساٹھ بتائی گئی ہے (۲)، اور کچھ میں

---

(۱) جو ایک معروف ومسلم حقیقت تھی، اور جس کی بظاہر (چنداں) ضرورت نہ تھی۔

(۲) تحقیق ابن قیم (زاد المعاد) عراقی جنرل اور مشہور مصنف محمود شیت خطاب کی تحقیق میں ان غزوات کی تعداد جن کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیادت فرمائی اٹھائیس ہے (تاریخ جیش النبی صلی اللہ علیہ وسلم)۔

قتال کی نوبت بالکل نہیں آئی) کا سلسلہ ختم ہوا۔

ان تمام غزوات وسرایا میں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے بھیجے گئے جتنا خون بہایا گیا، جنگوں کی پوری تاریخ میں ہمیں اس سے کم کوئی مقدار نظر نہیں آتی ان تمام غزوات کے مقتولین کی تعداد ایک ہزار اٹھارہ سے زیادہ نہیں جس میں دونوں فریق شامل ہیں(۱)، لیکن اس قلیل تعداد نے انسانوں کو خون کی جس ارزانی سے اور بے عزتی و بے آبروئی سے بچایا اس کا مکمل جائزہ اور سروے مشکل بلکہ ناممکن ہے اسکے نتیجہ میں جزیرۃ العرب کے اطراف میں اس قدر امن واطمینان کی فضا قائم ہوگئی کہ ایک مسافر خاتون جب حیرہ سے چلتی اور کعبہ کا طواف کر کے واپس جاتی اور اللہ کے سوا اس کو کسی کا ڈر نہ ہوتا(۲) ایک عورت قادسیہ سے اپنے اونٹ پر چلتی اور بیت اللہ کی زیارت کرتی اور اس کو کسی کا خوف نہ ہوتا(۳)۔اس سے پہلے یہ حالت تھی کہ پورے جزیرۃ العرب میں قتل وغارتگری، انتقامی کارروائیوں، خانہ جنگیوں اور معرکہ آرائیوں کا سلسلہ قائم تھا، اور بڑی بڑی حکومتوں کے کارواں بھی بڑے غیر معمولی پہرہ، حفاظتی بندوبست اور ماہر رہبروں کی مدد سے چلتے تھے۔

یہ غزوات قرآن مجید کے دو حکیمانہ اصولوں پر مبنی ہیں، ایک "اَلْفِتْنَۃُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ"(۴) (فتنہ انگیزی قتل سے بڑھ کر ہے) دوسرے "وَلَكُمْ فِی الْقِصَاصِ حَیَاۃٌ یّٰاُولِی الْاَلْبَابِ"(۵) (اے عقل والو! تمہارے لئے بدلہ اور قصاص ہی میں سامان زندگی ہے) ان کی وجہ سے نوع انسانی کا بڑا وقت بچا اور اصلاح حال اور خطرات کے سدّ باب کی ان طویل کوششوں اور مسلسل محنتوں کی ضرورت نہ پڑی جو اکثر بے نتیجہ رہی ہیں، اس کے علاوہ ان غزوات پر جن اخلاقی تعلیمات اور مشفقانہ وہمدردانہ ہدایات کا سایہ اور پرتو تھا، اس نے ان کو انتقامی کارروائی اور غصہ کی آگ بجھانے کے بجائے تادیبی کارروائی اور ہدایت وفلاح کا سامان کرنے کا ذریعہ بنادیا تھا، چنانچہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی لشکر کو روانہ فرماتے تو اس کو یہ ہدایت دیتے:۔

میں تمہیں اللہ سے ڈرنے اور جو مسلمان تمہارے ساتھ ہیں ان کے ساتھ اچھے برتاؤ کی نصیحت کرتا ہوں، اللہ کے نام پر قتال کرنا اور اللہ ہی کے راستہ میں اس سے قتال کرنا جس نے اللہ کے ساتھ کفر

(۱) مولانا قاضی محمد سلیمان منصور پوری نے "رحمۃ للعالمین" میں یہی تعداد لکھی ہے جو گہرے مطالعہ اور ذمہ دارانہ تحقیق پر مبنی ہے۔

(۲) صحیح بخاری باب (علامات النبوۃ)۔

(۳) سیرت ابن ہشام، ج ۲، ص ۵۸۱

(۴) سورۃ البقرۃ، ۱۹۱

(۵) سورۃ البقرۃ۔۱۷۹

اختیار کیا، غداری نہ کرنا، مال غنیمت کی چوری نہ کرنا، کسی بچے، عورت اور ازکار رفتہ بوڑھے یا کسی معبد میں بیٹھے ہوئے گوشہ گیر کو قتل نہ کرنا، کسی کھجور کو ہاتھ نہ لگانا، کسی درخت کو نہ کاٹنا، کسی عمارت کو نہ گرانا" (۱)۔

جہاں تک اس جنگی کارروائی کی کامیابی اور سرعت کا تعلق ہے، اس کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ دس سال کی مختصر مدت میں جزیرۃ العرب کا تقریباً ۲۷۴ میل مربع روزانہ اسلام کے زیر نگیں آتا گیا، مسلمانوں کے جانی نقصان کو دیکھا جائے تو مہینہ پر ایک آدمی کا اوسط پڑتا ہے، دس سال مکمل نہیں ہونے پائے تھے کہ دس لاکھ مربع میل اسلام کے زیر اقتدار آچکے تھے (۲)۔

اس کا موازنہ دو عالمی جنگوں (جس میں پہلی جنگ ۱۹۱۴ء - ۱۹۱۸ء میں ہوئی تھی، دو ۱۹۳۹ء - ۱۹۴۵ء میں ہوئی تھی) سے کیجئے تو آپ کو اس فرق کا صحیح اندازہ ہوگا۔

انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا کے فاضل اور محقق مقالہ نگار نے اس موضوع پر جو کچھ لکھا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس پہلی عالمگیر جنگ کے مقتولین کی تعداد ۶۴ لاکھ تھی (۳)، دوسری عالمگیر جنگ کے مقتولین کی تعداد ساڑھے تین کروڑ اور چھ کروڑ کے درمیان تھی (۴)۔

ان دونوں جنگوں نے جیسا کہ سب جانتے ہیں، انسانیت کی کوئی خدمت انجام نہیں دی، اور انسانی سوسائٹی کو ان سے تھوڑا یا بہت کسی درجہ میں فائدہ نہیں پہونچا۔

قرون وسطیٰ کی تحقیقاتی عدالتوں (INQUISITION) اور کلیسا کے ظلم وستم اور مذہبی استبداد کا جو لوگ نشانہ بنے ان کی تعداد بھی ایک کروڑ بیس لاکھ تک پہونچتی ہے (۵)۔

اسلام میں پہلا حج

حج ۹ھ میں فرض کیا گیا (۶)، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکرؓ کو امیر حج بنایا اور مسلمانوں کو حج کرانے کی ذمہ داری ان کے سپرد کی، مشرکین بھی اپنے حج کے مقامات میں تھے (۷)، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ مدینہ سے تین سو آدمیوں کا قافلہ حج کے لئے روانہ ہوا (۸)۔

---

(۱) واقدی بروایت زید بن ارقم بسلسلہ غزوۂ موتہ۔

(۲) ان معلومات میں جنرل محمد اکبر خاں کی کتاب "حدیث دفاع" سے فائدہ اٹھایا گیا ہے۔

(۳) جلد ۱۹، ص ۹۲۶ (۴) ایضاً ص ۱۰۱۳ (ایڈیشن ۷۴ء)۔

(۵) JOHN DEVENPORT, APOLOGY FOR MUHAMMAD AND QURAN

(۶) بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ حج ۶ھ میں فرض ہوا، شیخ محمد الخضری نے اپنی کتاب "تاریخ التشریع الاسلامی" میں اسی قول کو اختیار کیا ہے، دیکھئے ص ۵۲

(۷) ابن ہشام، ج ۲، ص ۵۴۳ (۸) زاد المعاد، ج ۲، ص ۲۴

اس وقت سورۂ برأۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ پر نازل ہوئی، آپؐ نے حضرت علیؓ کو بلا بھیجا اور ان سے فرمایا کہ سورۂ برأۃ کی ابتدائی آیات اور ان کے احکام کو لے کر وہاں جائیں اور قربانی کے روز جب سب لوگ منیٰ میں جمع ہوں یہ اعلان کر دیں کہ ''جنت میں کوئی کافر نہیں داخل ہوگا، اور اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہیں کر سکتا، اور کوئی شخص برہنہ ہو کر طواف نہیں کر سکتا، اور اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی کا کوئی معاہدہ ہو تو طے شدہ میعاد تک اس کی پابندی کی جائے گی'' حضرت علیؓ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی پر روانہ ہوئے، اور راستہ میں حضرت ابوبکرؓ سے جا ملے، انھوں نے پوچھا کہ امیر ہو یا مامور، کہنے لگے مامور ہوں، پھر دونوں اپنی منزل کی طرف روانہ ہوگئے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ حج کے انتظامات میں مشغول ہوگئے، جب قربانی کا دن آیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم اور ہدایت کے مطابق ان سب باتوں کا اعلان کیا (۱)۔

---

(۱) ابن ہشام، ج ۲، ص ۵۴۳۔۵۴۶

وفود کا سال

(۹-۱۰ھ)

مدینہ میں وفود کی مسلسل آمد اور عرب کی زندگی پر اس کا اثر

پہلے اللہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک ہاتھوں سے مکہ فتح فرمایا، پھر غزوۂ تبوک سے آپؐ مظفر و منصور واپس ہوئے، اس سے قبل آپؐ دنیا کے سلاطین و امراء کے نام اپنے مکاتیب ارسال فرما چکے تھے، جن میں ان کو اسلام کی دعوت دی گئی تھی، ان مکاتیب کا بعض بادشاہوں نے خوشدلی اور احترام و تعظیم کے ساتھ استقبال کیا، بعض نے نرمی اور معقولیت کے ساتھ اس کا جواب دیا، بعض لوگ تردد اور خوف کی حالت میں رہے، اور کچھ نے اس کو گستاخی کے ساتھ رد کر دیا، اور اسکے ساتھ اہانت اور تکبر کا معاملہ کیا، اور اس کی پاداش میں بلا کسی تاخیر کے اس کو اپنے ملک اور جان سے ہاتھ دھونا پڑا، یہ وہ واقعات تھے، جن کا چرچا سارے عرب میں تھا، اور ہر جگہ اس کا تذکرہ کیا جاتا تھا۔

مکہ کی فتح سے (جو جزیرۃ العرب کا روحانی و اجتماعی پایۂ تخت تھا) سرداران قریش کے قبول اسلام اور دین حق کے سامنے مزاحمت و سرکشی کے سب سے بڑے قلعہ کے انہدام کا ان لوگوں پر گہرا اثر پڑا جو گومگو کی کیفیت میں تھے، یا اسلام کی ناکامی کا خواب دیکھ رہے تھے، ان واقعات نے ان کے اور اسلام کے درمیان وہ قدیم رکاوٹ دور کر دی اور ان کے اور قبول اسلام کے درمیان جو فاصلہ تھا وہ بہت کم رہ گیا، مشہور محدث علامہ محمد طاہر پٹنی (م ۹۸۶ھ) اپنی شہرۂ آفاق کتاب "مجمع بحار الانوار" میں اس مسئلہ پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"یہ سال آمد وفود کا سال تھا، عرب قبائل نے اسلام کے ساتھ قریش کے معاملہ کا انتظار کیا تھا، اس لئے کہ وہی لوگ سب کے پیشوا تھے، اور بیت اللہ کے ذمہ دار تھے، جب انھوں نے اسلام کے سامنے اپنا سر تسلیم خم کر دیا، مکہ فتح ہو گیا اور قبیلۂ ثقیف نے بھی اسلام قبول کر لیا، تو انھوں نے محسوس کر لیا کہ اب ان کے اندر ان کے مقابلہ کی طاقت نہیں، اس وقت ہر طرف سے وفود کی کثرت ہوئی اور

لوگ گروہ درگروہ اللہ کے دین میں داخل ہونے لگے''(۱)۔

ان سب باتوں کا عربوں کے دل ودماغ پر (جو بہر حال انسان تھے) قدرتی طور پر اثر پڑا اور اس کی وجہ سے اسلام میں داخل ہونے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ان کی حاضری کا ایک دروازہ کھل گیا، اور تلاش حق میں مختلف وفود مرکز اسلام میں اس کثرت سے آنے لگے جس طرح کوئی موتی کی لڑی ٹوٹ جائے، اور اس کے سارے دانے اسلام کی آغوش میں آجائیں۔

یہ وفد اپنے اپنے علاقوں اور مرکزوں میں نئی روح سے سرشار ہوکر، ایمان کا نیا نشہ، دعوت اسلام کا نیا جذبہ، شرک وبت پرستی اور اس کے نشانات وعلامات اور جاہلیت اور اس کے اثرات سے شدید نفرت لے کر واپس جاتے۔

ان وفود میں بنی تمیم کا بھی وفد تھا، جس میں ان کی قوم کے مشہور رؤساء واشراف شامل تھے، ان کے خطیب وشاعر اور مسلمانوں کے خطیب وشاعر میں مقابلہ ہوا اور اس میں اسلام کی اور اسلام کے خطیب وشاعر کی برتری ظاہر ہوئی، اس کو ان کے رؤسا واشراف نے تسلیم بھی کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو انعامات بھی دیئے اور اچھی طرح دیئے(۲)۔

بنی عامر کا وفد بھی آیا، ضمام بن ثعلبہ بنی سعد بن بکر کی طرف سے نمائندہ بن کر آئے اور داعی ومبلغ بن کر اپنی قوم میں واپس ہوئے، پہلا مکالمہ جو وہاں پہونچ کر ان کی قوم سے ہوا وہ ان کا یہ جملہ تھا''بُرا ہو''لات''و''عزیٰ'' کا! لوگوں نے کہا ارے کیا کہتے ہو ضمام! برص سے ڈرو، جذام سے ڈرو، جنون سے ڈرو، وہ کہنے لگے''تمہاری خرابی ہو، خدا کی قسم یہ دونوں نہ نقصان پہونچا سکتے ہیں نہ فائدہ، بے شک اللہ نے ایک رسول بھیجا ہے، اور ان پر ایک کتاب نازل کی ہے، جس کے ذریعہ انھوں نے تم کو اس سے نجات دی جس میں تم لوگ ہو، اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندہ اور اس کے رسول ہیں، میں ان کے پاس سے جو کچھ انھوں نے حکم دیا اور جس چیز سے منع کیا ہے وہی تمہارے لئے لے کر آیا ہوں'' اس دن شام بھی نہیں ہوئی کہ ان کے محلّہ میں کوئی مرد، عورت ایسا نہ تھا، جو اسلام نہ لایا ہو(۳)۔

بنی حنیفہ کا وفد آیا، جس میں مسیلمہ کذّاب بھی تھا، یہ اسلام لایا اور بعد میں مرتد ہوگیا، اور خود نبوت کا دعویدار بن بیٹھا، اسی نے فتنہ ارتداد برپا کیا اور اسی میں مارا گیا۔

---

(۱) مجمع بحارالانوار، ج۵، ص۲۷۲

(۲) سیرت ابن ہشام، ج۲، ص۵۶۰-۵۶۸

(۳) ایضاً ص۵۷۴

وفد بنی طے میں نامور شہسوار زید الخیل بھی تھے، جن کا نام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدل کر "زید الخیر" کردیا اور مومنین راسخین میں ان کا شمار ہوا۔

مشہور زمانہ سخی حاتم کے بیٹے عدی بن حاتم بھی خدمت میں حاضر ہوئے، اور آپؐ کے اخلاق کریمانہ اور تواضع دیکھ کر اسلام لے آئے اور یہ کہا کہ خدا کی قسم یہ کسی بادشاہ کا انداز نہیں۔

بنی زبید کا وفد بھی آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا، اس وفد میں عرب کے نامور شہسوار عمرو بن معدیکرب بھی تھے، کندہ کے وفد میں اشعث بن قیس شامل تھے، ازد کا وفد بھی حاضر ہوا، سلاطین حمیر کا قاصد بھی پہونچا اور ان بادشاہوں کا خط آپؐ کی خدمت میں پیش کیا جس میں ان کے قبول اسلام کی اطلاع تھی۔

معاذ بن جبل اور ابو موسیٰ رضی اللہ عنہما کو آپؐ نے اسلام کی دعوت دینے کے لئے یمن روانہ کیا، اور ان کو ہدایت کی کہ "یسرا و لا تعسرا و بشرا و لا تنفرا" (۱) (دیکھو آسانی پیدا کرنا تنگی و سختی نہ کرنا، خوشخبری دینا متنفر و بیزار نہ کرنا)۔

فروہ بن عمرو الجذامی نے ایک قاصد کے ذریعہ آپؐ کو اپنے قبول اسلام کی خبر بھیجی، یہ رومی سلطنت کی طرف سے "معان" اور اس کے اطراف میں جتنا شامی علاقہ ہے، اس کا عامل یا گورنر تھا۔

نجران میں بنو الحارث بن کعب، خالد بن الولیدؓ کے ہاتھ پر اسلام لائے، حضرت خالد نے وہاں قیام کر کے ان کو اسلام کی تعلیم دی، اس کے بعد خالد رضی اللہ عنہ اپنے ساتھ بنو الحارث کا ایک وفد لے کر واپس آئے اور جب وہ لوگ اپنے علاقہ واپس گئے تو ان کی تعلیم کے لئے آپؐ نے عمرو بن حزم کو بھیجا کہ وہ سنت اور اسلام کے شعائر و آداب سے ان کو آگاہ کریں اور ان کے صدقات وغیرہ کا انتظام کریں، ہمدان کا وفد بھی خدمت میں حاضر ہوا (۲)۔

مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے "لات" بت کو توڑنے کے لئے بھیجا، انھوں نے پہلے اُس بُت کو پاش پاش کیا، اس کے بعد بُت خانہ کی چار دیواری پر چڑھ گئے اور دوسرے لوگ جو ان کے ساتھ تھے، وہ بھی چڑھ گئے اور سب نے مل کر اس کے ایک ایک پتھر کو گرانا شروع کردیا، یہاں تک کہ وہ زمین کے بالکل برابر ہوگیا، اسی روز یہ وفد واپس بھی آگیا، اور آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا آپؐ نے اس کی تعریف کی (۳)۔

عبد القیس کا وفد آیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو خوش آمدید کہا، اور ان بتوں اور

---

(۱) صحیح بخاری کتاب المغازی "باب بعث معاذ وابی موسیٰ الی الیمن"

(۲) ابن ہشام، ج ۲، ص ۵۷۵-۵۹۶

(۳) سیرت ابن کثیر، ج ۴، ص ۶۲-۶۳

ظروف کو استعمال کرنے کی ان کو ممانعت فرمائی جن میں نشہ جلدی پیدا ہوتا ہے، یہ احتیاطاً آپؐ نے مفاسد کے سدِّ باب کے لئے ارشاد فرمایا، اس لئے کہ وہ لوگ اس کے بہت عادی تھے (۱)۔

اشعریین اور اہل یمن کا وفد بڑے سُرور کے ساتھ یہ شعر پڑھتا ہوا آیا "غداً نلقی الاحبّة محمداً و حزبه" کل ہم محبوبوں سے ملیں گے، محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور آپؐ کے اصحاب سے!" آپؐ نے اس وفد کو دیکھ کر فرمایا "اتاکم اهل الیمن هم ارق افئدة و الینهم قلوباً الایمان یمان والحکمة یمانیة" (۲) تمہارے پاس اہل یمن آئے ہیں، جو بہت نرم وگداز دل والے ہیں، ایمان تو یمن کا حصہ ہے، حکمت تو یمن کی حکمت ہے۔

خالد بن الولیدؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جماعت کے ساتھ دعوتِ اسلام کے لئے اہل یمن کے پاس بھیجا، انھوں نے وہاں چھ ماہ گذارے، حضرت خالدؓ برابر ان کو اسلام کی دعوت دیتے اور وہ قبول نہ کرتے، پھر آپؐ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو وہاں بھیجا انھوں نے ان کو آپ کا خط پڑھ کر سنایا اور پورا قبیلۂ ہمدان مسلمان ہوگیا، حضرت علیؓ نے آپ کو ان کے اسلام لانے کی اطلاع بھیجی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ان کا خط پڑھا تو سجدے میں گر پڑے، پھر سر مبارک اٹھایا اور فرمایا، سلامتی ہو ہمدان پر، سلامتی ہو ہمدان پر (۳)۔

مزینہ کا وفد چار سو آدمیوں کے ساتھ آیا، نجران کے عیسائیوں کا بھی ایک وفد جس میں ساٹھ سوار تھے، اس میں ان کے اشراف وسربرآوردہ لوگوں کی تعداد چوبیس تھی، اس میں ان کے بڑے پادری اور عالم ابوحارثہ بھی تھے رومی بادشاہ ان کا بڑا اعزاز کرتے تھے، ان کی ہر طرح مالی مدد کرتے تھے، اور ان کے لئے گرجے تعمیر کرتے تھے، ان لوگوں کے بارے میں قرآن مجید میں بکثرت آیات نازل ہوئیں (۴)۔

اہل نجران کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مکتوب بھیجا اور ان کو اسلام کی دعوت دی، انھوں نے یہ مکتوب پڑھا تو ایک وفد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس روانہ کیا، اور اس نے بہت سے سوالات آپؐ کے سامنے رکھے، ان کے سوالوں کے جواب میں سورۂ آل عمران کی بہت سی آیتیں نازل ہوئیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مباہلہ (۵) کی دعوت بھی دی، لیکن خوف کی

---

(۱) زاد المعاد، ج ۲، ص ۲۸، صحیحین میں یہ حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

(۲) صحیح بخاری باب "قدوم الاشعریین و اهل الیمن" ایک روایت میں "الفقه یمان" کا بھی اضافہ ہے یعنی دین کی سمجھ یمن کا حصہ ہے

(۳) زاد المعاد، ج ۲، ص ۳۳ از صحیح بخاری

(۴) تفصیل کے لئے دیکھئے زاد المعاد، ج ۲، ص ۳۵۔۳۶

(۵) مُباہلہ کی حقیقت وتفصیل کے لئے آل عمران کی آیت ۶۱ کسی تفسیر میں ملاحظہ ہو۔

وجہ سے شرجیل اس پر تیار نہیں ہوا، دوسرے روز یہ لوگ پھر خدمت میں حاضر ہوئے، اس وقت آپؐ نے ان کو ایک تحریر دی، ان پر خراج لگایا اور ابوعبیدہ بن الجرّاح رضی اللہ عنہ کو ان کے ساتھ یہ کہہ کر بھیجا کہ "هذا امين هذه الامة" یہ اس امت کے امین ہیں (۱)۔

وفد تجیب کی آمد سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت خوشی ہوئی، آپؐ نے ان کی بڑی عزت اور خاطر داری کی، انھوں نے آپؐ سے مختلف چیزوں کے بارے میں سوالات کئے، آپؐ نے یہ سارے جوابات ان کو لکھوا کر دے دیئے، پھر وہ آپؐ سے قرآن وسنت کے بارے میں بہت سی باتیں پوچھنے لگے، اس کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سے خاص مناسبت پیدا ہوگئی، آپؐ نے حضرت بلالؓ کو ہدایت کی کہ ان کی اچھی طرح اہتمام سے ضیافت ومہمانداری کریں، یہ لوگ چند روز آپ کی صحبت میں رہے، اور زیادہ قیام نہ کر سکے، ان سے پوچھا گیا کہ وہ کس وجہ سے اتنی جلدی کر رہے ہیں؟ کہنے لگے ہم اپنے لوگوں میں جا کر بتانا چاہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہم نے کیسے کی، آپؐ سے ہماری کیا کیا باتیں ہوئیں، اور آپؐ نے کیا جواب دیا، اسکے بعد وہ لوگ واپس ہوگئے پھر ۱۰ھ کے حج میں "منیٰ" میں وہ آپؐ کی خدمت میں دوبارہ حاضر ہوئے (۲)۔

ان وفود میں بنی فزارہ، بنی اسد، بہراء اور عذرہ کے وفد بھی تھے، یہ سب لوگ اسلام لائے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو فتحِ شام کی بشارت دی، ان کو کاہن عورتوں کے پاس جانے اور ان سے قسمت کا حال پوچھنے سے منع فرمایا، جو قربانیاں وہ کرتے تھے، ان سے بھی انھیں منع کیا، اور فرمائے کہ صرف عیدالاضحیٰ کی قربانی ان کے لئے جائز ہے، بلی، ذی مرہ اور خولان کے وفد بھی حاضر خدمت ہوئے، ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خولان کے بت (۳) کے بارے میں جس کی وہ پرستش کرتے تھے، دریافت فرمایا، انھوں نے جواب دیا کہ آپ کو مبارک ہو، آپؐ جو کچھ لے کر آئے ہیں، اس سے اللہ تعالیٰ نے اس کو بدل دیا ہے، البتہ کچھ پرانے لوگ، کچھ بڑی بوڑھی عورتیں اب بھی اس کو اپنے سینہ سے لگائے ہوئی ہیں، جب ہم واپس جائیں گے تو انشاء اللہ اس بت کو توڑ ڈالیں گے (۴)، محارب اور غسّان اور غامد اور نخع کے وفود بھی آپؐ کے پاس حاضر ہوئے (۵)

---

(۱) ابن کثیر، ج ۴، ص ۱۰۰، امام بخاری نے "قصہ اہل نجران" کے باب میں اس واقعہ کو مختصراً بیان کیا ہے

(۲) زادالمعاد، ج ۲، ص ۴۳

(۳) زادالمعاد، ج ۲، ص ۴۴۔۴۷

(۴) ایضاً ص ۴۷

(۵) ایضاً ص ۴۷۔۵۵

یہ وفود آپؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر دین سیکھتے، دینی معلومات اور دین کی سمجھ حاصل کرتے، مسائل معلوم کرتے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق عالیہ کا مشاہدہ کرتے اور آپؐ کے اصحاب کرامؓ کی صحبت و معیت ان کو نصیب ہوتی، اکثر مسجد نبوی کے صحن میں ان کے لئے خیمہ لگا دیا جاتا، وہ وہاں رہتے، قرآن مجید سنتے، مسلمانوں کو نماز پڑھتا ہوا دیکھتے اور ان کے دل میں جو کچھ آتا وہ بڑی سادگی اور صفائی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کر لیتے، اور آپؐ بڑی بلاغت اور حکمت کے ساتھ اس کا جواب عنایت فرماتے، اور قرآن مجید سے استشہاد کرتے، اس سے ان کا ایمان پختہ ہوتا اور قلبی اطمینان نصیب ہوتا۔

ایک جاہل بت پرست اور نبیِ ہادیؐ کا مکالمہ

کنانہ بن عبد یالیل اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان جو مکالمہ ہوا وہ یہاں پیش کیا جاتا ہے:۔

کنانہ:۔ جہاں تک زنا کا مسئلہ ہے ہم لوگ اکثر مجرّد اور غیر شادی شدہ رہتے ہیں (۱)، اس لئے یہ ہمارے لئے ضروری ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم:۔ وہ تم پر حرام ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰی اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً، وَّسَاءَ سَبِیْلًا. (ترجمہ: اور زنا کے پاس بھی نہ جانا کہ وہ بے حیائی اور بری راہ ہے۔ سورۂ اسراء۔۳۲)

کنانہ:۔ سود کے بارے میں جو آپؐ کہتے ہیں، تو ہمارا سارا مال سود ہی سود ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم:۔ اصل سرمایہ رأس المال لینے کا تمہیں حق ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔ "یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِیَ مِنَ الرِّبٰی اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ" (۲)۔ (ترجمہ: مومنو! خدا سے ڈرو اور اگر ایمان رکھتے ہو، جتنا سود باقی رہ گیا ہے اسکو چھوڑ دو)۔

کنانہ:۔ جہاں تک شراب کا تعلق ہے تو وہی تو ہماری زمین کا نچوڑ ہے، اور ہمارے لئے بہت ضروری ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم:۔ اللہ تعالیٰ نے اسے حرام کیا ہے "یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَیْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ" (ترجمہ:۔ اے ایمان والو! شراب اور جوا اور بت اور پاسے (یہ سب) ناپاک کام اعمال شیطان سے

---

(۱) غالباً یہ لوگ تجارت کے سلسلہ میں کثرت سے سفر کرتے تھے۔

(۲) سورۃ البقرہ۔۲۶

ہیں سوان سے بچتے رہنا تا کہ نجات پاؤ۔ المائدہ۔۹۰)

کنانہ:۔ ربّہ بُت کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم:۔ اس کو توڑ ڈالو۔

کنانہ اور اس کے ہمراہی:۔ اگر ربّہ کو معلوم ہو جائے کہ آپ اس کو توڑ دینا چاہتے ہیں تو وہ اپنے سب پجاریوں کو ختم کردے، اس موقع پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مداخلت کرتے ہوئے کہا ابن عبد یالیل! تمہاری خرابی ہو، تم کس قدر جاہل ہو، ربہ ایک پتھر کے سوا کیا ہے؟

کنانہ اور اس کے ہمراہی:۔ ابن خطاب! ہم تمہارے پاس نہیں آئے ہیں، پھر اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف مخاطب ہوتے ہوئے کہا آپ اس کو توڑ ڈالیں ہم اس کو کبھی نہیں توڑ سکتے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: میں کسی آدمی کو تمہارے ہاں بھیجدوں گا، جو تمہارے لئے یہ کام کردے گا۔

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو رخصت کی اجازت دی اور ان کا پورا اکرام کیا، انھوں نے کہا یا رسول اللہ، آپؐ ہمارے لئے ہماری قوم کا کوئی امیر بنادیجئے، آپ نے عثمان بن ابی العاص کو ان کا امیر مقرر فرمادیا، یہ ان سب میں سب سے زیادہ نوعمر تھے، لیکن علم دین سے ان کی دلچسپی آپؐ کے علم میں تھی، انھوں نے وہاں جانے سے قبل قرآن مجید کی کچھ سورتیں بھی یاد کرلی تھیں (۱)۔

وفود کی مدکا یہ سال عرب میں بت پرستی اور بت پرستوں کے استیصال کا سال تھا۔

زکوٰۃ وصدقات کی فرضیت

ہجرت کے پانچویں سال زکوٰۃ فرض ہوئی (۲)، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اُمراء وعُمّال کو ان تمام علاقوں میں جہاں اسلام پہونچ چکا تھا، روانہ فرمایا۔

---

(۱) زادالمعاد، ج ۲، ص ۲۵

(۲) حافظ ابن حجر کی تحقیق کے مطابق (فتح الباری)۔

حجۃ الوداع

(ذی الحجہ ۱۰ھ - فروری ۶۳۲ء)

حجۃ الوداع اور اس کے وقت کا انتخاب

جب مشیت الٰہی کی تکمیل ہوگئی، امت کے نفوس بت پرستی کی آلودگیوں اور جاہلیت کی عادتوں سے پاک اور ایمان کی روشنی سے منور ہوگئے اور ان کے دل کی سرد انگیٹھیوں میں شوق ومحبت کی چنگاریاں پیدا ہوگئیں، بیت اللہ بھی بتوں سے اور بتوں کی گندگی سے پاک وصاف ہوگیا، مسلمانوں کے اندر (جن کو حج بیت اللہ کئے ہوئے بہت عرصہ ہوگیا تھا) حج کا نیا شوق پیدا ہوگیا، اور محبت اور عشق کا جام نہ صرف لبریز ہوا بلکہ چھلکنے لگا، جدائی کی گھڑی بھی بہت قریب آگئی، اور حالات کا تقاضہ ہوا کہ امت کو وداع کہا جائے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیؐ کو (۱۰ھ میں) حج کی اجازت عطا فرمائی، اسلام میں یہ آپ کا پہلا حج تھا۔

حجۃ الوداع کی دعوتی، تبلیغی اور تربیتی اہمیت

آپ مدینہ سے اس غرض سے روانہ ہوئے کہ حج بیت اللہ کریں گے، مسلمانوں سے ملیں گے، ان کو دین کی تعلیم دیں گے، اور مناسک حج سکھائیں گے، حق کی شہادت دیں گے، اپنا فرض ادا کریں گے، مسلمانوں کو آخری نصیحتیں اور وصیتیں کریں گے، ان سے عہد و پیمان لیں گے، جاہلیت کے آخری آثار ونشانات کو مٹائیں گے اور قدموں سے پامال کریں گے، یہ حج ہزار وعظ، اور ہزار درس وتعلیم کا قائم مقام تھا، یہ دراصل ایک چلتا پھرتا مدرسہ، ایک متحرک مسجد، اور ایک گشتی چھاؤنی تھی، جہاں ایک جاہل علم سے آراستہ ہوتا، غافل اپنی غفلت سے بیدار ہوتا، سست وکاہل چست وچالاک اور کمزور طاقتور بنتا، ایک ابر رحمت سفر وقیام ہر حالت میں اور ہر وقت ان پر سایہ فگن رہتا، یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اور آپؐ کی محبت وشفقت اور آپؐ کی تربیت اور نگرانی ورہنمائی کا ابر رحمت تھا۔

حجۃ الوداع کا تاریخی ریکارڈ

صحابۂ کرام جیسے ثقہ اور عادل راویوں نے اس سفر کے نازک سے نازک گوشوں اور پہلوؤں

اور اس کے چھوٹے چھوٹے واقعہ کا ایک ایسا ریکارڈ ہمارے لئے محفوظ کر دیا ہے، جس کی مثال نہ سلاطین و امراء کے سفرناموں میں ملتی ہے، نہ علماء و مشائخ کی سرگذشتوں میں (۱)۔

حجۃ الوداع کا اجمالی جائزہ

ہم اس سفرِ حج کا خلاصہ (۲) یہاں پیش کرتے ہیں، جس کو ''حجۃ الوادع''، ''حجۃ البلاغ'' اور ''حجۃ التمام'' کے ناموں سے یاد کیا جاتا ہے، اور واقعہ یہ ہے کہ وہ ان سب کا جامع ہے، بلکہ اس سے بھی سوا ہے، آپ کے ساتھ اس سفر میں ایک لاکھ سے زیادہ صحابی شریک تھے (۳)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کیسے کیا؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کا ارادہ فرمایا اور (ذی قعدہ ۱۰ھ میں) لوگوں کو اس کی اطلاع کر دی کہ آپؐ حج کے لئے جانے والے ہیں، یہ سن کر لوگوں نے آپؐ کے ساتھ حج میں جانے کی تیاریاں شروع کر دیں۔

اس کی خبر مدینہ کے اطراف میں بھی پہونچی اور وہاں سے لوگ جوق جوق مدینہ حاضر ہوئے، راستہ میں اتنی بڑی تعداد میں لوگ اس قافلہ میں شامل ہوتے گئے کہ ان کا شمار مشکل ہے، خلقت کا ایک ہجوم تھا، جو آگے پیچھے دائیں بائیں حدِ نگاہ تک آپ کو اپنے گھیرے میں لئے ہوئے تھا، آپؐ مدینہ سے دن میں ظہر کے بعد ۲۵/ذی القعدہ کو سنیچر کے دن روانہ ہوئے، پہلے ظہر کی چار رکعتیں آپؐ نے ادا فرمائیں اس سے پہلے خطبہ دیا اور اس میں احرام کے واجبات وسنن بیان فرمائے۔

پھر تلبیہ کہتے ہوئے روانہ ہوئے "لبيك اللّٰهم لبيلك، لبيلك، لا شريك لك لبيك، ان

---

(۱) مثلاً ان روایات میں یہاں تک موجود ہے کہ آپ نے احرام کے وقت کس قسم کی خوشبو استعمال کی، ہدی کا اشعار کیا (زخم لگایا) تو اس کا نشان کس جانب تھا؟ کس مقام پر پچھنا لگایا، کس مقام پر آپ کو ایک شکار کئے ہوئے گورخر کا ہدیہ پیش کیا گیا، یہاں تک کہ منیٰ کی شب میں اس جم غفیر میں سانپ کے نکلنے، اور اس کے بچ کر نکل جانے کا واقعہ بھی مذکور ہے، آپ نے جن لوگوں کو اس سفر میں اپنے ساتھ سواری پر سوار کیا (باوجودیکہ ان کی تعداد اڑتیس تک پہونچی ہے) ان سب کے نام، حتی کہ اس حجام کا نام بھی مذکور ہے جس نے بال بنانے کی سعادت حاصل کی، موئے مبارک تقسیم کئے تو اس کی بھی تفصیل موجود ہے کہ دائیں طرف کے بال کن لوگوں کو عطا ہوئے، اور بائیں جانب کے کن لوگوں کو، تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو ''حجۃ الوداع وجزء عمرات النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' مؤلفہ شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی رحمہ اللہ نیز مقدمۂ کتاب از راقم سطور (طبع بیروت)

(۲) ہم نے اس تلخیص میں علامہ ابن القیم کی نفیس کتاب ''زاد المعاد'' سے استفادہ کیا ہے، جنھوں نے اس موضوع کا روایات تاریخ اور فقہ کی روشنی میں پورا استیعاب کیا ہے۔

(۳) ان کی تعداد ایک لاکھ چودہ ہزار سے ایک لاکھ تیس ہزار تک بتائی گئی ہے۔

الحمد و النعمة لك و الملك لاشريك لك" مجمع ان الفاظ میں کبھی اختصاراً (کبھی فرط شوق سے حذف واضافہ کرتا) آپ اس پر کوئی نکیر نہ فرماتے تلبیہ کا سلسلہ آپ نے برابر جاری رکھا اور "عروج" میں پہونچ کر پڑاؤ کیا، آپ کی سواری اور حضرت ابوبکرؓ کی سواری ایک تھی۔

پھر آگے روانہ ہوئے اور "الابواء" پہونچے، وہاں سے چل کر وادیٔ عسفان اور سرف میں پہونچے، پھر وہاں سے روانہ ہوکر "ذی طویٰ" میں منزل کی اور سنیچر کی رات وہاں گزاری، یہ ذی الحجہ کی چار تاریخ تھی، فجر کی نماز آپ نے یہیں ادا فرمائی اسی روز غسل بھی فرمایا، اور مکہ کی طرف روانہ ہوئے، مکہ میں آپ کا داخلہ دن میں بلندی کی طرف سے ہوا، وہاں سے چلتے ہوئے، آپ حرم شریف میں داخل ہوئے، یہ چاشت کا وقت تھا، بیت اللہ پر نظر پڑتے ہی آپ نے فرمایا: "اللّٰهم زد بيتك هذا تشريفاً و تعظيماً و تكريماً و مهابةً" (اے اللہ اپنے اس گھر کی عزت وشرف، تعظیم وتکریم، اور رعب وہیبت میں اور اضافہ فرما) دست مبارک بلند کرتے ہوئے تکبیر کہتے اور ارشاد فرماتے "اللّٰهم انت السلام و منك السلام حيّنا ربنا بالسلام" (اے اللہ آپ سلامتی ہیں، آپ ہی سے سلامتی کا وجود ہے، اے ہمارے رب ہم کو سلامتی کے ساتھ زندہ رکھ)۔

جب حرم شریف میں آپ داخل ہوئے تو سب سے پہلے آپ نے کعبہ کا رخ کیا، حجر اسود کا سامنا ہو تو آپ نے بغیر کسی مزاحمت کے اس کا بوسہ لیا پھر طواف کے لئے داہنی طرف رخ کیا، بیت اللہ آپ کی بائیں طرف تھا، اس طواف کے پہلے تین شوط میں آپ نے رمل کیا (۱)۔

آپ تیز چل رہے تھے، قدموں کا فاصلہ مختصر ہوتا تھا، اپنی چادر آپ نے اپنے ایک شانہ پر ڈال لی تھی، دوسرا شانہ مبارک کھلا ہوا تھا (۲)، جب آپ حجر اسود کے سامنے گذرتے تو اس کی طرف اشارہ کرکے اپنی چھڑی سے استلام کرتے، جب طواف سے فراغت ہوئی تو مقام ابراہیم کے پیچھے تشریف لائے، اور یہ آیت تلاوت فرمائی "وَاتَّخِذُوا مِنْ مَّقَامِ اِبْرَاهِيْمَ مُصَلًّى" (۳) اس کے بعد یہاں دو رکعتیں پڑھیں، نماز سے فارغ ہوکر پھر حجر اسود کے قریب تشریف لے گئے، اور اس کا بوسہ لیا، پھر صفا کی طرف اس دروازے سے چلے جو آپ کے مقابل تھا، جب اس کے قریب آئے تو فرمایا "اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللّٰهِ"، أبدأ بما بدأ الله به" (صفا اور مروہ اللہ تعالیٰ کے شعائر اور نشانیوں میں سے ہیں، میں شروع کرتا ہوں اس سے جس سے اللہ نے شروع کیا۔)

---

(۱) رمل کی تشریح کے لئے ملاحظہ ہو مناسک ومسائل حج کی کتابیں۔

(۲) جس کو اصطلاح میں اضطباع کہتے ہیں، تفصیل کے لئے مسائل حج کی کتابیں دیکھی جائیں۔

(۳) سورۂ بقرہ، ۱۲۵

پھر آپ اس پر چڑھے یہاں تک کہ بیت اللہ آپ کو نظر آنے لگا، پھر قبلہ کی طرف متوجہ ہو کر آپؐ نے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت و کبریائی کا اعلان کیا:۔

لا الـه الا اللّٰه وحده لاشريك له ،له الملك وله الحمد وهو على كل شئى قدير، لا الله الا اللّٰه وحده أنجز وعده ونصر عبده وهزم الأحزاب وحده.

اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ یکتا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، اسی کا سب ملک اور بادشاہی ہے، اور اسی کے لئے ساری حمد و تعریف ہے، اور وہ ہر چیز پر قادر ہے، اللہ کے سواء کوئی معبود نہیں، وہ یکتا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، اس نے اپنا وعدہ پورا کیا، اپنے بندہ کی مدد فرمائی، اور تمام جماعتوں اور گروہوں کو تنہا شکست دی۔

مکہ میں آپؐ نے چار روز سنیچر، دوشنبہ، منگل، بدھ قیام فرمایا، جمعرات کے روز دن نکلتے ہی آپؐ تمام مسلمانوں کے ساتھ منیٰ تشریف لے آئے، ظہر و عصر کی نمازیں یہیں ادا فرمائیں اور رات بھی یہیں بسر کی، یہ جمعہ کی رات تھی، جب آفتاب نکل آیا تو آپ عرفہ کی طرف روانہ ہوئے، آپؐ نے دیکھا کہ نمرہ میں آپؐ کے لئے خیمہ لگایا جاچکا ہے، چنانچہ آپ اسی میں اترے، جب زوال کا وقت ہو گیا تو اپنی اونٹنی ''قصواء'' کو تیار کرنے کا حکم دیا، پھر وہاں سے روانہ ہو کر عرفہ کے میدان کے وسط میں آپؐ نے منزل کی، اور اپنی سواری ہی پر تشریف رکھتے ہوئے ایک مہتم بالشان خطبہ دیا، جس میں آپؐ نے اسلام کی بنیادوں کو واضح کیا اور شرک و جہالت کی بنیادیں منہدم کردیں، اس میں ان تمام حرام چیزوں کی وپؐ نے تحریم فرمائی جن کے حرام ہونے پر تمام مذاہب و اقوام متفق ہیں، اور وہ ہیں، ناحق، خون کرنا، مال غصب کرنا اور آبروریزی کرنا، جاہلیت کی تمام باتوں اور مروجہ کاموں کو اپنے قدموں کے نیچے پامال کر دیا، جاہلیت کا سود کل کا کل آپؐ نے ختم فرمادیا اور اس کو بالکل باطل قرار دیا عورتوں کے ساتھ حسن سلوک کی تلقین کی اور ان کے جو حقوق ہیں، نیز ان کے ذمہ جو حقوق ہیں، ان کی توضیح کی اور یہ بتایا کہ دستور کے مطابق خوراک اور لباس، نان نفقہ ان کا حق ہے۔

امت کو آپؐ نے کتاب اللہ کے ساتھ مضبوطی سے وابستہ رہنے کی وصیت کی، اور ارشاد فرمایا کہ ''جب تک وہ اس کے ساتھ اپنے کو اچھی طرح وابستہ رکھیں گے گمراہ نہ ہوں گے'' آپؐ نے ان کو آگاہ کیا کہ ان سے کل قیامت کے دن آپؐ کے بارے میں سوال ہوگا'' اور وہ اس کے جواب دہ ہوں گے، اس موقع پر آپؐ نے تمام حاضرین سے دریافت فرمایا کہ وہ آپ کے متعلق کیا کہیں گے اور کیا گواہی دیں گے، سب نے یک زبان ہو کر کہا کہ ہم گواہی دیں کہ آپؐ نے پیغام حق بے کم وکاست پہونچادیا، اپنا

فرض پورا کیا، اور خیر خواہی کا حق ادا کر دیا، یہ سن کر آپؐ نے آسمان کی طرف انگلی اٹھائی اور تین بار اللہ تعالیٰ کو ان پر گواہ بنایا اور ان کو حکم دیا کہ جو یہاں موجود ہے، وہ غیر حاضر تک یہ بات پہونچادے۔

جب آپؐ خطبہ پورا فرما چکے تو آپؐ نے بلالؓ کو اذان کا حکم دیا، انھوں نے اذان دی، پھر آپؐ نے ظہر کی نماز دو رکعت پڑھی، اسی طرح عصر کی بھی دو ہی رکعت پڑھی، یہ جمعہ کا روز تھا۔

نماز سے فارغ ہو کر آپ اپنی سواری پر تشریف لے گئے، اور موقف (۱) پر آئے، یہاں آکر آپؐ اپنے اونٹ پر بیٹھ گئے اور غرب آفتاب تک دعاء و مناجات اور مالک الملک کے حضور تضرّع وابتہال اور اپنی عاجزی و بے چارگی کے اظہار میں مشغول رہے، دعا میں آپ اپنا دست مبارک سینے تک اٹھاتے تھے، جیسا کہ کوئی سائل اور مسکین نان شبینہ کا سوال کر رہا ہو، دعا یہ تھی:۔

اللّٰهم انك تسمع كلامي وترى مكاني وتعلم سرّي وعلانيتي، لايخفى عليك شئي من امري، انا البائس الفقير، المستغيث، المستجير والوجل المشفق، المقرّ المعترف بذنوبي أسألك مسألة المسكين وابتهل اليك ابتهال المذنب الذليل ،وادعوك دعاء الخائف الضرير، من خضعت لك رقبته وفاضت لك عيناه وذلّ جسده ورغم أنفه لك، اللّٰهم لا تجعلني بدعائك رب شقيًا وكن بي رئووفاً رحيماً،ياخير المسئولين وياخير المعطين.

اے اللہ تو میری بات سنتا ہے اور میری جگہ کو دیکھتا ہے اور میرے پوشیدہ اور ظاہر کو جانتا ہے، تجھ سے میری کوئی بات چھپی نہیں رہ سکتی، میں مصیبت زدہ ہوں، محتاج ہوں، فریادی ہوں، پناہ جو ہوں، پریشان ہوں، ہراساں ہوں، اپنے گناہوں کا اقرار کرنے والا ہوں، اعتراف کرنے والا ہوں، تیرے آگے سوال کرنے والا ہوں، تیرے آگے سوال کرتا ہوں، جیسے بیکس سوال کرتے ہیں، تیرے آگے گڑگڑاتا ہوں، جیسے گنہگار، ذلیل وخوار گڑگڑاتا ہے، اور تجھ سے طلب کرتا ہوں جیسے خوف زدہ آفت رسیدہ طلب کرتا ہو، اور جیسے وہ شخص طلب کرتا ہے جس کی گردن تیرے سامنے جھکی ہو، اور اس کے آنسو بہہ رہے ہوں، اور تن بدن سے وہ تیرے آگے فروتنی کئے ہوئے ہو، اور اپنی ناک تیرے سامنے رگڑ رہا ہو، اے رب تو مجھے اپنے سے دعا مانگنے میں ناکام نہ رکھ اور میرے حق میں بڑا مہربان اور رحم کرنے والا ہو جا، اے سب مانگے جانے والوں سے بہتر اور سب دینے والوں سے اچھے۔

اسی موقع پر یہ آیت نازل ہوئی: "اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْناً" (۲) جب آفتاب غروب ہو گیا تو آپ عُرفہ سے روانہ ہو گئے اور اسامہؓ

---

(۱) وقوف کی جگہ جہاں آپؐ نے دیر تک دعا فرمائی تھی وہ جگہ اب بھی عرفات میں معروف و معین ہے

(۲) سورۂ مائدہ۔۳

بن زید کو اپنے پیچھے بٹھایا، آپ متانت، سکون و وقار کے ساتھ آگے چلے، اونٹنی کی مہار آپ نے اس طرح سمیٹ لی تھی کہ قریب تھا کہ سر آپ کے کجاوہ سے لگ جائے، آپ کہتے جاتے تھے کہ لوگو! سکون اور اطمینان کے ساتھ چلو، راستہ پھر آپ تلبیہ کرتے جاتے، اور جب تک مزدلفہ نہ پہونچ گئے، یہ سلسلہ جاری رہا، وہاں پہونچتے ہی آپ نے حضرت بلالؓ کو اذان کا حکم فرمایا، اذان دی گئی، آپ کھڑے ہو گئے اور اونٹوں کو بٹھانے اور سامان اتارنے سے پہلے مغرب کی نماز ادا فرمائی جب لوگوں نے سامان اتار لیا تو آپ نے عشا کی نماز بھی ادا فرمائی پھر آپ آرام فرمانے کے لئے لیٹ گئے اور فجر تک سوئے۔

نماز فجر اول وقت ادا فرمائی، پھر سواری پر بیٹھے اور مشعر الحرام آئے اور قبلہ رُو ہو کر دعاء و تضرّع، تکبیر و تہلیل اور ذکر میں مشغول ہو گئے، یہاں تک کہ خوب روشنی پھیل گئی، یہ طلوع آفتاب سے پہلے کی بات ہے، پھر آپ مزدلفہ سے روانہ ہوئے فضل بن عباس رضی اللہ عنہ سواری پر آپ کے پیچھے تھے، آپ برابر تلبیہ میں مشغول رہے، آپ نے ابن عباسؓ کو حکم دیا کہ رمی جمار کے لئے سات کنکریاں چن لیں، جب آپ وادی مُحَسّر کے وسط میں پہونچے تو آپ نے اونٹنی کو تیز کر دیا اور بہت عجلت فرمائی، اس لئے کہ یہی وہ جگہ ہے، جہاں اصحاب فیل پر عذاب نازل ہوا تھا، یہاں تک کہ منیٰ پہونچے اور وہاں سے جمرۃ العقبہ تشریف لائے، اور سواری پر طلوع آفتاب کے بعد رمی کی اور تلبیہ موقوف کیا۔

پھر منیٰ واپسی ہوئی، یہاں پہونچ کر آپ نے ایک بلیغ خطبہ دیا جس میں آپ نے یوم النحر کی حرمت سے آگاہ کیا اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس دن کی جو فضیلت ہے، اس کو بیان کیا، دوسرے تمام شہروں پر مکہ کی افضلیت و برتری کا ذکر کیا، اور جو کتاب اللہ کی روشنی میں ان کی قیادت کرے اس کی اطاعت و فرمانبرداری ان پر واجب قرار دی، پھر آپ نے حاضرین سے کہا کہ وہ اپنے مناسک و اعمال حج آپ سے معلوم کر لیں، آپ نے لوگوں کو یہ بھی تلقین فرمائی کہ دیکھو میرے بعد کافروں کی طرح نہ ہو جانا، جو ایک دوسرے کی گردن مارتے رہتے ہیں، آپ نے یہ بھی حکم دیا کہ یہ سب باتیں دوسروں تک پہونچا دی جائیں، اس خطبہ میں آپ نے یہ بھی ارشاد فرمایا:۔

اعبدوا ربکم و صلّوا خمسکم و صوموا شهرکم و اطیعوا اذاأمرکم تدخلوا جنة ربکم.

اپنے رب کی عبادت کرو، پانچ وقت کی نماز پڑھو، ایک مہینہ (رمضان) کا روزہ رکھو اور اپنے اولی الامر کی اطاعت کرو، اپنے رب کی جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔

اس وقت آپ نے لوگوں کے سامنے الوداعیہ کلمات بھی کہے اور اسی وجہ سے اس حج کا نام ''حجۃ الوداع'' پڑا۔

پھر آپ منیٰ میں ''منحر'' تشریف لے گئے، اور ترسٹھ اونٹ اپنے دست مبارک سے ذبح فرمائے جتنے اونٹ آپؐ نے ذبح کئے وہی تعداد آپ کی عمر شریف کے برسوں کی بھی ہے، اتنی تعداد کے بعد آپؐ نے توقف کیا، اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے کہا کہ سو میں جتنے باقی ہیں، وہ پورے کریں، غرض جب آپؐ نے قربانی مکمل کرلی تو آپؐ نے حجام کو طلب فرمایا، اور حلق کروایا، اور اپنے موئے مبارک قریب کے لوگوں میں تقسیم فرمادئے، پھر سواری پر مکہ روانہ ہوئے، طوافِ افاضہ کیا جس کو طوافِ زیارت بھی کہتے ہیں، پھر بئر زمزم کے پاس تشریف لائے اور کھڑے ہوکر پانی نوش فرمایا، پھر اسی روز منیٰ واپسی ہوئی اور شب وہیں گذاری، دوسرے دن آپ زوال آفتاب کا انتظار کرتے رہے، جب زوال کا وقت ہوگیا تو آپؐ اپنی سواری سے اتر کر رمی جمار کے لئے تشریف لے گئے جمرۂ اولیٰ سے آغاز فرمایا، اس کے بعد جمرۂ وسطیٰ اور جمرۂ عقبہ کے قریب جاکر رمی کی، منیٰ میں آپؐ نے دو خطبے دیئے، ایک قربانی کے دن جس کا ذکر ابھی اوپر گذرا، دوسرا قربانی کے دوسرے روز۔

یہاں آپ نے توقف فرمایا، اور ایام تشریف کے تینوں دن کی رمی مکمل کی، پھر مکہ کی طرف روانہ ہوئے، اور سحر کے وقت طواف وداع کیا، اور لوگوں کو تیاری کا حکم فرمایا، اور مدینہ روانہ ہوگئے (۱)۔

جب آپؐ غدیر خم (۲) پہونچے تو آپؐ نے ایک خطبہ دیا اور حضرت علیؓ کی فضیلت بیان فرمائی، اس موقع پر آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ ۔

من کنت مولاہ فعلي مولاہ، اللّٰھم وال من والاہ وعاد من عاداہ (۳)

جس کو میں محبوب ہوں علی بھی اس کو محبوب ہونا چاہئے اے اللہ جو علی سے محبت رکھے تو بھی اس سے محبت رکھ اور جو ان سے عداوت رکھے اس سے تو بھی عداوت رکھ۔

جب آپ ذوالحلیفہ آئے تو رات یہیں بسر کی، سواد مدینہ پر آپ کی نظر پڑی تو آپؐ نے تین بار تکبیر کہی اور ارشاد فرمایا:۔

---

(۱) یہ حصہ زاد المعاد سے اختصار کے ساتھ لیا گیا ہے، ج۱، (ص ۱۸۰۔۲۴۹)، ان مباحث کو چھوڑ دیا گیا ہے، جن میں مصنف نے زیادہ توسع وتفصیل سے کام لیا ہے، اسی طرح فقہاء ومحدثین کے اختلافات بھی حذف کردیئے گئے ہیں

(۲) غدیر خم مکہ اور مدینہ کے درمیان ہے، جحفہ اور اس میں دو میل کا فاصلہ ہے۔

(۳) بروایت امام احمد اور نسائی، اس خطبہ کے ارشاد فرمانے کا ایک خاص سبب یہ تھا کہ لوگوں نے حضرت علیؓ کی آپؐ سے (بیجا) شکایت کی تھی اور ان کو آپ سے کبیدگی ہوگئی تھی، بعض ایسے لوگوں نے ان پر اعتراضات کئے تھے، جو یمن میں ان کے ساتھ تھے، اور حضرت علیؓ کے اس رویہ سے جو انصاف پر مبنی تھا، ان کو یہ غلط فہمی ہوئی تھی کہ اس میں جانبداری سے کام لیا گیا ہے، ابن کثیر، ج۴، ص ۴۱۵۔۴۱۶۔

لا الـه الا الـلّٰـه وحـده لا شـريك لـه لـه الـمـلك وله الحمدوهو على كل شئى قـديرآئبون تائبون، عابدون ساجدون، لربنا حامدون صدق اللّٰه وعده ونصر عبده وهزم الاحزاب وحده.(١)

خدابزرگ وبرتر ہے،اس کے سوا کوئی معبودنہیں اس کا کوئی شریک نہیں،بس اسی کی سلطنت ہے،اسی کے لئے مدح وستائش ہے وہ ہر بات پر قادر ہے،لوٹے آرہے ہیں توبہ کرتے ہوئے، فرمانبردارانہ،زمین پرپیشانی رکھکراپنے پروردگار کی مدح وستائش میں مشغول ہوکر خدانے اپنا وعدہ سچا کیا،اپنے بندہ کی نصرت کی اورتمام قبائل کوتنہا شکست دی۔

آپؐ مدینہ طیبہ میں دن کے وقت داخل ہوئے۔

حجۃ الوداع میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خطبہ

یہاں پرہم اس خطبہ کا پورا متن دے رہے ہیں جوآپؐ نے عرفہ کے روز دیا تھا،اسی طرح ایام تشریف کے درمیان جوخطبہ آپؐ نے دیا تھا،اس کا بھی پورا متن یہاں پیش کیا جارہا ہے،اس لئے کہ یہ دونوں عظیم الشان خطبے اپنے اندرحددرجہ سامان موعظت رکھتے ہیں،اورکثیرفوائدپرمشتمل ہیں۔

خطبۂ عرفہ

ان دمـاء كـم واموالكم حرام عليكم كحرمة يومكم هذا، في شهركم هذا ،في بلدكم هـذا ألا ان كـل شئـي من أمر الجاهلية تحت قدمي موضوع، ودماء الجاهلية موضوعة وان اول دم أضعه من دماء نا دم ابن ربيعة بن الحارث كان مسترضعا في بني سعد فقتلته هذيل، وربا الجاهلية موضوع، واول ربا أضع من ربانا ربا العباس بن عبد المطلب، فانه موضوع كله، فاتقوا اللّٰه في النساء فانكم اخذتموهن بامانة اللّٰه، واستحللتم فروجهن بكلمة اللّٰه، ولكم عليهن ان لا يوطئن فرشكم أحدا تكرهونه، فان فعلن ذلك فاضربوهن ضربا غير مبرح ولهن عليكم رزقهن وكسوتهن بالمعروف، وقد تركت فيكم مالم تضلوا بعده ان اعتصمتم به، كتاب اللّٰه،وانتم تسئلون عني فما ذا أنتم قائلون؟قالو: نشهد انك قد بلغت واديت ونصحت، فقال باصبعه السبابة يرفعها الى

---

(١)زادالمعاد،ج۱،ص۲۴۹

السماء وینکبها الی الناس اللّٰهم اشهد ثلاث مرات.(۱)

تمہارا خون اور تمہارا مال اسی طرح حرام ہے، جس طرح یہ دن اس مہینہ میں اور اس شہر میں حرام ہے، یہ بھی یاد رکھو کہ ہر جاہلی امر باطل ہے، اور جاہلیت کے تمام خون (یعنی انتقامی خون) باطل کردیئے گئے، اور سب سے پہلے میں (اپنے خاندان کا خون) ابن ربیعہ بن الحاث کا خون باطل کردیتا ہوں، جس نے بنی سعد میں پرورش پائی اور اس کو ہذیل نے قتل کرڈالا، جاہلیت کے تمام سود بھی باطل کردیئے گئے اور سب سے پہلے اپنے خاندان کا سود عباس بن عبدالمطلب کا سود باطل کرتا ہوں، یہ سب کا سب باطل ہے، عورتوں کے معاملہ میں خدا سے ڈرو، تم نے ان کو اللہ کی امانت کے طور پر حاصل کیا ہے، اور ان کی شرمگاہوں کو اللہ کی بات کے ساتھ حلال سمجھا ہے، اور تمہاری طرف سے ان پر یہ ذمہ داری ہے کہ وہ تمہارے بستر پر کسی غیر کو (جس کا آنا تم کو گوارا نہیں ہے) نہ آنے دیں، اگر وہ ایسا کریں تو تم ان کو ایسی مار مارو جو نمودار نہ ہو، اور ان کا حق تمہارے اوپر یہ ہے کہ ان کو معقول طریقہ پر ان کی خوراک اور پوشاک کا انتظام کرو، میں تم میں ایک چیز چھوڑ جاتا ہوں اگر تم نے اس کو مضبوط پکڑلیا تو گمراہ نہ ہوگے وہ چیز کیا ہے؟ کتاب اللہ، تم سے خدا کے ہاں میری نسبت پوچھا جائے گا تم کیا جواب دوگے؟ صحابہ نے عرض کی ہم کہیں گے کہ آپ نے خدا کا پیغام پہونچادیا، اپنا فرض ادا کردیا، آپ نے شہادت کی انگلی آسمان کی طرف اٹھائی اور تین مرتبہ فرمایا ''اے خدا تو گواہ رہنا''

ایام تشریف کے وسط میں جو خطبہ آپؐ نے دیا تھا، اس کا متن یہ ہے:۔

یاایها الناس اهل تدرون فی ای شهر انتم وفی ای یوم انتم ،وفی ای بلد انتم؟ فقالوا: فی یوم حرام، وبلد حرام، وشهر حرام، قال: فان دماء کم واموالکم وأعراضکم علیکم حرام کحرمة یومکم هذا فی شهرکم هذا وفی بلدکم هذا، الی یوم تلقونه ، ثم قال: اسمعوا منی تعیشوا، الا لا تظلموا الا لا تظلموا، الا لا تظلموا أنه لا یحل مال امری مسلم الا بطیب نفس منه، ألا!وان کل دم ومال ومأثرة کانت فی الجاهلیة تحت قدمی هذه الی یوم القیامة،وان اول دم یوضع دم ربیعة(۲) بن الحارث بن عبدالمطلب کان

(۱) مسلم، ابوداؤد وغیرہ بروایت حضرت جابر ابن عبداللہ، یہ روایت حضرت جعفر صادق حضرت محمد الباقر سے اور وہ حضرت جابر سے کرتے ہیں۔

(۲) صحیح مسلم اور سنن ابی داؤد وغیرہ میں ربیعہ کے بجائے ابن ربیعہ کے لفظ آئے ہیں، اور وہی مراد بھی ہیں، اس لئے کہ ربیعہ بن الحارث جو آپ کے رشتہ کے بھائی تھے، وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت عمرؓ کی خلافت تک بقید حیات تھے، جن روایات میں دم ربیعۃ ابن الحارث کے الفاظ آئے ہیں، ان کی تاویل کی جاسکتی ہے، کہ وہ اپنے بیٹے حارث مقتول کے ولی الدم اور شرعاً وقانوناً اس کے مطالبہ کا استحقاق رکھتے تھے، اس لئے ان کا نام لیا گیا۔(شرح صحیح مسلم للنووی، ج۸، ص۱۸۳)

مسترضعا في بني ليث فقتلته هذيل، ألا! وان كل ربا في الجاهلية موضوع وان الله عزوجل قضى أن اول ربا يوضع ربا العباس بن عبدالمطلب ،لكم رئووس اموالكم لا تظلمون ولا تظلمون، ألا!وان الزمان قد استدار كهيئته يوم خلق السمٰوٰت والارض، ثم قرأ: "ان عدة الشهور عند الله اثنا عشرشهراً في كتٰب الله يوم خلق السمٰوٰت والارض منها اربعة حرم، ذلك الدين القيم، فلا تظلموا فيهن انفسكم" ألا! لا ترجعوا بعدى كفاراً يضرب بعضكم رقاب بعض، ألا ان الشيطان قد أيس أن يعبده المصلون، ولكنه في التحريش بينكم، واتقوا الله في النساء فانهن عندكم عوان لا يملكن لأنفسهن شيئا،وان لهن عليكم حقا، ولكم عليهن حقا أن لايوطئن فرشكم أحدا غيركم، ولايأذن في بيوتكم لاحد تكرهونه، فان خفتم نشوزهن فعظوهن واهجروهن في المضاجع واضربوهن ضربا غير مبرح ولهن رزقهن وكسوتهن بالمعروف وانما اخذتموهن بأمانة الله، واستحللتم فروجهن بكلمة الله عزوجل، ألا ومن كانت عنده امانة فليؤدها الى من ائتمنه عليها وبسط يديه، وقال ألا!هل بلغت؟ ألا !هل بلغت، ثم قال!ليبلغ الشاهد الغائب، فانه رب مبلغ اسعد من سامع.(۱)

اے لوگو! کیا تم جانتے ہو کہ یہ کون سا مہینہ اور کون دن ہے؟ اور تم کس شہر میں ہو؟ لوگوں نے جواب دیا: یہ دن بڑا باحرمت، اور یہ مہینہ بڑا قابل احترام ہے، اور یہ شہر حرمت والا ہے، تو آپ ؐ نے فرمایا تمہارا خون، تمہارا مال اور تمہاری عزتیں اسی طرح قیامت تک حرام ہیں جس طرح یہ دن، یہ مہینہ اور یہ شہر ہے، پھر فرمایا، سنو مجھ سے وہ باتیں سنو جس سے تم صحیح زندگی گذار سکو گے خبردار ظلم نہ کرنا، خبردار ظلم نہ کرنا، خبردار ظلم نہ کرنا، کسی مسلمان شخص کے مال میں سے کچھ لینا جائز نہیں ہاں اگر وہ راضی ہو (تو کوئی حرج نہیں) ہر خون، ہر مال، جو جاہلیت سے چلا آتا تھا تا قیامت وہ باطل ہے، اور سب سے پہلا خون جو باطل کیا جاتا ہے، وہ ربیعہ بن الحارث بن عبدالمطلب کا خون، اس نے بنی لیث میں پرورش پائی تھی، اور ہذیل نے اس کو قتل کردیا تھا، جاہلیت کے تمام سود بھی باطل کردیئے گئے، اور اللہ تعالیٰ نے یہ فیصلہ فرمادیا کہ جو سب سے پہلا سود باطل کیا جائے، وہ عباس بن عبدالمطلب کا سود ہے، تمہارا راس المال تمہارے لئے محفوظ ہے اس میں نہ تم کسی پر ظلم کروگے نہ تمہارے اوپر ظلم کیا جائے گا ابتداء میں خدا نے جب آسمان وزمین کو پیدا کیا تھا زمانہ پھر پھرا کر آج اسی نقطہ پر آگیا، پھر آپ ؐ نے یہ

(۱) رواہ الامام احمد عن ابی حرۃ الرقاشی عن عمہ.

آیت تلاوت فرمائی۔ ''خدا کے نزدیک مہینے گنتی میں (بارہ ہیں یعنی) اس روز (سے) کہ اس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا، کتاب خدا میں (برس کے) بارہ مہینے (لکھے ہوئے) ہیں، ان میں سے چار مہینے ادب کے ہیں یہی دین (کا) سیدھا راستہ ہے تو ان (مہینوں) میں (قتال ناحق سے) اپنے آپ پر ظلم نہ کرنا'' ہاں! میرے بعد کافر ہی نہ ہو جانا کہ خود ایک دوسرے کی گردن مارنے لگو، اور ہاں! شیطان بھی اس سے مایوس ہو چکا ہے کہ نماز پڑھنے والے اس کی پرستش کریں لیکن وہ تمہارے درمیان رخنہ اندازی کرے گا، عورتوں کے معاملہ میں خدا سے ڈرو، کیونکہ وہ تمہاری دست نگر ہیں، وہ اپنے لئے خود کوئی اختیار نہیں رکھتیں، اور ان کا تم پر حق ہے، اور تمہارا ان پر کہ وہ تمہارے علاوہ تمہارے بستر پر کسی کو آنے نہ دیں اور نہ ایسے شخص کو تمہارے گھر آنے دیں جسے تم ناپسند کرتے ہو، اور اگر تم ان کی نافرمانی سے خوف محسوس کرو تو انھیں نصیحت کرو، اور ان کو ان کی خوابگاہوں میں چھوڑ دو اور ہلکی مار مارو اور انھیں کھانے کپڑے کا حق معلوم طریقے پر حاصل ہے، تم نے انھیں خدا کی امانت کے طور پر حاصل کیا ہے، اور ان کے ناموس کو اللہ کے نام سے حلال کیا ہے آگاہ ہو جاؤ جس کے پاس کوئی امانت ہو وہ صاحبِ امانت کو واپس کر دے، اتنا فرمانے کے بعد آپؐ نے اپنے دونوں ہاتھ پھیلائے اور فرمایا کہ کیا میں نے پیغام پہنچا دیا کیا میں نے پیغام پہنچا دیا؟ پھر فرمایا جو حاضر ہیں وہ غیر حاضر لوگوں تک یہ بات پہونچا دیں کیونکہ بہت سے غیر حاضر سننے والوں سے زیادہ خوش بخت ہوتے ہیں۔

وفات

(ربیع الاول ۱۱ھ)

تبلیغ دعوت اور اجرائے شریعت کا نقطۂ عروج اور وصال حق کی تیاری

جب دین نقطۂ عروج اور منتہائے کمال کو پہونچ گیا، اور یہ آیت نازل ہوگئی:۔

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْناً. (سورۂ مائدہ ۔۳)

(اور) آج ہم نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل کر دیا، اور اپنی نعمتیں تم پر پوری کر دیں اور تمہارے لئے اسلام کو دین پسند کیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیغام ہدایت لوگوں کو پہونچا دیا، امانتِ الٰہی بے کم وکاست پہونچادی، اور راہِ حق میں قربانی اور جانفشانی کا حق ادا کر دیا، اور ایک ایسی امت تیار کر دی جو نبوت کی ذمہ داریوں کو (منصب نبوت پر فائز ہوئے بغیر) انجام دے سکتی تھی، اور اس کو اس دعوت کا علمبردار اور اس دین کو تحریف سے محفوظ رکھنے کا ذمہ دار بنایا گیا تھا، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

کُنْتُمْ خَیْرَاُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ. (سورۂ آل عمران۔ ۱۱۰)

(مومنو! جتنی امتیں (یعنی قومیں) لوگوں میں پیدا ہوئیں) تم ان سب سے بہتر ہو کہ نیک کام کرنے کو کہتے ہو اور برے کاموں سے منع کرتے ہو اور خدا پر ایمان رکھتے ہو۔

اسی کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی (جو اس دین کی اساس اور ایمان ویقین کا سرچشمہ اور منبع ہے) حفاظت اور بقا کی ذمہ داری بھی لے لی اور فرمایا:۔

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ. (سورۂ حجر۔۹)

بے شک یہ (کتاب) نصیحت ہمیں نے اُتاری ہے اور ہمیں اس کے نگہبان ہیں۔

دوسری طرف اس نے اس دین کی طرف لوگوں کے رجوعِ عام اور بڑی بڑی جماعتوں اور

قبیلوں کے قبول اسلام سے اپنے نبی کی آنکھیں ٹھنڈی کیں، اور پورے عالم میں اس کے فروغ اور اشاعت کے آثار ظاہر ہونے لگے، اور صاف نظر لگا کہ دیکھتے ہی دیکھتے یہ دین دنیا کے سارے مذاہب پر غالب آجائے گا، سورۂ نصر میں اللہ تعالیٰ نے اس کا اشارہ بھی فرمادیا ہے:۔

اِذَا جَآءَ نَصۡرُ اللّٰهِ وَالۡفَتۡحُ، وَرَاَیۡتَ النَّاسَ یَدۡخُلُوۡنَ فِیۡ دِیۡنِ اللّٰهِ اَفۡوَاجًا، فَسَبِّحۡ بِحَمۡدِ رَبِّکَ وَاسۡتَغۡفِرۡهُ، اِنَّهٗ کَانَ تَوَّابًا. (سورۂ نصر ۔ ۱۔۳)

جب اللہ کی مدد آپہونچی اور فتح (حاصل ہوگئی) اور تم نے دیکھ لیا کہ لوگ غول کے غول خدا کے دین میں داخل ہو رہے ہیں تو اپنے پروردگار کی تعریف کے ساتھ تسبیح کرو اور اس سے مغفرت مانگو بے شک وہ معاف کرنے والا ہے۔

قرآن مجید کا دور اور اعتکاف میں اضافہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعتکاف میں اس قدر اضافہ فرمادیا کہ ہر سال آپؐ نے رمضان کے آخری عشرہ کا اعتکاف کرتے تھے، لیکن جس سال آپؐ کی وفات ہوئی، آپؐ نے بیس روز کا اعتکاف فرمایا(۱)۔

حضرت جبرئیلؑ رمضان کی ہر شب میں آپؐ سے آکر ملتے اور آپؐ ان کے ساتھ قرآن مجید کا دور فرماتے تھے، لیکن اس سال آپؐ نے فرمایا کہ اس مرتبہ وہ ایک کے بجائے دوبار آئے ہیں، اس سے مجھے اندازہ ہوتا ہے کہ میرا وقت قریب آگیا ہے(۲)۔

اس وقت اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو لقاء رب اور وصالِ حق کی اجازت عطا فرمائی، جن سے زیادہ اس کی ملاقات کا شوق واشتیاق اور کسی کو نہیں ہوسکتا تھا، اللہ تعالیٰ کو بھی اس لقاء کا اشتیاق تھا، اور آپؐ کو بھی اس کا غایت درجہ شوق اور آرزو تھی۔

اللہ تعالیٰ نے صحابۂ کرام کو جن سے بڑھ کر آپؐ کا چاہنے والا روئے زمین پر کوئی اور نہ تھا، آپؐ کی خبر وفات سننے اور اس صدمۂ عظیم کو برداشت کرنے کے لئے جس سے کوئی چارہ نہ تھا، پہلے سے تیار کردیا تھا، اس سے پہلے غزوۂ اُحد میں ان کو آپؐ کی شہادت کی اچانک خبر ملی تھی، پھر بعد میں معلوم ہوا کہ یہ شیطان کی سازش اور پھیلائی ہوئی افواہ تھی، اور اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے نبی کی حیات طیبہ اور صحبت سے فائدہ اٹھانے کا ایک موقع عطا فرمایا ہے، اگرچہ یہ حادثہ بہرحال کسی نہ کسی روز پیش

(۱) صحیح بخاری کتاب الاعتکاف "باب الاعتکاف فی العشر الاوسط من رمضان"
(۲) صحیح بخاری کتاب المناقب "باب علامات النبوۃ"

آنے والا ہے، چنانچہ اللہ کا ارشاد ہوا کہ:۔

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ، اَفَائِنْ مَّاتَ اَوْقُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰی اَعْقَابِكُمْ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰی عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّاللّٰهَ شَيْئًا وَسَيَجْزِي اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ. (سورۂ آل عمران۔١٤٤)

اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تو صرف (خدا کے) پیغمبر ہیں، ان سے پہلے بھی بہت سے پیغمبر ہو گذرے ہیں، بھلا اگر ان کی وفات ہو جائے یا شہید کر دیئے جائیں تو تم اُلٹے پاؤں پھر جاؤ گے؟ (یعنی مرتد ہو جاؤ گے) اور جو اُلٹے پھر جاؤ گے تو خدا کا کچھ نقصان نہیں کر سکے گا اور خدا کا شکر گذاروں کو (بڑا) ثواب دے گا۔

یہ اولین مسلمان جن کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہترین تربیت فرمائی تھی، اور ان کے دلوں کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ وابستہ کر دیا تھا، اور دنیا کے دور دراز گوشوں اور دور افتادہ قوموں تک اسلام کا پیغام پہونچانے کے عظیم اور مقدس کام میں ان کو مشغول کر دیا تھا، اس بات کا پورا یقین رکھتے تھے کہ آپ کسی نہ کسی دن اس عالم فانی کو چھوڑ کر اس سے جدا ہو جائیں گے، اور اپنی اس طویل محنت وقربانی کا بہترین ثمرہ اور جزاء حاصل کرنے کے لئے اپنے رب کے حضور حاضر ہو جائیں گے، جب "اِذَا جَاءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ" کی آیت نازل ہوئی تو صحابۂ کرامؓ نے سمجھ لیا کہ یہ آیت جدائی کی گھڑی کا پیش خیمہ اور اعلان ہے، اس لئے کہ نبوت کا کام پایۂ تکمیل تک پہونچ چکا ہے، اور خدا کی نصرت اور فتح آ چکی ہے(۱)۔

جس وقت آیت " اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ" نازل ہوئی تو اس وقت بہت سے جلیل القدر صحابہؓ نے محسوس کیا کہ آپؐ کی وفات کا وقت قریب ہے(۲)

لقاءِ مولیٰ کا شوق اور دنیا کو وداع

حجۃ الوداع سے واپسی کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسی باتیں ظاہر ہوئی جن سے اشارہ ملتا تھا کہ آپؐ کی وفات کے دن قریب ہیں (۳)، اور آپ اس سفر کے لئے تیار اور "الرفیق الاعلیٰ" سے ملنے کے مشتاق ہیں، آپؐ نے اُحد کے شہداء کے لئے آٹھ سال کے بعد اس طرح دعا

(۱) ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ جہاں تک میں جانتا ہوں اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات مراد ہے، امام احمد نے اپنی سند کے ساتھ ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ جب "اذا جاء نصر الله والفتح" نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، مجھے (اس سورہ میں) اپنی وفات کی خبر دی گئی ہے (دیکھئے تفسیر ابن کثیر)۔

(۲) دیکھئے ابن کثیر، ج ۴، ص ۴۲۷

(۳) صحیح مسلم میں جابر رضی اللہ عنہ سے یہ روایت آئی ہے کہ آپ نے جمرۃ العقبہ کے قریب رک کر ہم لوگوں سے فرمایا مجھ سے مناسک حج سیکھ لو اس لئے کہ شاید اس سال کے بعد مجھے حج کا موقع نہ ملے۔

کی کہ جیسے آپ عنقریب اپنے اصحاب کرامؓ سے جدا ہونے والے ہیں، جیسے کوئی زندوں اور مردوں کو رخصت کرنے والا کرتا ہے۔

پھر آپ منبر پر تشریف لے گئے اور فرمایا میں تمہارے آگے جانے والا ہوں، اور تم پر گواہ ہوں، اب تم سے ملاقات حوض (کوثر) پر ہوگی میں اپنے کو اس مقام پر کھڑا ہوا دیکھ رہا ہوں، مجھے زمین کے خزانوں کی کنجیاں دی گئی ہیں، مجھے یہ ڈر نہیں کہ تم میرے بعد شرک کرنے لگو گے، مگر میں اس سے ڈرتا ہوں کہ تم حصولِ دنیا میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرنے لگو، اور جیسی گذشتہ قومیں ہلاک ہوئیں تھیں، تم بھی ہلاک ہو جاؤ (۱)۔

علالت کا آغاز

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شکایت ماہ صفر کے آخر میں پیدا ہوئی (۲) اس کا آغاز اس طرح ہوا کہ نصف شب کو ''جنت البقیع'' تشریف لے گئے، اور اہل قبور کے لئے دعائے مغفرت کی، پھر اپنے گھر تشریف لے آئے، جب صبح ہوئی تو اسی روز سے علالت شروع ہوگئی (۳)۔

اُمُّ المومنین حضرت عائشہؓ روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بقیع سے واپس آئے تو آپؐ نے مجھے اس حالت میں پایا کہ میرے سر میں سخت درد تھا میں کہہ رہی تھی کہ میرے سر میں کتنی تکلیف ہے، آپؐ نے فرمایا نہیں میرے سر میں کتنا درد ہے، عائشہؓ میرے سر میں کتنی تکلیف ہے (۴)، علالت میں ترقی ہوئی، اس وقت آپؐ میمونہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں تھے، آپؐ نے تمام ازواج مطہرات کو طلب فرمایا، اور ان سے اجازت چاہی کہ آپؐ بیماری کا زمانہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے یہاں گذاریں انھوں نے اس کو بخوشی منظور کیا، آپؐ گھر کے دو افراد کے سہارے جن میں ایک فضل بن عباسؓ اور دوسرے حضرت علیؓ تھے، وہاں سے تشریف لے چلے، سر مبارک پر پٹی بندھی ہوئی تھی، آپؐ کے قدم زمین پر گھسٹتے تھے، اسی طرح آپؐ حضرت عائشہؓ کے گھر تشریف لائے (۵)۔

حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ آپؐ اس مرض میں جس میں آپؐ کی وفات ہوئی یہ فرماتے

---

(۱) متفق علیہ۔

(۲) احادیث کے تتبع اور قول راجح کی بنیاد پر یہی معلوم ہوتا، اور اغلب ہے کہ یہ دوشنبہ کا دن تھا۔

(۳) سیرت ابن ہشام، ج ۲، ص ۶۴۲ و ابن کثیر، ج ۴، ص ۴۴۳

(۴) ابن ہشام، ج ۲، ص ۶۴۳

(۵) صحیح بخاری (باب مرض النبی صلی اللہ علیہ وسلم و وفاتہ)

تھے کہ عائشہؓ! میں اس کھانے کی تکلیف اب تک محسوس کرتا ہوں جو میں نے خیبر میں کھایا تھا، اس وقت اس زہر(۱) سے میری رگ (ابہر) (۲) کٹ رہی ہے۔

آخری لشکر

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو ایک لشکر کا امیر بنا کر شام بھیجا اور ان کو حکم دیا کہ ان کے گھوڑے ''بلقا'' اور داروم (۳) کی سرزمین تک ضرور جائیں گے جو ارض فلسطین کا حصہ ہے۔

اس لشکر میں آپ نے مہاجرین وانصار کے چیدہ اور برگزیدہ اصحاب کو شامل فرمایا جن میں سب سے نمایاں حضرت عمر رضی اللہ عنہ تھے، آپ نے ان کو سخت بیماری کی حالت میں وہاں پہونچے کا حکم دیا، اس وقت اسامہ کا لشکر ''جُرف'' میں خیمہ انداز تھا (۴)، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس خواہش کی تکمیل کے لئے اسامہؓ کے لشکر میں پیش قدمی ملتوی نہیں کی بلکہ اس پر پورا پورا عمل کیا۔

جیشِ اسامہ سے آپ کی دلچسپی واہتمام

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے محسوس کیا کہ لوگ جیش اسامہ کے معاملہ میں کسی قدر سستی سے کام لے رہے ہیں، اس سے پہلے لوگوں نے اسی طرح کی باتیں کی تھیں کہ ایک نوعمر لڑکے کو جلیل القدر صحابہ، مہاجرین وانصار کا امیر بنایا گیا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسی درد کی حالت میں سر پر پٹی باندھے ہوئے باہر تشریف لائے اور منبر پر بیٹھ گئے، پہلے اللہ تعالیٰ کی وہ حمد وثنا بیان کی جو اس کی شان کے لائق ہے، پھر فرمایا کہ لوگو! اسامہ کے لشکر کو روانہ کرو، اگر آج تم ان کی امارت کے بارے میں چہ میگوئی کرتے ہو تو کل تم نے ان کے والد کی امارت پر بھی اعتراض کیا تھا، بے شک وہ امارت کے لائق اور اس کے مستحق ہیں، جیسے ان کے والد اس کے مستحق تھے، اتنا فرما کر آپ منبر سے نیچے اتر گئے اور لوگ تیزی کے ساتھ تیاریوں میں مشغول ہوگئے ادھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی علالت پہلے سے بہت بڑھ گئی، دوسری طرف اسامہ اس لشکر کو لے کر روانہ ہوگئے، اور مدینہ سے تین میل کے فاصلہ

---

(۱) صحیح بخاری، معلقاً (باب مرض النبی صلی اللہ علیہ وسلم ووفاتہ) حافظ بیہقی نے حاکم سے اور انھوں نے زہری سے بھی اس کو روایت کیا ہے، دیکھئے ابن کثیر، ج ۴، ص ۴۴۹،

(۲) ابہر اس رگ کو کہتے ہیں جو پیٹھ سے نکل کر دل سے مل جاتی ہے، وہ اگر کٹ جائے تو آدمی مر جاتا ہے۔

(۳) ابن ہشام، ج ۲، ص ۶۴۲

(۴) ابن کثیر، ج ۴، ص ۴۴۱

پر "جُرف" میں اپنا پڑاؤ ڈالا، تاکہ باقی لوگ جو آنا چاہتے ہیں، وہ سب یہاں مجتمع ہو جائیں، اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت سخت علیل تھی، اور اسامہ اور ان کے سب ساتھی وہاں رکے ہوئے تھے کہ دیکھئے اللہ تعالیٰ کو کیا منظور ہے (۱)۔

آپؐ نے اسی مرض میں مسلمانوں کو وصیت کی کہ وہ اس لشکر کو اسی طرح روانہ کریں جیسے آپؐ ان کو روانہ فرمایا کرتے تھے، اور "جزیرۃ العرب" میں دو مذہب باقی نہ چھوڑیں، اور آپؐ نے یہ بھی فرمایا کہ مشرکین کو یہاں سے نکال دیا جائے (۲)۔

مسلمانوں کے لئے دعا اور ذاتی سربلندی کے شوق اور تکبّر سے دور رہنے کی آگاہی

علالت کے دوران کچھ صحابۂ کرام، حضرت عائشہؓ کے گھر میں جمع ہوئے، آپؐ نے ان کا گرمجوشی سے استقبال کیا اور ان کے لئے ہدایت، نصرت اور توفیق کی دعا فرمائی پھر آپؐ نے فرمایا میں تم کو اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کی وصیت کرتا ہوں، اور اللہ تعالیٰ کو اپنے بعد تمہارا نگراں بناتا ہوں، میں اس کی طرف سے تم کو کھلا ہوا ڈرانے والا اور آگاہی دینے والا ہوں، دیکھنا اللہ کی بستیوں اور اس کے بندوں میں تکبر اور برتری کو اختیار نہ کرنا، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے میرے لئے اور تمہارے لئے پہلے ہی فرمادیا ہے:۔

تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا، وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ۔ (سورۂ قصص۔ ۸۳)

وہ (جو) آخرت کا گھر (ہے) ہم نے اسے ان لوگوں کے لئے (تیار) کر رکھا ہے جو ملک میں برتری اور فساد کا ارادہ نہیں کرتے اور انجام (نیک) تو پرہیزگاروں ہی کا ہے۔

پھر آپؐ نے یہ آیت بھی تلاوت فرمائی:۔

اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْمُتَكَبِّرِيْنَ (۳) (سورۂ زمر۔ ۶۰)

کیا غرور کرنے والوں کا ٹھکانہ دوزخ میں نہیں ہے؟

---

(۱) سیرت ابن ہشام، ج ۲، ص ۶۵۰ نیز صحیح البخاری کتاب المغازی باب "غزوة زيد بن حارثه" اس میں اتنا اضافہ ہے کہ اگر تم آج ان کی امارت پر طعن کرتے ہو تو اس سے پہلے تم نے ان کے والد کی امارت پر طعن کیا تھا، اور خدا کی قسم وہ امارت کے مستحق تھے، اور مجھے محبوب تھے، اور ان کے بعد یہ میرے بہت محبوب لوگوں میں ہیں۔

(۲) دیکھئے صحیح بخاری باب (مرض النبی صلی اللہ علیہ وسلم ووفاته)

(۳) بیہقی (السیرۃ النبویۃ لابن کثیر، ج ۴، ص ۵۰۲)

دنیا سے بے تعلقی اور مال کے بچ جانے سے کراہت

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ ”آپؐ نے اپنے مرض وفات میں ایک مرتبہ دریافت فرمایا عائشہؓ! اس سونے کو کیا کیا؟ وہ پانچ سے سات یا نو کے درمیان اشرفیاں لائیں آپؐ ان کو لے کر اپنے ہاتھ سے الٹتے پلٹتے اور فرماتے، میں ان کے ساتھ خدا کو کیا منہ دکھاؤں گا(۱)، جاؤ ان سب کو راہ خدا میں خیرات کر دو“(۲)

نماز کا اہتمام اور حضرت ابوبکرؓ کی امامت

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکلیف میں اضافہ ہوا اور طبیعت زیادہ بھاری ہوگئی تو آپؐ نے اسی حالت میں دریافت فرمایا کہ کیا لوگوں نے نماز پڑھ لی؟ ہم نے جواب دیا کہ نہیں یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) سب لوگ آپ کا انتظار کر رہے ہیں، آپؐ نے فرمایا میرے لئے لگن میں پانی رکھدو، لوگوں نے تعمیل کی، آپؐ نے غسل فرمایا، پھر آپؐ نے اٹھنے کی کوشش کی، لیکن آپؐ پر غشی طاری ہوگئی، جب آپ کو ہوش آیا تو فرمایا کہ کیا سب نے نماز پڑھ لی، لوگوں نے جواب دیا نہیں یا رسول اللہ! سب لوگ آپؐ کے منتظر ہیں، تمام لوگ اس وقت مسجد نبوی میں خاموش بیٹھے ہوئے نماز عشاء کے منتظر تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکرؓ کو پیغام کہلوایا کہ وہ نماز پڑھائیں، حضرت ابوبکرؓ بہت رقیق القلب شخص تھے، انھوں نے کہا عمر! تم نماز پڑھاؤ، انھوں نے کہا آپ اس کے مجھ سے زیادہ مستحق ہیں، چنانچہ اُن دنوں حضرت ابوبکرؓ ہی نماز پڑھاتے رہے۔

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ افاقہ اور طبیعت میں ہلکا پن محسوس فرمایا اور دو آدمیوں کے سہارے سے جن میں ایک عباس رضی اللہ عنہ اور دوسرے علی کرم اللہ وجہہ تھے، ظہر کی نماز کے لئے باہر تشریف لائے، جب حضرت ابوبکرؓ نے آپ کو دیکھا تو وہ پیچھے ہٹنے لگے، آپؐ نے اشارہ سے ان کو ہدایت کی کہ وہ پیچھے نہ ہٹیں اور ان دونوں حضرات سے آپؐ نے فرمایا کہ وہ آپ کو ابوبکرؓ کے پہلو میں بٹھادیں، حضرت ابوبکرؓ کھڑے ہو کر نماز پڑھاتے رہے، اور آپؐ نے بیٹھ کر نماز ادا فرمائی“۔

ام الفضل بنت الحارث روایت کرتی ہیں کہ ”میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مغرب کی نماز

---

(۱) حدیث کے اصل الفاظ ہیں ”ماظن محمد باللہ عزوجل لو لقیه وهذه عنده“ جس کا لفظی ترجمہ ہوا، محمد کا اللہ کے ساتھ کیا گمان ہوگا جب اُس سے ملاقات ہوگی، اس حالت میں یہ کہ اشرفیاں اس وقت اس کے پاس ہیں۔

(۲) مسند امام احمد، ج ٦، ص ۴۹

میں سورہ ''والمرسلات'' پڑھتے سنا، اس کے بعد آپؐ کو کسی نماز کی امامت کی نوبت نہ آئی، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو اپنے پاس بلالیا'' (۱)۔

خطبۃ الوداع

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان ایام میں منبر پر بیٹھ کر جو کلمات ارشاد فرمائے (۲) اور اس حالت میں فرمائے کہ آپؐ کے سر مبارک پر کپڑا بندھا ہوا تھا، اس میں ایک موقع پر آپؐ نے یہ بھی فرمایا"ان عبدا من عباد اللّٰہ خیرہ اللّٰہ بین الدنیا و بین ماعندہ فاختار ما عنداللّٰہ" (اللہ کے بندوں میں سے ایک بندے کو اللہ تعالیٰ نے دنیا اور اللہ کے پاس جو چیز ہے کسی ایک چیز کے اختیار کرنے کا اختیار دیا تو اس نے جو کچھ اللہ کے پاس ہے اسے اختیار کیا) حضرت ابوبکرؓ ان الفاظ کے معانی سمجھ گئے اور انھوں نے محسوس کیا کہ یہ دراصل آپؐ نے اپنے لئے کہا ہے، یہ خیال کر کے وہ رُو پڑے اور کہا ''نہیں، ہماری جانیں اور اولاد سب آپؐ پر فدا ہیں''۔

آپؐ نے فرمایا ''ابوبکر ٹھہرو! جلدی نہ کرو، بلاشبہ کوئی شخص ایسا نہیں جس نے اپنی جان اور مال سے مجھ پر اتنا احسان کیا ہے، جتنا ابوبکرؓ نے کیا ہے، اور اگر میں لوگوں میں کسی کو اپنا خلیل (خاص دوست ومحبوب) بناتا تو ابوبکر کو اپنا خلیل بناتا لیکن اسلام کا تعلق اور اسلام سے محبت سب سے افضل ہے'' (۳)۔

آپؐ نے یہ بھی فرمایا کہ ''مسجد کا ہر دریچہ (۴)، جس سے میرا سامنا ہوتا ہے بند کر دو، صرف خوخہ ابوبکر کو باقی چھوڑ دو'' (۵)

انصار کے ساتھ حسن سلوک کی وصیت

حضرت ابوبکر وحضرت عباس رضی اللہ عنہما ایک بار انصار کی ایک محفل سے گذرے، انھوں نے دیکھا کہ وہ لوگ رو رہے ہیں، انھوں نے پوچھا کہ تم لوگ کیوں رو رہے ہو؟ انھوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اور مجلس ہمیں یاد آرہی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع پہونچی تو آپ باہر تشریف لائے، آپؐ نے سر مبارک کو اپنی چادر کے حاشیے سے لپیٹ لیا تھا،

---

(۱) صحیح بخاری (باب مرض النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم ووفاتہ)۔

(۲) احادیث کے تتبع سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اخیر خطبہ تھا۔

(۳) صحیح بخاری کتاب الصلاۃ "باب الخوخہ والممرفی الصلاۃ"

(۴) یہاں پر خوخہ کا لفظ آیا ہے جو چھوٹے دروازے کو کہتے ہیں

(۵) صحیح بخاری کتاب الصلاۃ "باب الخوخہ والممرفی الصلاۃ"

آپ منبر پر جلوہ افروز ہوئے (۱)، اس دن کے بعد پھر آپ کو منبر پر جانے کا موقع نہیں آیا، پھر آپؐ نے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کی جو اس کی شانِ عالی کے لائق ہے، اس کے بعد ارشاد ہوا:

''میں تم کو انصار کے ساتھ (حسن سلوک کی) وصیت کرتا ہوں، وہ جسم وجان کی طرح ہیں، اور میرے معتمد اور راز دار ہیں، ان پر جو ذمہ داری تھی، اس کو انھوں نے پورا کیا، ان کا جو دوسروں پر حق ہے، وہ باقی ہے، اس لئے ان کے اچھے اور صالح لوگوں کی بات قبول کرنا اور ان میں سے جو لوگ قصور وار ہوں، ان سے درگذر کرنا (۲)۔

مسلمانوں کی صف بستہ جماعت پر آپ کی آخری نگاہ

حضرت ابوبکرؓ بدستور نماز پڑھاتے رہے، دوشنبہ کے دن وہ لوگ نماز فجر میں صفیں باندھے کھڑے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے حجرۂ مبارک کا پردہ اٹھایا، اور کچھ دیر آپ یہ منظر دیکھتے رہے کہ مسلمان اپنے رب کے حضور کس طرح حاضر ہیں، آپ کی دعوت اور جہاد وسعی کیا رنگ لائی ہے، اور یہ امت کس طرح تیار ہوئی ہے، جو نماز سے اس درجہ تعلق رکھتی ہے، اور اپنے نبی کی موجودگی اور غیر موجودگی دونوں حالتوں میں اسی جوش ونشاط اور سُر ور وشوق کے ساتھ بارگاہِ الٰہی میں دست بستہ حاضر ہے، یہ خوشگوار منظر اور اس کامیابی کو دیکھ کر جو آپ سے پہلے کسی نبی یا داعی کو نصیب نہیں ہوئی تھی، آپؐ کی آنکھیں ٹھنڈی ہوئیں، اور آپ کو اس کا اطمینان ہوا کہ اس دین اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے اس امت کا تعلق دائمی اور پائدار ہے جو آپ کی وفات کے بعد بھی ختم نہ ہوگا، خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ اس وقت آپ کو اس بات سے کس درجہ مسرّت ہوئی ہوگی، یہ منظر دیکھ کر روئے انور فرط مسرّت سے دمکنے لگا، صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین بیان فرماتے ہیں کہ:۔

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجرۂ عائشہؓ کا پردہ کھولا اور کھڑے ہوئے ہمیں برابر دیکھتے رہے، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آپؐ کا روئے مبارک ورق مصحف ہے، پھر آپ مسکرائے اور ہنس پڑے، ہمیں یہ خیال ہوا کہ کہیں ہم لوگ بھی خوشی کی وجہ سے آزمائش میں نہ پڑ جائیں، اور بے قابو ہو جائیں، ہمیں یہ بھی گمان ہوا کہ شاید آپؐ نماز کے لئے باہر تشریف لانے والے ہیں، آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ

---

(۱) قول راجح یہی ہے کہ یہ آپ کا وہی آخری خطبہ ہے، جو جمعرات کے روز ظہر کی نماز کے بعد آپؐ نے دیا تھا، اس لئے کہ حدیث کے راوی جو انس بن مالکؓ ہیں کہتے ہیں ''آپؐ منبر پر چڑھے اور اس دن کے بعد پھر آپ کو منبر پر جانے کا موقع نہیں آیا، پھر آپؐ نے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کی جو اس کی شان کے لائق ہے۔ (۲) صحیح بخاری، فضائل اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم "باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم" اقبلوا من محسنهم و تجاوزاعن مسیئهم"

نماز پوری کرلو، اس کے بعد آپؐ نے پردہ گرادیا، اور اسی دن آپ کی وفات ہوئی‘‘(۱)

قبروں کی پرستش اور ان کو عبادت گاہ و مسجد بنانے کی مذمّت وممانعت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری الفاظ یہ تھے "قاتل اللّٰہ الیھود و النصاریٰ اتخذوا قبور انبیائھم مساجد، لا یبقین دینان علی ارض العرب" (۲) (اللہ تعالیٰ یہود ونصاریٰ کو تباہ کرے، انھوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا، سرزمین عرب میں بیک وقت دو مذہب نہ رہیں)۔

حضرت عائشہ وحضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ ’’جب رحلت کا وقت قریب آیا تو ایک سیاہ دھاری دار چادر آپ پر پڑی ہوئی تھی، آپؐ اس کو کبھی چہرۂ مبارک پر ڈالتے، جب تکلیف ہونے لگتی تو اس کو ہٹادیتے، اسی حال میں آپؐ نے ارشاد فرمایا ’’یہود ونصاریٰ پر خدا کی لعنت ہو، انھوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو عبادت گاہیں بنالیا‘‘ آپ مسلمانوں کو اس سے خبردار فرما رہے تھے۔

آخری وصیت

وفات کے قریب آپ کی زیادہ تر وصیت یہ تھی "الصلاۃ وماملکت ایمانکم" (دیکھو نماز کا خیال رکھنا اور اپنے ماتحتوں اور غلاموں کا) یہ آپ برابر فرماتے رہے، یہاں تک کہ زبان سے ان الفاظ کا ادا کرنا مشکل ہوگیا اور معلوم ہوا کہ آپ سینۂ مبارک سے ان الفاظ کو ادا کرنے کی کوشش فرما رہے ہیں (۳)

حضرت علی کرم اللہ وجہہ راوی ہیں کہ ’’آپؐ نے اس موقع پر نماز اور زکوٰۃ اور ماتحتوں اور غلاموں کے ساتھ حسن سلوک کی وصیت فرمائی‘‘۔ (۴)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ ’’میں آپؐ پر معوذتین پڑھ کر دم کرنے لگی، کہ آپؐ نے آسمان کی طرف نگاہ اٹھائی اور فرمایا "فی الرفیق الاعلیٰ.. فی الرفیق الاعلیٰ‘‘ (سب سے اعلیٰ رفیق کے پاس، سب سے اعلیٰ رفیق کے پاس)۔

اسی وقت عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ داخل ہوئے، ان کے ہاتھ میں (پیلو کی) تروتازہ شاخ تھی، آپؐ نے اس کو ایک نظر دیکھا، میں نے خیال کیا کہ شاید آپؐ کو اس کی ضرورت ہے، چنانچہ میں نے وہ ان سے لے کر پتے وغیرہ جھاڑ کر مسواک تیار کی اور آپ کو پیش کی، آپؐ نے اس سے بہت اچھے

(۱) صحیح بخاری (باب مرض النبی صلی اللہ علیہ وسلم ووفاتہ)۔
(۲) بروایت مؤطا امام مالک ابن کثیر، ج ۴، ص ۴۷۱
(۳) بیہقی واحمد (ابن کثیر السیرۃ النبویہ، ج ۴، ص ۴۷۳)
(۴) امام احمد (ابن کثیر، ج ۴، ص ۴۷۳)

طریقہ سے مسواک کی، جیسے آپؐ کبھی فرمایا کرتے تھے، پھر مجھے واپس کرنے لگے لیکن وہ آپؐ کے ہاتھ سے چھوٹ گئی" (۱)

فرماتی ہیں کہ" آپؐ کے سامنے پانی کٹورہ تھا، آپ اپنے ہاتھ پانی کے اندر ڈالتے اور چہرہ پر پھیر لیتے اور اس کے بعد فرماتے "لا الہ الا اللہ ،ان للموت لسکرات" (اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں بے شک سکرات موت برحق ہے، پھر آپؐ نے بائیں انگلی اوپر اٹھائی، اور فرمانے لگے "فی الرفیق الاعلیٰ... فی الرفیق الاعلیٰ" (سب سے اعلیٰ و برتر رفیق کے پاس) یہاں تک کہ روح مبارک نے عالمِ بالا کا رخ کیا، اور آپ کا ہاتھ پانی میں ایک طرف جھک گیا (۲)۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ" جس وقت جدائی کی گھڑی قریب آئی تو اس وقت آپ کا سر میری ران پر تھا، ایک گھڑی کے لئے آپؐ پر غشی طاری ہوئی، پھر آپ کو ہوش آ گیا، اور آپؐ نے گھر کی چھت کی طرف اپنی نظر اٹھائی اور فرمائی "اللّٰھم الرفیق الاعلیٰ" (بے شک سب سے اعلیٰ اور برتر رفیق کے پاس) یہ وہ آخری الفاظ تھے، جو رحلت کے وقت آپ کی زبان مبارک سے نکلے"۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے کس حال میں تشریف لے گئے!

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اس دنیا سے پردہ فرمایا تو اس وقت پورا جزیرۃ العرب آپؐ کے زیرِ نگیں تھا، دنیا کے سلاطین و امراء پر آپ کا جلال و رعب تھا، آپؐ کے اصحاب کرام آپؐ پر اپنی جان و اولاد اور مال و متاع سب نثار کرنے پر تیار رہتے تھے، اس سب کے باوجود آپؐ دنیا سے اس حال میں تشریف لے گئے کہ آپؐ نے ایک دینار یا درہم، ایک غلام یا لونڈی اور کوئی چیز بھی اپنے پیچھے نہیں چھوڑی، صرف آپ کا ایک سفید خچر تھا، آپؐ کے ہتھیار تھے، اور ایک قطعۂ زمین، جس کو آپؐ نے صدقہ کر دیا تھا (۳)۔

آپؐ کی وفات اس حالت میں ہوئی کہ آپؐ کی زرہ ایک یہودی کے پاس تیس صاع جو پر رہن رکھی ہوئی تھی (۴)، اور آپؐ کے پاس کوئی چیز نہ تھی کہ آپؐ اسے دے کر زرہ کو چھڑا سکتے یہاں تک کہ آپؐ دنیا سے باہر تشریف لے گئے (۵)

---

(۱) سیرت ابن کثیر، ج ۴، ص ۴۷۴، نیز صحیح بخاری (باب مرض النبی صلی اللہ علیہ وسلم ووفاتہ)

(۲) صحیح بخاری "باب مرض النبی صلی اللہ علیہ وسلم ووفاتہ"

(۳) ایضاً

(۴) ایضاً

(۵) بیہقی، ص ۵۶۲

آپؐ نے اپنے مرض وفات میں چالیس غلاموں کو آزاد فرمایا، آپؐ کے پاس سات یا چھ دینار تھے، حضرت عائشہؓ کو حکم ہوا کہ ان کو بھی صدقہ کردیں (۱)۔

ام المومنین حضرت عائشہؓ روایت کرتی ہیں کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات اس حالت میں ہوئی کہ میرے گھر میں کوئی ایسی چیز نہ تھی، جس کو کوئی جاندار کھا سکتا، البتہ ذرا سا جو میری الماری پر رکھا ہوا تھا، میں نے اسی میں سے کچھ کھایا وہ بہت دن چلا یہاں تک کہ میں نے ایک دن اس کی ناپ تول کی، بس اسی کے بعد وہ ختم ہوگیا"۔ (۲)

آپؐ کی وفات دوشنبہ کے روز ۱۲ ربیع الاول ۱۱ھ کو زوال کے بعد ہوئی (۳)، اس وقت عمر شریف ترسٹھ سال تھی (۴)، یہ مسلمانوں کے لئے سب سے زیادہ تاریک اور وحشت ناک دن، سب سے بڑا صدمہ اور ابتلاء، اور پوری انسانیت کا سب سے بڑا سانحہ تھا، جس طرح آپؐ کی ولادت باسعادت کا دن انسانیت کا سب سے مبارک روشن اور تابناک دن تھا، حضرت انس وابوسعید خدری رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ "جس دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تھے تو مدینہ کی ہر چیز آپؐ کی آمد سے روشن اور منور ہوگئی تھی، جس دن آپ کی وفات ہوئی، اس دن اس کی ہر چیز تاریک ہوگئی، ام ایمن بھی روث رہی تھیں لوگوں نے سبب پوچھا تو انھوں نے جواب دیا کہ بے شک مجھے معلوم تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا سے تشریف لے جائیں گے، لیکن میں اس بات پر رو رہی ہوں کہ وحی کا سلسلہ ہم سے ہمیشہ کے لئے منقطع ہوگیا" (۵)۔

صحابہ کرامؓ نے آپؐ کی وفات کی خبر کس طرح سنی؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی خبر صحابۂ کرامؓ پر بجلی بن کر گری، اس کی وجہ ان کا وہ عاشقانہ تعلق تھا، جس کی نظیر نہیں، وہ آپؐ کے سایۂ شفقت میں اس طرح رہنے کے عادی ہوگئے تھے، جس طرح بچے ماں باپ کے آغوش محبت میں رہتے ہیں بلکہ اس سے بھی زیادہ، اس لحاظ سے ان پر جتنا بھی اثر پڑتا کم تھا، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

لَقَدْ جَآءَ كُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ

---

(۱) السیرة الحلبیة، ج۳، ص۳۸۱

(۲) متفق علیہ (البخاری کتاب الرقاق باب فضل الفقر، مسلم، کتاب الزہد)

(۳) بعض روایات میں ضحیٰ اور ضحوہ آتا ہے جو چاشت کا وقت ہے (الاستیعاب، ج۱، ص۴۷)

(۴) قول راجح کی بنیاد پر۔

(۵) السیرة النبویہ از ابن کثیر، ج۴، ص۵۴۴۔۵۴۶

رَءُوفٌ رَّحِيْمٌ۔(سورۂ توبہ۔ ۱۲۸)

(لوگو) تمہارے پاس تم ہی میں سے ایک پیغمبر آئے ہیں تمہاری تکلیف ان کو گراں معلوم ہوتی ہے، اور تمہاری بھلائی کے بہت خواہشمند ہیں (اور) مومنوں پر نہایت شفقت کرنے والے (اور) مہربان ہیں۔

ان میں سے ہر شخص سمجھتا تھا کہ وہ آپ کی نگاہ لطف وکرم میں سب سے زیادہ محبوب اور مورد الطاف وکرم ہے، بعض صحابہؓ کو اس پر یقین ہی نہیں آتا تھا کہ یہ واقعہ پیش آیا، ان میں پیش پیش حضرت عمر رضی اللہ عنہ تھے، انھوں نے ایسے شخص پر جو یہ کہتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی بہت نکیر کی وہ مسجد نبوی میں آئے اور لوگوں کے سامنے خطبہ دیا اور کہا کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات اس وقت تک نہ ہوگی جب تک اللہ تعالیٰ منافقوں کو ختم نہ کر دے گا" (۱)۔

حضرت ابوبکرؓ کا فیصلہ کن اور جرأت مندانہ قدم

ان حالات میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ (جن کو اللہ تعالیٰ نے نبوت کی نیابت وخلافت اور عزیمت وحکمت کے موقف کے لئے تیار کیا تھا) جیسے عالی حوصلہ اور عزم وہمت کے پہاڑ کی ضرورت تھی، جو اپنی جگہ سے جنبش بھی نہ کرے، ابوبکر صدیقؓ کو جو مقام سنخ (مضافات مدینہ میں تھے) اطلاع ہوئی تو اسی وقت تشریف لائے، (بخاری، ص ۶۴۰) اور مسجد نبوی کے دروازے پر ایک لحہ کے لئے رُکے اس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ لوگوں سے خطاب کر رہے تھے، پھر وہ کسی طرف ملتفت ہوئے بغیر سیدھے حضرت عائشہؓ کے گھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب پہونچے، آپ پر ایک چادر پڑی ہوئی تھی، انھوں نے ذراسی چادر سرکائی اور جھک کر روئے مبارک کا بوسہ لیا اور کہا، میرے ماں باپ آپؐ پر قربان! موت کا مزہ جو اللہ تعالیٰ نے آپؐ کے لئے مقدّر کر دیا تھا، آپؐ نے چکھ لیا، اب آپؐ کو کبھی بھی موت کی تکلیف نہ ہوگی، اس کے بعد انھوں نے چادر سے آپؐ کے روئے مبارک کو اسی طرح چھپادیا، اس کے بعد مسجد نبوی میں آئے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا سلسلۂ کلام اس وقت تک جاری تھا، انھوں نے کہا عمر! ذرا ٹھہرو، لیکن جوشِ کلام میں انھوں نے ان کی بات نہیں سنی، جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ وہ خاموش نہیں ہورہے ہیں تو مجمع کی طرف متوجہ ہو کر انھوں نے اپنی بات شروع کی، لوگوں نے جب ان کو خطاب کرتے ہوئے دیکھا تو انھوں نے حضرت عمرؓ کی طرف سے رخ پھیر کر

---

(۱) سیرت ابن کثیر، ج ۴، ص ۵۴۴۔۵۴۶

ان کی بات سننی شروع کردی، حضرت ابوبکرؓ نے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کے بعد کہا:۔

''لوگو! اگر کوئی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی عبادت کرتا تھا تو (اس کو معلوم ہو جائے کہ) بلاشبہ ان کی وفات ہوگئی، اور اگر اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا تھا تو (اطمینان رکھے کہ) اللہ تعالیٰ زندہ ہے، اس کے لئے موت نہیں ہے، پھر انھوں نے یہ آیت تلاوت کی:۔

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ، اَفَائِنْ مَّاتَ اَوْقُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰى اَعْقَابِكُمْ ،وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْئًا، وَّسَيَجْزِى اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ. (سورہ آل عمران۔ ١٤٤)

اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تو صرف (خدا کے) پیغمبر ہیں، ان سے پہلے بھی بہت سے پیغمبر ہو گذرے ہیں بھلا اگر ان کی وفات ہو جائے یا شہید کردیئے جائیں تو تم اُلٹے پاؤں پھر جاؤ (یعنی مرتد ہو جاؤ) اور جو الٹے پاؤں پھر جائے گا تو خدا کا کچھ نقصان نہیں کرسکے گا اور خدا شکر گزاروں کو (بڑا) ثواب دے گا۔

جو لوگ اس موقع پر حاضر تھے، اور یہ منظر دیکھ رہے تھے، ان کا بیان ہے کہ ''خدا کی قسم جب حضرت ابوبکرؓ نے یہ آیت تلاوت کی تو ایسا محسوس ہوا کہ یہ آیت ابھی نازل ہوئی ہے، اور حضرت ابوبکرؓ نے ان کے منھ کی بات کہدی'' حضرت عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ ''میں نے جب ابوبکرؓ کی آیت تلاوت کرتے سنا تو حیرت زدہ ہو کر بے ساختہ زمین پر گر گیا، میرے پیروں کی طاقت ختم ہو چکی تھی، اس وقت گویا مجھے یہ علم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہو گیا ہے'' (۱)۔

حضرت ابوبکرؓ کی بیعتِ خلافت

اس کے بعد تمام مسلمانوں نے سقیفہ بنو ساعدہ میں حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت کی، اس عجلت کا مقصد یہ تھا کہ شیطان کو ان کے دلوں میں پھوٹ ڈالنے اور ان کے اندر رخنہ پیدا کرنے کا موقع نہ ملے، اور نفسانی خواہشات سر نہ اٹھا سکیں، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے آخری سفر پر اس حال میں روانہ ہوں کہ مسلمان ایک رشتہ میں منسلک اور پوری طرح متحد اور ہم رنگ وہم آہنگ ہوں، ان کا امیر موجود ہو، اور ان کے سارے معاملات کی دیکھ بھال کررہا ہو، حتیٰ کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تجہیز وتکفین اور تدفین کا کام بھی امیر المومنین اور خلیفۃ المسلمین کے ہاتھوں انجام پائے۔

(۱) سیرت ابن ہشام، ج۲، ص ۶۵۵۔۶۵۶، صحیح بخاری "باب مرض النبی صلی اللہ علیہ وسلم ووفاتہ" میں پوری تفصیل کے ساتھ اس واقعہ کو بیان کیا گیا ہے۔

مسلمانوں نے اپنے رسول کو کس طرح الوداع کہا؟

اس کے بعد لوگ پُرسکون ہوگئے اور تحیّر اور صدمہ کا اثر بدلی کی طرح چھٹ گیا اور وہ ان کاموں اوران فرائض کی تکمیل میں مشغول ہوگئے، جو آپؐ نے ان کو تعلیم فرمائے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو غسل اور تکفین کا کام آپؐ کے اہل بیت نے انجام دیا، اس سے فراغت کے بعد آپؐ کے جنازۂ مبارک کو گھر ہی میں رکھدیا گیا، اس موقع پر حضرت ابوبکرؓ نے کہا کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ جس نبی کا بھی انتقال ہوا اس کو اسی جگہ دفن کیا گیا، جہاں اس کا انتقال ہوا تھا، چنانچہ آپؐ کے بستر مبارک جس پر آپ کی وفات ہوئی تھی، اٹھا دیا گیا، اور ٹھیک اس کے نیچے قبر کھودی گئی، ابوطلحہ انصاریؓ نے یہ کام انجام دیا۔

اس کے بعد لوگوں نے جماعتوں کی شکل میں حاضر ہونا شروع کیا، ایک جماعت آتی اور نماز جنازہ ادا کرتی اس کے بعد دوسری جماعت آکر نماز پڑھتی، پہلے مرد داخل ہوتے رہے، اس کے بعد عورتوں کو داخلہ کی اجازت دی گئی، عورتوں کے بعد بچوں کو اجازت ہوئی اور انھوں نے بھی آپؐ کی نماز جنازہ پڑھی، لوگوں نے کسی کو ان نمازوں کا امام نہیں بنایا (۱)۔ یہ واقعہ سہ شنبہ کے دن کا ہے (۲)

یہ مدینہ کا ایک غمگین دن تھا، جب حضرت بلالؓ نے فجر کی اذان دی تو حضورؐ کو یاد کرکے بے ساختہ رونے لگے، اور ان کی ہچکیاں بندھ گئیں، اس منظر سے مسلمان جو پہلے ہی سے غمزدہ تھے، اور گہرے رنج وغم میں ڈوب گئے، ان کے کان اس اذان کو اس حال میں سنتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے درمیان تشریف فرماتے۔ آج صورت بالکل مختلف تھی۔

ام المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی تھیں، یہ کتنی سخت مصیبت تھی، جب ہم کو یہ مصیبت یاد آتی ہے تو ہر مصیبت اس کی وجہ سے ہیچ اور آسان معلوم ہوتی ہے (۳)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے متعلق ارشاد فرمایا تھا، اے لوگو! تم میں سے (یا اہل ایمان میں سے) کسی کو بھی کوئی مصیبت پہونچے تو وہ اس مصیبت کے لئے جو اس کو دوسرے کے انتقال سے پیش آرہی ہے، اس مصیبت سے تسلی حاصل کرے جو میری وفات سے اس کو پیش آئی ہے، اس لئے کہ میری امت میں کسی شخص کو میری وفات کے صدمہ سے بڑھ کر کوئی مصیبت پیش نہ آئے گی۔ (۱)

---

(۱) سیرت ابن ہشام، ج۲، ص۶۶۳

(۲) طبقات ابن سعد (السیرة النبویة لابن کثیر، ج۴، ص۵۱۷)

(۳) السیرة النبویہ لابن کثیر، ج۴، ص۵۳۸۔۵۳۹۔

جب تدفین سے لوگ فارغ ہو گئے تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:۔

يـا أنـس، أطـابـت أنـفسـكـم أن تـحثـوا على رسول الله صلى الله عليه وسلم التراب.(۲)

انس! کیا تمہارے دلوں نے یہ گوارہ کرلیا کہ جسد مبارک پر مٹی ڈالو۔

---

(۱) سیرت ابن ہشام، ج۴، ص۵۴۹ از ابن ماجہ۔

(۲) صحیح بخاری (باب مرض النبی صلی الله علیه وسلم ووفاته)۔

ازواج مطہرات واولادِ اطہار

ازواج مطہراتؓ

آپ کی ازواج مطہرات میں سب سے پہلا نام حضرت خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا کا ہے، یہ آپ کی نبوت سے قبل جب ان کی عمر چالیس سال تھی، آپ کی زوجیت میں آئیں، حضرت خدیجہؓ نے آپ کی نبوت کے بعد پیش آنے والی مشکلات میں آپ کی پوری مدد کی اور جہاد وقربانی میں آپ کی رفاقت وشرکت فرمائی، اور اپنی ہمدردی ومحبت اور اپنے مال ودولت ہر طریقہ سے آپ کی تسلی وتسکین کا سامان فراہم کیا، ان کی وفات ہجرت سے تین سال قبل ہوئی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام اولاد (سیدنا ابراہیمؓ کو چھوڑ کر) حضرت خدیجہؓ سے ہے، آپ تعریف اور احسان شناسی کے ساتھ ان کا ہمیشہ ذکر فرماتے رہے، کبھی ایسا ہوتا کہ کوئی بکری ذبح کی جاتی تو آپؐ اس کے مختلف حصے علیحدہ کر کے حضرت خدیجہؓ کی سہیلیوں کے پاس بھجواتے (۱)۔

ان کی وفات کے کچھ دنوں بعد سودہؓ بنت زمعہ کو آپ کی رفیقۂ حیات بننے کا شرف حاصل ہوا، اس کے بعد آپؐ نے حضرت عائشہؓ سے نکاح کیا جو آپ کی بہت عزیز ومحبوب بیوی تھیں، امّت کی خواتین میں فقہ وعلم دین میں کوئی ان کا ہم پایہ نہ تھا، اکابر صحابہ مختلف مسائل میں ان سے رجوع فرماتے تھے، اور ان کا فتویٰ اور رائے چاہتے تھے، اس کے بعد آپؐ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمایا، اس کے بعد زینب بنت خزیمہ سے شادی ہوئی جو شادی کے دو ماہ بعد وفات پاگئیں، پھر ام سلمہ رضی اللہ عنہا آپ کی زوجیت میں آئیں، ان کی وفات ازواج مطہرات میں سب کے بعد ہوئی، پھر آپؐ نے زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے شادی کی یہ آپ کی پھوپھی امیمہ کی صاحبزادی تھیں، اس کے بعد آپؐ نے جویریہ بنت الحارثؓ سے شادی کی جو قبیلہ بنو المصطلق سے تعلق رکھتی تھیں، پھر ابوسفیانؓ کی صاحبزادی ام حبیبہؓ سے اور اس کے بعد قبیلۂ بنی النضیر کے سردار حی بن اخطب کی صاحبزادی حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا سے شادی کی، حی بن

(۱) متفق علیہ، حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ ''مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات میں سے کسی پر اتنا رشک نہیں آیا، جتنا خدیجہؓ پر، حالانکہ میں نے ان کو دیکھا بھی نہیں''۔

اخطب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بھائی ہارون بن عمرانؑ کی اولاد میں تھے، اس کے بعد میمونہؓ بنت الحارث الہلالیہ سے شادی ہوئی، ازواج مطہرات میں سب سے آخر میں انھیں کو یہ شرف حاصل ہوا۔

اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپؐ کی ازواج مطہرات میں سے نو موجود تھیں، حضرت خدیجہؓ اور زینب بنت خزیمہ کا آپؐ کی حیات مبارکہ ہی میں انتقال ہوگیا تھا، یہ سب حضرت عائشہؓ کو مستثنیٰ کر کے شادی شدہ تھیں (۱)۔

آپؐ کی وفات کے وقت آپؐ کی دو باندیاں موجود تھیں، ایک ماریہؓ بنت شمعون جو مصر کے قبطی خاندان کی فرد تھیں جن کو مصر کے حاکم مقوقس نے آپؐ کی خدمت میں پیش کیا تھا، اور جو آپؐ کے صاحبزادے سیدنا ابراہیمؓ کی والدہ تھیں، دوسری قبیلۂ بنی النضیر کی خاتون ریحانہ بنت زید (۲) تھیں، اسلام قبول کرنے کے بعد آپؐ نے ان کو آزاد فرمادیا، اور پھر ان کو اپنی زوجیت میں قبول کیا (۳)۔

اللہ تعالیٰ نے آپؐ کی وفات کے بعد ان ازواج مطہرات سے شادی مسلمانوں پر حرام قرار دے دی، اس لئے کہ وہ امہات المومنین کا درجہ رکھتی تھیں، اس تعلق (زوجیت کے ساتھ) اس مقدس اور نازک رشتہ کی پوری حفاظت و رعایت نہیں ہو سکتی تھی، جو امت کو اپنے نبی سے (دائمی طور پر) ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

وَمَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَلَآ اَنْ تَنْكِحُوْٓا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖٓ اَبَدًا، اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمًا (احزاب۔ ۵۳)

اور تم کو یہ شایاں نہیں کہ پیغمبر خدا کو تکلیف دو اور نہ یہ کہ ان کی بیویوں سے کبھی ان کے بعد نکاح کرو، بے شک یہ خدا کے نزدیک بڑے گناہ کا کام ہے۔

ابن کثیر اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:۔

علماء کا اس بات پر کلی اتفاق ہے کہ آپؐ کی وفات کے بعد کسی دوسرے کے لئے آپؐ کی ازواج مطہرات سے نکاح کرنا حرام ہے، اس لئے کہ دنیا و آخرت دونوں جگہ وہ آپؐ کی بیبیاں اور اہل ایمان کی مائیں ہیں (۴)۔

---

(۱) زاد المعاد، ج ۱، ص ۲۶۔۲۹ تلخیص کے ساتھ۔
(۲) ایک روایت یہ ہے کہ وہ بنی قریظہ میں سے تھیں۔
(۳) ابن کثیر، ج ۴، ص ۶۰۴۔۶۰۵۔
(۴) ابن کثیر، ج ۴، ص ۴۹۳، (دار الاندلس)۔

تعدّدِ ازدواج پر ایک نظر

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی عمر مبارک کا ایک حصہ تجرّد میں گذارا، یہ پچیس سال کی وہ مدت ہے جو نوجوانی کا خاص زمانہ ہوتا ہے، آپؐ کامل الفطرت انسانی و عربی جوانمردی اور جسمانی صحت کا بہترین واعلیٰ پیکر تھے، بادیۂ عرب میں آپؐ کی پرورش ہوئی تھی، تہذیب وتمدن کے امراض اور عیوب سے اللہ تعالیٰ نے آپؐ کی حفاظت فرمائی تھی، شہسواری اور مردانگی کی اعلیٰ صفات سے آپؐ کو حصہ وافر ملا تھا، جن کی عربوں کی نگاہ میں بڑی اہمیت تھی، اور جن کو علم النفس اور اخلاقیات کے ماہرین بھی تسلیم کرتے ہیں۔

آپؐ کے بدترین دشمنوں کو بھی اس زمانہ میں (جو نبوت سے قبل آپؐ کا بہت اہم اور نازک دَور تھا) آپؐ پر حرف گیری اور انگشت نمائی کا کوئی موقع نہ ملا، نہ آپؐ کی نبوت کے بعد آج تک کسی نے اس سلسلہ میں آپؐ پر نکتہ چینی کی، آپؐ طہارت وعفت، پاکیزگی قلب ونظر، معصومیت وطہارت کی اعلیٰ مثال تھے، اور ہر اس کمزوری سے بہت دور تھے، جو آپؐ کے شایانِ شان نہ تھی۔

پچیس سال کی اس عمر میں آپؐ نے سب سے پہلے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا جو بیوہ تھیں، چالیس سال کی ان کی عمر تھی، اس سے قبل ان کی دو شادیاں ہو چکی تھیں، صاحب اولاد تھیں، پھر مشہور قول کے مطابق آپؐ کے اور ان کے سن میں پندرہ سال کا فرق تھا۔ اس کے بعد دوسری شادی آپؐ نے حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا سے اس وقت کی جب کہ آپؐ کی عمر مبارک پچاس سال سے زیادہ ہو چکی تھی۔ ان کے شوہر کا حبشہ میں ایک مہاجر مسلمان کی حیثیت سے انتقال ہو گیا تھا، آپؐ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ کسی دوشیزہ اور غیر شادی شدہ خاتون سے نکاح نہیں فرمایا، اس کے علاوہ جتنی شادیاں آپؐ نے فرمائیں، اس میں دین اور دعوت دین کی کوئی مصلحت، فراخ قلبی وعالی ظرفی، مکارم اخلاق، مسلمانوں کا کوئی مفاد عام، یا کسی بڑے اجتماعی خطرہ اور مفسد کا سد باب آپؐ کے پیش نظر نہ تھا۔ رشتوں اور ازدواجی قرابتوں کی عربوں کی قبائلی اور سماجی زندگی میں جس قدر اہمیت ہے، اتنی کسی اور سوسائٹی اور سماج میں نہیں ہے، اس لئے یہ شادیاں اور نئی قرابتیں، اسلامی دعوت اور اسلام کے مثالی معاشرہ کی تاریخ، خون بہانے سے حفاظت اور عربی قبائل کے ضرر سے بچاؤ کا ایک بڑا ذریعہ تھیں۔

مزید یہ کہ ان ازواج مطہرات کے ساتھ آپؐ کی زندگی کوئی عیش وآرام مرفہ الحالی یا لذت کام ودہن کی زندگی نہ تھی، جو تعدادِ ازدواج میں بہت سے لوگوں کے پیش نظر رہتا ہے، وہ اس درجہ زہد وتقشف اور ایثار وقناعت کی زندگی تھی، جس کی استطاعت قدیم اور جدید دور کے بڑے سے بڑے حوصلہ مند اور

اولوالعزم افراد اور نامور زہاد میں بھی نہیں ہے، اس کی کچھ جھلکیاں اور نمونے اخلاق وشمائل کے حصے میں پیش کیے جائیں گے تاہم ایک انصاف پسند شخص کے لئے قرآن مجید کی یہی ایک آیت کافی ہے:۔

يَآ أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِأَزْوَاجِكَ إِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا فَتَعَالَيْنَ أُمَتِّعْكُنَّ وَأُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا، وَإِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالدَّارَ الْاٰخِرَةَ فَإِنَّ اللّٰهَ أَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ أَجْرًا عَظِيْمًا. (سورۂ احزاب، ۲۸، ۲۹)

اے پیغمبر! اپنی بیویوں سے کہدو کہ اگر تم دنیا کی زندگی اور اس کی زینت وآرائش کی خواستگار ہو تو آؤ میں تمہیں کچھ مال دوں اور اچھی طرح سے رخصت کردوں اور اگر تم خدا اور اس کے پیغمبر اور عاقبت کے گھر (یعنی بہشت) کی طلبگار ہو تو تم میں جو نیکوکاری کرنے والی ہیں، ان کے لئے خدا نے اجر عظیم تیار کر رکھا ہے۔

اس عالی مقصد، پاکیزہ جذبہ، پاک وصاف ذہن اور عمیق وحکیمانہ تربیت کا اثر یہ تھا کہ ان سب ازواج مطہرات نے بغیر کسی ہچکچاہٹ اور ادنیٰ درجہ کے تردد کے اللہ اور اس کے رسول، اور دارِ آخرت کو ترجیح دی، مثال اور نمونہ کے طور پر حضرت عائشہؓ کا وہ جواب کافی ہے، جو اس سلسلہ میں انھوں نے دیا'' آپؐ نے یہ آیت ان کے سامنے تلاوت کرنے کے بعد ارشاد فرمایا کہ دیکھو جلدی نہ کرنا اپنے والدین سے مشورہ ضرور کرلینا، انھوں نے جواب دیا، بھلا اس معاملہ میں بھی والدین سے مشورہ کی ضرورت ہے؟ مجھے تو اللہ اور اس کے رسول اور آخرت کا گھر مطلوب ہے(۱)، وہ کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سب بیویوں نے ایسا ہی کیا(۲)۔

تعدد ازدواج اور اس کے نفسیاتی، اقتصادی اور اجتماعی اثرات اور تقاضوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دعوت کی عظیم ذمہ داری، جہد ومجاہدہ کی زندگی، اور مسلمانوں کے اہم ترین امور سے ایک لمحہ کے لئے غافل نہیں کیا، بلکہ اس سے آپؐ کی سرگرمی اور اولوالعزمی اور قوت ونشاط میں کچھ اور اضافہ ہوگیا، ازواج مطہرات تبلیغ اسلام اور تعلیم دین کے مقصد عظیم میں آپؐ کی معاون ومددگار تھیں، وہ غزوات میں آپؐ کے ہمراہ رہتی تھیں، زخمیوں کا علاج معالجہ اور مریضوں کی تیمارداری کرتی تھیں، آپؐ کی گھریلو اور معاشرتی زندگی کا ایک تہائی حصہ اور اس کے علاوہ اور بہت سے احکام وتعلیمات ازواج مطہرات ہی کی رہین منت ہیں، اور مسلمانوں نے ان کو باقاعدہ ان سے سیکھا، یاد کیا، اور

---

(۱) صحیح بخاری بروایت عائشہ رضی اللہ عنہا۔

(۲) صحیح بخاری، ابن ابی حاتم واحمد۔

دوسروں کو بتایا اور سکھایا ہے(۱)۔

اس سلسلہ میں صرف حضرت عائشہؓ کا نام لے لینا کافی ہے، جن کے متعلق فن علم الرجال اور طبقات کے امام ذہبی (م ۷۴۸ھ) نے اپنی مشہور کتاب ''تذکرۃ الحفاظ'' میں لکھا ہے کہ:۔

''وہ فقہائے صحابہ میں بھی سب سے ممتاز تھیں، فقہائے صحابہ مسائل میں ان سے رجوع کرتے تھے، قبیصہ بنت ذویبؓ سے روایت ہے کہ حضرت عائشہؓ مسائل سے سب سے زیادہ واقف تھیں، اکابر صحابہ ان سے مسائل دریافت کیا کرتے تھے، ابو موسیٰؓ کہتے ہیں کہ ہم اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی حدیث کے سمجھنے میں دشواری ہوتی تو عائشہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کرتے اور ان کے پاس اس کا علم ضرور ہوتا، حسان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے قرآن مجید، حلال وحرام، فرائض واحکام، اشعار، تاریخ عرب اور انساب سے ان سے زیادہ کسی کو واقف نہیں پایا'' (۲)۔

جہاں تک مکارم اخلاق، عالی ہمتی، جود وسخا، ہمدردی وغمخواری اور شفقت وولداری کا تعلق ہے، اس کے متعلق جتنا بھی کہا جائے کم ہی ہوگا، اس سلسلہ میں وہ روایت کافی ہوگی، جو ہشام نے اپنے والد سے نقل کی ہے کہ ایک مرتبہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہؓ کو ایک لاکھ درہم بھیجے، بخدا ایک مہینہ بھی نہیں گذرا تھا کہ حضرت عائشہؓ اہل حاجت پر اس کو تقسیم کر کے فارغ ہو گئیں، ان کی باندی نے کہا کہ اگر آپ اس میں ایک درہم کا گوشت خرید لیتیں تو اچھا تھا، کہنے لگیں کہ تم نے اس وقت یاد نہ دلا دیا؟ (۳) اس وقت حضرت عائشہؓ روزہ سے تھیں (۴)۔

اس مسئلہ نے مغرب کے بہت سے اہل فکر اور مستشرقین کے ذہن ودماغ کو الجھا رکھا ہے، اور اس کا سبب صرف یہ ہے کہ انھوں نے ممالک عرب میں اور اسلامی شریعت میں ازدواجی زندگی کے مخصوص نظام کو مغربی تصورات اور حالات وعادات اور رسم ورواج کا پابند بنانا چاہا ہے، انھوں نے مغرب کے پیمانوں کو (جو ایک خاص تہذیب اور سوسائٹی کی پیداوار ہیں) اس صورت حال پر مسلط کرنے کی کوشش کی ہے، جو فطرت سلیم اور عربی ماحول کے عین مطابق تھی، اور جس کے پیچھے مختلف

(۱) تعدد ازدواج اور اس کی حکمتوں اور مصلحتوں اور اس کے متعلقہ حالات اور تقاضوں پر مولانا قاضی محمد سلیمان منصور پوریؒ نے اپنی نفیس کتاب "رحمۃ للعالمین" کی دوسری جلد میں بہت اچھی روشنی ڈالی ہے، (دیکھئے ص ۱۴۱۔۱۴۴) مصر کے مشہور فاضل عباس محمود العقاد نے اپنی کتاب ''عبقریۃ محمد'' میں ''تعدد ازدواج'' اور ''اسباب تعدد زوجاتہ'' کے عنوان کے تحت اچھا کلام کیا ہے۔

(۲) تذکرۃ الحفاظ، ج ۱ ص ۲۷۔۲۸ شائع کردہ دار احیاء التراث العربی۔

(۳) ایضاً ص ۲۸

(۴) ایضاً۔ اضافہ از روایت ام ذرہ۔

اخلاقی اور سماجی مصالح کارفرما تھے، اور جس کی خدا کی طرف سے اجازت بھی تھی، یہ دراصل مغربی طرز فکر اور مغربی مصنفین کی کتابوں کا ایک بہت کمزور پہلو ہے کہ وہ پہلے مغرب کو میزان قرار دیتے ہیں، پھر ہر اس چیز کے خلاف جو اس کے خلاف ہو، بے رحمی سے فیصلے صادر کرتے ہیں، وہ خود ایک مسئلہ کھڑا کرتے ہیں، جس کی کوئی جڑ بنیاد نہیں ہوتی پھر اس کو حل کرنے کے درپے ہوتے ہیں، یہ ان کے قومی تکبر اور مغرب کے دل پسند افکار و تصورات کی حد سے بڑھی ہوئی تقدیس کا نتیجہ ہے۔

انگریز مصنف مسٹر بوڈلے (R.V.C. BODLEY) نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کے مسئلہ میں اس مغربی احساس اور طرز فکر پر بہت جرأت وانصاف سے تنقید کی ہے، وہ اپنی کتاب میں لکھتے ہیں:۔

> ''محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ازدواجی زندگی کو نہ تو مغرب کے پیمانہ سے جانچنے کی ضرورت ہے، اور نہ ان رسوم وقوانین کے نقطۂ نظر سے جنہیں عیسائیت نے جنم دیا ہے، یہ لوگ نہ مغربی تھے نہ عیسائی، بلکہ وہ ایک ایسے ملک میں اور ایسے زمانہ میں پیدا ہوئے تھے، جب کہ ان کے اپنے ضابطۂ اخلاق کا ہی چلن تھا، اس کے باوجود امریکہ اور یورپ کے ضابطۂ اخلاق کو عربوں کے ضابطہ اخلاق سے بہتر سمجھنے کی کوئی وجہ نہیں ہے، مغرب کے پاس مشرق کو دینے کے لئے بہت کچھ ہے، لیکن اپنے طریقہ زندگی کو بہتر اور اپنے ضابطہ اخلاق کو اعلیٰ ثابت کرنے کے لئے تو انہیں ابھی بہت چھان بین کرنے کی ضرورت ہے، لہٰذا انھیں دوسروں کے مذہب وتمدن پر نکتہ چینی کرنے سے احتراز کرنا چاہئے'' (۱)۔

اس کے علاوہ تعدد ازدواج کی وہ قباحت جو آج مغرب میں ایک بدیہی حقیقت بن گئی ہے، اور اہل مغرب نے اس کو آنکھ بند کر کے تسلیم کرلیا یہ، کوئی ایسی قباحت نہیں جو صدیوں اور نسلوں تک قائم رہے، یہ نہ طے شدہ علمی اصولوں پر قائم ہے، نہ انسان کی فطرت سلیم کے مطابق ہے، یہ دراصل ایک خیالی اور جذباتی قباحت ہے، جو پر جوش اور طاقتور پروپیگنڈہ اور تشہیر کے بل پر قائم ہے، اور اس کا پورا امکان ہے کہ زمانہ کی رفتار اور اقتصادی، سماجی اور تربیتی رجحانات اور حالات کی تبدیلی کے ساتھ نہ صرف اس کا زور کم ہو جائے بلکہ ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائے۔

ایک مغربی مصنف (ALWIN TOFFLER) نے اپنی نئی کتاب (FUTURE

---

(1) R.V.C. BODLEY :- THE MESSENGER. THE LIFE OF MOHAMMAD. (LONDON, 1946) P.P. 202-203

SHOCK) میں جس نے مغرب کے علمی حلقوں میں ایک ہلچل مچادی ہے، اس ذہنی وسماجی تبدیلی کی طرف اشارے بھی کئے ہیں، جس کا مستقبل قریب میں امکان ہے(۱)۔

آپ ﷺ کی اولاد واحفاد

حضرت خدیجہؓ سے آپ ﷺ کے ایک صاحبزادے القاسم پیدا ہوئے، ان ہی کے نام پر آپ ﷺ کی کنیت تھی، ان کا انتقال بچپن ہی میں ہوگیا، اس کے بعد بالترتیب حضرت زینبؓ، حضرت رقیہؓ، حضرت ام کلثومؓ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہن پیدا ہوئیں، صاحبزادوں میں حضرت عبداللہ، حضرت طیب اور حضرت طاہرؓ کے بارے میں اختلاف ہے، بعض لوگوں نے ان کو تین شمار کیا ہے، لیکن علامہ ابن القیم کی تحقیق یہ ہے کہ طیب وطاہر عبداللہ کے لقب تھے، یہ سب اولاد حضرت خدیجہؓ سے تھی (۲)۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کی سب سے زیادہ محبوب صاحبزادی تھیں، آپ ﷺ نے ان ہی کے لئے ارشاد فرمایا تھا کہ وہ ''جنت میں عورتوں کی سردار ہوں گی'' (۳)، آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ ''فاطمہ میرے جسم کا ایک حصہ ہے، جس بات سے اسے تکلیف ہوتی ہے، اس سے مجھے ہوتی ہے'' (۴)، اہل بیت میں سب سے پہلے آپؓ ہی اس دنیا سے رخصت ہوئیں، اور آپ ﷺ سے جاملیں۔

ماریہ قبطیہؓ سے آپ ﷺ کے ایک صاحبزادے ابراہیمؓ ہوئے، ان کی وفات بھی بچپن میں اس وقت ہوئی جب وہ اپنے پالنے میں تھے، ان کی وفات پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ الفاظ فرمائے:۔

تدمع العین ویحزن القلب ولانقول مایسخط الرب وانابك یا ابراهیم لمحزونون(۵).

آنکھیں اشک بار ہیں اور دل رنجور، لیکن ہم کوئی ایسی بات نہیں کہتے جو رب کو ناراض کرنے والی ہو، اے ابراہیمؓ! ہم تم پر غمزدہ ہیں۔

ان کے انتقال پر سورج گرہن ہوگیا تو صحابہ نے عرض کیا کہ ابراہیمؓ کے انتقال کی وجہ سے سورج گرہن ہوگیا ہے، آپ ﷺ نے اس موقع پر صحابہ کو جمع کر کے ان سے خطاب فرمایا، اور کہا کہ سورج

(۱) ALWIN TOFFLER, FUTURE SHOCK. BANTAM BOOKSINC, NEW YORK, 1970

(۲) زادالمعاد، ج ۱ ص ۲۵-۲۶

(۳) جامع الترمذی، ج ۲ ص ۴۲۱

(۴) متفق علیہ۔

(۵) صحیح مسلم بروایت اسماء بنت یزید بن السکن تفصیل کے ساتھ۔

اور چاند اللہ عزوجل کی نشانیوں میں سے دونشانیاں ہیں، جن کو کسی کی موت سے گرہن نہیں ہوتا(۱)۔

غالیانہ خوش عقیدگی اور شخصیت پرستی کا استیصال

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اہتمام کے ساتھ صحابہ کرامؓ کو جمع کرکے ان سے خطاب فرمایا، اور اس کی وضاحت فرمائی کہ سورج اور چاند کے گرہن اور کائنات کی کسی تبدیلی کو کسی کی موت وحیات سے کوئی تعلق نہیں، خواہ اس کا کچھ رتبہ ہو اور اس کو کسی بڑی سے بڑی محبوب شخصیت سے نسبت ہو، یہ عمل وہم پرستی بلکہ غالیانہ خوش عقیدگی، اور شخصیت پرستی کی جڑ کاٹتا ہے، دنیا کا کوئی داعی، کوئی پیشوا، کسی تحریک کا علمبردار، کسی انسانی جماعت کا قائد ہوتا تو کم سے کم درجہ یہ تھا کہ اگر اس خیال کی تردید نہ کرتا تو خاموش رہتا کہ یہ بات ہماری تحریک کے مفاد میں جاتی ہے، میں نے تو کہلوائی بھی نہیں، خود بخود لوگوں کے دل میں یہ خیال آیا کہ یہ سورج گرہن پیغمبر خدا کے فرزند عزیز کے انتقال پر ہوا ہے، اس کی تردید کچھ ضروری نہیں ہے۔

یہی فرق ہے پیغمبر اور غیر پیغمبر میں کہ سیاسی ذہن رکھنے والے جن واقعات سے فائدہ اٹھاتے ہیں (خواہ وہ واقعات غیر اختیاری طریقہ پر پیش آئے ہوں) پیغمبر عقیدہ کا فساد اور دین کا نقصان گوارہ نہیں کرتا، وہ ان سے فائدہ اٹھانا حرام اور منصب نبوت کے منافی سمجھتا ہے، اس موقعہ پر اگر آپ خاموشی اختیار فرماتے تو اس سے دنیا میں کوئی عظیم فساد برپا ہونے والا نہیں تھا، لیکن اس سے عقیدۂ توحید پر اثر پڑتا، اور شخصیت پرستی اور تصرف الکائنات کے امکان کا دروازہ کھل جاتا اور یہ ذہن انسانی کا وہ انحراف تھا، جو بہت خطرناک ہے، اور ایک نبی برحق کے لئے اس کا علاج اور سدِّ باب ضروری تھا۔

حضرت زینبؓ کے جو حضرت خدیجہؓ کے بھانجے ابوالعاص بن ربیع کی زوجیت میں تھیں، ایک صاحبزادے ہوئے جن کا نام علی تھا، اور ایک صاحبزادی جن کا نام امامہ تھا، حضرت رقیہؓ کی شادی حضرت عثمانؓ سے ہوئی، اور ان سے ایک لڑکے عبداللہ ہوئے، حضرت رقیہؓ کا انتقال اس وقت ہوا جب آپؐ بدر میں تھے، اور حضرت عثمانؓ ان کی تیمارداری میں مشغول تھے، ان کے بعد انھوں نے ان کی بہن ام کلثومؓ سے شادی کی، اسی لئے ان کا لقب ''ذوالنورین'' پڑ گیا، ان کی وفات بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات ہی میں ہوئی۔

حضرت فاطمہؓ کی شادی ابوطالب کے صاحبزادے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ابن عم حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے ہوئی، ان کے ایک صاحبزادے حسنؓ جن کے نام پر ان کی کنیت تھی، اور

---

(۱) صحیح مسلم، کتاب الکسوف۔

دوسرے صاحبزادے حسینؓ تھے، جن کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''وہ اس دنیا میں میرے دو پھول ہیں'' (۱)۔ ان دونوں کے بارے میں آپؐ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ ''یہ دونوں اہل جنت میں نوجوانوں کے سردار ہوں گے'' (۲)۔

اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کی اولاد میں خوب برکت عطا فرمائی، اور اسلام اور مسلمانوں کو ان سے عظیم الشان فائدہ پہونچا، ان میں بڑے بڑے سردار اور قائد، اور علم ودین اور جہاد اور زہد وتقویٰ کے امام پیدا ہوئے، اور انھوں نے تاریخ اسلام کے مختلف ادوار میں بڑے نازک وقتوں میں مسلمانوں کی رہنمائی کا فرض انجام دیا اور علم جہاد بلند کیا، حضرت فاطمہؓ کی حضرت علیؓ سے دو صاحبزادیاں زینبؓ اور ام کلثوم بھی تھیں، زینبؓ کی شادی ان کے ابن عم عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب سے ہوئی، جن کا عرب کے چند سخی ترین افراد میں شمار تھا، ان سے علی اور عون دو صاحبزادے پیدا ہوئے، ام کلثوم کی شادی حضرت عمرؓ بن الخطاب سے ہوئی اور ان سے ایک صاحبزادے زید ہوئے (۳)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سب اولاد کا آپ کی حیات ہی میں انتقال ہوا، سوائے حضرت فاطمہؓ کے جن کا انتقال آپ کی وفات کے چھ ماہ بعد ہوا (۴)۔

---

(۱) صحیح بخاری، كتاب المناقب باب مناقب الحسن والحسين.

(۲) ترمذی، ج ۲، ص ۲۴۱۔

(۳) ماخوذ از سیرت ابن کثیر، ج ۴، ص ۵۸۱۔۵۸۲، ودیگر مراجع۔

(۴) زاد المعاد از علامہ ابن القیم، ج ۱، ص ۲۶۔

اخلاق وشمائل

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق عالیہ، اوصاف کریمہ اور حلیہ مبارک

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق عالیہ، اوصافِ کریمہ اور خصائل شریفہ کا ذکر ہند بن ابی ہالہؓ نے (جو ام المومنین حضرت خدیجہؓ کے فرزند اور حضرت حسنؓ و حسینؓ کے ماموں ہیں)، بہت جامع اور بلیغ انداز میں کیا ہے، ان کے الفاظ یہ ہیں:۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر وقت آخرت کی فکر میں اور امور آخرت کی سوچ میں رہتے، اس کا ایک تسلسل قائم تھا کہ کسی وقت آپ کو چین نہیں ہوتا تھا، اکثر طویل سکوت اختیار فرماتے، بلا ضرورت کلام نہ فرماتے، گفتگو کا آغاز فرماتے تو دہن مبارک سے اچھی طرح الفاظ ادا فرماتے (۱)، اور اسی طرح اختتام فرماتے، آپؐ کی گفتگو اور بیان بہت صاف، واضح، اور دوٹوک ہوتا، نہ اس میں غیر ضروری طوالت ہوتی نہ زیادہ اختصار، آپؐ نرم مزاج ونرم گفتار تھے، درشت خواور بے مروّت نہ تھے، نہ کسی کی اہانت کرتے تھے، اور نہ اپنے لئے اہانت پسند کرتے تھے (۲)، نعمت کی بڑی قدر کرتے اور اس کو بہت زیادہ جانتے، خواہ کتنی ہی قلیل ہو (کہ آسانی سے نظر بھی نہ آئے) اور اس کی برائی نہ فرماتے کھانے پینے کی چیزوں کی برائی کرتے نہ تعریف، دنیا اور دنیا سے متعلق جو چیز ہوتی، اس پر آپؐ کو کبھی غصہ نہ آتا، لیکن جب خدا کے کسی حق کو پامال کیا جاتا تو اس وقت آپؐ کے جلال کے سامنے کوئی چیز ٹھہر نہ سکتی تھی، یہاں تک کہ آپؐ اس کا بدلہ لے لیتے، آپ کو اپنی ذات کے لئے نہ غصہ آتا نہ اس کے لئے انتقام لیتے، جب اشارہ فرماتے تو پورے ہاتھ کے ساتھ اشارہ فرماتے، جب کسی امر پر تعجب فرماتے تو اس کو پلٹ دیتے گفتگو کرتے وقت داہنے ہاتھ کی ہتھیلی کو بائیں ہاتھ کے انگوٹھے سے

---

(۱) یعنی متکبروں کی طرح بے توجہی وبے نیازی کے ساتھ ادھ کٹے الفاظ استعمال نہ کرتے۔

(۲) یہاں "المھین" کا لفظ آیا ہے، جو میم پر ضمہ اور فتحہ دونوں کیساتھ پڑھا جاسکتا ہے، اگر مُہین مراد لیا جائے تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ کسی کی اہانت آپؐ نہ فرماتے تھے، اور اگر مَہین ہو تو اس سے مراد یہ ہوگی کہ آپؐ اپنے لئے ذلت اور پستی پسند نہ فرماتے تھے، مطلب یہ ہے کہ نہ درشت خو تھے، نہ کمزور طبیعت کے مالک تھے کہ ہر چیز کو گوارا فرمالیتے بلکہ ہیبت ورعب اور جلال ووقار کے مختلف پہلوؤں کے جامع تھے۔

ملاتے، غصہ اور ناگواری کی بات ہوتی تو روئے انور اس طرف سے بالکل پھیر لیتے، اور اعراض فرمالیتے، خوش ہوتے تو نظریں جھکا لیتے، آپؐ کا ہنسنا زیادہ تر تبسم تھا، جس سے صرف آپؐ کے دندان مبارک جو بارش کے اولوں کی طرف پاک وشفاف تھے، ظاہر ہوتے"۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ جو فرد خاندان تھے، اور جن کو علم وواقفیت کے بہترین ذرائع اور مواقع حاصل تھے، اور جن کی نظر نفسیات انسانی اور اخلاق کی باریکیوں پر بہت گہری تھی، قریب ترین اشخاص میں سے تھے، اور اسی کے ساتھ وصف وبیان اور منظر کشی میں بھی آپ کو سب سے زیادہ قدرت تھی، آپؐ کے "خلق عظیم" کے متعلق یہ کہتے ہیں:۔

"آپؐ طبعاً بدکلامی اور بے حیائی وبے شرمی سے دور تھے، اور تکلفاً بھی ایسی کوئی بات آپؐ سے سرزد نہیں ہوتی تھی، بازاروں میں آپؐ کبھی آواز بلند نہ فرماتے، برائی کا بدلہ برائی سے نہ دیتے، بلکہ عفو ودرگذر کا معاملہ فرماتے، آپؐ نے کسی پر کبھی دست درازی نہ فرمائی، سوائے اس کے کہ جہاد فی سبیل اللہ کا موقع ہو، کسی خادم یا عورت پر آپؐ نے کبھی ہاتھ نہیں اٹھایا، میں نے آپؐ کو کسی ظلم وزیادتی کا انتقام لیتے ہوئے بھی نہیں دیکھا، جب تک کہ اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدود کی خلاف ورزی نہ ہو اور اس کی حرمت وناموس پر آنچ نہ آئے، ہاں اگر اللہ تعالیٰ کے کسی حکم کو پامال کیا جاتا، اور اس کے ناموس پر حرف آتا تو آپؐ اس کے لئے ہر شخص سے زیادہ غصہ ہوتے، دو چیزیں سامنے ہوتیں، تو ہمیشہ آسان چیز کا آپؐ انتخاب فرماتے، جب اپنے دولت خانہ پر تشریف لاتے تو عام انسانوں کی طرح نظر آتے، اپنے کپڑوں کو صاف کرتے، بکری کا دودھ دوہتے، اور اپنی سب ضرورتیں خود انجام دیتے۔

اپنی زبان مبارک محفوظ رکھتے، اور صرف اسی چیز کے لئے کھولتے، جس سے آپؐ کو کچھ سروکار ہوتا، لوگوں کی دلداری فرماتے، اور ان کو متنفر نہ کرتے، کسی قوم وبرادری کا معزز شخص آتا تو اس کے ساتھ اکرام واعزاز کا معاملہ فرماتے اور اس کو اچھے اور اعلیٰ عہدہ پر مقرر کرتے، لوگوں کے بارے میں محتاط تبصرہ کرتے، بغیر اس کے کہ اپنی بشاشت اور اخلاق سے ان کو محروم فرمائیں، اپنے اصحاب کے حالات میں برابر خبر رکھتے، لوگوں سے لوگوں کے معاملات کے بارے میں دریافت کرتے رہتے۔

اچھی بات کی اچھائی بیان کرتے اور اس کو قوت پہونچاتے، بری بات کی برائی کرتے اور اس کو کمزور کرتے، آپ کا معاملہ معتدل اور یکساں تھا، اس میں تغیر وتبدل نہیں ہوتا تھا، آپ کسی بات سے غفلت نہ فرماتے تھے، اس ڈر سے کہ کہیں دوسرے لوگ بھی غافل نہ ہونے لگیں اور اکتا جائیں، ہر حال اور ہر موقع کے لئے آپؐ کے پاس اس حال کے مطابق ضروری سامان تھا، نہ حق کے معاملہ

میں کوتاہی فرماتے نہ حد سے آگے بڑھتے، آپؐ کے قریب جو لوگ رہتے تھے، وہ سب سے اچھے اور منتخب ہوتے تھے، آپ کی نگاہ میں سب سے زیادہ افضل وہ تھا جس کی خیر خواہی اور اخلاق عام ہو، سب سے زیادہ قدر و منزلت اس کی تھی، جو غمخواری و ہمدردی اور دوسروں کی مدد اور معاونت میں سب سے آگے ہو، خدا کا ذکر کرتے ہوئے کھڑے ہوتے، اور خدا کا ذکر کرتے ہوئے بیٹھتے، جب کہیں تشریف لے جاتے تو جہاں مجلس ختم ہوتی اسی جگہ تشریف رکھتے، اور اس کا حکم بھی فرماتے اپنے حاضرین مجلس اور ہم نشینوں میں ہر شخص کو (اپنی توجہ اور التفات) میں پورا حصہ دیتے، آپ کا شریک مجلس یہ سمجھتا کہ اس سے بڑھ کر آپ کی نگاہ میں کوئی اور نہیں ہے، اگر کوئی شخص آپ کو کسی غرض سے بٹھا لیتا یا کسی ضرورت میں آپؐ سے گفتگو کرتا تو نہایت صبر وسکون سے اس کی پوری بات سنتے یہاں تک کہ وہ خود ہی اپنی بات کر کے رخصت ہوتا، اگر کوئی شخص آپؐ سے کچھ سوال کرتا اور کچھ مدد چاہتا تو بلا اس کی ضرورت پوری کئے واپس نہ فرماتے، یا کم از کم نرم وشیریں لہجہ میں جواب دیتے، آپ کا حسن اخلاق تمام لوگوں کے لئے وسیع اور عام تھا، اور آپؐ ان کے حق میں باپ ہو گئے تھے، تمام لوگ حق کے معاملہ میں آپ کی نظر میں برابر تھے، آپ کی مجلس، علم و معرفت، حیاء وشرم اور صبر اور امانت داری کی مجلس تھی، نہ اس میں آوازیں بلند ہوتی تھیں، نہ کسی کے عیوب بیان کئے جاتے تھے، نہ کسی کی عزت وناموس پر حملہ ہوتا نہ کمزوریوں کی تشہیر کی جاتی تھی، سب ایک دوسرے کے مساوی تھے، اور صرف تقویٰ کے لحاظ سے ان کو ایک دوسرے پر فضیلت حاصل ہوتی تھی اس میں لوگ بڑوں کا احترام اور چھوٹوں کے ساتھ رحم دلی وشفقت کا معاملہ کرتے تھے، حاجتمندوں کو اپنے اوپر ترجیح دیتے تھے، مسافر اور نو وارد کی حفاظت کرتے اور اس کا خیال رکھتے تھے"۔

حضرت علیؓ مزید فرماتے ہیں:۔

آپؐ ہمہ وقت کشادہ رو اور انبساط و بشاشت کے ساتھ رہتے تھے، بہت نرم اخلاق اور نرم پہلو تھے (۱)، نہ سخت طبیعت کے تھے، نہ سخت بات کہنے کے عادی، نہ چلا کر بولنے والے، نہ عامیانہ اور مبتذل بات کرنے والے، نہ کسی کو عیب لگانے والے نہ تنگ دل بخیل، جو بات آپ کو پسند نہ ہوتی اس سے تغافل فرماتے، اور اس کا جواب بھی نہ دیتے، تین باتوں سے آپؐ نے اپنے آپ کو بالکل بچا رکھا تھا، ایک جھگڑا، دوسرے تکبّر اور تیسرے غیر ضروری اور لایعنی کام، لوگوں کو بھی تین باتوں سے

---

(۱) یعنی جلد مہربان ہو جانے والے بہت لطف و کرم والے، اور بہت آسانی سے درگذر کرنے والے تھے، یہ بھی آتا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ آپ کسی سے نزاع نہیں فرماتے تھے، ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد سکون دوقار اور خشوع وخضوع ہے۔

آپؐ نے بچا رکھا تھا، نہ کسی کی برائی کرتے تھے، نہ اس کو عیب لگاتے تھے، اور نہ اسکی کمزوریوں اور پوشیدہ باتوں کے پیچھے پڑتے تھے، صرف وہ کلام فرماتے تھے، جس پر ثواب کی امید ہوتی تھی، جب گفتگو کرتے تھے تو شرکاءِ مجلس ادب سے اس طرح سر جھکا لیتے تھے کہ معلوم ہوتا تھا کہ ان سب کے سروں پر چڑیاں بیٹھی ہوئی ہیں (۱)، جب آپؐ خاموش ہوتے تب یہ لوگ بات کرتے، آپؐ کے سامنے کبھی نزاع نہ کرتے، اگر آپ کی مجلس میں کوئی شخص گفتگو کرتا تو بقیہ سب لوگ خاموشی سے سنتے یہاں تک کہ وہ اپنی بات ختم کر لیتا، آپؐ کے سامنے ہر شخص کی گفتگو کا وہی درجہ ہوتا، جو ان کے پہلے آدمی کا ہوتا (کہ پورے اطمینان سے اپنی بات کہنے کا موقع ملتا، اور اسی قدر دانی اور اطمینان کے ساتھ اسے سنا جاتا) جس بات سے سب لوگ ہنستے اس پر آپ بھی ہنستے، جس سے سب تعجب کا اظہار کرتے آپ بھی تعجب فرماتے، مسافر اور پردیسی کی بے تمیزی اور ہر طرح کے سوال کو صبر و تحمل کے ساتھ سنتے، یہاں تک کہ آپؐ کے اصحاب کرامؓ ایسے لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کر لیتے (تاکہ آپؐ پر کوئی بار نہ ہو) آپ فرماتے تھے کہ ''تم کسی حاجتمند کو پاؤ تو اس کی مدد کرو'' آپ مدح و تعریف اسی شخص کی قبول فرماتے جو حد اعتدال میں رہتا، کسی کی گفتگو کے دوران کلام نہ فرماتے اور اس کی بات کبھی نہ کاٹتے، ہاں اگر وہ حد سے بڑھنے لگتا تو اس کو منع فرما دیتے یا مجلس سے اٹھ کر اس کی بات قطع فرما دیتے۔

آپؐ سب سے زیادہ فراخ دل، کشادہ قلب، راست گفتار، نرم طبیعت اور معاشرت و معاملات میں نہایت درجہ کریم تھے، جو پہلی بار آپ کو دیکھتا وہ مرعوب ہو جاتا، آپ کی صحبت میں رہتا اور جان پہچان حاصل ہوتی تو آپ کا فریفتہ اور دلدادہ ہو جاتا، آپ کا ذکر خیر کرنے والا کہتا ہے کہ نہ آپؐ سے قبل میں نے آپؐ جیسا کوئی شخص دیکھا نہ آپؐ کے بعد "صلی اللہ علیٰ نبینا و سلم" (۲).

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کو لباس جمال و کمال سے آراستہ فرمایا تھا، اور آپ کو محبت و دلکشی اور رعب و ہیبت کا حسین و جمیل پیکر بنایا تھا، ہند بن ابی ہالہؓ بیان کرتے ہیں:۔

''آپ بہت خود دار اور باوقار اور شان و شوکت کے حامل تھے، اور دوسروں کی نگاہ میں بھی نہایت پرشکوہ، آپ کا روئے انور چودھویں رات کے چاند کی طرح دمکتا تھا'' (۳)۔

براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں:۔

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میانہ قد تھے، میں نے آپ کو ایک مرتبہ سرخ قبا میں دیکھا، اس

(۱) یعنی بے حس و حرکت کہ کہیں جنبش سے چڑیاں نہ اڑ جائیں۔

(۲) اقتباس از شمائل ترمذی۔

(۳) سیدنا حسن بروایت ہند بن ابی ہالہ (شمائل ترمذی)۔

سے اچھی کوئی چیز میں نے کبھی نہیں دیکھی'' (۱)۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ''آپؐ میانہ قد تھے، طول کی طرف کسی قدر مائل، رنگ نہایت گورا، ریش مبارک کے بال سیاہ، دہانہ نہایت متناسب اور حسین، آنکھوں کی پلکیں دراز چوڑے شانے''۔ آخر میں کہتے ہیں کہ ''میں نے آپؐ جیسا آپؐ کے پہلے یا آپؐ کے بعد کبھی نہیں دیکھا'' (۲)۔

حضرت انسؓ راوی ہیں کہ ''میں نے حریر و دیباج کو بھی آپؐ کے دست مبارک سے زیادہ نرم نہیں پایا، نہ آپ کی خوشبو سے بڑھ کر کوئی خوشبو سونگھی'' (۳)۔

تعلق مع اللہ

باوجود اس کے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنی رسالت، محبوبیت اور حسن انتخاب سے نوازا تھا، اور آپؐ کے اگلے پچھلے سب گناہ معاف فرمادیئے تھے، آپؐ عبادت میں سب سے زیادہ کوشاں اور اس کے سب سے زیادہ شائق اور مشتاق تھے۔

مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ''ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز (نفل) میں اتنی دیر تک کھڑے رہے کہ آپؐ کے قدم مبارک پر ورم آگیا، عرض کیا گیا کہ آپؐ کے تو اگلے پچھلے گناہوں کی معافی ہو چکی ہے، یہ سن کر آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ کیا میں خدا کا شکر گذار بندہ نہ بنوں'' (۴)۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کی ایک آیت میں پوری رات گزار دی'' (۵)۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کو نماز کے لئے کھڑے ہوئے اور ایک آیت میں صبح کردی'' وہ آیت یہ تھی:۔

اِنۡ تُعَذِّبۡهُمۡ فَاِنَّهُمۡ عِبَادُكَ وَاِنۡ تَغۡفِرۡ لَهُمۡ فَاِنَّكَ اَنۡتَ الۡعَزِيۡزُ الۡحَكِيۡمُ.(٦)(المائدہ۔ ۱۱۸)

اگر تو ان کو عذاب دے تو بے شک وہ تیرے بندے ہیں اور اگر معاف فرمادے تو تو غالب اور حکمت والا ہے۔

حضرت عائشہؓ یہ بھی روایت فرماتی ہیں کہ ''آپؐ جب روزے رکھتے تو اس کی کثرت دیکھ کر

(۱) متفق علیہ

(۲) الادب المفرد للبخاری باب (اذا التفت التفت جمیعاً)

(۳) متفق علیہ (البخاری فی کتاب المناقب درباب صفۃ النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم فی کتاب الفضائل)

(۴) اس روایت کو امام بخاری نے سورۃ الفتح کی تفسیر میں اور مسلم، ترمذی اور نسائی نے "باب احیاء اللیل" میں نقل کیا ہے۔

(۵) ترمذی

(٦) نسائی نے اس کو "باب تردید الآیۃ" میں اور ابن ماجہ نے "باب ماجاء فی القرأۃ باللیل" میں درج کیا ہے۔

ہم لوگ کہتے کہ اب شاید آپؐ ہمیشہ روزہ ہی سے رہیں گے، جب روزہ سے نہ ہوتے تو ہم سوچتے کہ شاید اب آپؐ روزہ نہ رکھیں گے'' (۱)۔

حضرت انسؓ راوی ہیں ''اگر کوئی آپ کو قیام لیل میں مشغول دیکھنا چاہتا تو دیکھ سکتا تھا، اور اسی طرح نیند کی حالت میں دیکھنا چاہتا تو بھی دیکھ سکتا تھا'' (۲)۔

عبداللہ بن الشخیر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ''میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا میں نے دیکھا کہ آپؐ نماز میں مصروف ہیں، اور گریہ کی وجہ سے آپؐ کے سینۂ مبارک سے ایسی آواز نکل رہی ہے، جیسے دیگچی اُبل رہی ہو'' (۳)۔

آپ کو نماز کے سوا کسی اور چیز سے تسلی نہ ہوتی تھی، اور معلوم ہوتا تھا کہ نماز کے بعد بھی آپؐ نماز کے مشتاق اور منتظر ہیں، آپؐ ارشاد فرماتے تھے "جعل قرة عيني في الصلاة" (میری آنکھ کی ٹھنڈک نماز میں رکھی گئی ہے۔) (۴)۔

صحابہ کرامؓ کا بیان ہے کہ ''جب کوئی پریشانی کی بات درپیش ہوتی تو آپؐ بے ساختہ نماز کی طرف متوجہ ہوجاتے'' (۵)۔

ابوالدرداء رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ ''جب کبھی رات کو تیز ہوائیں چلتیں تو آپ مسجد میں پناہ لیتے یہاں تک کہ ہوا تھم جاتی، اگر فلک میں کوئی تغیر مثلاً سورج گرہن یا چاند گرہن رونما ہوتا تو آپؐ نماز کی طرف رجوع فرماتے اور اس سے پناہ حاصل کرتے یہاں تک کہ گرہن ختم ہوجاتا اور مطلع صاف ہوجاتا'' (۶)، آپؐ نماز کے ہر وقت مشتاق رہتے، اور اس کے بغیر آپ کو اطمینان وسکون حاصل نہ ہوتا، اور جب تک نماز پڑھ نہ لیتے آپؐ کی بے کلی اور بے چینی برقرار رہتی، کبھی آپ اپنے مؤذن بلال رضی اللہ عنہ سے ارشاد فرماتے ''بلالؓ نماز کا اہتمام کرو، اور ہمارے سکون کا سامان کرو'' (۷)۔

آپؐ کی نگاہ میں متاعِ دنیا کی حیثیت اور اس سے آپؐ کی بے رغبتی

جہاں تک درہم ودینار اور دنیا کے مال ومتاع کا تعلق ہے، الفاظ کا بڑے سے بڑا ذخیرہ

---

(۱) یہ سب نفلی روزوں کے متعلق ہے۔
(۲) صحیح بخاری باب (قيام النبي صلى الله عليه وسلم ونومه۔ كتاب التهجد)۔
(۳) شمائل ترمذی۔
(۴) نسائی (كتاب عشرة النساء۔ باب حب النساء)۔
(۵) ابوداؤد۔
(۶) طبرانی۔
(۷) ابوداؤد (كتاب الادب باب۔ في صلاة العتمة)۔

اور اعلیٰ درجہ کی قادر الکلامی بھی آپؐ کی نگاہ میں اس کی صحیح حیثیت کو پوری طرح بیان نہیں کر سکتی، اس لئے کہ آپؐ کے ایمانی اور ربانی مدرسہ کے بوریہ نشین اور عرب وعجم میں ان کے شاگردوں کے شاگرد اور خوشہ چیں بھی درہم ودینار کو خزف ریزوں اور ٹھیکروں سے زیادہ وقعت نہیں دیتے تھے، اور ان کی زاہدانہ زندگی، متاع دنیا کی بے وقعتی دوسروں پر اپنا مال خرچ کرنے کا شوق اور ان کو اپنے اوپر ترجیح دینے کا ذوق، قدر کفاف پر قناعت، اور شان بے نیازی واستغناء کے جو واقعات تاریخی طور پر ثابت ہیں، ان سے عقل انسانی حیران ہو جاتی ہے(۱)، جب آپؐ کے غلاموں کا یہ حال ہے تو اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ خود بدولت صلی اللہ علیہ وسلم جو ان سب کے امام ورہنما اور ہر خیر وصلاح اور فضیلت وتقویٰ میں ان کے مربی اور معلم تھے، ان کا حال اس معاملہ میں کیا ہوگا؟

اس لئے اس سلسلے میں ہم صرف ان چند روایات کا ذکر کرتے ہیں جو صحابۂ کرامؓ کی زبان سے ہم تک پہونچی ہیں، اس لئے کہ واقعات سے بڑھ کر کوئی چیز موٴثر نہیں، اور ان سے زیادہ صحیح اور بلیغ ترجمانی کسی عبارت آرائی سے نہیں ہو سکتی۔

آپ کا ماثور ومشہور قول جس پر آپ حرف بحرف عامل تھے، اور جو آپؐ کی پوری زندگی کا مرکزی نقطہ اور محور کہا جا سکتا ہے یہ ہے:۔

اللّٰھم لا عیش الا عیش الآخرۃ.

اے اللہ اصل زندگی تو آخرت کی زندگی ہے۔

آپؐ فرمایا کرتے تھے:۔

مالی وللدنیا وما انا والدنیا الّا کراکب استظل تحت شجرۃ ثم راح وترکھا.(۲)

مجھے دنیا سے کیا سروکار، میرا دنیا سے واسطہ اتنا ہی ہے جیسے کوئی مسافر راہ میں تھوڑی دیر کے لئے کسی درخت کے سایہ میں دم لے لے پھر اپنی راہ لے اور اس کو چھوڑ کر چل دے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپؐ کو ایک مرتبہ چٹائی پر اس حالت میں لیٹے ہوئے دیکھا کہ آپؐ کے پہلو میں اس کے نشانات پڑ گئے تھے، یہ منظر دیکھ کر ان کی آنکھیں اشکبار ہو گئیں، آپؐ نے دریافت فرمایا، ''کیا بات ہے؟'' انھوں نے عرض کیا ''یا رسول اللہ! آپ اللہ کی مخلوق میں سب سے برگزیدہ ہیں، اور عیش کسریٰ اور قیصر کر رہے ہیں، یہ سن کر آپ کا چہرہ سرخ ہو گیا، اور آپؐ نے

(۱) اس موضوع پر تفصیلی مطالعہ کے لئے عبداللہ بن المبارک کی ''کتاب الزھد'' ابن الجوزی کی ''صفۃ الصفوۃ'' اور ابی نعیم کی ''حلیۃ الاولیاء'' کا مطالعہ مفید ہوگا۔

(۲) مسند ابی داؤد الطیالسی۔

فرمایا ''ابن الخطاب! کیا تمہیں کچھ شک ہے'' پھر آپؐ نے ارشاد فرمایا ''یہ وہ لوگ ہیں جن کو دنیا کی زندگی کے سارے مزے یہیں دیدیئے گئے ہیں'' (۱)۔

آپؐ وہ طرزِ معیشت یا وہ معیارِ زندگی نہ صرف اپنے لئے ناپسند فرماتے تھے بلکہ اپنے اہل بیت کے لئے بھی اس کے روادار نہ تھے، چنانچہ آپ کی دعا تھی "اللھم اجعل رزق آل محمد قوتا" (اے اللہ آلِ محمد کا رزق بقدرِ ضرورت ہو) (۲) حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں ''قسم اس کی جس کے قبضے میں ابوہریرہ کی جان ہے، اللہ کے نبی اور ان کے اہل بیت کبھی متواتر تین دن گیہوں کی روٹی پیٹ بھر کر نہ کھا سکے، یہاں تک کہ اس دنیا سے پردہ فرمالیا'' (۳)۔

اُمُّ المومنین حضرت عائشہؓ بیان فرماتی ہیں ''ہم اہل بیت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ایک چاند گزر کر دوسرا چاند نظر آجاتا اور ہمارے گھر میں چولہا نہ جلتا، صرف کھجور اور پانی پر ہماری گذر بسر ہوتی تھی'' (۴)

آپؐ کی زِرہ ایک یہودی کے پاس رہن رکھی ہوئی تھی، اور آپؐ کے پاس اتنا نہ تھا کہ آپؐ اس کو چھڑا سکتے، یہاں تک کہ اسی حال میں آپ کی وفات ہوگئی (۵)۔

آپؐ حجۃ الوداع اس حال میں کیا کہ حدِ نگاہ تک مسلمان نظر آرہے تھے، پورا جزیرۃ العرب آپؐ کے زیرِ نگیں تھا، اور کیفیت یہ تھی کہ آپؐ ایک نہایت خستہ حال کجاوہ پر تھے، آپ پر صرف ایک چادر پڑی ہوئی تھی، جس کی مالیت چار درہم سے زیادہ نہ تھی، اس وقت آپؐ نے فرمایا ''اے اللہ اس کو ایسا حج بنا جس میں کوئی ریا اور شہرت طلبی نہ ہو'' (۶)۔

حضرت ابوذرؓ سے آپؐ نے ایک موقع پر فرمایا ''مجھے یہ گوارا نہیں کہ میرے پاس اُحد پہاڑ کے برابر سونا ہو، اور تین دن گذر جائیں اور اس میں سے ایک دینار بھی میرے پاس باقی رہے، سوائے اس کے کہ کسی دینی کام کے لئے میں اس میں سے کچھ بچا رکھوں، ورنہ اللہ کے بندوں میں میں اس کو اس طرح اور اس طرح دائیں بائیں اور پیچھے لٹا دوں'' (۷)۔

---

(۱) حدیث کا پورا متن صحیحین میں ملاحظہ فرمائیں۔
(۲) متفق علیہ صحیح بخاری (کتاب الرقاق) صحیح مسلم (کتاب الزھد)۔
(۳) بخاری واحمد بروایت احمد، صحیح مسلم، کتاب الزھد۔
(۴) متفق علیہ۔
(۵) ترمذی۔
(۶) شمائل ترمذی بروایت انسؓ۔
(۷) متفق علیہ، یہ الفاظ بخاری کے ہیں "کتاب الرقاق باب قول النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم ما أحب أن لی أحدا ذھبا"

جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی چیز کا سوال کیا گیا ہو اور آپؐ نے اس کے جواب میں نہیں کہا ہو"۔(۱) ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فیاضی اور داد و دہش میں تیز ہوا سے زیادہ تیز رفتار تھے" (۲)۔

حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ "ایک شخص نے آپؐ سے کچھ سوال کیا تو آپؐ نے اس کو بکریوں، بھیڑوں کا پورا گلہ عطا فرمایا جو دو پہاڑوں کے درمیان تھا، وہ یہ سب بکریاں لے کر اپنی قوم میں واپس آگیا اور کہنے لگا لوگو! اسلام لے آؤ! محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس طرح دے دلا رہے ہیں کہ جیسے ان کو فقر و فاقہ کا ڈر ہی نہ ہو، ایک مرتبہ آپؐ کی خدمت میں نوے ہزار درہم پیش کئے گئے، یہ رقم ایک چٹائی پر ڈال دی گئی، اور آپؐ نے کھڑے ہو کر اس کو تقسیم کرنا شروع کیا، اور کسی سائل کو بھی آپؐ نے واپس نہ فرمایا، یہاں تک کہ سارا ڈھیر ختم ہو گیا"۔

خلق خدا کے ساتھ

لیکن اس ذوق عبادت، دنیا اور سامان دنیا سے بے تعلقی، کمال زہد، اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کامل، اور اس کے حضور آہ و زاری اور دعا و مناجات سے آپؐ کی خندہ جبینی، حسن اخلاق، شفقت و ملاطفت دلداری و دلنوازی اور ہر شخص کو اس کا جائز حق دینے اور اس کے مرتبہ وحیثیت کے مطابق سلوک کرنے میں کوئی فرق نہ آتا تھا، اور یہ دونوں باتیں ایسی ہیں کہ ان کو اس طرح جمع کرنا کسی دوسرے شخص کے لئے ناممکن ہے، آپؐ فرماتے تھے۔

لو تعلمون ما أعلم لضحكتم قليلاً و لبكيتم كثيراً (۳).

جو میں جانتا ہوں وہ اگر تم جان لیتے تو بہت کم ہنستے اور بہت زیادہ روتے۔

آپؐ تمام لوگوں میں سب سے زیادہ فراخ دل، نرم طبیعت اور خاندانی لحاظ سے سب سے زیادہ محترم تھے، اپنے اصحاب کرامؓ سے الگ تھلگ نہ رہتے تھے، بلکہ ان سے پورا میل جول رکھتے تھے، ان سے باتیں کرتے، ان کے بچوں کے ساتھ خوش طبعی و خوش مذاقی کے ساتھ پیش آتے، ان بچوں کو اپنی گود میں بٹھاتے، غلام اور آزاد، باندی، مسکین اور فقیر سب کی دعوت قبول فرماتے، بیماروں کی عیادت فرماتے، خواہ وہ شہر کے آخری سرے پر ہوں، عذر خواہ کا عذر قبول فرماتے (۴)، آپؐ کو کبھی

(۱) بخاری کتاب الادب (باب حسن الخلق)
(۲) حدیث کا پورا سیاق صحیحین میں ملاحظہ کریں۔
(۳) صحیحین
(۴) روایت انس بن مالک رضی اللہ عنہ (روایت ابو نعیم: الحلیۃ)

صحابۂ کرامؓ کی مجلس میں پیر پھیلائے ہوئے نہیں دیکھا گیا تا کہ اس کی وجہ سے کسی کو تنگی و دشواری نہ ہو۔

عبداللہ بن الحارثؓ روایت کرتے ہیں کہ ''میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ خندہ رو اور متبسم کسی کو نہیں دیکھا'' (۱)۔ جابر بن سمرہؓ راوی ہیں کہ ''مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس مبارک میں سو بار سے زیادہ بیٹھنے کا اتفاق ہوا، میں نے دیکھا کہ آپؐ کے اصحاب کرامؓ ایک دوسرے سے اشعار سن رہے ہیں، اور سنا رہے ہیں، اور جاہلیت کی بعض باتوں اور واقعات کا تذکرہ بھی کر رہے ہیں، اور آپ ساکت ہیں، یا کبھی کوئی ہنسی کی بات ہوتی تو ان کے ساتھ آپ بھی تبسم فرماتے ہیں''۔

شرید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے امیۃ ابن ابی الصلت کے اشعار سننے کی فرمائش کی، چنانچہ میں نے آپؐ کو اس کے اشعار سنائے'' (۲)۔

آپؐ نہایت درجہ نرم دل، محبت کرنے والے اور لطف و عنایت کے پیکر تھے، انسانی جذبات اور لطیف احساسات آپؐ کی سیرت میں بہترین اور حسین ترین شکل میں جلوہ گر تھے، انس بن مالکؓ بیان کرتے ہیں کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرماتے، میرے دونوں بیٹوں (حسن و حسین رضی اللہ عنہما) کو بلاؤ وہ دوڑے ہوئے آتے تو آپؐ ان دونوں سے منہ ملاتے اور ان کو اپنے سینہ سے لگا لیتے'' (۳)۔ ''آپؐ نے ایک مرتبہ اپنے نواسہ حسن بن علی رضی اللہ عنہ کو بلایا اور دوڑتے ہوئے آئے، اور آپؐ کی گود میں گر پڑے، پھر آپؐ کی ریش مبارک میں اپنی انگلیاں ڈالنے لگے، اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دہن مبارک کھولدیا، اور وہ اپنا منہ آپؐ کے دہن مبارک میں ڈالنے لگے'' (۴)۔

حضرت عائشہؓ بیان فرماتی ہیں کہ ''زید بن حارثہؓ (جو آپؐ کے غلام تھے) مدینہ آئے تو اس وقت آپ گھر پر تشریف فرما تھے، وہ گھر پر آئے اور دروازہ پر دستک دی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسی وقت اٹھ کھڑے ہوئے، آپؐ اس وقت پورے کپڑوں میں ملبوس نہ تھے، چادر جسم مبارک سے گری جا رہی تھی، ان کو دیکھ کر آپؐ نے معانقہ فرمایا اور بوسہ لیا'' (۵)۔

اُسامہ بن زیدؓ بیان کرتے ہیں کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک صاحبزادی نے آپ کو یہ

---

(۱) شمائل ترمذی

(۲) الادب المفرد للبخاری، ص ۱۲۷۔

(۳) بروایت ترمذی، ابواب المناقب، باب مناقب الحسنؓ والحسینؓ

(۴) الادب المفرد للبخاری، ص ۱۷۳

(۵) ترمذی۔

پیغام کہلوایا کہ میرے بچہ کا دم واپسیں ہے آپ اس وقت یہاں تشریف لے آئیں، آپؐ نے ان کو سلام کہلوایا اور فرمایا کہ اللہ ہی کے لئے ہے، جو اس نے لیا، اور اسی کے لئے ہے، جو اس نے عطا کیا، ہر چیز اس کے یہاں نامزد اور مقرر ہے، پس چاہئے کہ صبر سے کام لیں، اور اجر وثواب کی نیت اور امید رکھیں، انھوں نے آپؐ کو قسم دلائی کہ آپؐ ضرور تشریف لائیں، آپ کھڑے ہوئے اور ہم سب آپؐ کے ساتھ اٹھ کھڑے ہوئے، جب آپؐ وہاں بیٹھے تو بچہ گود میں آپؐ کے پاس لایا گیا، آپؐ نے اس کو اپنے آغوش مبارک میں لے لیا، اس وقت اس کی سانس اکھڑ چکی تھی یہ منظر دیکھ کر آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے، سعدؓ نے عرض کیا یا رسول اللہؐ یہ کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا کہ یہ رحم ہے، جو اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس کے دل میں چاہتا ہے ڈال دیتا ہے، اور بے شک اللہ تعالیٰ اپنے رحم دل بندوں ہی پر رحم فرماتا ہے'' (۱)۔

جب بدر کے قیدیوں کے ساتھ حضرت عباسؓ کی مشکیں کسی گئیں، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی کراہ سنی تو آپ کو نیند نہیں آئی، جب انصار کو یہ بات معلوم ہوئی تو انھوں نے ان کی مشکیں کھول دیں، انصار کی یہ رحم دلی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات پر آمادہ نہ کرسکی کہ حضرت عباسؓ اور دیگر قیدیوں میں فرق رکھا جائے انصار نے یہ دیکھ کہ حضرت عباسؓ کی مشکیں کھولنے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خوش ہوئے تھے، یہ خواہش کی کہ ان کا فدیہ بھی چھوڑ دیا جائے، ان کا مقصد یہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور زیادہ خوش ہوں، لیکن آپؐ نے اس بات کو قبول نہ فرمایا (۲)۔

ایک اعرابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ ''کیا آپ لوگ اپنے بچوں کو پیار کرتے ہیں، ہم تو ان کو پیار نہیں کرتے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ نے تمہارے دل سے رحم نکال لیا ہو تو میں تمہارے لئے کیا کرسکتا ہوں'' (۳)۔

آپؐ بچوں پر بہت شفیق تھے، اور ان سے بہت نرمی اور محبت کا معاملہ فرماتے تھے، حضرت انسؓ راوی ہیں کہ ''آپ کا گزر کچھ بچوں پر ہوا، جو کھیل رہے تھے، آپؐ نے ان کو سلام کیا'' (۴) انس بن مالکؓ روایت کرتے ہیں کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم میں گھلے ملے رہتے تھے، میرے ایک چھوٹے بھائی سے آپؐ فرماتے ابوعمیر، نغیر (۵) کیا ہوا'' (۶)۔

(۱) صحیح بخاری کتاب المرضی باب عیادۃ الصبیان نیز کتاب الجنائز باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم "یعذب المیت ببکاء أهله"۔ (۲) فتح الباری، ج ۸ ص ۳۲۴ (مصری ایڈیشن)

(۳) بروایت عائشہ صحیح بخاری (کتاب الادب باب رحمۃ الولد)

(۴) صحیح بخاری (کتاب الاستیذان)

(۵) چھوٹی چڑیا جس سے بچے اکثر کھیلتے ہیں

(۶) الادب المفرد، ص ۴۰

مسلمانوں پر آپؐ بے حد شفیق اور مہربان تھے، اوران کے احوال کی بہت رعایت فرماتے تھے، انسانی طبائع میں اُکتاہٹ اور وقتی طور پر پست ہمتی یا تعطل پیدا ہوتا رہتا ہے، اس کا برابر لحاظ رکھتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو جو وعظ و نصیحت فرماتے تھے، وہ وقفوں کے ساتھ ہوتی تھی، اس خیال سے کہ کہیں ہمارے اندر اکتاہٹ نہ پیدا ہونے لگے، نماز سے اس قدر تعلق اور شیفتگی کے باوجود آپؐ اگر کسی بچہ کا رونا سن لیتے تو نماز مختصر فرمادیتے، آپؐ نے خود یہ ارشاد فرمایا کہ میں نماز کے لئے کھڑا ہوتا ہوں اور چاہتا ہوں کہ طویل نماز پڑھوں کہ کسی بچہ کے رونے کی آواز سنتا ہوں تو اس خیال سے نماز مختصر کردیتا ہوں کہ اس کی ماں کو دشواری اور تکلیف نہ ہو'' (۱)۔

عبداللہ بن مسعودؓ راوی ہیں کہ ''ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہؐ! خدا کی قسم میں (اپنے محلہ کی) صبح کی نماز میں محض اس لئے نہیں پہونچتا کہ فلاں صاحب بہت طویل نماز پڑھاتے ہیں، اس کے بعد جو وعظ آپؐ نے فرمایا اس سے زیادہ غصہ کی حالت میں میں نے کسی اور وعظ میں آپؐ کو نہیں دیکھا، آپؐ نے فرمایا ''تم میں وہ لوگ ہیں، جو لوگوں کو متنفر کرتے ہیں، تم میں سے جو نماز پڑھائے اس کو چاہئے کہ مختصر پڑھے، اس لئے کہ نمازیوں میں کمزور بھی ہوتے ہیں، بوڑھے اور ضرورت والے بھی'' (۲)۔

اسی سلسلہ میں یہ واقعہ بھی آسکتا ہے کہ انجشہ جو عورتوں کے قافلہ کے حدی خواں تھے، بہت خوش آواز شخص تھے، ان کی خوش آوازی کی وجہ سے اونٹ بہت تیز رفتاری کے ساتھ بڑھنے لگتے تھے، عورتوں کو اس سے زحمت ہوتی تھی، یہ دیکھ کر آپؐ نے انجشہ سے فرمایا: ''انجشہ، ذرا آہستہ! اس تیز رفتاری سے آبگینوں (کمزور و نازک ہستیوں) کو تکلیف نہ پہونچ جائے'' (۳)۔

اللہ تعالیٰ نے آپؐ کے سینے کو کینہ سے اور کسی کا برا چاہنے سے ہر طرح سے پاک کردیا تھا، آپؐ فرماتے تھے کہ ''تم میں سے کوئی شخص مجھ سے کسی دوسرے کی شکایت نہ کرے اس لئے کہ میں یہ چاہتا ہوں کہ تمہارے سامنے اس حالت میں آؤں کہ میرا دل بالکل صاف ہو'' (۴)۔

آپؐ مسلمانوں کے حق میں شفیق باپ کی طرح تھے، اور سارے مسلمان آپؐ کے سامنے اس طرح تھے، جیسے وہ سب آپؐ کے اہل وعیال میں شامل ہوں، اور ان سب کی ذمہ داری آپؐ پر ہو،

---

(۱) صحیح بخاری کتاب الصلاۃ (باب من اخف الصلاۃ)

(۲) صحیح بخاری کتاب الصلاۃ (باب تخفیف الامام القرأۃ)

(۳) الادب المفرد، ص ۱۸۵ نیز صحیح بخاری و صحیح مسلم

(۴) کتاب الشفاء، ص ۵۵ بروایت ابوداؤد

آپ کو ان پر اس درجہ شفقت اور ان سے اس درجہ تعلق تھا، جیسے ماں کو اپنے گود کے بچے سے ہوتی ہے، مسلمانوں کے پاس مال و دولت اور ان کے رزق میں جو فراخی اللہ تعالیٰ نے فرمائی تھی، اس سے تو آپ کو کوئی سروکار نہ تھا، لیکن ان کے قرضوں اور ان کو زیر بار کرنے والی چیزوں کو ہلکا کرنا، آپؐ نے اپنے ذمہ لے لیا تھا، آپؐ فرماتے تھے، جس نے ترکہ میں مال چھوڑا وہ اس کے وارثوں کا ہے، کچھ قرضہ وغیرہ باقی ہے تو وہ ہمارے ذمہ(۱)'' ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا ''کوئی مومن ایسا نہیں جس کا مجھ سے زیادہ دنیا و آخرت میں کوئی ولی ہو، اگر چاہو تو یہ آیت پڑھو:۔

اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ (الاحزاب۔۶)

نبی مسلمانوں کے لئے ان کی جانوں سے زیادہ دوست اور شفیق ہیں۔

اس لئے جس مسلمان کا انتقال ہوا اور وہ کچھ مال چھوڑے تو وہ اس کے عصبہ، قریبی رشتہ داروں کا حق ہے، وہ جو بھی ہوں، اگر اس کے ذمہ کچھ قرض اور زمین جائیداد رہ جائے تو میرے پاس آئے، اس کا والی اور ذمہ دار میں ہوں'' (۲)۔

اعتدالِ فطرت اور سلامتِ ذوق

اللہ تعالیٰ نے آپ کو جس اعلیٰ درجہ کے اخلاق اور اعلیٰ درجہ کی طبعی و خلقی موزونیت سے نوازا تھا، وہ آنے والی صدیوں، اور موجودہ و آئندہ نسلوں کے لئے معراج کمال ہے، اور اس کو ہم اعتدال فطرت، سلامتِ ذوق، لطافت شعور، توازن و جامعیت اور افراط و تفریط سے پرہیز سے تعبیر کر سکتے ہیں، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب دو کاموں میں کسی ایک کو ترجیح دینی ہوتی تو ہمیشہ اس کو اختیار فرماتے جو زیادہ سہل ہوتا بشرطیکہ اس میں گناہ کا شائبہ نہ ہو، اگر اس میں گناہ ہوتا تو آپؐ اس سے سب سے زیادہ دور رہوتے'' (۳)۔

آپؐ تکلفات، ضرورت سے زیادہ زہد و تقشّف اور نفس کے جائز حقوق سے روگردانی سے بہت دور تھے، حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا ''دین آسان ہے اور جو بھی دین سے زور آزمائی کرے گا، دین اس پر غالب آئے گا، اس لئے میانہ روی اور اعتدال کے ساتھ چلو، قریب کے پہلوؤں کی رعایت کرو، اور انبساط رکھو، اور صبح و شام اور کسی قدر تاریکی شب کی عبادت

(۱) صحیح بخاری کتاب الاستقراض، باب (الصلاۃ علی من ترك دنیا)

(۲) ایضاً۔

(۳) صحیح مسلم (باب مباعدته صلی اللہ علیه وسلم للآثام)

سے تقویت حاصل کرو''(۱)۔

آپؐ نے یہ بھی فرمایا ''ٹھہرو، اتنا ہی کرو جتنا کرنے کی تمہارے اندر طاقت ہو، اس لئے کہ خدا کی قسم اللہ تعالیٰ تو نہیں تھکے گا تم ہی تھک جاؤ گے''۔ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ کو کون سا دین سب سے زیادہ محبوب ہے، آپؐ نے فرمایا ''الحنيفية السمحة'' (سہولت وخلوص والا دین ابراہیمی) (۲)۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مبالغہ وسختی سے کام لینے والے اور بال کی کھال نکالنے والے ہلاک ہوئے''(۳)۔

آپؐ نے اپنے بعض صحابیوں کو جب کسی جگہ تعلیم اور وعظ ونصیحت کے لئے بھیجا تو ان سے فرمایا کہ ''آسانی پیدا کرنا تنگی نہ کرنا، بشارت دینا اور تنفر نہ کرنا''۔ عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ راوی ہیں کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس بات کو پسند فرماتا ہے کہ اپنی نعمت کا نشان اپنے بندہ پر دیکھے''(۴)۔

اپنے گھر میں اہل وعیال کیساتھ

آپؐ اپنے گھر میں عام انسانوں کی طرح رہتے تھے، اور جیسا کہ خود حضرت عائشہؓ نے بیان فرمایا ہے ''۔ آپؐ اپنے کپڑوں کو بھی صاف فرماتے تھے، بکری کا دودھ بھی خود دوہ لیتے تھے، اور اپنا کام خود انجام دیتے تھے''۔ آگے بیان فرماتی ہیں کہ ''اپنے کپڑوں میں پیوند لگا لیتے تھے، جوتا گانٹھ لیتے تھے، اور اس طرح کے اور کام کرتے تھے''۔ حضرت عائشہؓ سے پوچھا گیا کہ آپؐ اپنے گھر میں کس طرح رہتے تھے، انھوں نے جواب دیا کہ ''آپ گھر کے کام کاج میں رہتے تھے، جب نماز کا وقت آتا تو نماز کے لئے باہر چلے جاتے''(۵)۔

ایک روایت میں ہے کہ ''آپؐ اپنی جوتی ٹانک لیتے تھے، کپڑا سی لیتے تھے، جیسا تم میں

---

(۱) صحیح بخاری کتاب الایمان باب "الدین یسر".

(۲) الادب المفرد، ص ۱۸۱ (طبع المطبعة السلفيه)

(۳) صحیح مسلم، یعنی دین کے معاملات میں اینچ پینچ کرنے والے اور اس میں تشدد اور مبالغہ کرنے والے۔

(۴) ترمذی نے یہ حدیث ابواب الآداب میں بیان کی ہے، باب (ان اللّٰه يحب ان يرى اثر نعمته على عبده) یعنی اللہ نے اس کو جن نعمتوں سے نوازا ہے، اس کی زندگی سے اس کا اظہار ہو، آسودہ حال آدمی خستہ حال آدمی کی طرح رہے تو گویا وہ خدا کے احسان کی ناشکری کرتا ہے اور اپنے فقر کا بلاضرورت اعلان کرتا ہے۔

(۵) صحیح بخاری کتاب الصلاۃ، باب (من كان فى حاجة أهله) نیز بروایت احمد وعبدالرزاق۔

سے کوئی اپنے گھر میں کرتا ہے''(۱)۔

حضرت عائشہؓ بیان فرماتی ہیں کہ ''آپؐ تمام لوگوں میں سب سے زیادہ نرم اور سب سے زیادہ کریم تھے، اور ہنستے مسکراتے رہتے تھے''(۲)۔

حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں ''میں نے کسی شخص کو نہیں دیکھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ اپنے اہل وعیال پر شفیق ورحیم ہو''(۳) حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''تم میں سب سے زیادہ بہتر وہ ہے، جو اپنے اہل وعیال کے لئے سب سے بہتر ہو اور میں اپنے اہل وعیال کے معاملے میں تم سب سے زیادہ بہتر ہوں''(۴)۔

حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کھانے میں کبھی عیب نہیں نکالا، اگر خواہش ہوئی تو تناول فرمایا، ناپسند ہوا تو چھوڑ دیا''(۵)۔

خطرات اور آزمائشوں میں سب سے آگے اور انعام واکرام میں سب سے پیچھے

اپنے اہل بیت، اہل وعیال اور قرابتداروں کے ساتھ آپ کا مستقل معاملہ اور اصول یہ تھا یہ جو آپؐ سے جس قدر قریب ہوتا، آپ خطرات اور آزمائشوں میں اس کو اسی قدر آگے رکھتے، اور انعام واکرام اور مال غنیمت کی تقسیم کے وقت اسی قدر پیچھے رکھتے، جب عتبہ بن ربیعہ اور شیبہ بن ربیعہ اور ولید بن عتبہ نے (جو عرب کے نامی گرامی بہادروں اور جنگ آزماؤں میں تھے) بدر میں قریش کو للکارا اور مبارزطلبی کی تو آپؐ نے حمزہ، علی اور عبیدہ کو آواز دی اور ان کے مقابلہ پر بھیجا حالانکہ آپ مکہ کے ان شہسواروں کی حیثیت واہمیت سے خوب واقف تھے، مہاجرین میں متعدد ایسے بہادر اور جری شہسوار موجود تھے، جو ان سے دو دو ہاتھ کر سکتے تھے، بنی ہاشم کے یہ تینوں افراد وہ تھے، جو خون اور رشتہ میں آپؐ سے سب سے قریب تھے، اور آپ کو سب سے زیادہ عزیز ومحبوب بھی تھے، لیکن آپؐ نے ان کو اس خطرہ سے بچانے کے لئے دوسرے حضرات کو خطرہ میں نہیں ڈالا، اور انہیں کو مقابلہ کے لئے بھیجا، اللہ تعالیٰ کا کرنا کہ اس نے ان کو اپنے دشمنوں پر غالب فرمادیا، اور فتح عطا فرمائی، حضرت حمزہؓ وحضرت

---

(۱) مصنف عبدالرزاق حدیث نمبر ۲۰۴۹۲، ج۱۱ص ۲۶۰۔

(۲) ابن عساکر۔

(۳) مسند احمد بروایت انسؓ وصحیح مسلم۔

(۴) ابن ماجہ (باب حسن معاشرة النساء)۔

(۵) متفق علیہ، صحیح بخاری کتاب الاطعمة (باب ماعاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم طعاماً) نیز صحیح مسلم۔

علی رضی اللہ عنہما مظفر و منصور اور صحیح سالم واپس آئے، عبیدہ رضی اللہ عنہ کو زخمی حالت میں لایا گیا۔

آپؐ نے جب سود کو حرام اور جاہلیت کے خون کو کالعدم قرار دیا تو اس کی ابتدا اپنے عم محترم عباسؓ بن عبدالمطلب اور اپنے بھتیجے (ربیعہ بن الحارثؓ بن عبدالمطلب کے فرزند) سے فرمائی، حجۃ الوداع کے موقع پر آپؐ نے اپنے خطبہ میں ارشاد فرمایا:۔

''زمانہ جاہلیت کا سود آج سے ختم اور کالعدم ہے، اور پہلا سود جو میں ختم کرتا ہوں وہ ہمارے ہاں کا عباس بن عبدالمطلب کا سود ہے، زمانۂ جاہلیت کا خون بھی کالعدم ہے، اور وہ ہمارے ہی یہاں کا ربیعہ بن الحارث کے فرزند کا خون ہے'' (۱)۔

راحت آرام اور انعام واکرام کے موقع پر آپؐ عام سلاطین وحکمرانوں یا سیاسی رہنماؤں کی روش اور عادت کے خلاف ان حضرات کو ہمیشہ پیچھے رکھتے تھے، اور ان پر دوسروں کو ترجیح دیتے تھے، حضرت علی کرم اللہ وجہہ راوی ہیں کہ ''فاطمہؓ کو چکی پیسنے میں مشقت ہوتی تھی، اسی زمانہ میں ان کو یہ خبر ملی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کچھ باندیاں آئی ہیں، وہ آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئیں، اور اس کی خواستگار ہوئیں کہ ان کو بھی ان میں سے خدمت و مدد کے لئے کوئی باندی عطا ہو جائے، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت دولت خانہ پر تشریف نہیں رکھتے تھے، انھوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس بات کا ذکر کیا، حضرت عائشہؓ نے آپؐ سے اس کا تذکرہ کیا، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے یہاں تشریف لائے اس وقت ہم سونے کے لئے لیٹ چکے تھے، آپ کو دیکھ کر ہم کھڑے ہونے لگے، آپؐ نے فرمایا رکے رہو، یہاں تک کہ آپؐ کے قدم مبارک کی ٹھنڈک میں نے اپنے سینہ میں محسوس کی، آپؐ نے ارشاد فرمایا، کیا میں تم کو اس سے بہتر بات نہ بتاؤں جس کا تم نے سوال کیا تھا، جب تم سونے کے لئے لیٹو تو ۳۴ بار اللہ اکبر کہو ۳۳ بار الحمد للہ اور ۳۳ بار سبحان اللہ کہو، یہ تمہارے لئے اس سے بہتر ہے، جس کا سوال تم دونوں نے مجھ سے کیا تھا'' (۲)۔

ایک دوسرے روایت میں اسی واقعہ کے ساتھ یہ بھی آتا ہے کہ آپؐ نے ان سے فرمایا کہ ''خدا کی قسم اس حالت میں کہ اہل صفہ کے پیٹ بھوک سے پیٹھ سے لگ گئے ہیں، میں تمہیں کچھ نہیں دے سکتا، میرے پاس ان پر خرچ کرنے کے لئے کچھ نہیں ہے، ان کو فروخت کر کے میں ان کی آمدنی ان پر خرچ کروں گا'' (۳)۔

---

(۱) صحیح مسلم کتاب الحج باب حجۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم، داؤد بروایت جابر بن عبداللہؓ، اس بچہ کا نام بعض روایات میں ایاس آیا ہے۔

(۲) صحیح بخاری کتاب الجہاد، باب الدلیل ان الخمس لنوائب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

(۳) بروایت احمد (فتح الباری، ج ۷، ص ۲۳۔۲۴)۔

لطافتِ شعور اور جذبات کی بلندی و پاکیزگی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت میں نبوت اور دعوتِ حق کے کارِ عظیم، انسانیت کے درد و سوز اور ان مسلسل فکروں اور گرانباریوں کے ساتھ جن کا تحمل پہاڑوں کے لئے بھی آسان نہ تھا، لطیف انسانی احساسات اور پاکیزہ و بلند جذبات پوری آب و تاب کے ساتھ جلوہ ریز تھے، اس غیر معمولی قوت ارادی، غیر متزلزل رائے و مسلک کے ساتھ جو انبیاء کا شیوہ اور امتیازی خصوصیات ہوتی ہے، اور جو دعوت الی اللہ اور اعلاء کلمۃ اللہ کے راستے اور اس کے احکام کی تعمیل میں کسی چیز کو کوئی وزن نہیں دیتی اور کسی بات کو خاطر میں نہیں لاتی، آپؐ نے اپنے ان وفادار رفقاء کو اپنی زندگی کے آخری ایام تک فراموش نہیں کیا، جنھوں نے آپؐ کی دعوت پر لبیک کہا تھا، اور راہ حق میں اپنا سب کچھ لٹا دیا تھا، اور احد کے معرکہ میں شہادت پا کر حیات جاوید حاصل کی تھی، آپؐ ان کا برابر ذکر فرماتے رہے، ان کے لئے دعائیں کرتے رہے اور ان کے ہاں تشریف لے جاتے رہے۔

یہ محبت و وفا انسانی جسموں سے تجاوز کر کے ان بے جان پتھروں، پہاڑوں اور وادیوں تک میں سرایت کر گئی جہاں عشق و وفا اور قربانی و جاں نثاری کے یہ مناظر چشم فلک نے دیکھے تھے، اور جن کو ان کی جائے قیام بننے کا شرف حاصل ہوا تھا، انس بن مالکؓ بیان فرماتے ہیں کہ آپؐ نے احد کو دیکھ کر ارشاد فرمایا "هذا جبل يحبنا و نحبه" (۱) (یہ وہ پہاڑ ہے جو ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں) ابی حمیدؓ راوی ہیں کہ "ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوۂ تبوک سے واپس آئے، جب مدینہ قریب آیا تو آپؐ نے فرمایا "هذه طابة، وهذا جبل يحبنا و نحبه" (یہ طابہ (مدینہ طیبہ) ہے، اور یہ وہ پہاڑ ہے جو ہم سے محبت کرتا ہے، اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں") (۲)

عقبہؓ کا بیان ہے کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک روز اہل احد کے پاس تشریف لے گئے، اور ان کے لئے دعاء مغفرت کی" (۳) جابر بن عبداللہ کہتے ہیں کہ "میں نے دیکھا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اصحاب احد کا ذکر کیا گیا، تو آپؐ نے فرمایا خدا کی قسم، میری خواہش تھی کہ بھی شہداء احد کے ساتھ پہاڑ کے دامن میں رہ جاتا، آپؐ نے اپنے چاہنے والے چچا اور رضاعی بھائی کی شہادت کا صدمہ (جنھوں نے آپؐ کی محبت وحمیت اور اسلام کی نصرت وحمایت میں جان دی اور

---

(۱) صحیح بخاری، كتاب المغازي (باب احد يحبنا)

(۲) صحیح بخاری كتاب المغازي واقعہ تبوک

(۳) ایضاً۔

ان کی نعش کے ساتھ وہ سلوک کیا گیا جو کسی کے ساتھ نہ ہوا تھا) انبیاء اولوالعزم کے صبر کے ساتھ برداشت کیا، لیکن جب آپؐ احد سے واپس ہوتے ہوئے مدینہ تشریف لائے، اور بنی عبدالاشہل کے گھر کے سامنے آپ گذرے، اوران کے شہداء پر رونے کی آواز آپؐ کے کانوں میں آئی تو اس واقعہ نے آپؐ کے لطیف انسانی احساسات کو چھیڑ دیا، اور آپؐ کی آنکھیں اشکبار ہوگئیں، آپؐ نے فرمایا "لکن حمزہ لا بواکی لہ"(۱) (لیکن حمزہؓ کے لئے رونے والیاں نہیں ہیں)۔

تاہم یہ شریفانہ واعلیٰ انسانی احساسات وجذبات، نبوت اور دعوت اسلامی کی عظیم ذمہ داریوں اور حدود الٰہیہ کی رعایت وحفاظت پر کبھی اثر انداز نہیں ہوئے سیرت نگار اور مؤرخ بیان کرتے ہیں کہ "جب سعد بن معاذ اور اسید بن حضیر رضی اللہ عنہما بنی عبدالاشہل کے گھر واپس آئے تو انھوں نے اپنے گھر کی عورتوں کو حکم دیا کہ تیار ہو کر جائیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کا ماتم کریں، ان خواتین نے ایسا ہی کیا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو ان کو مسجد نبوی کے دروازے پر روتا ہوا پایا، آپؐ نے فرمایا، اللہ تم پر رحم فرمائے واپس جاؤ، تمہارے یہاں آنے ہی سے غمخواری کا سامان ہوگیا"۔ ایک روایت میں یہ بھی آتا ہے کہ "آپؐ نے دریافت فرمایا کہ یہ سب کیا ہے؟ آپ کو بتایا گیا کہ انصار نے اپنی عورتوں کو کس مقصد سے یہاں بھیجا ہے، آپؐ نے خدا کے حضور مغفرت طلب کی، اچھے الفاظ سے ان کو خطاب کیا، اور فرمایا: میرا مطلب یہ نہیں تھا، میں میت پر رونا پسند نہیں کرتا، پھر آپؐ نے اس سے منع فرمایا" (۲)۔

اس سے نازک موقع اسد اللہ سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کے قاتل وحشی کے ساتھ پیش آیا، جب مسلمانوں نے مکہ فتح کرلیا تو دنیا ان کی نظر میں تاریک ہوگئی اور راستے مسدود نظر آئے، ان کے لئے قدرتی طور پر مشکلات پیدا ہوگئیں، انھوں نے شام ویمن اور بعض دوسرے مقامات پر جانے کا ارادہ کیا، ان سے لوگوں نے کہا بھلے آدمی! رسول اللہ صلی اللہ کسی ایسے شخص کو قتل نہیں کرتے جو آپؐ کے دین میں داخل ہو جائے، ان کی سمجھ میں یہ بات آگئی اور وہ کلمۂ شہادت پڑھ کر مسلمان ہوگئے مسلمان ہونے کے بعد جب وہ پہلی بار حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپؐ نے ان کا اسلام قبول فرمایا اور کوئی ایسی بات نہیں فرمائی جس سے ان کے دل میں خوف پیدا ہو، حضرت حمزہؓ کے قتل کا واقعہ آپؐ نے ان سے سنا، جب وہ سب کہہ چکے تو آپؐ کے اندر وہ لطیف انسانی احساس اور کیفیت ضرور پیدا ہوئی،

---

(۱) ابن کثیر، ج ۳، ص ۹۵، امام احمد نے اس کو ابن عمرؓ سے روایت کیا ہے، ابن کثیر کا قول ہے کہ ہذا علیٰ شرط مسلم
(۲) ابن کثیر، ج ۳، ص ۹۶

لیکن یہ خاص کیفیت اور جذبہ آپؐ کے منصب نبوت کے مزاج اور احساس ذمہ داری پر غالب نہیں آنے پایا کہ آپؐ ان کے اسلام کو قبول نہ فرماتے یا غصہ میں ان کو قتل کروا دیتے، آپؐ نے اس کے علاوہ کچھ نہ فرمایا "بندۂ خدا! میرے سامنے نہ آنا، میں یہ چاہتا ہوں کہ میری نظر تم پر نہ پڑے، وحشی کہتے ہیں کہ اس کے بعد میں برابر آپؐ کے سامنے آنے سے کتراتا رہا کہ کہیں آپؐ مجھے دیکھ نہ لیں، یہاں تک کہ ان کا وقت موعود آ گیا" (۱)۔

بخاری میں ہے کہ "آپؐ کی نظر جب مجھ پر پڑی تو آپؐ نے فرمایا کہ کیا تم وحشی ہو؟ میں نے عرض کیا، ہاں! فرمایا، کیا تمہیں نے حمزہ کو شہید کیا تھا؟ میں نے کہا آپ کو جو اطلاع پہونچی ہے وہ درست ہے، آپؐ نے فرمایا کہ کیا تم یہ کر سکتے ہو کہ میرے سامنے نہ آیا کرو" (۲)۔

ان فطری وانسانی احساسات وکیفیات اور اعلیٰ ولطیف جذبات کی جھلک ہمیں وہاں بھی نظر آتی ہے، جب آپؐ ایک مٹی ہوئی پرانی قبر پر تشریف لے گئے، اس وقت آپ پر رقّت طاری ہوئی، اور آپ رو دیئے، پھر آپؐ نے فرمایا "یہ آمنہ کی قبر ہے" یہ اس وقت کی بات ہے جب ان کی وفات پر طویل عرصہ گذر چکا تھا (۳)۔

کرم گستری اور تحمل و بردباری

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکارمِ اخلاق، نوازش وکرم گستری اور تواضع میں ساری انسانیت کے امام ومقتدا و پیشوا تھے، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:۔

اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيمٍ. (٤)

بے شک آپ بہت عظیم اخلاق کے حامل ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ارشاد فرمایا:۔

ادّبني ربي فأحسن تأديبي.

میری تربیت اللہ تعالیٰ نے فرمائی ہے، اور بہترین فرمائی ہے۔

حضرت جابرؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

---

(۱) ابن ہشام، ج۲، ص ۷۲، صحیح بخاری میں یہ واقعہ کتاب المغازی باب قتل حمزہ رضی اللہ عنہ میں بیان کیا گیا ہے۔
(۲) صحیح بخاری، باب قتل حمزہؓ
(۳) بیہقی بروایت سفیان ثوری (دیکھئے ابن کثیر، ج۱، ص ۲۳۶)
(۴) القلم۔۴

ان اللہ بعثنی لتمام مکارم الاخلاق و کمال محاسن الأفعال. (۱)

اللہ تعالیٰ نے مجھے مکارم اخلاق اور محاسن اعمال کی تکمیل کے لئے مبعوث فرمایا ہے۔

حضرت عائشہؓ سے آپؐ کے اخلاق کے بارے میں دریافت کیا گیا، انھوں نے کہا:

کان خلقه القرآن. (۲)۔

آپؐ اخلاق میں قرآن کا مجسم نمونہ تھے۔

عفو و درگذر، تحمل و بردباری، کشادہ قلبی اور قوت برداشت میں آپؐ کا جو مقام تھا، وہاں تک اہل ذہانت کی ذہانت اور شعراء کے خیال وتصور کی بھی رسائی نہیں ہوسکتی، اگر ان واقعات کو اس مخصوص طریقہ سے بیان نہ کیا گیا ہوتا جو شک وشبہ سے بالاتر ہے تو لوگوں کے ذہن آج اس کو قبول نہ کرتے، لیکن یہ روایات اس قدر صحیح اور مسلسل اسناد اور ایک ثقہ و عادل راوی سے دوسرے ثقہ و عادل راوی تک اس انضباط وارتباط کے ساتھ بیان کی گئی ہیں، اور ان میں اس درجہ تواتر پایا جاتا ہے کہ اس کی وجہ سے وہ معتبر ترین تاریخی دستاویزات سے کہیں زیادہ قابلِ اعتماد ہیں۔

اس موقع پر ہم اس سلسلہ کے چند واقعات بیان کریں گے:۔

آپؐ کی نوازش وکرم اور بڑے سے بڑے دشمن کے ساتھ دلداری اور احسان کا ایک نمونہ وہ تھا، جب منافقین کے سردار عبداللہ بن ابی (۳) بن سلول کو قبر میں اتارا گیا، آپؐ وہاں تشریف لائے، حکم دیا کہ اس کو قبر سے نکالا جائے، اس کے بعد آپؐ نے اس کو اپنے گھٹنوں پر رکھا اور اپنا لعاب دہن اس پر ڈالا اور اپنی قمیص مبارک اس کو پہنائی (۴)۔

انس بن مالکؓ روایت کرتے ہیں کہ ''میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چل رہا تھا، آپؐ اس وقت نجران کی چادر زیب تن کئے ہوئے تھے، جس کے کنارے موٹے تھے، راستہ میں ایک اعرابی آپؐ کو ملا اور آپؐ کی چادر مبارک پکڑ کر زور سے کھینچی، میں نے نظر اٹھائی تو دیکھا کہ آپؐ کی گردن پر اس کے کھینچنے کی وجہ سے نشان پڑ گئے ہیں، پھر اس اعرابی نے کہا، یا محمد! اللہ کا جو مال آپؐ کے پاس ہے، وہ مجھے دینے کا حکم دیجئے، آپؐ نے اس کی طرف مڑ کر دیکھا اور ہنسے، پھر ہدایت کی کہ اس کو دیا جائے'' (۵)۔

---

(۱) شرح السنة و مشکاة المصابیح ،ص ۵۱۴

(۲) صحیح مسلم بروایت عائشہؓ

(۳) ۹ھ میں تبوک سے واپسی پر ماہ ذی قعدہ میں اس کی موت واقع ہوئی، الزرقانی، ج ۳،ص ۱۱۲-۱۱۳

(۴) صحیح بخاری کتاب الجنائز تلخیص کے ساتھ۔

(۵) صحیح بخاری کتاب الجهاد باب ''کان النبی صلی اللہ علیه وسلم یعطی المؤلفة قلوبهم'' نیز مسند امام احمد ،ج ۳ ص ۱۵۳، الفاظ کے تھوڑے اختلاف کے ساتھ۔

زید بن سعنہ (قبول اسلام سے قبل) آپؐ کے پاس آیا اور قرض کا مطالبہ کیا جو آپؐ نے اس سے لے لیا تھا، پھر اس کے بعد اس نے کپڑا پکڑ کر آپؐ کے شانۂ مبارک سے زور سے کھینچا اور اپنی مٹھی میں کپڑے کو لے لیا اور سخت الفاظ میں بات کی، پھر کہا کہ تم عبدالمطلب کی اولاد! بڑے ٹال مٹول کرنے والے ہو، حضرت عمرؓ نے اس کو جھڑکا اور سخت لہجہ میں بات کی، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا رویہ مسکراہٹ کا رہا، آپؐ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا، عمر ہم اور یہ شخص تمہاری طرف سے دوسرے رویہ کے مستحق تھے، مجھے تم قرض جلد ادا کرنے کا مشورہ دیتے اور اس کو نرم طریقہ سے تقاضہ کرنے کو کہتے! پھر آپؐ نے فرمایا کہ اس کی مدت ادائیگی میں ابھی تین دن باقی ہیں، بہر حال آپؐ نے حضرت عمرؓ کو اس کے قرض کی ادائیگی کا حکم دیا اور بیس صاع اس کو مزید دینے کو فرمایا کہ یہ اسکا معاوضہ ہے جو حضرت عمرؓ نے اس کو خوف زدہ کر دیا تھا، اور پھر یہی بات اسکے اسلام کا باعث بن گئی'' (۱)۔

حضرت انسؓ بیان فرماتے ہیں کہ ''ایک بار مکہ سے اسی مسلح آدمی ''جبل تنعیم'' سے اچانک وارد ہوئے اور دھوکہ میں رکھ کر آپ کو گزند پہونچانا چاہا، آپؐ نے ان سب کو قیدی بنالیا، اور ان کو زندہ رہنے دیا'' (۲)۔

جابر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ''ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نجد کی طرف لشکر کشی کی راستہ میں دوپہر کا وقت ہوا اور آرام کی ضرورت محسوس ہوئی، اس علاقہ میں کثرت سے جھاڑیاں تھیں، آپ ببول کے ایک درخت کے سایہ میں استراحت فرمانے لگے، اور اپنی تلوار درخت پر لٹکا دی، اور لوگ بھی منتشر ہو کر مختلف درختوں کے نیچے پناہ گیر ہو گئے، یہ کیفیت تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں آواز دی، ہم حاضر خدمت ہوئے تو دیکھا کہ ایک اعرابی آپؐ کے سامنے بیٹھا ہوا ہے، آپؐ نے فرمایا کہ میں سو رہا تھا کہ یہ شخص آیا اور میری تلوار کھینچ لی، میں بیدار ہوا تو یہ تلوار کھینچے ہوئے میرے سر پر کھڑا تھا، اس نے کہا تمہیں مجھ سے کون بچا سکتا ہے؟ میں نے کہا اللہ! اس نے تلوار نیام میں کر لی (۳) اسکے بعد بیٹھ گیا، اور یہ ہے وہ شخص جو تمہارے سامنے بیٹھا ہوا ہے، راوی بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو کوئی سزا نہ دی (۴)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حلم و بردباری کا یہ حال تھا کہ تمام صحابۂ کرام کا حلم بھی مل کر

---

(۱) بروایت بیہقی (تفصیل کے ساتھ) و روایت احمد، ج ۳، ص ۱۵۳، الفاظ کے کسی قدر اختلاف کے ساتھ

(۲) صحیح مسلم، کتاب الجهاد والسير باب قول الله "وهو الذي كف ايديهم عنكم".

(۳) اس موقعہ پر لفظ شامہ آیا ہے، جس کے دونوں معنی ہو سکتے ہیں، اس نے تلوار نیام میں کر لی اور اس کے یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ اس نے تلوار کھینچی اور اس کو دیکھا (ملاحظہ ہو مجمع بحار الانوار)

(۴) صحیح بخاری کتاب المغازی باب (غزوة بني المصطلق)

آپؐ کے برابر نہ تھا، حالانکہ سب صحابۂ کرام حلم وسکینت کے حامل تھے، آپؐ کی حیثیت ان تمام معاملات میں سب کے لئے ایک شفیق استاد، اور رحم دل ومہربان مصلح ومربی کی تھی، اس کا ایک نمونہ ہمیں حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت میں نظر آتا ہے، وہ کہتے ہیں کہ ''ایک مرتبہ ایک اعرابی نے مسجد میں پیشاب کر دیا، لوگ یہ دیکھ کر اس پر دوڑ پڑے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کو چھوڑ دو اور جہاں اس نے پیشاب کر دیا ہے، اس پر ایک ڈول پانی یا کچھ پانی کے ڈول بہادو، اور خیال رکھو کہ تم آسانی پیدا کرنے والے بنا کر بھیجے گئے ہو، تنگی ودشواری پیدا کرنے والے بنا کر نہیں'' (۱)۔

معاویہ بن الحکمؓ راوی ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھتا تھا کہ ایک شخص کو چھینک آئی میں نے کہا ''یرحمك الله'' لوگ یہ سن کر مجھے گھورنے لگے، میں نے کہا تمہاری ماں تم پر روئے، آخر کیا ہوا ہے کہ تم لوگ مجھے اس طرح تیز نگاہوں سے گھور رہے ہو، یہ سن کر لوگ اپنی رانوں پر ہاتھ مارنے لگے، جب میں نے محسوس کیا کہ وہ مجھے خاموش کرنا چاہتے ہیں تو میں چپ ہو گیا، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے تو میرے ماں باپ آپؐ پر قربان، میں نے نہ آپؐ سے پہلے آپؐ کی طرح کوئی مربی اور معلم دیکھا اور نہ آپؐ کے بعد، خدا کی قسم نہ آپؐ نے مجھے ڈانٹا نہ مارا نہ برا بھلا کہا بس یہ فرمایا کہ نماز میں عام انسانی گفتگو مناسب نہیں ہوتی، نماز صرف تسبیح، تکبیر اور تلاوت قرآن کے لئے ہے'' (۲)۔

انس بن مالکؓ بیان کرتے ہیں کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بہت رحم دل تھے، آپؐ کے پاس کوئی ضرورت مند آتا تو آپؐ اس سے وعدہ ضرور کرتے اور اگر کچھ ہوتا تو اسی وقت اس کی حاجت پوری فرماتے، ایک بار نماز کھڑی ہو چکی تھی کہ ایک اعرابی آگے بڑھا اور آپ کا کپڑا پکڑ کر کہنے لگا کہ میری ایک معمولی سی ضرورت باقی رہ گئی ہے، مجھے ڈر ہے کہ کہیں بھول نہ جاؤں، آپؐ اس کے ساتھ تشریف لے گئے، جب اس نے اپنا کام کر لیا تو آپؐ واپس تشریف لائے اور نماز ادا فرمائی''۔

آپ کے تحمل، قوت برداشت، کشادگی قلب اور صبر وعزیمت کے واقعات میں آپؐ کے خادم حضرت انسؓ کی وہ شہادت ہے جو انھوں نے اس سلسلہ میں دی ہے اس وقت وہ بہت کم سن تھے، انھوں نے کہا کہ ''میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دس سال خدمت کی، آپؐ نے کبھی ہوں بھی نہیں کہا، اور نہ یہ فرمایا کہ فلاں کام تم نے کیوں کیا اور فلاں کام تم نے کیوں نہ کیا؟'' (۳)۔

---

(۱) صحیح بخاری (کتاب الوضو)

(۲) مسلم باب تحریم الکلام فی الصلاۃ

(۳) مسلم کتاب الفضائل باب حسن خلقه صلی الله علیه وسلم.

سعد بن عمر کہتے ہیں کہ ”میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوا اور میرے کپڑے پر زعفران سے ملی ہوئی خوشبو کا نشان تھا، آپؐ نے دیکھا تو فرمایا "ورس ورس" (۱) پھینکو پھینکو، اور میرے پیٹ پر ایک چھڑی ماری جس سے مجھے تکلیف ہوئی میں نے کہا یا رسول اللہؐ میرا قصاص کا حق ہو گیا ہے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شکم مبارک سے کپڑا ہٹا دیا اور فرمایا قصاص لے لو“ (۲)۔

آپؐ کی تواضع

تواضع آپؐ کے اندر انتہا درجہ کی تھی، اور آپ کسی چیز میں نمایاں اور ممتاز ہونا پسند نہیں فرماتے تھے، اور نہ آپؐ اس کو اچھا سمجھتے تھے کہ لوگ آپؐ کے لئے کھڑے ہوں اور آپ کی مدح وتوصیف میں مبالغہ سے کام لیں جیسے گذشتہ امتوں نے اپنے انبیاء کے ساتھ کیا تھا یا آپ کو عبدیت اور رسالت کے درجہ سے بلند کریں، حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ ”ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کوئی شخص محبوب نہ تھا، لیکن ہم آپ کو دیکھتے اور اس خیال سے کھڑے نہیں ہوتے تھے کہ آپؐ اس کو پسند نہیں فرماتے“ (۳)۔

آپؐ سے عرض کیا گیا کہ "یا خیر البریة" (اے مخلوق میں سب سے افضل) آپؐ نے فرمایا "ذاك ابراهيم عليه السلام" (یہ ابراہیم علیہ السلام کا مقام ہے) (۴)۔

حضرت عمرؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میری اس طرح آگے بڑھ کر تعریف وتوصیف نہ کرو جس طرح نصاریٰ نے عیسیٰ بن مریمؑ کے ساتھ کیا تھا، میں تو صرف ایک بندہ ہوں، تم مجھے اللہ کا بندہ اور اس کا رسول کہو“ (۵)۔

عبداللہ بن ابی اوفیٰ روایت کرتے ہیں کہ: ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس میں کوئی تکلف اور عار نہ ہوتا تھا کہ آپ کسی غلام یا کسی بیوہ کے ہمراہ چلیں یہاں تک کہ اس کی ضرورت پوری ہو جائے“ (۶)

حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ: ”مدینہ کی لونڈیوں اور باندیوں میں سے کوئی، آپ کا ہاتھ پکڑ لیتی اور جو کچھ کہنا ہوتا کہتی اور جتنی دور چاہتی لے جاتی“ (۷)۔

---

(۱) ایک زرد بوٹی جس سے کپڑا رنگا جاتا ہے۔

(۲) کتاب الشفاء یہ انھوں نے محبت میں کہا تھا قصاص لینے کے لئے نہیں۔

(۳) ترمذی (باب ماجاء فی کراهية قيام الرجل للرجل) وبروایت مسند احمد، ج ۳، ص ۱۳۲۔

(۴) مسلم كتاب الفضائل باب :من فضل ابراهيم عليه السلام.

(۵) بخاری كتاب الانبياء۔

(۶) بیہقی (باب تواضع رسول اللهؐ)۔

(۷) مسند احمد، ج ۳، ص ۱۹۸۔۲۱۵ وجمع الفوائد، ج ۲، كتاب المناقب ، باب صفاته واخلاقه صلى الله عليه وسلم.

''عدی بن حاتم الطائی جب آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپؐ نے ان کو اپنے گھر بلایا، باندی نے تکیہ ٹیک لگانے کے لئے پیش کیا، آپؐ نے اس کو اپنے اور عدی کے درمیان رکھدیا اور خود زمین پر بیٹھ گئے، عدی کہتے ہیں کہ اس سے میں سمجھ گیا کہ آپ بادشاہ نہیں ہیں'' (۱)۔

حضرت انسؓ بیان فرماتے ہیں کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیمار کی عیادت فرماتے تھے، جنازہ میں شریک ہوتے تھے، گدھے پر بھی سواری فرماتے تھے، اور غلام کی دعوت قبول فرماتے تھے'' (۲)۔

جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کمزور کے خیال سے اپنی رفتار سست فرمادیتے تھے، اور اس کے لئے دعا فرماتے تھے'' (۳)۔

انس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو کی روٹی اور ایسے سالن پر جس کا مزہ بدل چلا ہو، مدعو ہوتے تو بھی آپ قبول فرماتے'' (۴)۔

ان ہی سے روایت ہے کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں بندہ ہوں، بندہ کی طرح کھاتا ہوں، اور بندہ کی طرح بیٹھتا ہوں'' (۵)۔

عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے یہاں تشریف لائے، میں نے چمڑے کا تکیہ جس میں چھال بھری ہوئی تھی، آپ کو پیش کیا آپؐ زمین پر بیٹھ گئے اور تکیہ کو میرے اور اپنے درمیان رکھ دیا'' (۶)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود گھر کی صفائی فرمالیتے، اونٹ کو باندھ لیتے، اور اپنے جانور کو چارہ بھی دیتے اپنے خدمت گار کے ساتھ کھانا تناول فرماتے اور آٹا گوندھنے میں اسکا ہاتھ بٹاتے، اور بازار سے سودا بھی لے آتے'' (۷)۔

شجاعت، دلاوری اور شرم وحیا

آپؐ کی سیرت میں شجاعت و دلاوری اور شرم وحیا (جس کو بہت سے لوگ متضاد سمجھتے ہیں)

(۱) زاد المعاد، ج ۱ ص ۴۴

(۲) شمائل ترمذی (باب تواضع النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم)

(۳) الترغیب والترہیب للمنذری

(۴) شمائل ترمذی باب تواضع النبی صلی اللہ علیہ وسلم و مسند احمد، ج ۳ ص ۲۱۱-۲۸۹

(۵) الشفاء، ص ۱۰۱

(۶) الادب المفرد، ص ۱۷۲

(۷) کتاب الشفاء، ص ۱۰۱، بروایت بخاری

کی یکساں نمود تھی، جہاں تک آپؐ کی حیا کا تعلق ہے، ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ’’آپؐ پردہ نشین کنواری لڑکی سے زیادہ حیادار تھے، جب آپ کو کوئی چیز ناگوار ہوتی تھی تو اس کا اثر آپؐ کے چہرۂ مبارک سے ظاہر ہو جاتا تھا‘‘ (۱) شرم وحیا کی وجہ سے کسی کے روبرو ایسی بات نہ کہہ سکتے تھے، جو اس کو ناگوار ہو، چنانچہ یہ کام کسی اور کے حوالے فرماتے، حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ ’’رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں ایک شخص تھی، جس کے کپڑوں پر زردی کا اثر غالب تھا چونکہ آپ کسی کے روبرو ایسی بات کہنا پسند نہیں فرماتے تھے، جو اس کو ناگوار ہو اس لئے جب وہ کھڑا ہو گیا تو آپؐ نے لوگوں سے فرمایا کہ اچھا تھا اگر تم اس سے یہ کہتے کہ وہ زرد رنگ کا استعمال چھوڑ دے‘‘ (۲)۔

حضرت عائشہؓ بیان فرماتی ہیں کہ ’’جب آپ کو کسی کے متعلق کسی برائی کی اطلاع ملتی تو آپؐ اس کا نام لے کر یہ نہ فرماتے کہ اس نے ایسا کیوں کیا، آپؐ یوں فرماتے کہ لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ ایسا کہتے ہیں یا ایسا کرتے ہیں، آپؐ اس کی مخالفت تو فرماتے لیکن کام کرنے والے کا نام ظاہر نہ فرماتے‘‘ (۳)۔

جہاں تک شجاعت ودلاوری کا تعلق ہے تو اس کے لئے شیر خدا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی شہادت کافی ہے، وہ کہتے ہیں کہ ’’جب زور کا رن پڑتا تھا، اور معلوم ہوتا تھا کہ آنکھیں حلقوں سے باہر آجائیں گی تو اس وقت ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کی پناہ لینے کے لئے ڈھونڈتے، اور یہ دیکھتے تھے کہ دشمن سے آپؐ سے زیادہ کوئی قریب نہیں ہے، غزوۂ بدر میں ہمارا یہی حال تھا، ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پناہ لے رہے تھے، اور آپؐ دشمن سے ہم سب سے زیادہ قریب تھے‘‘ (۴)۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ’’رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ حسین وجمیل، سب سے زیادہ سخی وفیاض اور سب سے زیادہ شجاع وبہادر تھے، ایک رات اہل مدینہ خوف زدہ ہو گئے، اور جدھر سے آواز آئی تھی، ادھر لوگوں نے رخ کیا، راستے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واپس تشریف لاتے ہوئے ملے، آپؐ آواز سن کر ان سب سے پہلے وہاں تشریف لے گئے تھے، آپؐ فرماتے جاتے تھے کہ ڈرو نہیں، آپؐ اس وقت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے گھوڑے پر سوار تھے، جس پر زین بھی نہ تھا، تلوار آپؐ کے شانے سے لٹک رہی تھی، آپؐ نے گھوڑے کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا کہ میں نے اس کو ’’سمند‘‘ کی طرح رواں اور تیز رفتار پایا‘‘ (۵)۔

---

(۱) صحیح بخاری کتاب المناقب باب صفة النبی صلی اللہ علیہ وسلم

(۲) شمائل ترمذی باب خلق النبی صلی اللہ علیہ وسلم

(۳) سنن ابی داؤد باب حسن العشرة۔

(۴) الشفاء، ص۸۹ (۵) الادب المفرد، ص۴۶ بروایت صحیحین۔

غزوۂ احد اور غزوۂ حنین میں جب بڑے بڑے بہادر اور جگر دار تتر بتر ہو گئے تھے، اور میدان خالی تھا، اس وقت بھی آپ اپنے خچر پر اسی سکون اور ثابت قدمی کے ساتھ اپنے مقام پر موجود تھے، معلوم ہوتا تھا کہ کوئی بات ہی نہیں ہوئی، آپ یہ رجز بھی پڑھتے جاتے تھے:

انا النبی لا کذب ———— انا ابن عبدالمطلب

میں نبی ہوں یہ کوئی جھوٹ بات نہیں ہے.............. میں عبدالمطلب کا فرزند ہوں

شفقت و محبت و رحمت عامہ

اس شجاعت و بہادری کے ساتھ آپ بے حد نرم دل تھے، آپ کی آنکھیں بہت جلد نم اور اشکبار ہو جاتیں، کمزور لوگوں اور بے زبان جانوروں تک کیساتھ آپ نرمی کا حکم فرماتے تھے، شداد بن اوسؓ کہتے ہیں کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کیساتھ اچھا معاملہ کرنے اور نرم برتاؤ کرنے کا حکم دیا ہے، اس لئے اگر قتل بھی کرو تو اچھی طرح کرو، ذبح کرو تو اچھی طرح کرو، تم میں سے جو ذبح کرنا چاہے، وہ اپنی چھری پہلے تیز کرے اور اپنے ذبیحہ کو آرام دے" (۱)۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ "ایک شخص نے ایک بکری زمین میں ذبح کرنے کے لئے لٹائی، اس کے بعد چھری تیز کرنا شروع کیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دیکھ کر فرمایا کیا تم اس کو دوبار مارنا چاہتے ہو، اس کو لٹانے سے پہلے تم نے چھری تیز کیوں نہ کر لی" (۲)۔

آپ نے صحابۂ کرام کو جانوروں کو چارہ پانی دینے کی ہدایت فرمائی، اور ان کو پریشان کرنے اور ان کی طاقت سے زیادہ بوجھ لادنے کی ممانعت کی، اور جانوروں کی تکلیف دور کرنے اور ان کو آرام پہونچانے کو باعثِ اجر و ثواب اور تقرب الی اللہ کا ذریعہ قرار دیا، اور اس کے فضائل بیان فرمائے، حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ "ایک شخص کہیں سفر پر تھا، راستہ میں اس کو سخت پیاس لگی، سامنے ایک کنواں نظر پڑا وہ اس میں اتر گیا جب باہر آیا تو دیکھ کہ ایک کتا پیاس کی شدت سے کیچڑ چاٹ رہا ہے، اس نے اپنے دل میں کہا کہ پیاس سے جو میرا حال ہو رہا تھا، یہی اس کا بھی ہے، وہ پھر کنویں میں اترا اپنے چمڑے کے موزے پانی سے بھرے، پھر اپنے دانتوں سے ان کو دبایا اور اوپر آ کر کتے کو پلایا، اللہ تعالیٰ نے اس کے اس عمل کو قبول فرمایا، اور اس کی مغفرت فرما دی، لوگوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہؐ بہائم اور جانوروں کے معاملہ میں بھی اجر ہے، آپ نے فرمایا، ہر اس مخلوق میں جو تر و تازہ جگر رکھتی ہے، اجر ہے" (۳)۔

---

(۱) مسلم باب الامر باحسان الذبح (کتاب الذبح)

(۲) طبرانی اور حاکم کا قول ہے کہ یہ حدیث بخاری کی شرط پر صحیح ہے۔

(۳) صحیح بخاری کتاب المسافاۃ، باب فضل سقی الماء، وصحیح مسلم، باب فضل سقی البهائم.

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا کہ ایک عورت کو صرف اس بات پر عذاب دیا گیا کہ اس نے اپنی بلی کو کھانا پانا نہیں دیا اور نہ اس کو چھوڑا کہ وہ حشرات الارض ہی سے اپنا پیٹ بھر لے'' (۱)۔

سہیل بن عمرو (اور ایک روایت میں ہے سہیل بن الربیع بن عمرو) روایت کرتے ہیں کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا گذر ایک ایسے اونٹ پر ہوا جس کی پیٹھ لاغری کی وجہ سے اس کے پیٹ سے لگ گئی تھی، آپؐ نے فرمایا ان بے زبان جانوروں کے معاملہ میں اللہ سے خوف کرو، ان پر سواری کرو تو اچھی طرح، ان کو ذبح کر کے ان کا گوشت استعمال کرو تو اس حالت میں کہ وہ اچھی حالت میں ہوں'' (۲)۔

عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک انصاری کے احاطہ میں داخل ہوئے، اس میں ایک اونٹ تھا، اس نے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو وہ بلبلانے لگا، اور اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے قریب تشریف لائے اور اس کے کوہان اور کنپٹیوں پر اپنا دست مبارک پھیرا، اس سے اس کو سکون ہو گیا، پھر آپؐ نے پوچھا کہ اس اونٹ کا مالک کون ہے؟ ایک انصاری نوجوان آیا، اور اس نے کہا کہ یا رسول اللہؐ یہ میرا ہے، آپؐ نے فرمایا کہ کیا تم اس جانور کے معاملے میں جس کا مالک اللہ تعالیٰ نے تم کو بنایا ہے، اللہ سے نہیں ڈرتے، وہ مجھ سے شکایت کر رہا تھا کہ تم اس کو تکلیف دیتے ہو اور ہر وقت کام میں لگائے رکھتے ہو'' (۳)۔

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تم کسی سرسبز جگہ جاؤ تو اونٹوں کو زمین پر ان کے حق سے محروم نہ کرو اور اگر خشک زمین میں جاؤ تو وہاں تیز چلو، رات کو پڑاؤ ڈالنا ہو تو راستہ پر نہ ڈالو اس لئے کہ وہاں جانوروں کی آمد و رفت رہتی ہے، اور کیڑے مکوڑے وہاں پناہ لیتے ہیں'' (۴)۔

ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ''ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھے، کہ آپؐ ایک ضرورت کے لئے وہاں سے تھوڑی دیر کے لئے تشریف لے گئے، اس درمیان ہم نے ایک چھوٹی چڑیا دیکھی اس کے ساتھ دو بچے تھے، ہم نے دونوں بچے لے لئے، وہ یہ دیکھ کر اپنے پروں کو پھڑ پھڑانے لگی، آپؐ تشریف لائے اور پوچھا کہ کس نے اس کے بچے چھین کر اس

(۱) امام نووی بروایت مسلم

(۲) ابوداؤد باب ''مایؤمر به من القیام علی الدواب''۔

(۳) ایضاً۔

(۴) مسلم باب مراعاة مصلحة الدواب۔

کو تکلیف پہونچائی ہے، پھر آپؐ نے حکم دیا کہ اس کے بچے واپس کرو، یہاں ہم نے چونٹیوں کی ایک آبادی دیکھی اور اسکو جلا دیا، آپؐ نے فرمایا کہ اس کو کس نے جلایا ہے، ہم نے عرض کیا کہ ہم لوگوں نے، آپؐ نے فرمایا کہ آگ سے عذاب دینے کا حق صرف آگ کے رب کو ہے'' (۱)۔

خادم، نوکر اور مزدور کے ساتھ جو اور انسانوں کی طرح انسان ہیں، اور جن کا اپنے مالک اور آقا پر احسان ہے آپؐ نے حسن سلوک کی جو تعلیم دی ہے، وہ اس کے علاوہ ہے، جابر بن عبداللہؓ کہتے ہیں کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو تم کھاتے ہو وہی ان کو کھلاؤ، جو تم پہنتے ہو وہی ان کو پہناؤ، اور اللہ تعالیٰ کی مخلوق کو عذاب میں مبتلا نہ کرو (۲) جن کو اللہ تعالیٰ نے تمہارے ماتحت کیا ہے، تمہارے بھائی، تمہارے خادم اور مددگار ہیں، جس کا بھائی اس کا ماتحت ہو، اس کو چاہئے کہ جو خود کھاتا ہے وہی اس کو کھلائے، جو خود پہنتا ہے وہی اس کو پہنائے ان کے سپرد ایسا کام نہ کرو جو ان کی طاقت سے باہر ہو، اگر ایسا کرنا ہی پڑے تو پھر ان کا ہاتھ بٹاؤ'' (۳)۔

عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ ''ایک اعرابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور پوچھا کہ میں اپنے نوکر کو ایک دن میں کتنی مرتبہ'' معاف کروں، آپؐ نے فرمایا ستر مرتبہ (۴) وہی بیان کرتے ہیں کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مزدور کو اس کی مزدوری اس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے دے دو'' (۵)۔

کامل، عالمگیر اور لازوال نمونہ

اس فصل کا اختتام حضرت الاستاد مولانا سید سلیمان ندوی کی مشہور کتاب ''خطبات مدراس'' کے ایک اقتباس وانتخاب پر کیا جارہا ہے، جس میں سید صاحب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کامل، عالمگیر اور لافانی نقش حیات، آپؐ کی جامعیت وکاملیت اور تمام طبقات انسانی نیز ہر ماحول، ہر زمانہ، ہر پیشہ اور ہر مشغلہ، غرض ہر قسم کے حالات اور ہر سطح ومعیار کے لئے آپؐ کی کامل وجامع رہنمائی اور اسوۂ حسنہ کی نہایت مؤثر اور بلیغ انداز میں تشریح کی ہے، وہ لکھتے ہیں:

> ''ایک ایسی شخصی زندگی جو ہر طائفہ انسانی اور ہر حالتِ انسانی کے مختلف مظاہر اور ہر قسم کے صحیح جذبات اور کامل اخلاق کا مجموعہ ہو، صرف محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت ہے، اگر تم دولت مند ہو تو مکہ کے تاجر اور بحرین کے خزینہ دار کی تقلید کرو، اگر تم

---

(۱) ابوداؤد، کتاب الجهاد باب كراهية حرق العدو بالنار

(۲) بخاری، الادب المفرد، ص ۳۸

(۳) بخاری وابوداؤد

(۴) ترمذی وابوداؤد۔

(۵) ابن ماجه ابواب الرهون (باب اجر الاجراء)

غریب ہوتو شعب ابی طالب کے قیدی اور مدینہ کے مہمان کی کیفیت سنو، اگر تم بادشاہ ہوتو سلطان عرب کا حال پڑھو، اگر تم رعایا ہوتو قریش کے محکوم کو ایک نظر دیکھو، اگر تم فاتح ہوتو بدر و حنین کے سپہ سالار پر نگاہ دوڑاؤ، اگر تم نے شکست کھائی ہے تو معرکہ اُحد سے عبرت حاصل کرو، اگر تم استاد اور معلم ہوتو صفہ کے درسگاہ کے معلم قدس کو دیکھو، اگر شاگرد ہوتو روح الامین کے سامنے بیٹھنے والے پر نظر جماؤ، اگر تم واعظ و ناصح ہوتو مسجد مدینہ کے منبر پر کھڑے ہونے والے کی باتیں سنو، اگر تم تنہائی اور بے کسی کے عالم میں حق کے منادی کا فرض انجام دینا چاہتے ہوتو مکہ کے بے یارومددگار نبی کا اسوۂ حسنہ تمہارے سامنے ہے، اگر تم حق کی نصرت کے بعد اپنے دشمنوں کو زیر اور اپنے مخالفوں کو کمزور بنا چکے ہوتو فاتح مکہ کا نظارہ کرو، اگر تم اپنے کاروبار اور دنیاوی جدوجہد کا نظم ونسق درست کرنا چاہتے ہوتو بنی نضیر، خیبر اور فدک کی زمینوں کے مالک کے کاروبار اور نظم ونسق کو دیکھو، اگر یتیم ہوتو عبداللہ اور آمنہ کے جگر گوشہ کو نہ بھولو، اگر بچہ ہوتو حلیمہ سعدیہ کے لاڈلے کو دیکھو، اگر تم جوان ہوتو مکہ کے ایک چرواہے کی سیرت پڑھو، اگر تم سفری کاروبار میں ہوتو بصریٰ کے کاروان سالار کی مثالیں ڈھونڈو، اگر تم عدالت کے قاضی ہو اور پنچایتوں کے ثالث ہوتو کعبہ میں نور آفتاب سے پہلے داخل ہونے والے ثالث کو دیکھو جو حجر اسود کو کعبہ کے ایک گوشہ میں کھڑا کر رہا ہے، مدینہ کی کچی مسجد کے صحن میں بیٹھنے والے منصف کو دیکھو جس کی نظر انصاف میں شاہ و گدا اور امیر و غریب سب برابر تھے، اگر تم بیویوں کے شوہر ہوتو خدیجہ اور عائشہ کے مقدس شوہر کی حیات پاک کا مطالعہ کرو، اگر تم اولاد والے ہوتو فاطمہؓ کے باپ اور حسنؓ و حسینؓ کے نانا کا حال پوچھو، غرض تم جو کچھ بھی ہو اور کسی حال میں بھی ہو تمہاری زندگی کے لئے نمونہ، تمہاری سیرت کی درستگی و اصلاح کے لئے سامان، تمہارے ظلمت خانے کے لئے ہدایت کا چراغ اور رہنمائی کا نور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جامعیت کبریٰ کے خزانے میں ہر وقت اور ہمہ دم مل سکتا ہے، اس لئے طبقات انسانی کے ہر طالب علم اور نور ایمانی کے ہر متلاشی کے لئے صرف محمد رسول اللہؐ کی سیرت ہدایت کا نمونہ اور نجات کا ذریعہ ہے، جس کی نگاہ کے سامنے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت ہے، اس کے سامنے نوحؑ و ابراہیمؑ، ایوبؑ و یونسؑ، موسیٰؑ اور عیسیٰ علیہم السلام سب کی سیرتیں موجود ہیں گویا تمام دوسرے انبیاء کی سیرتیں، ایک ہی جنس کی اشیاء کی دوکانیں ہیں، اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت، اخلاق و اعمال کی دنیا کا سب سے بڑا بازار ہے، جہاں ہر جنس کے خریدار اور ہر شے کے طلب گار کے لئے بہترین سامان موجود ہے"(۱)۔

(۱) خطبات مدراس، ص ۹۶۔۹۸

"وما ارسلنٰك اِلّا رحمةً للعٰلمين" (۱)

چھٹی صدی مسیحی میں عالمگیر پیمانہ پر یہ کیفیت نظر آتی ہے، کہ پوری نوع انسانی خودکشی پر آمادہ نہیں کمربستہ ہے، جیسے خودکشی کرنے کی اس نے قسم کھائی ہے، ساری دنیا میں خودکشی کی تیاری ہورہی ہے، اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں اس منظر اور صورت حال کی جو تصویر کھینچی ہے، اس سے بہتر کوئی بڑے سے بڑا مصور، ادیب و مؤرخ تصویر نہیں کھینچ سکتا، وہ فرماتا ہے:۔

وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖ اِخْوَانًا ، وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا۔(آل عمران۔۱۰۳)۔

اور خدا کی اس مہربانی کو یاد کرو جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے تو اس نے تمہارے دلوں میں الفت ڈال دی اور تم اس کی مہربانی سے بھائی بھائی ہوگئے، اور تم آگ کے گڑھے کے کنارے تک پہونچ چکے تھے تو خدا نے تم کو اس سے بچالیا۔

ہمارے مؤرخوں اور سیرت نگاروں سے جاہلیت کی تصویر پورے طور پر نہ کھینچ سکی، وہ نہ صرف قابل معافی بلکہ ہمارے شکریہ کے مستحق ہیں کہ ادب اور زبان کا ذخیرہ ساتھ نہیں دیتا، واقعہ اور صورت حال اتنی سنگین، اتنی نازک اتنی مہیب اور اتنی پیچیدہ اور دقیق تھی کہ موئے قلم سے اس کی تصویر اور زبان وادب کی بڑی سے بڑی قدرت وصلاحیت سے اس کی تعبیر ممکن نہیں، کوئی مؤرخ اس کا حق کیسے ادا کرسکتا ہے، دور جاہلیت جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی کیا وہ ایک یا دو قوموں کے انحطاط یا اخلاق بگاڑ کا مسئلہ تھا، خالی بت پرستی کا مسئلہ تھا، اخلاق جرائم وذمائم کا مسئلہ تھا، شراب نوشی، قمار بازی، عیش پرستی، ہوس رانی، حقوق کی پامالی، ظلم واستبداد معاشی استحصال، جابر وظالم حکومتوں ظالمانہ نظاموں اور غیر منصفانہ قوانین کا مسئلہ تھا؟ کیا مسئلہ یہ تھا کہ کسی ملک میں باپ اپنی نوزائیدہ بچی کو زندہ درگور کررہا تھا؟ مسئلہ یہ تھا کہ انسان انسانیت کو خاک میں ملا رہا تھا، مسئلہ یہ نہیں تھا کہ عرب کے کچھ

(۱) جلسہ سیرت کی ایک تقریر کا آخری حصہ جس میں بعثت محمدی کے احسانات اور نبوت محمدی کے ان عطیوں کا ذکر کیا گیا ہے، جنھوں نے تاریخ انسانی میں انقلاب برپا کردیا، اور نوع انسانی کی قسمت بدل دی، اس کتاب کا اختتام اسی مضمون پر کیا جارہا ہے۔ (الانبیاء۔۱۰۷)

سنگ دل اور قسی القلب لوگ اپنی معصوب بچیوں کو جھوٹی شرم، اور خیالی ننگ وعار سے بچنے کے لئے ایک خود ساختہ تخیل اور ایک ظالمانہ روایت کی بناء پر اپنے ہاتھوں زمین میں زندہ دفن کر دینا چاہتے تھے، مسئلہ یہ تھا کہ مادر گیتی اپنی پوری نسل کو زندہ دفن کرنا چاہتی تھی، وہ در ختم ہو چکا اب اس کو کیسے لا کر سامنے کھڑا کر دیا جائے، وہ دور جن لوگوں نے دیکھا تھا، وہی اس کی حقیقت کو سمجھتے اور جانتے تھے۔

مسئلہ کسی ایک ملک وقوم کا بھی نہیں تھا، نہ کسی ایک مغالطہ اور فریب کا تھا، مسئلہ انسانیت کی قسمت کا تھا، مسئلہ نوع انسانی کے مستقبل کا تھا اگر کوئی مصور ایسی تصویر پیش کرے، جس میں دکھایا گیا ہو کہ نوع انسانی کی نمایندگی ایک انسانی کرر ہا ہے، ایک حسین وجمیل پیکر، ایک فربہ وتوانا جسم جو خدا کی صنعت کا بہترین نمونہ ہے، جس سے آدم کا نام زندہ اور اس کا سلسلہ قائم ہے، جو محسود ملائکہ ہے، اور مقصود آفرینش، جس کے سر پر خدا نے خلافت کا تاج رکھا ہے، اور جس کی وجہ سے یہ کرۂ ارضی ایک خرابہ اور ویرانہ نہیں ایک آباد گلزار جگہ ہے، اس انسان کے سامنے آگ کا ایک سمندر ہے، ایک نہایت مہیب خندق ہے، جس کی کوئی تھاہ نہیں، وہ انسان اس میں چھلانگ لگانے کے لئے تیار کھڑا ہے، اس کے پاؤں اٹھ چکے ہیں، اور وہ مائل بہ پرواز ہے، ایسا نظر آرہا ہے کہ چند لمحوں میں وہ اس کی اندھیریوں میں غائب ہو جائے گا، اگر اس دور کی ایسی تصویر کھینچی جائے تو کسی حد تک اس صورت حال کا اندازہ ہو سکتا ہے، جو بعثت کے وقت پائی جاتی تھی، اور اسی حقیقت کو بیان کرنے کے لئے فرمایا گیا ہے کہ:۔

وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا۔ (آل عمران۔۱۰۳)۔

اور تم آگ کے گڑھے کے کنارے تک پہنچ چکے تھے خدا نے تم کو اس سے بچالیا۔

اور اسی بات کو نبوت نے ایک تمثیل میں بیان کیا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''میری اس دعوت وہدایت کی مثال جس کے ساتھ مجھے دنیا میں بھیجا گیا ہے، ایسی ہے، جیسے ایک شخص نے آگ روشن کی، جب اس کی روشنی گرد وپیش میں پھیلی تو وہ پروانے اور کیڑے جو آگ پر گرا کرتے ہیں، ہر طرف سے امنڈ کر اس میں کودنے لگے، اسی طرح سے تم آگ میں گرنا اور کودنا چاہتے ہو، اور میں تمہاری کمر پکڑ پکڑ کر تم کو اس سے بچاتا اور علیحدہ کرتا ہوں'' (۱)۔

حقیقتاً اصل مسئلہ یہی تھا کہ انسانیت کی کشتی کو سلامتی کے ساتھ پار لگایا جائے، جب انسان اپنے صحیح ''موڈ'' میں آجائے گا، جب زندگی میں اعتدال اور توازن پیدا ہو جائے گا تو ان سب تعمیری، فلاحی، علمی، ادبی اور ترقیاتی کوششوں اور منصوبوں کا دور آئے گا، جن کی صلاحیت مختلف انسانوں اور

(۱) صحیح بخاری (مشکوۃ، ج۱، ص۲۸)

انسانیت کے بہی خواہوں میں پائی جاتی ہے، حقیقتاً ساری دنیا پیغمبروں کی احسان مند ہے کہ انھوں نے نوع انسانی کو ان خطرات سے بچالیا جو اس کے سر پر ننگی تلوار کی طرح لٹک رہے تھے، دنیا کا کوئی علمی، تعمیری، اصلاحی کام، کوئی فلسفہ، کوئی دبستان فکر، ان کے احسان سے سبک دوش نہیں، سچ پوچھئے تو موجودہ دنیا اپنی بقا اور ترقی اور زندگی کے استحقاق میں پیغمبروں ہی کی رہین منت ہے، انسانوں نے زبان حال سے کئی مرتبہ اعلان کیا کہ اب ان کی افادیت ختم ہوگئی اور اب وہ دنیا کے لئے اور اپنے لئے کوئی نافعیت، برکت ورحمت اور کوئی پیغام اور دعوت نہیں رکھتے انھوں نے اپنے خلاف خدا کی عدالت میں خود نالش کی اور گواہی دی، ان کی مسل تیار تھی، اور وہ اپنے کو بڑی سے بڑی سزا بلکہ سزائے موت کا مستحق ثابت کر چکے تھے۔

جب تمدن اپنے حدود سے تجاوز کر جاتا ہے، جب وہ اخلاقیات کو یکسر فراموش کر دیتا ہے، جب انسان اپنی سفلی خواہشات اور نفس کے حیوانی تقاضوں کی تکمیل کے سوا ہر مقصد اور ہر حقیقت کو فراموش کر دیتا ہے، جب اس کے پہلو میں انسان کے دل کے بجائے بھیڑیئے اور چیتے کا دل پیدا ہو جاتا ہے، جب اسکے جسم میں ایک فرضی معدہ اور لامحدود نفس امّارہ جنم لیتا ہے، جب دنیا پر جنون کا دورہ پڑتا ہے تو قدرت خداوندی اس کو سزا دینے یا اس کے جنون کے نشہ کو اتارنے کے لئے نئے نئے نشتر اور نئے نئے جرّاح پیدا کرتی ہے۔

کرتی ہے ملوکیت انداز جنوں پیدا
اللہ کے نشتر ہیں تیمور ہو یا چنگیز

آپ ملوکیت کے لفظ کو تمدن سے بدل دیجئے کہ تمدن کا بگاڑ اور تمدنی جنون، ملوکیت کے جنون سے زیادہ خطرناک اور زیادہ وسیع ہوتا ہے، ایک کمزور سا مریض اگر پاگل ہو جاتا ہے تو محلّہ کی نیند حرام کر دیتا ہے، اور سارا محلّہ عذاب میں مبتلا ہو جاتا ہے، آپ تصور کیجئے کہ جب نوع انسانی پاگل ہو جائے اور جب تمدن کا قوام بگڑ جائے، جب انسانیت کا مزاج خراب ہو جائے تو اس کا کیا علاج ہے؟

جاہلیت میں تمدن صرف بگڑا ہی نہیں تھا، متعفن ہو گیا تھا، اس میں کیڑے پڑ گئے تھے، انسان نوع انسانی کا شکاری بن گیا تھا، اس کو کسی انسان کی جانکنی، کسی زخمی کی تڑپ اور کسی مصیبت زدہ کی کراہ میں وہ مزا آنے لگا تھا جو جام وسُبُو میں اور دنیا کے لذیذ سے لذیذ کھانے اور خوش نما منظر میں نہیں آتا تھا، آپ روما کی تاریخ پڑھیں جس کی فتوحات، نظم ونسق اور قانون سازی اور تہذیب کے، دنیا میں ڈنکے بجے، یورپین مؤرخ اس کے متعلق لکھتے ہیں کہ ''اہل روما کے لئے سب سے زیادہ دلچسپ

فرحت افزا اور مست کر دینے والا نظارہ وہ ہوتا تھا جب باہم شمشیر زنی یا خونخوار جانوروں کی لڑائی میں ہزیمت خوردہ اور مجروح شمشیر زن GLADIATOR جانکنی کی تکلیف میں مبتلا ہوتا، اور موت کے کرب میں آخری ہچکی لیتا، اس وقت روما کے خوش باش اور زندہ دل تماشائی اس خوش کن منظر کو دیکھنے کے لئے ایک دوسرے پر گرے پڑتے اور پولیس کو بھی ان کو کنٹرول میں رکھنا ممکن نہ ہوتا'' (۱)۔

رومی عہد کی سیاّفی جس میں انسان کو جانوروں سے لڑنے پر مجبور کیا جاتا تھا، انسانی شقاوت وسنگدلی کی بدترین مثال پیش کرتی ہے، لیکن یہ صرف اعلیٰ طبقہ سے تعلق رکھنے والوں کا محبوب مشغلہ تھا'' تاریخ اخلاق یورپ'' کے مصنف ''لیکی'' ان کھیلوں کی ہر دلعزیزی بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے:۔

> ''سیاّفی کی یہ مقبولیت ودل فریبی اس لحاظ سے مطلق حیرت انگیز نہیں کہ دلکشی کے جتنے مناظر اس میں آکر مجتمع ہو گئے تھے، اتنے کسی دوسرے ملعبہ میں نہ تھے، لق ودق اکھاڑہ، امراء واعیان، دولت کی زرق برق پوشاکیں، تماشائیوں کا انبوہ کثیر ان کے ذوق وشوق کا اثر متعدی، اتنے بڑے مجمع میں ایک متوقع سکون وخاموشی، اسی ہزار زبانوں سے ایک بارگی صدائے تحسین بلند ہوتی اس کی آواز سے شہر کیا معنی مضافات شہر تک گونج اٹھتے جنگ کا گھڑی گھڑی رنگ بدلتے رہنا، عدیم المثال جرأت وبے جگری کا اظہار، ان میں سے ہر شئی تخیل کو متاثر کرنے کے لئے کافی ہے، اوران کی مجموعی طاقت قدرتی طور پر بہت قوی ہے۔
>
> ان ظالمانہ تفریحات کو روکنے کے لئے احکام جاری کئے گئے، لیکن یہ سیلاب اتنا پرزور تھا کہ کوئی بند اسے روک نہیں سکتا تھا'' (۲)۔

پس جاہلیت کا اصل مسئلہ یہ تھا کہ پوری زندگی کی چول اپنی جگہ سے ہٹ گئی تھی، بلکہ ٹوٹ گئی تھی، انسان، انسان نہیں رہا تھا، انسانیت کا مقدمہ اپنے آخری مرحلہ میں خدا کی عدالت میں پیش تھا، انسان اپنے خلاف گواہی دے چکا تھا، اس حالت میں خدا نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا، ارشاد ہوا:۔

وَمَآ اَرۡسَلۡنٰكَ اِلَّا رَحۡمَةً لِّلۡعٰلَمِيۡنَ. (الانبیاء۔۱۰۷)۔

اور (اے محمدؐ) ہم نے تم کو تمام جہاں کے لئے رحمت ہی بنا کر بھیجا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ ہمارا یہ دور بلکہ قیامت تک پورا دور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت، دعوت اور مساعی جمیلہ کے حساب میں ہے، آپؐ کا پہلا کام یہ تھا کہ آپؐ نے اس تلوار کو جو نوع انسانی کے

---

(۱) ملاحظہ ہو لیکی کی کتاب ''تاریخ اخلاق یورپ'' HISTORY OF EUROPEAN MORALS BY LECKY

(۲) ایضاً ص ۲۳۰ (ترجمہ مولانا عبدالماجد دریابادی)

سر پر لٹک رہی تھی، اور کوئی گھڑی تھی کہ اس کے سر پر گر کر اس کا کام تمام کردے، اس تلوار کو ہٹالیا، اور اس کو وہ تحفے عطا کئے، جنھوں نے اس کو نئی زندگی، نیا حوصلہ، نئی طاقت، نئی عزت اور نئی منزل سفر عطا کی اور ان کی برکت سے انسانیت، تہذیب وتمدن، علم وفن، روحانیت واخلاص اور تعمیر انسانیت کا ایک نیا دور شروع ہوا، ہم یہاں پر آپ کے ان چند عطیوں کا ذکر کرتے ہیں، جنھوں نے نوع انسانی کی ہدایت واصلاح اور انسانیت کی تعمیر وترقی میں بنیادی اور قائدانہ کردار ادا کیا اور جن کی بدولت ایک نئی دنیا وجود میں آئی۔

آپ کا سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ آپؐ نے دنیا کو عقیدۂ توحید کی نعمت عطا فرمائی اس سے زیادہ انقلاب انگیز، حیات بخش عہد آفریں اور معجز نما عقیدہ دنیا کو نہ پہلے کبھی ملا ہے، اور نہ قیامت تک کبھی مل سکتا ہے، یہ انسان جس کو شاعری، فلسفہ اور سیاست میں بڑے بڑے دعوے ہیں، اور جس نے قوموں، ملکوں کو بار ہا غلام بنایا، عناصر اربعہ پر اپنی حکومت چلائی، پتھر میں پھول کھلائے اور پہاڑوں کا جگر کاٹ کر دریا بہائے اور جس نے کبھی کبھی خدائی کا بھی دعویٰ کیا، یہ اپنے سے کہیں زیادہ مجبور وذلیل، بے حس وحرکت، بے جان ومردہ اور بعض اوقات خود اپنی ساختہ پرداختہ چیزوں کے سامنے جھکتا تھا، ان سے ڈرتا اور ان کی خوشامد کرتا تھا، یہ پہاڑوں، دریاؤں، درختوں، جانوروں، ارواح وشیاطین اور مظاہر قدرت ہی کے سامنے نہیں، بلکہ کیڑوں، مکوڑوں تک کے سامنے سجدہ ریز ہوتا تھا، اور اس کی پوری زندگی انھیں سے خوف وامید اور انھیں خطرات میں بسر ہوتی تھی، جس کا نتیجہ بزدلی، ذہنی انتشار، وہم پرستی اور بے اعتمادی تھا، آپؐ نے اس کو ایسے خالص، بے آمیز، سہل الفہم، حیات بخش عقیدۂ توحید کی تعلیم دی جس سے وہ خدا کے سوا جو خالق کائنات ہے، ہر ایک سے آزاد، نڈر اور بے فکر ہوگیا، اس میں ایک نئی قوت، نیا حوصلہ، نئی شجاعت اور نئی وحدت پیدا ہوئی، اس نے صرف خدا کو کارساز حقیقی، حاجت روائے مطلق اور نافع وضار (نفع پہنچانے والا اور نقصان پہنچانے والا) سمجھنا شروع کیا، اس نئی دریافت اور یافت سے اس کی دنیا بدل گئی، وہ ہر قسم کی غلامی وعبودیت اور ہر طرح کے بے جا خوف ورجا اور ہر طرح کے تشتت وانتشار سے محفوظ ہوگیا اس کو کثرت میں وحدت نظر آنے لگی، وہ اپنے کو ساری مخلوقات سے افضل، ساری دنیا کا سردار اور منتظم اور صرف خدا کا محکوم اور فرمانبردار سمجھنے لگا، اس کا لازمی نتیجہ انسانی عظمت وشرف کا قیام تھا، جس سے پوری دنیا محروم ہوچکی تھی۔

بعثت محمدی کے بعد ہر طرف سے اس عقیدۂ توحید کی (جس سے زیادہ مظلوم ومجہول کوئی عقیدہ نہ تھا) صدائے بازگشت آنے لگی، دنیا کے سارے فلسفوں اور افکار وخیالات پر اس کا کم وبیش اثر پڑا، وہ بڑے بڑے مذاہب جن کے رگ وریشہ میں شرک اور تعدد آلہہ (متعدد خداؤں اور

معبودوں) کا عقیدہ رچ بس گیا تھا، کسی نہ کسی لے میں یہ اعلان کرنے پر مجبور ہوئے کہ خدا ایک ہے، وہ اپنے مشرکانہ عقیدوں کی تاویل پر مجبور ہوئے، اوران کی ایسی فلسفیانہ تشریح کرنے لگے، جس سے ان پر شرک وبدعت پرستی کا الزام نہ آئے، اور وہ اسلامی عقیدۂ توحید سے کچھ نہ کچھ ملتا ہوا نظر آئے، ان کو شرک کا اقرار کرنے میں شرم اور جھجھک محسوس ہونے لگی اور سارے مشرکانہ نظام، فکر واعتقاد، احساس کمتری INFERIORITY COMPLEX میں مبتلا ہوئے اس محسن اعظم کا احسان اعظم یہ ہے کہ اس نے توحید کی نعمت دنیا کو عطا کی۔

آپ کا دوسرا انقلاب آفریں اور عظیم احسان وحدت انسانی کا وہ تصور ہے، جو آپؐ نے دنیا کو عطا کیا، انسان قوموں اور برادریوں، ذات جاتی اور اعلیٰ ادنیٰ طبقوں میں بٹا ہوا تھا، اوران کے درمیان انسانوں اور جانوروں، آقاؤں اور غلاموں اور عبد ومعبود کا سا فرق تھا، وحدت ومساوات کا کوئی تصور نہ تھا، آپ نے صدیوں کے بعد پہلی مرتبہ یہ انقلاب انگیز اور حیرت خیز اعلان فرمایا:

ایھا الناس ان ربکم واحد وان اباکم واحد، کلکم لآدم وآدم من تراب، ان اکرمکم عنداللہ اتقاکم ،ولیس لعربی علی عجمی فضل الا بالتقویٰ (کنز العمال)

لوگو! تمہارا پروردگار ایک ہے، اور تمہارا باپ بھی ایک ہے تم سب اولاد آدم ہو اور آدم مٹی سے بنے تھے، اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ معزز وہ ہے، جو تم میں سب سے زیادہ پاک باز ہے، کسی عربی کو عجمی پر فضیلت نہیں، مگر تقویٰ کی بنا پر۔

یہ وہ الفاظ ہیں، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آخری حج میں ایک لاکھ چوبیس ہزار کے عظیم مجمع میں فرمائے تھے، ان میں دو وحدتوں کا اعلان کیا گیا ہے، اور یہی وہ دو فطری مستحکم اور دائمی بنیادیں ہیں، جن پر نسل انسانی کی حقیقی وحدت کا قصر تعمیر کیا جا سکتا ہے، اور جس کے سایے کے نیچے انسان کو امن وسکون حاصل ہو سکتا ہے، اور وہ اشتراک عمل اور تعاون کے اصول پر انسانیت کی تعمیر نو کا کام انجام دے سکتا ہے یہ دو وحدتیں کیا ہیں؟ ایک نوع انسانی کے خالق وصانع کی وحدت، اور ایک نسل انسانی کے بانی اور مورث کی وحدت، اس طرح ہر انسان دوسرے انسان سے دوہرا رشتہ رکھتا ہے، ایک روحانی اور حقیقی طور پر، وہ یہ کہ سب انسانوں اور جہانوں کا رب ایک ہے، دوسرا جسمانی اور ثانوی طور پر وہ یہ کہ سب سب انسان ایک باپ کی اولاد ہیں (۱)، دوسرے الفاظ میں توحید ''رب'' اور توحید ''اب'' کی تعلیم دی، جس کو مختصر الفاظ میں یوں کہا جا سکتا ہے ''الرب واحد والاب

(۱) اس نکتہ کی تشریح میں جو تقریر میں اجمالاً آیا تھا، مقرر کی تصنیف ''ارکان اربعہ'' سے استفادہ کیا گیا ہے۔

واحد" رب (پروردگار) بھی ایک ہے، اور اب (والد بزرگوار) بھی ایک۔

جس وقت یہ اعلان کیا گیا تھا، اس وقت دنیا اس کے سننے کے حال (موڈ) میں نہ تھی، یہ اعلان اس وقت کی دنیا میں ایک زلزلہ سے کم نہ تھا، بعض چیزیں ایسی ہوتی ہیں، جو تدریجی طور پر قابل برداشت ہوجاتی ہیں، بجلی کا یہی حال ہے کہ اس کو پردوں میں رکھ کر چھو لیتے ہیں، لیکن بجلی کی عریاں لہر کو اگر کوئی چھو لے تو جسم میں اس کا کرنٹ دوڑ جاتا، اور اس کا کام تمام کردیتا ہے، آج علم وفہم اور فکر انسانی کے ارتقاء کی ان منزلوں نے جو اسلام کی دعوت، اسلامی معاشرہ کے قیام مصلحین اور داعیان اسلام کی کوششوں سے طے ہوئیں، اس انقلاب انگیز اور زلزلہ فگن اعلان کو روز مرہ کی حقیقت بنادیا ہے، اقوام متحدہ کے اسٹیج سے لے کر جس نے حقوق انسان کا منشور (HUMAN RIGHTS CHARTER) شائع کیا، ہر جمہوریہ اور ہر ادارہ کی طرف سے انسانی حقوق اور مساوات انسانی کا اعلان کیا جارہا ہے، اور کوئی اس کو سن کو متعجب نہیں ہوتا، لیکن ایک زمانہ تھا، جب مختلف قوموں اور خاندانوں کے مافوق البشر ہونے کا عقیدہ قائم تھا، اور بہت سی نسلوں اور خاندانوں کا نسب نامہ خدا سے اور سورج چاند سے ملایا جارہا تھا، قرآن شریف نے یہودیوں اور عیسائیوں کا قول نقل کیا ہے کہ ہم خدا کی لاڈلی اور چہیتی اولاد کی طرح ہیں "وقالت الیھود والنصریٰ نحن ابنؤا اللہ واحباؤہ" فراعنۂ مصر اپنے کو سورج دیوتا کا اوتار کہتے تھے، ہندوستان میں سورج، بنسی اور چندر بنسی خاندان موجود تھے، شاہان ایران کو جن کا لقب کسریٰ (خسرو) ہوا کرتا تھا، اس کا دعویٰ تھا کہ ان کی رگوں میں خدائی خون ہے، اہل ایران انہیں اسی نظر سے دیکھتے تھے، ان کا اعتقاد تھا کہ ان پیدائشی بادشاہوں کے خمیر میں کوئی مقدس آسمانی چیز شامل ہے، کیانی سلسلہ کے آخری ایرانی شہنشاہ یزدگرد کا نام بتاتا ہے کہ وہ اور ایرانی ان کو خدا کا کس درجہ مقرب اور ہم نشین سمجھتے تھے۔

چینی اپنے شہنشاہ کو آسمان کا بیٹا تصور کرتے تھے، ان کا عقیدہ تھا کہ آسمان اور زمین مادہ ہے، ان دونوں کے اتصال سے کائنات کی تخلیق عمل میں آئی ہے، اور شہنشاہ (ختاول) اس جوڑے کا پلونٹھا بیٹا ہے (۱)، عرب اپنے سوا ساری دنیا کو گونگا اور بے زبان (عجم) کہتے تھے، ان کا سب سے ممتاز قبیلہ قریش، عام عربوں سے بھی اپنے کو بالا و برتر سمجھتا تھا، اور اسی احساس برتری میں حج کے ایسے عمومی اجتماع میں بھی اپنی انفرادیت قائم رکھتا تھا (۲)۔

---

(۱) ملاحظہ ہو تاریخ چین از جیمس کارکرن۔

(۲) ملاحظہ ہو کتب حدیث وسیرت۔

قرآن نے اس فضا اور اس ماحول میں اعلان کیا:۔

يَآاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا، اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَاللّٰهِ اَتْقٰكُمْ (الحجرات۔۱۳)

لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہاری قومیں اور قبیلے بنائے تاکہ ایک دوسرے کو شناخت کرو خدا کے نزدیک تم میں عزت والا وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے۔

اور قرآن کی ایک ایسی سورہ میں جو قرآن کا دیباچہ (فاتحہ) اور سب سے زیادہ پڑھی جانے والی سورہ ہے، کہا گیا ہے:۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ.

سب تعریف اللہ کی ہے جو سارے جہانوں کا پروردگار ہے۔

آپؐ کی رحمۃ للعالمینی کا تیسرا مظہر، اور نوع انسانی پر تیسرا احسان عظیم احترام انسانیت اور انسان کی قدر و قیمت کا وہ اسلامی تصور ہے جو آپ کا عطیہ اور اسلام کا تحفہ ہے، اسلام کا ظہور جس زمانہ میں ہوا اس زمانہ میں انسان سے زیادہ ذلیل کوئی نہیں تھا، انسانی وجود بالکل بے قیمت اور بے حقیقت ہو کر رہ گیا تھا، بعض اوقات پالتو جانور، بعض ''مقدس'' حیوانات، بعض درخت جن کے ساتھ بعض عقائد و روایات وابستہ ہو گئی تھیں، انسان سے کہیں زیادہ قیمتی لائق احترام اور قابل حفاظت تھے، ان کے لئے بے تکلف انسانوں کی جانیں لی جاسکتی تھیں، اور انسانوں کے خون اور گوشت کے چڑھاوے چڑھائے جاسکتے تھے، آج بھی بعض بڑے بڑے ترقی یافتہ ممالک میں اس کے نمونے دیکھے جاسکتے ہیں، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانوں کے دل و دماغ پر یہ نقش بٹھا دیا کہ انسان اس کائنات کا سب سے زیادہ قیمتی قابلِ احترام، لائق محبت اور مستحق حفاظت وجود ہے، آپؐ نے انسان کا سب سے زیادہ قیمتی قابلِ احترام، لائق محبت اور مستحق حفاظت وجود ہے، آپؐ نے انسان کا پایہ اتنا بلند کیا کہ اس سے اوپر صرف خالقِ کائنات کی ہستی رہ جاتی ہے، قرآن نے اعلان کیا کہ وہ خلیفۃ اللہ (خدا کا نائب) ہے، ساری دنیا اور یہ سارا کارخانۂ عالم، اسی کے لئے پیدا کیا گیا ہے:۔

هُوَالَّذِىْ خَلَقَ لَكُمْ مَافِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا (البقرہ۔۲۹)

وہی ہے جس نے تمہارے لئے وہ سب کچھ پیدا کیا جو اس زمین پر ہے۔

وہ اشرف المخلوقات اور اس بزم عالم کا صدر نشین ہے:

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِىْ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِى الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ

عَلٰی کَثِیۡرٍ مِّمَّنۡ خَلَقۡنَا تَفۡضِیۡلًا. (الاسراء۔ ۷۰)

اور ہم نے بنی آدم کو عزت بخشی اور ان کو جنگل اور دریا میں سواری اور پاکیزہ روزی عطا کی اور اپنی بہت سی مخلوقات پر فضیلت دی۔

اس سے زیادہ اس کی عزت افزائی اور اس کی اہمیت کا اعتراف کیا ہوسکتا ہے کہ صاف کہہ دیا گیا کہ انسان خدا کا کنبہ ہیں، اور خدا کو اپنے بندوں میں سب سے زیادہ محبوب وہ ہے جو اس کے کنبہ کے ساتھ اچھا سلوک کرے اور اس کو آرام پہنچائے "الخلق عیال اللّٰہ فاحب الخلق الی اللّٰہ من احسن الیٰ عیالہ" (۱).

انسانیت کی بلندی اور خدا سے اس کے قرب واختصاص کا اظہار اس سے زیادہ کیا ہوسکتا ہے، جو ایک حدیث قدسی میں کیا گیا ہے، فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن کہے گا "اے فرزندِ آدم میں بیمار ہوا تو مجھے دیکھنے نہیں آیا، بندہ کہے گا، پروردگار! میں تیری عیادت کرسکتا ہوں تو تو رب العالمین ہے؟ ارشاد ہوگا، کیا تجھے معلوم نہیں ہوا، میرا فلاں بندہ بیمار پڑ گیا تھا تو اس کی عیادت کو نہیں گیا، تجھے معلوم نہیں تھا کہ اگر تو اس کی عیادت کرتا تو مجھے اسکے پاس پاتا، پھر ارشاد ہوگا، اے فرزند آدم میں نے تجھ سے کھانا مانگا تھا تو نے مجھے کھانا نہیں دیا، بندہ عرض کرے گا، پروردگار! میں تجھے کیسے کھانا کھلاسکتا ہوں تو تو رب العالمین ہے، ارشاد ہوگا کیا تجھے اس کا علم نہیں ہوا کہ میرے فلاں بندہ نے تجھ سے کھانا مانگا تو نے اسے نہیں کھلایا تجھے اس کی خبر نہ تھی کہ اگر تو اسے کھانا کھلاتا تو اس کو میرے پاس پاتا، اے فرزند آدم میں نے تجھ سے پانی مانگا تو نے مجھے پانی نہیں پلایا، بندہ عرض کرے گا، اے رب! میں تجھے کیسے پانی پلا سکتا ہوں تو تو رب العالمین ہے، ارشاد ہوگا، تجھ سے میرے فلاں بندے نے پانی طلب کیا تھا تو نے اسے پانی نہیں دیا، تجھے اس کا پتہ نہیں چلا کہ اگر تو اس کو پانی پلاتا تو اس کو میرے پاس پاتا" (۲)، ایک سراپا توحید مذہب میں کیا انسانیت کی بلندی، اور انسان کی رفعت ومحبوبیت کا اس سے بڑھ کر اعتراف واعلان پایا جاسکتا ہے، اور کیا دنیا کے کسی مذہب وفلسفہ میں انسان کو یہ مقام دیا گیا ہے؟ آپؐ نے خدا کی رحمت وشفقت کے لئے انسانوں پر رحم وشفقت کو شرط اور اس کا سب سے بڑا ذریعہ بتایا اور فرمایا:۔

الراحمون یرحمھم الرحمن ارحموا من فی الارض یرحمکم من فی السماء. (۳)

---

(۱) مشکوٰۃ بروایت بیہقی

(۲) صحیح مسلم۔

(۳) ابوداؤد، حالیؔ نے اس حدیث کا ترجمہ اس طرح کیا ہے۔

کرو مہربانی تم اہل زمیں پر — خدا مہرباں ہوگا عرش بریں پر

رحم کرنے والوں پر رحمٰن کی رحمت ہوتی ہے اگر تم اہل زمین پر رحم کھاؤ گے تو وہ جو آسمان پر ہے وہ تم پر رحمت نازل کرے گا۔

آپ غور کیجئے کہ وحدت انسانی کا نقش دلوں پر بٹھانے اور احترام انسانیت کا یقین دلوں میں پیدا کرنے کے لئے جب یہ سعی بلیغ نہیں کی گئی تھی، اس وقت انسان کا کیا حال رہا ہوگا ایک انسان کی ادنیٰ خواہش کی قیمت ہزاروں انسانوں سے زیادہ تھی، بادشاہ اٹھتے تھے، اور ملکوں کے ملکوں کا صفایا کردیتے تھے، سکندر اٹھا اور جیسے کوئی کبڈی کھیلتا ہے، ہندوستان تک چلا آیا اور قوموں اور تہذیبوں کے چراغ گل کردیئے، سیزر اٹھا اور انسانوں کا اس طرح شکار کھیلنا شروع کیا جیسے جنگلی جانوروں کا شکار کھیلا جاتا ہے، ہمارے زمانہ میں بھی دو دو عالمگیر جنگیں برپا ہوئیں، جنھوں نے لاکھوں انسانوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا اور یہ صرف قومی تکبر، سیاسی انانیت، اقتدار کی ہوس، یا تجارتی منڈیوں پر قبضہ کرنے کے جذبہ کا نتیجہ تھا، اقبالؔ نے سچ کہا ؎

ابھی تک آدمی صید زبون شہر یاری ہے
قیامت ہے کہ انساں نوعِ انساں کا شکاری ہے

چوتھا انقلابی کارنامہ یہ ہے کہ بعثتِ محمدی کے وقت نوع انسانی کے اکثر افراد پر فطرت انسانی سے بدگمانی اور خدا کی رحمت سے مایوسی کی ایک عام فضا چھائی ہوئی تھی، اس ذہنی کیفیت کے پیدا کرنے میں ایشیا کے بعض قدیم مذاہب اور مشرق وسطیٰ اور یورپ کی تبدیل شدہ عیسائیت نے یکساں کردار ادا کیا تھا، ہندوستان کے قدیم مذاہب نے تناسخ ''آواگون'' کے فلسفہ کے ذریعہ جس میں انسان کے ارادہ واختیار کو مطلق دخل نہیں ہے، اور جس کی رو سے ہر انسان کو اپنے پہلے جنم کے اعمال اور غلطیوں کی سزا بھگتنی ضروری ہے، اور عیسائیت نے انسان کے پیدائشی گنہ گار ہونے اور اس کے لئے حضرت مسیحؑ کے کفارہ بننے کی ضرورت کے عقیدہ کے نتیجہ میں اس وقت کے متمدن دنیا کے لاکھوں کروڑوں افراد کو جوان مذاہب کے پیرو تھے، اپنی ذات سے بدگمانی اور اپنے مستقبل اور خدا کی رحمت سے مایوسی میں مبتلا کردیا تھا۔

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوری طاقت وصفائی سے اعلان کیا کہ انسان کی فطرت ایک سادہ تختی کے مانند ہے، جس پر پہلے سے کوئی تحریر لکھی نہیں ہے، اس پر بہتر سے بہتر تحریر لکھی جاسکتی ہے، انسان اپنی زندگی کا خود آغاز کرتا ہے، اور اپنے اچھے یا برے عمل سے اپنی دنیا وعاقبت بناتا یا بگاڑتا ہے، وہ کسی دوسرے کے عمل کا ذمہ دار یا جواب دہ نہیں ہے، قرآن مجید نے بار بار اعلان کیا کہ آخرت میں کوئی کسی کا بوجھ نہیں اٹھا سکے گا، اور یہ کہ اس کے حصہ میں اسی کی کوشش اور اس کے نتائج آنے

والے ہیں، انسان کی کوشش کا نتیجہ ضرور ظاہر ہوگا، اور اس کو اس کا بھرپور بدلہ ملے گا۔

اَلَّا تَزِرُ وَازِرَۃٌ وِّزْرَ اُخْرٰی، وَاَنْ لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی، وَاَنَّ سَعْیَہٗ سَوْفَ یُرٰی، ثُمَّ یُجْزٰہُ الْجَزَآءَ الْاَوْفٰی. (النجم، ۳۸-۴۱)۔

یہ کہ کوئی شخص دوسرے (کے گناہ) کا بوجھ نہیں اٹھائے گا اور یہ کہ انسان کو وہی ملتا ہے جس کی وہ کوشش کرتا ہے اور یہ کہ اس کی کوشش دیکھی جائے گی، پھر اس کو اس کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔

اس اعلان سے انسان کا اپنی فطرت، اور اپنی فطری صلاحیتوں پر وہ اعتماد بحال ہوگیا جو بالکل متزلزل ہوگیا تھا، وہ نئے عزم ویقین اور نئے جوش وولولہ کے ساتھ اپنی اور انسانیت کی تقدیر چمکانے اور اپنی قسمت اور قوت آزمانے کے لئے سرگرم سفر ہوگیا۔

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گناہوں، لغزشوں اور غلطیوں کو ایک عارضی حالت قرار دیا جس میں انسان کبھی کبھی اپنی نادانی، کوتاہ نظری اور نفس وشیطان کی ترغیب سے مبتلا ہوجاتا ہے، صلاحیت، خیر پسندی اور اعتراف قصور وندامت، اس کی فطرت کا اصل تقاضہ اور انسانیت کا جوہر ہے، اپنی غلطی کا اعتراف کرنا، اس پر نادم ہونا، خدا کے سامنے رو دھو کر اپنے اس قصور کو معاف کرالینا، اور آئندہ ایسی غلطی کے نہ کرنے کا عزم کرنا انسان کی شرافت اور آدم کی میراث ہے، آپؐ نے دنیا کے مایوس ودل شکستہ اور گناہوں کے دلدل میں گلے گلے ڈوبے ہوئے انسانوں پر توبہ کا ایسا دروازہ کھولا اور اس کی اس زور وشور سے تبلیغ فرمائی کہ آپؐ کو اس شعبہ کا دوبارہ زندہ کرنے والا کہنا صحیح ہوگا، اسی بنا پر آپؐ کے ناموں میں ایک نام "نبی التوبہ" (توبہ کا پیغمبر اور پیغامبر) بھی ہے، آپؐ نے توبہ کو ایک مجبوری کی بات اور تلافی مافات کے طور پر پیش نہیں کیا، بلکہ آپؐ نے اس کے ایسے فضائل بیان کئے اور اس کا مرتبہ اتنا بلند کیا کہ وہ اعلیٰ درجہ کی عبادت اور خدا کے قرب اور اسکی محبوبیت کا ایسا ذریعہ بن گیا کہ اس پر بڑے بڑے معصوم صفت اور ناکردہ گناہ عابدوں اور زاہدوں کو رشک آنے لگا۔

قرآن مجید نے اس طرح رحمت کی وسعت پر گنہگار کے توبہ کر سکنے اور بڑے سے بڑے گناہ سے پاک وصاف ہوجانے کے امکان کو اس دلکش اور دلنواز انداز میں بیان کیا اور گنہگار بندوں اور نفس وشیطان کے زخم خوردہ انسانوں کو اس طرح خدا کے دامنِ رحمت میں پناہ لینے کی منادی کی، اور اس کے دریائے رحمت کے جوش وتلاطم کو اس انداز میں بیان کیا کہ یہ محسوس ہونے لگا کہ وہ مطلوب سے زیادہ طالب اور ان گنہگار بندوں کے حق میں نہ صرف حلیم ورحیم اور فیاض وکریم ہے، بلکہ (اگر یہ کہنا صحیح ہو) ان کا منتظر ومشتاق اور ان کا سچا قدرداں ہے، قرآن مجید کے ان الفاظ کو پڑھئے، اور اس لطف

وشفقت کا اندازہ کیجئے جو اس کے لفظ لفظ سے ٹپکتی ہے:

قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓی اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ، اِنَّ اللّٰهَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا، اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ۔(الزمر۔۵۳)

کہہ دیجئے! اے میرے وہ بندو جنھوں نے اپنے حق میں زیادتی کی ہے اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو، بے شک اللہ تعالیٰ تمام گناہ معاف کر دیتا ہے، بے شک وہ بڑا بخشنے والا اور بڑا رحم کرنے والا ہے۔

ایک دوسری آیت میں گنہگار اور خطا کار انسانوں کے تذکرے اور سیاق وسباق میں نہیں بلکہ بلند ہمت، نیکوسیرت اور جنتی انسانوں کے سلسلہ اور سیاق وسباق میں گناہوں سے توبہ کرنے والوں کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے:

وَسَارِعُوْٓا اِلٰی مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ، اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِیْنَ، الَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ فِی السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ وَالْكَاظِمِیْنَ الْغَیْظَ وَالْعَافِیْنَ عَنِ النَّاسِ،وَاللّٰهُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ، وَالَّذِیْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ ،وَمَنْ یَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ، وَلَمْ یُصِرُّوْا عَلٰی مَا فَعَلُوْا، وَهُمْ یَعْلَمُوْنَ، اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ مَغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَجَنّٰتٌ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ،وَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِیْنَ۔(آل عمران۔۱۳۳، ۱۳۶)۔

اور اپنے پروردگار کی بخشش اور بہشت کی طرف لپکو جس کا عرض آسمان اور زمین کے برابر ہے اور جو (خدا سے) ڈرنے والوں کے لئے تیار کی گئی ہے، جو آسودگی اور تنگی میں (اپنا مال خدا کی راہ میں) خرچ کرتے ہیں، اور غصے کو روکتے اور لوگوں کے قصور معاف کرتے ہیں، اور خدا نیکوکاروں کو دوست رکھتا ہے، اور وہ کہ جب کوئی کھلا گناہ یا اپنے حق میں کوئی اور برائی کر بیٹھتے ہیں تو خدا کو یاد کرتے اور اپنے گناہوں کی بخشش مانگتے ہیں، اور خدا کے سوا گناہ بخش بھی کون سکتا ہے؟ اور جان بوجھ کر اپنے افعال پر اڑے نہیں رہتے، ایسے لوگوں کا صلہ پروردگار کی طرف سے بخشش اور باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں (اور) وہ اس میں ہمیشہ بستے رہیں گے اور (اچھے) کام کرنے والوں کا بدلہ بہت اچھا ہے۔

اس سے بھی آگے بڑھ کر باعمل اور نیک سیرت بندوں کے مختلف طبقوں کا ذکر کرتے ہوئے، اس نورانی فہرست کا افتتاح عابدوں زاہدوں کے بجائے ''تائبوں'' سے فرمایا گیا، قرآن مجید کی اس سورہ کی جس کا نام ہی سورہ توبہ ہے، آیت ہے:

اَلتَّآئِبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ الْحٰمِدُوْنَ، السَّآئِحُوْنَ الرّٰكِعُوْنَ السّٰجِدُوْنَ الْاٰمِرُوْنَ

بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَالنَّاهُوۡنَ عَنِ الۡمُنۡكَرِ وَالۡحٰفِظُوۡنَ لِحُدُوۡدِ اللّٰهِ وَبَشِّرِ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ۔(التوبہ۔۱۱۲)

توبہ کرنے والے عبادت کرنے والے حمد کرنے والے، بے تعلق رہنے والے رکوع کرنے والے سجدہ کرنے والے نیک کاموں کا امر کرنے والے اور بری باتوں سے منع کرنے والے خدا کی حدود کی حفاظت کرنے والے (یہی مومن لوگ ہیں) اور (اے پیغمبرؐ) مومنوں کو (بہشت کی) خوشخبری سنادو۔

اس اعزاز اور اظہارِ اعتماد کی ایک روشن مثال یہ ہے کہ جب قرآن مجید کی زبان سے ان تین صحابیوں (۱) کی توبہ کی قبولیت کا اعلان کیا گیا جو غزوۂ تبوک کے نازک اور اہم موقع پر (جس میں شرکت نہایت ضروری تھی) بغیر کسی معقول عذر کے مدینہ میں رہ کر سخت کوتاہی کے مرتکب ہوئے تھے، تو ان کا ذکر کرنے سے پہلے خود پیغمبرؐ اور ان مہاجرین وانصار کا ذکر کیا گیا جن سے اس موقع پر کسی کوتاہی کا صدور نہیں ہوا تھا، تاکہ ان تین پیچھے رہ جانے والوں کو اپنی تنہائی اور پسماندگی کا احساس نہ ہو، اور وہ احساس کہتری اور انگشت نمائی کے ہر داغ سے بری ہوجائیں، اور ان پر اور قیامت تک قرآن مجید کے پڑھنے والوں پر یہ بات واضح ہوجائے کہ ان کی اصل جگہ اور اصل گروہ یہی صادقین اولین اور مہاجرین وانصار کے صف اول کے لوگ ہیں، توبہ کی قبولیت، تائب کی مقبولیت اور نفسیاتی طور پر دلنوازی اور چارہ سازی کی اس سے زیادہ لطیف اور دقیق مثال ادیان ومذاہب اور علم الاخلاق اور علم النفس کی تاریخ میں ملنی مشکل ہے، اسی سورۂ توبہ میں ارشاد ہوا ہے:

لَقَدۡ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالۡمُهٰجِرِيۡنَ وَالۡاَنۡصَارِ الَّذِيۡنَ اتَّبَعُوۡهُ فِىۡ سَاعَةِ الۡعُسۡرَةِ مِنۡۢ بَعۡدِ مَا كَادَ يَزِيۡغُ قُلُوۡبُ فَرِيۡقٍ مِّنۡهُمۡ ثُمَّ تَابَ عَلَيۡهِمۡ اِنَّهٗ بِهِمۡ رَءُوۡفٌ رَّحِيۡمٌ، وَّعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيۡنَ خُلِّفُوۡا، حَتّٰۤى اِذَا ضَاقَتۡ عَلَيۡهِمُ الۡاَرۡضُ بِمَا رَحُبَتۡ وَضَاقَتۡ عَلَيۡهِمۡ اَنۡفُسُهُمۡ وَظَنُّوۡۤا اَنۡ لَّا مَلۡجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّاۤ اِلَيۡهِ، ثُمَّ تَابَ عَلَيۡهِمۡ لِيَتُوۡبُوۡا ، اِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيۡمُ۔(التوبہ۔۱۱۷۔۱۱۸)۔

بے شک خدا نے پیغمبر پر مہربانی کی اور مہاجرین وانصار پر جو باوجود اس کے کہ ان میں سے بعضوں کے دل پھر جانے کو تھے، مشکل کی گھڑی میں پیغمبر کے ساتھ رہے، پھر خدا نے ان پر مہربانی فرمائی، بے شک وہ ان پر نہایت شفقت کرنے والا (اور) مہربان ہے، اور تینوں پر بھی جن کا معاملہ ملتوی کیا گیا تھا، یہاں تک کہ جب زمین باوجود فراخی کے ان پر تنگ ہوگئی، اور ان کی جانیں بھی ان پر دوبھر ہوگئیں اور انھوں نے جان لیا کہ خدا (کے ہاتھ) سے خود اس کے سوا کوئی پناہ نہیں ہے پھر خدا نے ان پر مہربانی کی تاکہ توبہ کریں، بے شک خدا توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔

(۱) تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو کتب سیرت، اور کتب تفسیر وحدیث، واقعہ غزوہ تبوک۔

اس کے علاوہ ایک اصول کے طور پر اس کا اعلان کیا کہ رحمت الٰہی ہر چیز پر حاوی اور غضب وجلال پر غالب، ہے، قرآن مجید میں ہے:

وَرَحْمَتِیْ وَسِعَتْ کُلَّ شَیْءٍ.(الاعراف، ۱۵۶)

میری رحمت ہر چیز پر حاوی اور محیط ہے

اور حدیث قدسی میں ہے:

ان رحمتی سبقت غضبی.(حدیث)

میری رحمت میرے غضب پر غالب ہے۔

پھر اس نے مایوسی کو بھی کفر کا، اور جہالت وگمراہی کا مرادف قرار دیا ہے، قرآن مجید میں ایک جگہ ایک پیغمبر برحق (حضرت یعقوبؑ) کی زبان سے کہلوایا گیا ہے:

اِنَّہٗ لَا یَاْیْئَسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰہِ اِلَّا الْقَوْمَ الْکٰفِرُوْنَ(یوسف۔۸۷)

اللہ کی رحمت سے وہی لوگ مایوس ہو سکتے ہیں، جو خدا کے منکر اور اس کی ذات اور صفات سے نا آشنا ہیں۔

دوسری جگہ ایک دوسرے جلیل القدر پیغمبر (حضرت ابراہیمؑ) کا قول نقل کیا گیا ہے۔

وَمَنْ یَّقْنَطُ مِنْ رَحْمَۃِ رَبِّہٖ اِلَّا الضَّآلُّوْنَ۔(الحجر۔۵۶)

اپنے رب کی رحمت سے گمراہوں کے سوا کون مایوس ہو سکتا ہے؟

اس طرح محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے توبہ کی فضیلت وترغیب اور خدا کی رحمت کی وسعت وشمولیت کا اعلان وتبلیغ کر کے یاس وقنوط کی ماری ہوئی اور غضب وجلال کے اعلانات وتفصیلات سے (جن میں یہودی علماء اور شارحین کتب مقدسہ اور قرون وسطیٰ کے غالی اور فطرت دشمن عیسائی زاہدوں، اور پادریوں نے اہم کردار ادا کیا تھا) ڈری اور سہمی ہوئی انسانیت کو نئی زندگی کا پیغام دیا، اس کے تن مردہ اور دل افسردہ میں نئی روح پھونکی، اس کے زخموں پر مرہم رکھا، اور اس کو خاک مذلت سے اٹھا کر عزت وشرف خود اعتمادی، اور خدا اعتمادی کے بام عروج پر پہونچا دیا۔

نبوت محمدی کا پانچواں عظیم اور نا قابل فراموش احسان، اور ایک گراں قدر تحفہ، دین ودنیا کی وحدت کا تصور اور یہ انقلاب انگیز تلقین ہے، کہ یہ کوئی حقیقی اختلاف نہیں محض اصطلاح کا اختلاف ہے، اور قدیم درسی زبان "نزاع لفظی" ہے، انسان کے اعمال واخلاق اور ان سے پیدا ہونے والے نتائج کا اصل انحصار، انسان کی ذہنت کیفیت عمل کے محرکات اور اسکے مقصد پر ہے، جس کو اسلام کے دین

وشریعت کی زبان میں ''نیت'' کے ایک مفرد وسادہ لیکن نہایت بلیغ وعمیق لفظ میں ادا کیا گیا ہے، اس کے نزدیک نہ کوئی چیز ''دنیا'' ہے، اور نہ کوئی چیز ''دین'' اس کے نزدیک خدا کے رضا کی طلب، اخلاص، اور اس کے حکم کی تعمیل کے جذبہ وارادہ سے بڑے سے بڑا دنیاوی عمل یہاں تک کہ حکومت، جنگ دنیاوی نعمتوں سے تمتع، نفس کے تقاضوں کی تکمیل، حصول معاش کی جدوجہد، جائز تفریح طبع کا سامان، ازدواجی وعائلی زندگی، سب اعلیٰ درجہ کی عبادت، تقرب الی اللہ کا ذریعہ، اعلیٰ سے اعلیٰ مراتب ولایت تک پہونچے کا وسیلہ، اور خالص دین بن جاتی ہے، اس کے برخلاف بڑی سے بڑی عبادت، اور دینی کام جو رضاء الٰہی کے مقصد اور اطاعت کے جذبہ سے خالی ہو (حتیٰ کہ فرض عبادتیں، ہجرت وجہاد، قربانی وسرفروشی اور ذکر وتسبیح) خالص دنیا اور ایسا عمل شمار ہوگا جس پر کوئی ثواب اور اجر نہیں ہے۔

قدیم مذاہب نے زندگی کو دو خانوں میں (دین ودنیا) میں تقسیم اور دنیا کو دو کیمپوں، اہل دین اور اہل دنیا میں بانٹ دیا تھا، جو نہ صرف یہ کہ اے دوسرے سے جدا تھے، اور ان کے درمیان ایک موٹی سرحدی لکیر اور ایک وسیع خلیج حائل تھی، بلکہ یہ دونوں خانے ایک دوسرے سے متصادم اور یہ دونوں کیمپ باہم متحارب تھے، ان کے نزدیک دین ودنیا میں کھلا تضاد اور شدید رقابت تھی، جس کو ان میں سے کسی ایک سے رسم وراہ پیدا کرنی ہو، اس کو دوسرے سے قطع تعلق اور اعلان جنگ کرنا ضروری تھا، کوئی انسان ایک وقت میں ان دونوں کشتیوں پر سوار نہیں ہوسکتا تھا، معاشی جدوجہد، غفلت وخدا فراموشی کے بغیر حکومت وسلطنت دینی واخلاقی تعلیمات کو نظر انداز کئے اور خوفِ خدا سے خالی ہوئے بغیر، اور دیندار بننا تارک الدنیا ہوئے بغیر متصور ہی نہیں تھا، ظاہر ہے کہ انسان عام طور پر سہولت پسند اور لذت پرست واقع ہوا ہے، دین کا ایسا تصور جس میں دنیا کی کسی جائز تمتع، ترقی اور سربلندی، طاقت وحکومت کے حصول کی گنجائش نہ ہو، انسانوں کی اکثریت کے لئے قابل قبول اور قابل برداشت نہیں، نتیجہ یہ ہوا کہ دنیا کہ متمدن، ذہین، صاحب صلاحیت، اور باعمل انسانوں کی بڑی تعداد نے اپنے لئے ''دین'' کے بجائے ''دنیا'' کا انتخاب کیا، اور اس نے اس پر اپنے کو مطمئن وراضی کرلیا، وہ ہر قسم کی دینی ترقی سے مایوس ہوکر دنیا کے حصول اور اس کی ترقی میں مشغول ہوگئی، دین ودنیا کے اس تضاد کو ایک مذہبی اور مسلم حقیقت سمجھ کر انسانوں کے مختلف طبقوں اور انسانی اداروں نے عام طور پر مذہب کو خیر باد کہا، سیاست وریاست نے مذہب کے نمائندہ کلیسا سے بغاوت کی اور اپنے کو اس کی ہر پابندی سے آزاد کرلیا، انسان ''پیل بے زنجیر'' اور معاشرہ ''شتر بے مہار'' ہوکر رہ گیا، دین ودنیا کی اس دوئی اور اہل دین اور اہل دنیا کی معاشرہ کو اس کی برکت ورحمت سے محروم کردیا، بلکہ اس الحاد

ولادینیت کا دروازہ کھولا جس کا سب سے پہلے یورپ شکار ہوا، پھر دنیا کی دوسری قومیں جو یورپ کے فکری، علمی، یا سیاسی اقتدار کے زیر اثر آئیں، اس سے کم وبیش متاثر ہوئیں، موجودہ دنیا کی صورت حال جس میں مذہب واخلاق کا زوال، اور نفس پرستی (اپنے وسیع معنی میں) اپنے آخری نقطہ پر پہونچ گئی ہے، اسی دین ودنیا کی تفریق کا نتیجہ ہے۔

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ عظیم ترین معجزہ اور انسانیت کے لئے عظیم ترین تحفہ اور آپؐ کی رحمۃ للعالمینی کا مظہر ہے کہ آپؐ کامل طور پر رسول وحدت ہیں، اور بہ یک وقت "بشیر" و "نذیر" ہیں، آپؐ نے دین ودنیا کے تضاد کے نظریہ کو ختم کر کے پوری زندگی کو عبادت میں اور پورے روئے زمین کو ایک وسیع عبادت گاہ میں تبدیل کر دیا، دنیا کے انسانوں کو متحارب کیمپوں سے نکال کر حسن عمل، خدمت خلق اور حصول رضاء الٰہی کے ایک ہی محاذ پر کھڑا کر دیا، یہاں لباس دنیا میں درویش، قباء شاہی میں فقیر وزاہد، سیف وتسبیح کے جامع، رات کے عبادت گزار اور دن کے شہ سوار نظر آئیں گے، اور ان کو اس میں کسی قسم کا تضاد محسوس نہیں ہوگا۔

چھٹا انقلاب یہ ہے کہ بعثت محمدی سے پہلے انسان اپنی منزل مقصود سے بے خبر تھا، اس کو یاد نہیں رہا تھا کہ اس کو کہاں جانا ہے؟ اس کی صلاحیتوں کا اصل میدان اور اس کی کوششوں کا اصل نشانہ کیا ہے؟ انسان نے کچھ موہوم منزلیں اور اپنی کوششوں کے لئے کچھ چھوٹے چھوٹے دائرے بنا لئے تھے، ان میں انسانوں کی ذہانت اور قوت عمل صرف ہو رہی تھی، کامیاب اور بڑا انسان بننے کا مطلب صرف یہ تھا کہ میں دولت مند بن جاؤں، طاقتور اور حاکم بن جاؤں، وسیع سے وسیع رقبۂ زمین اور کثیر سے کثیر انسانی نفوس پر میری حکمرانی اور فرماں روائی قائم ہو جائے، لاکھوں آدمی ایسے تھے، جن کا پرواز تخیل، نفس ونگار، رنگ وآہنگ، لذت وذائقہ اور بلبل وطاؤس، یا چوپایہ وحیوان کی تقلید سے بلند نہیں ہوتا تھا، ہزاروں انسان ایسے تھے، جن کی ساری ذہانت اپنے زمانہ کے دولت مندوں اور طاقت وروں اور سرکار دربار کی خدمت وخوشامد یا بے مقصد ادب وشاعری سے دل خوش کرنے میں صرف ہو رہی تھی، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نسل انسانی کے سامنے اس کی حقیقی منزل لا کر کھڑی کر دی، آپؐ نے یہ بات دل پر نقش کر دی کہ خالق کائنات کی صحیح معرفت، اسکی ذات وصفات اور اس کی قدرت وحکمت کا صحیح علم، ملکوت السماوات والارض کی وسعت وعظمت اور لامحدودیت کی دریافت ایمان ویقین کا حصول خدا کی محبت ومحبوبیت، اس کو راضی کرنا اور اس سے راضی ہو جانا، اس کثرت میں وحدت کی تلاش اور یافت، انسان کی حقیقی سعادت اور کمالِ آدمیت ہے، اپنی باطنی قوتوں کو ترقی

دینا، ایمان ویقین کی دولت سے بالا مال ہونا، انسانوں کی خدمت اور ایثار وقربانی کے ذریعہ خدا کی خوشنودی کا حاصل کرنا، اور کمال وترقی کے ان اعلیٰ مدارج تک پہنچ جانا، جہاں فرشتے بھی نہیں پہنچ سکتے، انسان کی کوششوں کا حقیقی میدان ہے۔

آپ کی بعثت کے بعد دنیا کی رت بدل گئی، انسانوں کے مزاج بدل گئے، دلوں میں خدا کی محبت کا شعلہ بھڑکا، خدا طلبی کا ذوق عام ہوا، انسانوں کو ایک نئی دھن (خدا کو راضی کرنے اور خدا کی مخلوق سے ملانے اور اس کو نفع پہنچانے کی) لگ گئی، جس طرح بہار یا برسات کے موسم میں زمین میں روئیدگی، سوکھی ٹہنیوں اور پتیوں میں شادابی اور ہریالی پیدا ہو جاتی ہے، نئی نئی کونپلیں نکلنے لگتی ہیں، اور در و دیوار پر سبزہ اگنے لگتا ہے، اسی طرح بعثت محمدی کے بعد قلوب میں نئی حرارت دماغوں میں نیا جذبہ اور سروں میں نیا سودا سما گیا، کروڑوں انسان اپنی حقیقی منزل مقصود کی تلاش اور اس پر پہنچنے کے لئے نکل کھڑے ہوئے، ہر ملک اور قوم میں طبیعتوں میں یہی نشہ اور ہر طبقہ میں اس میدان میں ایک دوسرے سے بازی لے جانے کا یہی جذبہ موجزن نظر آتا ہے، عرب وعجم، مصر وشام، ترکستان اور ایران، عراق وخراسان، شمالی افریقہ اور اسپین اور بالآخر ہمارا ملک ہندوستان اور جزائر شرق الہند سب اسی صہبائے محبت کے متوالے اور اسی مقصد کے دیوانے نظر آتے ہیں، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے انسانیت صدیوں کی نیند سوتے سوتے بیدار ہوئی، آپ تاریخ وتذکرے کی کتابیں پڑھئے تو آپ کو نظر آئے گا کہ خدا طلبی اور خدا شناسی کے سوا کوئی کام ہی نہ تھا، شہر شہر، قصبہ قصبہ، گاؤں گاؤں بڑی تعداد میں ایسے خدامست، عالی ہمت، عارف کامل، داعی حق، اور خادم خلق، انسان دوست ایثار پیشہ انسان نظر آتے ہیں، جن پر فرشتے بھی رشک کریں، انھوں نے دلوں کی سرد انگیٹھیاں گرمادیں، عشق الٰہی کا شعلہ بھڑکا دیا علوم وفنون کے دریا بہادیئے، معرفت ومحبت کی جوت جگادی، اور جہالت ووحشت، ظلم وعداوت سے نفرت پیدا کردی، مساوات کا سبق پڑھایا، دکھوں کے مارے اور سماج کے ستائے ہوئے انسانوں کو گلے لگایا، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بارش کے قطروں کی طرح ہر چپۂ زمین پر ان کا نزول ہوا ہے اور ان کا شمار ناممکن ہے۔

آپ انکی کثرت (کمیت) کے علاوہ ان کی کیفیت کو دیکھئے، ان کی ذہنی پرواز ان کی روح کی لطافت اور ذکاوت اور ان کے ذوقِ سلیم کے واقعات پڑھئے، انسانوں کے لئے کس طرح ان کا دل روتا، اور ان کے غم میں گھلتا، کس طرح ان کی روح سلگتی تھی، انسانوں کو مصیبت سے نجات دینے کے لئے وہ کس طرح اپنے کو خطرہ میں ڈالتے اور اپنی اولاد اور متعلقین کو آزمائش میں مبتلا کرتے تھے، ان کے حاکموں کو اپنی ذمہ داری کا کس قدر احساس اور محکوموں میں اطاعت وتعاون کا کس قدر جذبہ

تھا، ان کے ذوق عبادت ان کی قوتِ دعا ان کے زہد وفقر جذبۂ خدمت اور مکارم اخلاق کے واقعات پڑھیے نفس کے ساتھ ان کا انصاف اپنا احتساب، کمزوروں پر شفقت، دوست پروری، دشمن نوازی، ہمدردی خلائق کے نمونے دیکھئے، بعض اوقات شاعروں اور ادیبوں کی قوّت متخیلہ بھی ان بلندیوں تک نہیں پہنچتی، جہاں وہ اپنے جسم وعمل کے ساتھ پہنچے اگر تاریخ کی مستند اور متواتر شہادت نہ ہوتی تو یہ واقعات، قصے کہانیاں اور افسانے معلوم ہوتے۔

اب ہم اختصار اور انتخاب کے طور پر ان چند بنیادی اور قیمتی عطیوں کا ذکر کریں گے، جن کا نوع انسانی کی رہنمائی، صلاح وفلاح اور تعمیر وترقی میں نمایاں کردار رہا ہے، اور جنھوں نے ایک زندہ اور درخشندہ دنیا کی تخلیق وتشکیل کی ہے، جو کہنہ اور زوال پذیر دنیا سے کوئی مشابہت نہیں رکھتی۔

وہ عطیات (GIFTS) درج ذیل ہیں:۔

۱۔ صاف اور واضح عقیدۂ توحید۔

۲۔ انسانی وحدت ومساوات کا تصور۔

۳۔ انسانیت کے شرف اور انسان کی عزّت وبلندی کا اعلان۔

۴۔ عورت کی حیثیت عرفی کی بحالی، اور اس کے حقوق کی بازیابی۔

۵۔ ناامیدی اور بدفالی کی تردید، اور نفسیات انسانی میں حوصلہ مندی اور اعتماد وافتخار کی آفرینش۔

۶۔ دین ودنیا کا اجتماع اور حریف وبرسرجنگ انسانی طبقات کی وحدت۔

۷۔ دین وعلم کے درمیان مقدس دائمی رشتہ کا قیام واستحکام، اور ایک کی قسمت کو دوسرے کی قسمت سے وابستہ کر دینا، علم کی تکریم وتعظیم اور اسے بامقصد مفید اور خدارسی کا ذریعہ بنانے کی سعی محمود۔

۸۔ عقل سے دینی معاملات میں بھی کام لینے، فائدہ اٹھانے، اور انفس وآفاق میں غور وفکر کی ترغیب۔

۹۔ امت اسلامیہ کو دنیا کی نگرانی ورہنمائی، انفرادی واجتماعی اخلاق ورجحانات کے احتساب، دنیا میں انصاف کے قیام اور شہادت حق کی ذمہ داری قبول کرنے پر آمادہ کرنا۔

۱۰۔ عالم گیر اعتقادی وتہذیبی وحدت کا قیام۔

ہم اپنی طرف سے زیادہ کہنے اور تشریح کرنے کے بجائے چند مستند مغربی مفکرین ومصنفین اور ادباء ومؤرخین کے تأثرات واعترافات پیش کرتے ہیں۔

جان ولیم ڈریپر (JOHN WILLIAM DRAPER) یورپ کی ذہنی وعلمی تاریخ کے ضمن میں لکھتا ہے:۔

''۵۶۹ء میں جسٹی نین(JUSTINIAN) کی موت کے چار سال بعد سرزمین عرب کے شہر مکہ میں وہ شخص پیدا ہوا جس نے نسل انسانی پر سب سے زیادہ اثر ڈالا''(۱)۔

وہ مزید لکھتا ہے:۔

''محمدؐ میں وہ صفات جمع ہوگئی تھیں، جنھوں نے ایک سے زائد بار سلطنتوں کی قسمت کا فیصلہ کیا ہے.......... انھوں نے مابعد الطبیعات کے بیکار مباحث میں پڑنے کے بجائے لافانی صداقتوں پر زور دیا، اور اپنے آپ کو صفائی ستھرائی، سنجیدگی، روزے اور نماز کے ذریعہ لوگوں کو سماجی ترقی کے لئے وقف کر دیا''(۲)۔

اس صدی کا عظیم مفکر و مؤرخ ٹائن بی(TOYNBEE) لکھتا ہے:۔

''مسلمانوں میں نسلی امتیاز کا مکمل خاتمہ اسلام کا ایک عظیم کارنامہ ہے، موجودہ دنیا کی جو حالت ہے اس میں اسلام کی اس خصوصیت کی تبلیغ واشاعت وقت کی اہم ترین ضرورت ہے''(۳)۔

یہ عجیب اتفاق ہے کہ دوسو سال قبل تھامس کارلائل(THOMAS CARLYL) نے تمام پیغمبروں میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا ہیرو منتخب کیا تھا، اور اب بیسویں صدی کے اخیر میں امریکہ کے مائکل ایچ ہارٹ(MICHAEL H. HART) نے ان لوگوں کی فہرست میں جو تاریخ عالم میں انسانیت پر سب سے زیادہ اثر انداز ہوئے ہیں، آپ ہی کا نام سرفہرست رکھا ہے۔(۴)

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متبعین اور آپ کی پیدا اور تربیت کی ہوئی امت کے پوری نسل انسانی پر جو ناقابل فراموش احسانات ہیں، اور اس تہذیب وتمدن کے بقا وارتقاء کے عمل میں اس کا جو عظیم الشان کردار رہا ہے اس کو مختصراً اہم دو ناقابل انکار تاریخی واقعات کی شکل میں پیش کرتے ہیں۔

تاریخ کے طالب علم جانتے ہیں کہ ساتویں صدی ہجری (تیرہویں صدی عیسوی) میں اچانک دنیا کے متمدن ممالک تہذیب وتمدن، علم وثقافت، اخلاق وانسانیت اور وسیع ترین اور عمیق ترین اثرات

---

(۱) JOHN WILLIAM DRAPER, A HISTORY OF THE INTELLECTUAL

(۲) DEVELOPMENT ON THE EUROPE, LONDON-1875, VOL. I.P. 229, IBID. P. 330

(۳) TOYNBEE, A.J. CIVILIZATION ON TRIAL. NEW YOURK-1948, P. 205

(۴) HART, MICHAEL. H. THE 100 A RANKING OF THE MOST INFLUENTIAL, PERSON IN HISTORY, NEW YORK, 1978, P. 26

رکھنے والے دو مذہبوں اسلام اور عیسائیت، ان کے پیروؤں، اور ان کی قائم کی ہوئی وسیع، ترقی یافتہ اور زرخیز سلطنتوں اور خود انسانیت کے مستقبل کو ایک ایسی صورت حال کا سامنا کرنا پڑا جو ماضی کی سب کوششوں پر پانی پھیر دینے والی، حال کے حسن و جمال اور فضل و کمال پر......... خط نسخ پھیر دینے والی اور مستقبل کے تمام روشن امکانات کو مشکوک و مدھم بنا دینے والی تھی، یہ نیم وحشی تاتاریوں اور منگولوں (۱) کا اپنے غیر معمولی اور عبقری (GENIUS) قائد چنگیز خاں (تموچن) کی قیادت میں متمدن مغربی و شمالی دنیا پر اچانک حملہ تھا، جو ۶۱۶ھ، ۱۲۱۹ء سے شروع ہوا، اس حملہ کی ہولناکی، ہوش ربائی، اور اس کے دنیا کے پورے تہذیبی و تمدنی، دینی و علمی، عقلی و فکری، تعمیری و صنعتی ورثہ کو برباد کر دینے کی صلاحیت اور اس کے آثار و امکانات کے ظاہر ہو جانے کا اندازہ ان چند اقتباسات سے ہوگا جو ہم چنگیز خاں کے مستند مؤرخ ہیرلڈ لیمب HAROLD LAMB کی کتاب GENGHIS KHAN سے پیش کرتے ہیں۔

"اس کے راستہ میں جو شہر آتے اکثر حرف غلط کی طرح مٹ جاتے، دریاؤں کے رخ بدل جاتے، صحراء کے صحراء سراسیمہ اور لب مرگ پناہ گزینوں سے بھر جاتے، اور اس کے گزر جانے کے بعد ان علاقوں میں جو کبھی آباد تھے، بھیڑیوں اور کرگسوں کے سوا کوئی زندہ مخلوق باقی نہ بچتی" (۲)۔

"عیسائی دنیا بھی چنگیز خاں کی موت (۳) کے بعد منگولوں کی اگلی پشت کے مقابلہ میں اتنی ہی سراسیمہ و حیران تھی، جب کہ خونخوار مغل شہسوار مغربی یورپ کو روندتے پھرتے تھے، پولینڈ کا بادشاہ بولسلاس اور ہنگری کا بادشاہ بیلا ہزیمت کھا کے جنگ کے میدانوں سے بھاگے تھے اور سائی لیسیا کا ڈیوک ہنری اپنے تیوتانی شہسواروں کے ساتھ لڑتا ہوا لیگ نٹز (LIEGNITZ) (۴) میں مارا گیا تھا" (۵)۔

"یہ ایک ایسی جنگ تھی جو ہر حد سے متجاوز تھی، اس حد تک جیسی دوسری عالمگیر جنگ، یہ بغیر منافرت کے بنی نوع انسان کا قتل عام تھا، جس کا مقصد محض انسانوں کو فنا کرنا تھا" (۶)۔

---

(۱) مغربی مصنفین اور انگریز لکھنے والے تاتاریوں کو عام طور پر MONGOLS کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

(۲) HAROLD, LAMB, GENGHIS KHAN (LONDON-1928), (۳) ۶۲۴ھ

(۴) لیگ نٹز LIEGNITZ جرمنی کی مشرقی سرحد کے قریب واقع ضلع وروکلا (WROCLAW) پولینڈ میں وروکلا شہر کے قریب بستی ہے، اس کا نیا نام لگنیکا (LEGNICA) ہے۔

(۵) GENGHIS KHAN, OP. CIT., P. 12

(۶) GENGHIS KHAN OP-CIT., P.166

''انسان کی طاقت سے باہر تھا کہ منگولوں کو روک سکیں، دشت وصحراء کے تمام خطروں پر وہ غالب آئے، پہاڑ، سمندر، موسمی سختیاں، قحط، وبائیں، کوئی بھی ان کی راہ میں مزاحم نہ ہوسکا، کسی قسم کے خطروں کا انھیں خوف نہ تھا، کوئی قلعہ ان کے حملہ کی تاب نہ لاسکتا تھا، اور رحم کے لئے کسی مظلوم کی فریاد ان پر اثر نہ کرتی تھی (۱)۔

''اس کی فتوحات کا زیادہ تر اس کے دشمن مؤخوں نے ذکر کیا ہے، تہذیب وتمدن پر اس کا حملہ اس قدر ہولناک اور تباہ کن تھا کہ نصف کرۂ ارض میں پھر نئے سرے سے ابتدا کرنی پڑی، پریسٹر جان کی حکومت اور ختا، قراختائی، خوارزم اور راس کے مرنے کے بعد، بغداد، روس، اور پولینڈ کی سلطنتیں نیست ونابود ہوگئیں، جب یہ ناقابل شکست وحشی کسی قوم کو فتح کرتا تو اور سب لڑائیاں خود بخود ختم ہوجاتیں، حالات کی پوری رفتار چاہے وہ پہلے اچھی ہوتی یا بری، بالکل بدل جاتی اور مغلوں کی فتح کے بعد جو لوگ باقی بچے ان کے درمیان عرصہ تک امن قائم رہتا'' (۲)۔

کیمبرج کی ''تاریخ عہد وسطیٰ'' کے مصنفوں نے منگولوں کے اس لرزہ خیز حملہ کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے:۔

''تاریخ عالم میں اس نئی قوت کا ظہور یعنی ایک شخص واحد کی یہ قابلیت کہ بنی نوع انسان کے تمدن کو بدل دے، چنگیز خاں سے شروع ہوا اور اس کے پوتے قوبیلائی خاں پر ختم ہوگیا، جس کے زمانہ میں مغلوں کی سالم اور بسیط سلطنت نے تقسیم وتفریق کے آثار ظاہر کرنے شروع کردیئے، ایسی طاقت پھر کبھی دنیا کے پردہ پر ظاہر نہیں ہوئی'' (۳)

یہ حملہ اور اسکی دہشت ترکستان وایران وعراق تک محدود نہ تھی یورپ کے دور دراز ملکوں تک پھیل چکی تھی، جہاں ان نیم وحشی تاتاریوں کا پہنچنا ایک بعید از قیاس بات تھی، گبن GIBBON اپنی مشہور کتاب ''تاریخ انحطاط وسقوط روما'' THE DECLINE AND FALL OF THE ROMAN EMPIRE میں لکھتا ہے:۔

''سویڈن کے باشندوں نے روس کے ذریعہ تاتاری طوفان کی خبر سنی، ان پر اتنی دہشت طاری ہوئی کہ وہ ان کے خوف سے اپنے معمول کے مطابق انگلستانی سواحل پر شکار کھیلنے کے لئے نہیں نکلے'' (۴)۔

---

(۱) IBID, P.206 (۲) IBID, P.210

(۳) GENGHIS KHAN, OP. CIT., P.210

(۴) EDWARD GIBBON, THE DECLINE AND FALL OF THE ROMAN EMPIRE, VOL III, NEW YORK, N.D.P. 634.

تا تاریوں نے پہلے بخارا کی اینٹ سے اینٹ بجادی اور اس کو ایک تودۂ خاک بنادیا، شہر کی آبادی میں سے کوئی زندہ نہیں بچا، پھر سمرقند کو خاک سیاہ کردیا، اور ساری آبادی کو فنا کے گھاٹ اتار دیا، یہی حشر عالم اسلام کے نامی گرامی شہروں کا ہوا، اس کا پورا امکان تھا، اور یورپ کی اخلاقی حالت، سیاسی انتشار وابتری، اور معاشرہ کی وہ خرابی (جس کا ہم نے حقیقت پسند اور حقیقت نگار مغربی مصنفین کے حوالہ سے اوپر ذکر کیا ہے) اس کی دعوت دیتے تھے، اور اس کے لئے فضا ہموار کرتے تھے کہ عالم اسلام کی آخری متحدہ طاقت خوارزم شاہی سلطنت کو نیست ونابود کرنے اور عالم اسلام کی مرکزی آباد اور گلزار شہروں کو کھنڈر بنانے کے بعد تا تاری مسیحی مغرب کا رخ کریں اور اس کا بھی وہی حشر ہو جو اسلامی مشرق کا ہوا۔ ایچ جی ولز (H. G. WELLS) کا قول ہم نقل کر چکے ہیں کہ:۔

''اگر کوئی سیاسی پیشین گو ساتویں صدی کے آغاز میں دنیا کا جائزہ لیتا تو اس نتیجہ پر پہنچتا کہ صرف چند صدیوں کی بات ہے کہ پورا یورپ اور ایشیا منگولوں کے زیر اقتدار آجائے گا'' (۱)۔

ہیرالڈ لیمب (HAROLD LAMB) لکھتا ہے:۔

''(چنگیز خاں) کی جہاں آشوبی وغارت گری نے تمدن کو ایسا سخت صدمہ پہنچایا کہ نصف دنیا میں تہذیب وشائستگی کو مکرر از سر نو جنم لینا پڑا..... خوارزم کی سلطنت، بغداد کی خلافت، روس کی مملکت اور کچھ دنوں کے لئے پولینڈ (پولار) کی حکومتیں مٹ گئیں'' (۲)۔

وہ مزید لکھتا ہے:۔

''جس وقت مغلوں نے دھاوا کیا تو جرمن فوجیں اور پولینڈ کی فوجیں مغلوں کے حملہ کی تاب نہ لاسکیں اور مغلوں نے ان کو تقریباً نیست ونابود کردیا'' (۳)۔

لیکن دفعتاً معجزہ کی طرح ایک واقعہ ایسا پیش آیا جس نے تاریخ کا رخ ہی بدل دیا، اور متمدن دنیا کو اطمینان کا سانس لینے ہی کا نہیں بلکہ تمدن وتہذیب، قوت واستحکام اور ترقی وخوشحالی اور علم وفکر کی خدمت کا نیا سفر شروع کرنے کا موقع دیا، وہ یہ کہ یہ ناقابل تسخیر فاتح قوم اپنے مفتوح اور بے دست وپا مسلمانوں کے دین کی حلقہ بگوش بن گئی، جو اپنی ہر قسم کی مادی وسیاسی طاقت کھو چکا تھا، اور جس کے پیروؤں کو تا تاری سخت ذلت وحقارت کی نظر سے دیکھتے تھے، پروفیسر ٹی ڈبلو آرنالڈ (T. W. ARNOLD) اپنی مشہور کتاب ''دعوتِ اسلام'' PREACHING OF ISLAM

---

(۱) A SHORT HISTORY OF THE WORLD, OP. CIT., P.144

(۲) GENGHIS KHAN, OP. CIT., P. 206.

(۳) IBID, P. 231

میں استعجاب کا اظہار کرتے ہوئے لکھتا ہے:

''لیکن اسلام اپنی گزشتہ شان وشوکت کے خاکستر سے پھر اُٹھا، اور واعظین اسلام نے انھیں وحشی مغلوں کو جنھوں نے مسلمانوں پر کوئی ظلم باقی نہ رکھا تھا، مسلمان کرلیا''(۱)۔

جن مخلصین نے ان خون آشام تاتاری قوم کو اسلام کا حلقہ بگوش بنایا، ان میں بہت کم لوگوں کے نام دنیا کو معلوم ہیں، مگران کا یہ کارنامہ تاریخ عالم کے کسی تعمیری، اصلاحی، یا انقلابی کارنامہ سے کم نہیں، ان کا احسان نہ صرف مسلمانوں پر، نہ صرف مسیحی مغرب پر بلکہ پوری انسانیت پر قیامت تک رہے گا کہ انھوں نے دنیا کو وحشت وبربریت اور ایک بے یقینی اور سراسیمگی کی عالمگیر کیفیت سے نکال کر، نظم وانضباط، علم دوستی وعلم پروری، جوہر شناسی اور فضل وکمال کی قدردانی کی فضا میں منتقل کردیا، اور علم وفکر، تصنیف وتالیف، تدریس وتعلیم، فن وادب نے ایک معتدل فضا اور فضل وکمال اور محنت وجگر کاوی کی قدر کرنے والوں کے سایہ میں نئے سرے سے اپنا سفر شروع کیا۔

چنگیز خاں کی سلطنت اس کے انتقال کے بعد اس کے چار بیٹوں کی چار شاخوں میں بٹ گئی تھی، ان چاروں شاخوں میں اسلام کی اشاعت تیزی کے ساتھ شروع ہوگئی اور تاتاری خاقان اور ان کی دعوت وتبلیغ واثر سے تاتاری قوم مسلمان ہونا شروع ہوگئی، یہاں تک کہ ایک صدی کے اندر اندر تقریباً ساری تاتاری قوم مسلمان ہوگئی (۲)۔

اسلام کی اس اشاعت کا فرض انجام دینے والوں اور ان بزرگوں اور کارپردازان حکومت کے واقعات کا جن کی اخلاقی بلندی، دل آویزی، ذاتی کردار اور خلوص وروحانیت کے اثر سے یہ خون آشام اور جنگجو تاتاری اسلام قبول کرنے پر آمادہ ہوئے، آج بھی دلوں کو تڑپاتے اور روحوں کو گرمادیتے ہیں (۳)۔

تاتاری من حیث القوم نہ صرف مسلمان ہوئے بلکہ ان میں بڑے بڑے مجاہد، بڑے بڑے عالم اور فقیہ اور بڑے بڑے باخدا درویش پیدا ہوئے، ان میں متعدد مصنف اور دانشور اور ادیب وشاعر بھی ہوئے۔

---

(۱) T.W. ARNOLD, THE PREACHING OF ISLAM, (LONDON-1935) P. 227

(۲) تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو مصنف کی کتاب ''تاریخ دعوت وعزیمت'' حصہ اول ص ۳۲۲۔۳۳۴، بعنوان ''تاتاریوں میں اشاعت اسلام''۔

(۳) ان کے بعض نمونے پروفیسر آرنلڈ کی کتاب PREACHING OF ISLAM اور مصنف کی کتاب ''تاریخ دعوت وعزیمت'' میں دیکھے جاسکتے ہیں۔

تاتاریوں کا قبول اسلام جس سے ان کا مزاج، ذوق ورجحان اور انسانیت وتمدن کے بارے میں نقطۂ نظر بدلا، صرف اسلامی مشرق پر ہی احسان نہیں ہے، بلکہ مسیحی مغرب اور ہندوستان کے تحتی برّ اعظم (SUB-CONTINENT) پر بھی احسان عظیم ہے، جس پر اسی ساتویں صدی ہجری، (تیرہویں صدی عیسوی) میں انھوں نے بیس تیس بار حملے کئے مگر ترکی النسل مسلمان سلاطین نے جن میں سلطان علاء الدین خلجی (م ۷۱۶ھ۔ ۱۳۱۶ء) اور اس کا فوجی قائد، الملک الغازی غیاث الدین تغلق شاہ (م ۷۲۵ھ۔ ۱۳۲۴ء) خاص طور پر قابل ذکر ہیں، ہر بار ان کو پسپا کر دیا، اور اس طرح یہ قدیم زرخیز ملک اور اس کا تہذیبی وعلمی ورثہ اور خود وہاں کے دو بڑے مذاہب اسلام اور ہندو مذہب (اپنی ساری شاخوں کے ساتھ) تاتاریوں کی غارت گری سے محفوظ رہے۔

عالم انسانیت اور بالخصوص مغرب پر (جس کو مستقبل قریب میں اہم اور انقلاب انگیز علمی اکتشافات، ایجادات واختراعات اور زندگی اور باہمی واقفیت کو سہل بنانے والے وسائل وآلات کا دریافت کرنے والا، اور دنیا کے دسترس میں دینے والا ملک بننا تھا) امت مسلمہ کا یہ کارنامہ (تاتاری قوم کی نفسیاتی تبدیلی) ایک حفاظتی اور انتظامی نوعیت کا کارنامہ اور احسان تھا۔

اس کے بالمقابل اس کا ایک دوسرا کارنامہ یورپ کو علم وفکر کے نئے سرچشموں سے نہ صرف متعارف کرنا، بلکہ ان سے مستفید کرنا تھا، جس نے یورپ کی قرون مظلمہ (DARK AGE) میں اس کو نئی روشنی دکھائی، اور اس نشأۃ ثانیہ (RENAISSANCE) کے لئے راہ ہموار کی، جس نے نہ صرف یورپ کی دنیا بدل دی بلکہ پوری دنیا کو نئے حقائق اور معلومات سے آشنا کیا، اور تجربی علم (Science) کا وہ دور شروع ہوا جس نے اس دنیا کی کایا پلٹ دی، یہ اندلس (MUSLIM SPAIN) جس کے راستہ سے یورپ میں قدیم علمی ترکہ (فلسفہ وحکمت ریاضی وطب) منتقل ہوا، اس نے مغرب کو جو سب سے بڑا علمی تحفہ دیا وہ حقیقت پسندی اور منطق استقرائی (INDUCTIVE LOGIC) کا تحفہ تھا، اور جس نے قیاس واستخراج (DEDUCTIVE LOGIC) کی جگہ لی، جس نے مغرب کے طریق فکر ہی کو بدل دیا، اور اس کے نتیجہ میں سائنس اور ٹکنالوجی کو نہ صرف ترقی کرنے کا موقع ملا بلکہ حقیقت میں ان کا وجود عمل میں آیا، مغرب کی ساری مفید تحقیقات، سائنس کے تجربات اور تسخیر کائنات کی جزئی ومحدود کامیابیاں اور زندگی کے سفر کی مشکلات کا کسی حد تک ازالہ اسی "منطق استقرائی" کا نتیجہ ہے، جس سے یورپ ناآشنا تھا، اور جو اس کو آزاد خیال اور جرأت مند محققین کی تحقیق کے مطابق مسلمان اسپین کے ذریعہ حاصل ہوا، مشہور فرانسیسی

فاضل اور مؤرخ (Gustave-Lebon) لکھتا ہے:۔

''لوگ تجربہ اور معائنہ (منطق استقرائی) کو جدید علمی تحقیقات میں بنیاد کا درجہ دیتے ہیں (FRANCIS BACON) کی طرف منسوب کرتے ہیں، لیکن ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اب اس کا اعتراف کیا جائے کہ یہ پورا طریقہ اور نظامِ فکر عربوں کی دین ہے'' (۱)۔

رابرٹ بری فالٹ ROBERT BRIFFAULT اپنی کتاب ''تعمیر انسانیت'' THE MAKING OF HUMANITY میں لکھتا ہے:۔

''یورپ کی ترقی کا کوئی شعبہ اور کوئی گوشہ ایسا نہیں ہے جس میں اسلامی تمدن کا دخل نہ ہو اور اس کی ایسی نمایاں یادگاریں نہ ہوں، جنھوں نے زندگی پر بڑا اثر ڈالا ہے'' (۲)۔

دوسری جگہ لکھتا ہے:۔

''صرف طبعی علوم ہی (جن میں اندلسی عربوں کا احسان مسلم ہے) یورپ میں زندگی پیدا کرنے کے ذمہ دار نہیں ہیں، بلکہ اسلامی تمدن نے یورپ کی زندگی پر بہت عظیم الشان اور مختلف النوع اثرات ڈالے ہیں، اور اسکی ابتداء اسی وقت سے ہو جاتی ہے جب اسلامی تہذیب وتمدن کی پہلی کرنیں یورپ پر پڑنی شروع ہوتی ہیں'' (۳)

یورپ کی دینی تاریخ اور عیسائی کلیسا کی تاریخ کا مطالعہ کرنے والے پاپائی نظام کے مصلحین اور اس کے بانیوں پر اسلام کے ذہنی وفکری اثرات کا کچھ اندازہ کر سکتے ہیں۔

سولہویں صدی مسیحی میں برپا ہونے والی لوتھر (LUTHER) کی تحریک اصلاح میں بھی اسلامی تعلیمات کا انعکاس ملتا ہے جیسے کسی شیشہ میں دور کی روشنی کی شعاعیں نظر آتی ہیں، اسی طرح قرون متوسط کی قدامت پرستی اور کلیسائی جبر کے خلاف تحریکوں سے یہ روشنی چھن چھن کر نظر آتی ہے (۴)۔

علامہ اقبال نے اپنی ایک نظم میں ان احسانات اور فتوحات کا ذکر کیا ہے، جو بعثت محمدیؐ اور ذات رسالت پناہ سے وجود میں آئیں اور جن کی مثال مذاہب واصلاحات کی تاریخ اور ناموران عالم

---

(۱) تمدن عرب از گستاولی بان ترجمہ از فرنچ شمس العلماء مولوی سید علی بلگرامی، ص ۴۰۰، مطبوعہ اتر پردیش اردو اکاڈمی لکھنو، ۱۹۸۵ء

(۲) ROBERT BRIFFAULT. THE MAKING OF HUMANITY. (LONDON-1919),P. 190.

(۳) ملاحظہ ہو انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا میں مارٹن لوتھر پر مقالہ

(۴) IBID, P. 202.

کی زندگی میں نہیں ملتی۔

اقبال کہتے ہیں۔

ازدم سیرابِ آں اُمی لقب لالہ رُست ازریگِ صحرائے عرب
حرّیت پروردۂ آغوش اوست یعنی امروزِ اُمم ازدوشِ اوست
اودلے درپیکر آدم نہاد اونقاب از طلعت آدم کشاد
ہر خداوند کہن رااو شکست ہرکہن شاخ از نم اوغنچہ بست
گرمی ہنگامۂ بدر و حُنین حیدرؓ وصدیقؓ وفاروقؓ وحسینؓ
سطوت بانگ صلوٰت اندر نبرد قراء ت الصّافات اندر نبرد
تیغ ایّوبی نگاہ بایزید گنجہائے ہردو عالم را کلید
عقل ودل را مستی از یک جام مے اختلاط ذکر وفکر روم ورے
علم وحکمت، شرع ودیں نظم امور اندرون سینہ دل ہانا صبور
حُسن عالم سوز الحمرا وتاج آنکہ از قدّو سیاں گیرد خراج
ایں ہمہ یک لحظہ از اوقات اوست یک تجلّی از تجلیات اوست
ظاہرش ایں جلوہ ہائے دل فروز باطنش از عارفاں پنہاں ہنوز

اس اُمّی لقب نبی کی خوش انفاسی کے فیض سے صحرائے عرب کے ریگزاروں میں گل ولالہ کی بہار آ گئی۔

آزادی کا جذبہ آپ ہی کی آغوش مبارک کا پروردہ ہے، اوراس طرح گویا اقوامِ عالم کی موجودہ ترقیاں آپؐ کے عظیم الشان ماضی کا ثمرہ اور نتیجہ ہیں۔

انسان کے پیکر خاکی میں آپ نے دھڑکتا ہوا دل رکھ دیا اور صحیح معنوں میں انسان کی صلاحیتوں سے پردہ اٹھایا اوراس کے جوہر ذاتی کو آشکار کیا۔

آپؐ نے تمام ہی خدایانِ کہن کو شکست فاش دی اور آپؐ کے فیض سے مرجھائی ہوئی شاخوں پر برگ وبار آنے لگے۔

بدرو حنین کی گرمی ہنگامہ آپ ہی کے جوش وخروش کے دم سے تھی، اور حضرت صدیقؓ وفاروقؓ وحیدر کرارؓ اور شہید عالی مقام حضرت حسینؓ کی انقلابی شخصیتیں آپؐ ہی کی ہمہ صفت ذات کی تجلیاں تھیں۔

حالت جنگ میں بلند ہونے والی اذان کی سطوت وہیبت اور تلاوت الصافات کی لذّت وحلاوت آپؐ ہی کی دی ہوئی ہے۔

صلاح الدین ایوبی کی شمشیر آبدار اور بایزید بسطامی کی نگاہ حقیقت میں دوعالم کے خزانوں کی کلید ثابت ہوئیں۔

ساقیِ کوثر کے ایک جام سے عقل ودل دونوں ہی مست وسرشار ہوگئے، اور آپؐ کی تربیت گاہ میں رومی کا ذکر اور رازی کی فکر فلک پیما ہم آہنگ ہوگئی۔

علم وحکمت، دین وشریعت، انتظام سلطنت اور دنیا کے اندر پھیلی ہوئی روحانی طلب وتلاش اور سینوں میں دلوں کی بے قراری۔

الحمراء اور تاج محل کا وہ حسن عالم سوز ودل افروز جو فرشتوں سے بھی خراج عقیدت لے لیتا ہے۔

یہ سب کارنامے آپؐ کے اوقات عزیز وگراں مایہ کے ایک مختصر لمحے، اور آپؐ کی بے شمار تجلیات میں سے ایک تجلی اور ایک جھلک کی حیثیت رکھتے ہیں۔

آپؐ کے فیض ظاہری کے اثرات ان جلوہ ہائے دل فروز کی شکل میں تو ظاہر ہوگئے، لیکن آپؐ کے وجود مبارک کا باطنی پہلو عارفانِ کامل کی نگاہ سے اب بھی پوشیدہ ہے، یہ انقلاب عظیم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عظیم معجزہ اور آپؐ کی رحمۃ للعالمینی کا کرشمہ ہے۔ صدق الله العظيم.

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ. (الانبیاء۔۱۰۷)

اشاریہ

INDEX

محمد غیاث الدین ندوی

ترتیب جدید

محمد کلام الدین ندوی، جاوید اختر ندوی

شخصیات

الف

(سیدنا حضرت) آدم علیہ السلام: ۱۸، ۲۹، ۷۱، ۹۵، ۲۵۳، ۳۰۱، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۹، ۴۲۴، ۴۳۴

(سیدنا حضرت) ابراہیم علیہ السلام: ۲۴، ۲۹، ۴۵، ۴۷، ۴۸، ۴۹، ۶۳، ۶۴، ۶۵، ۶۶، ۶۷، ۶۸، ۸۸، ۱۸۰، ۳۴۶، ۴۰۲، ۴۰۸، ۴۲۲۔

(سیدنا حضرت) اسمٰعیل علیہ السلام: ۴۵، ۴۷، ۴۸، ۵۹، ۶۰، ۶۳، ۶۴، ۶۵، ۶۶، ۶۷، ۶۸، ۸۸، ۱۸۰، ۱۸۱

(سیدنا حضرت) ایوب علیہ السلام: ۴۰۸

(حضرت) ابوبکر صدیقؓ: ۷۸، ۱۰۳، ۱۰۸، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۸، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۸، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۸۹، ۱۹۱، ۱۹۲، ۲۱۳، ۲۴۹، ۲۹۲، ۳۰۷، ۳۲۱، ۳۲۳، ۳۲۹، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۴۶، ۳۵۹، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۴۳۴۔

(حضرت) ابراہیمؓ (صاحبزادے): ۹۵، ۱۸۹، ۱۹۱، ۱۹۲، ۲۱۳، ۲۴۶، ۲۶۳، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۷، ۳۹۲

ابراہیم الحربی: ۹۴

ابراہیم الشریف: ۸۶، ۱۵۵

ابرہہ: ۲، ۷۳، ۷۴، ۲۴۲، ۲۶۲، ۳۰۷

ابن ابی بلتعہ دیکھئے حاطب

ابن ابی حاتم: ۳۷۴

ابن ابی شیبہ: ۸۰، ۱۶۳، ۱۸۹

ابن اثیر: ۲۳۱

ابن اسحاق: ۴۱، ۶۸، ۱۳۶، ۱۵۸، ۱۷۲، ۲۱۲، ۲۲۵، ۳۱۵

ابن الاعرابی: ۲۶۷

ابن اموی: ۲۹۹

ابن تغری بروی: ۲۶۱

ابن جریر: ۸۸

ابن حجر عسقلانی: ۸۹، ۱۶۳، ۱۷۲، ۲۷۲، ۲۹۵، ۳۴۳

ابن خلدون: ۸۰، ۱۳۷، ۲۶۰

ابن الدغنہ: ۱۲۴، ۱۲۵

ابن ربیعہ بن حارث: ۳۵۱، ۳۵۲

ابن رواحہ: ۲۸۷

ابن جوزی: ۱۹۴، ۳۸۶

ابن سعد: ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۷۲، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۵۱، ۲۹۷، ۳۰۱، ۳۲۳

ابن سیدہ: ۱۶۳

ابن شہاب زہری: ۲۴۹، ۳۲۵

(حضرت) ابن عباس دیکھئے عبداللہ

ابن عبدالبر: ۸۰

ابن عبدربہ: ۱۳۷

ابن عبدیالیل: ۳۴۳

ابن عساکر: ۸۸، ۱۴۵، ۳۹۴

(حضرت) ابن عمرؓ: ۲۹۲، ۲۹۹، ۳۹۷، ۴۰۶، ۴۰۷

ابن عیینہ: ۲۶۴

ابن عائذ: ۲۹۲

ابن الغرقہ قریشی: ۲۲۸، ۲۸۸

ابن فورک: ۸۸

ابن قتیبہ: ۴۶، ۱۶۳
(امام) ابن القیم الجوزی: ۱۲، ۱۴۴، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۸۴، ۳۳۴، ۳۴۵، ۳۷۷، ۳۷۹، ۳۹۷
ابن کثیر: ۶۰، ۷۱، ۱۰۰، ۱۰۵، ۲۴۱، ۲۶۳، ۳۳۳، ۳۶۴، ۳۶۶، ۳۷۲
ابن الکلبی: ۲۹، ۱۷۴
(امام) ابن ماجہ: ۹۴، ۳۸۴
(حضرت) ابن مسعودؓ دیکھئے عبداللہ
ابن مکتوم: ۲۷۲
ابن منظور: ۲۶۷، ۲۶۸
ابن ہشام: ۱۲، ۶۸، ۸۷، ۸۸، ۹۱، ۱۵۱، ۱۵۴، ۱۵۸، ۱۷۶، ۲۴۹، ۲۶۳، ۲۷۶
ابن احیحہ بن سعد: ۸۱
(حضرت) ابوایوب انصاریؓ: ۱۳۷، ۱۶۶، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲
ابوبصیر دیکھئے عتبہ بن اسیر
ابوبکر بن الانباری: ۳۲۱
(حضرت) ابوبکرہؓ: ۳۱۵
ابوجعفر محمد الباقر: ۱۰۰
(حضرت) ابوجندل بن سہیلؓ: ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۹
ابوجہل (ابوالحکم بن ہشام): ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۲۰، ۱۲۳، ۱۸۹، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۶۲
ابوحارثہ (پادری): ۳۴۰
(حضرت) ابوحذیفہؓ: ۱۴۱
ابوحرہ رقاشی: ۳۵۳
(امام) ابوحنیفہؒ: ۲۱۰
(حضرت) ابوحمیدؓ: ۳۹۶
(امام) ابوداؤد طیالسی: ۳۸۶، ۳۹۱، ۴۷۱
(حضرت) ابودجانہؓ: ۲۰۲، ۲۰۵
(حضرت) ابودرداءؓ: ۳۸۵
(حضرت) ابوذر غفاریؓ: ۱۳۱، ۳۸۴، ۳۸۷
ابوزید: ۳۲۲
(حضرت) ابوسعید خدریؓ: ۳۶۶، ۴۰۴
(حضرت) ابوسفیان بن حارث: ۸۱، ۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۹، ۲۰۸، ۲۱۲، ۲۱۶، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۴۳، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۴، ۳۱۱، ۳۱۵، ۳۲۰، ۳۲۲، ۳۷۱۔
(حضرت) ابوسفیان ثقفیؓ: ۳۲۰
(حضرت) ابوسفیان بن حربؓ: ۱۹۸، ۲۰۰، ۲۱۸، ۲۹۶، ۲۹۷
(حضرت) ابوسلمہؓ: ۱۳۹، ۱۴۰
ابوالعباس شہاب الدین احمد قسطلانی: ۲۵۴
ابوصالح (مؤرخ): ۲۶۰
ابوطالب: ۹۱، ۹۲، ۹۵، ۱۰۳، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۵، ۳۷۸، ۴۰۸
(حضرت) ابوطلحہ انصاریؓ: ۱۶۳، ۲۱۹، ۳۶۹، ۴۰۴
(حضرت) ابوالعاص بن ابی ربیعؓ: ۱۹۷، ۳۷۸
ابوعامر الاشعری: ۳۱۲
(حضرت) ابوعبداللہ دیکھئے عثمان بن عفانؓ
ابوعبید: ۱۷۴، ۲۶۶، ۳۴۱
(حضرت) ابوعبیدہ بن جراحؓ: ۱۰۴، ۲۰۴، ۲۷۱، ۲۸۸، ۳۴۱
ابوعبیدہ (امام لغت): ۲۶۷
ابوعزیز بن عمیر: ۱۹۴، ۱۹۷
ابوعمر ۔ دیکھئے سعد بن معاذؓ
(حضرت) ابوعمیرؓ: ۳۹۰
ابوالفداء: ۶۳

(حضرت) ابوقتادہؓ: ۳۲۳،۳۳۲
ابوکبشہ: ۳۲۲
(حضرت) ابولبابہؓ: ۲۲۹
ابولہب: ۸۱،۸۹،۱۰۵،۱۲۲،۱۳۰
(حضرت) ابومعبدؓ: ۱۴۸
(حضرت) ابوموسیٰ اشعریؓ: ۲۱۵،۳۳۹،۳۷۵
ابونعیم: ۱۵۲،۳۸۶،۳۸۸
ابوالولید دیکھئے عتبہ بن ربیعہ
ابوالولید محمد الازرقی: ۷۷،۸۶،۱۱۳
ابوہالہ: ۹۴،۳۸۰
(حضرت) ابوہریرہؓ: ۲۸،۱۶۴،۳۸۴،۳۸۷،۳۹۲،
۳۹۴،۴۰۱،۴۰۵،۴۰۶
ابواُمیہ: ۱۴۰
اُبی (مؤرخ): ۲۶۳
ابی بن خلف: ۲۰۷
احمد باشمیل دیکھئے محمد احمد: ۲۱۹
(امام) احمد بن حنبلؒ: ۶۸،۱۰۵،۱۶۱،۱۶۹،۱۸۹،۲۱۰،
۲۸۸،۳۵۰،۳۵۳،۳۵۷،۳۶۴،۳۹۳،۳۹۵،۳۹۷
احمد السباعی: ۸۶
احمد الشریف: ۱۵۵
اخیلس: ۶۱
آرتھر کرسٹن سین: ۲۷،۳۲،۳۳،۲۵۷
Athanasius: ۲۶۹
اردشیر: ۳۱
(حضرت) ارقم بن ابی الارقمؓ: ۱۰۴
اریوس مصری: ۲۶۸،۲۶۹
ازہری: ۲۶۸
(حضرت) اسامہ بن زیدؓ: ۲۹۸،۳۰۲،۳۰۳،۳۴۸،
۳۵۹،۳۶۰،۳۸۹

اسٹینلی لین پول:
(STANLEY LAN POOLE): ۲۳۳
اسحاق بن راہویہ: ۲۱۰
اسد: ۷۷
اسرائیل: ۷۰،۱۶۹
اسرائیل ولفنسن (ابوذؤیب)
(ISRAEL WELLPHENSON): ۱۴۹،۱۵۰،۱۵۵،
۱۵۶،۱۵۸،۱۵۹،۱۷۸،۱۷۹،۲۷۹،۲۸۰
(حضرت) اسعد بن زرارہؓ: ۱۳۳
(حضرت) اسماء بنت ابی بکرؓ: ۱۴۴
اسماء بنت یزید: ۳۷۷
(حضرت) اسید بن حضیرؓ: ۱۳۸،۳۹۷
(حضرت) اشعث بن قیس: ۳۳۹
اعشیٰ (جاہلی شاعر): ۲۷۱
اعمش: ۲۰۵
(شاہ) افرنگ: ۲۵۴
(علامہ) اقبال: ۴۱۸،۴۳۳،۴۳۴
اکیدر بن عبدالملک کندی نصرانی: ۳۲۸
الفرڈ بٹلر (ALFRED BUTLER): ۳۱،۲۵۱،
۲۶۰،۲۶۱
W. Arnold: ۴۳۰،۴۳۱
آلوسی دیکھئے محمود شکری
الون ٹافلر (ALWIN TOFLER): ۳۷۶،۳۷۷
الیاس بن مضر: ۸۸
الیگزینڈر: ۸۸،۲۴۹
(حضرت) امامہ بنت حمزہؓ: ۲۸۳
(حضرت) امامہؓ (نواسی رسولؐ): ۳۷۸
(حضرت) آمنہ (والدہ ماجدہ): ۸۷،۹۰،۳۹۸
(حضرت) اُمّ ایوبؓ: ۱۷۱

(حضرت) اُم ایمن (برکۃ حبشیہ): ۹۱، ۲۸۲، ۳۶۶
اُم جمیل: ۱۱۰
(حضرت) اُم حبیبہؓ: ۲۹۲، ۳۷۱
(حضرت) اُم ذمرہؓ: ۳۷۵
(حضرت) اُمّ سعدؓ: ۲۳۳
(حضرت) اُمّ سلمہؓ: ۱۳۹، ۲۳۸، ۳۶۹
(حضرت) اُمّ سلیطؓ: ۲۰۸
(حضرت) اُمّ سلیمؓ: ۲۰۸، ۲۸۲
اُمّ الفضل (بنت حارث): ۳۶۱
(حضرت) اُمّ کلثومؓ (بنت رسولؐ): ۳۷۷، ۳۷۸
(حضرت) اُمّ کلثوم (بنت فاطمہ زہراؓ): ۳۷۹
(حضرت) اُمّ معبد خزاعیہ: ۱۴۸
(حضرت) اُمّ ہانیؓ: ۳۰۲
(حضرت) اُمیمہؓ: ۷۷، ۱۰۷، ۱۰۸
اُمیہ بن خلف: ۲۱۲
اُمیہ بن صلت (شاعر): ۳۸۹
انجشہ: ۳۹۱
(حضرت) انس بن مالکؓ: ۹۰، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۸۲، ۲۹۴، ۳۶۳، ۳۶۶، ۳۷۰، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۴، ۳۹۶، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴۔
(حضرت) انس بن النضرؓ: ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۱۹
(امام) اوزاعی: ۲۱۰
اوی (شاہ مدین): ۲۳۱
اہاب: ۲۱۲
اہرمن: ۲۷، ۲۵۶
ایاس (فرزند ربیعہ بن حارث): ۳۹۵
اپیکروس (EPICURUS) یونانی فلسفی: ۳۳
ایڈورڈ گبن (EDWARD GIBBON): ۲۵۷، ۴۲۹
ایشوراٹوپا: ۲۸
اتھنسیس (ATHANASIUS): ۲۶۹

ب

بابویہ: ۲۶۴
باذان: ۲۶۴
بارتھ لیمی: ۲۵۴
بارسوتھ اسمتھ: ۵۳
باعور (شاہ مدین): ۲۳۱
بایزید بسطامی: ۴۳۵
(حضرت) بجیرؓ: ۳۲۰
بحیریٰ (راہب): ۹۲، ۹۳
(امام) بخاریؒ: ۶۸، ۹۴، ۱۰۵، ۱۱۰، ۱۵۴، ۱۶۳، ۱۶۶، ۱۸۸، ۲۱۰، ۲۱۵، ۲۶۷، ۲۸۰، ۳۲۳، ۳۴۱، ۳۸۴، ۳۸۹، ۴۰۵،
بدھ دیکھئے گوتم
(حضرت) بدیل بن ورقاء الخزاعیؓ: ۲۲۴
(حضرت) براء بن عازبؓ: ۱۶۹، ۱۹۵، ۲۲۰، ۳۸۳
(ڈاکٹر) برکات احمد: ۲۳۱
برنیر (فرانسیسی سیاح): ۳۵
(مولانا) برہان الدین سنبھلی: ۲۲
بستانی: ۳۲۲
(حضرت) بشر بن براء بن معرورؓ: ۱۵۲، ۲۸۰
بطلیموس: ۶۱
بلاذری: ۸۷، ۲۷۸
(حضرت) بلال حبشیؓ: ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۷۴، ۳۰۲، ۳۴۱، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۶۹، ۳۸۵
بلعام (شاہ مدین): ۲۳۱

بوڈلے: ۲۳۲،۳۷۶

بوزنطی ہولدیوس: ۸۰

بوسلاس: ۴۲۸

بہرام اول: ۳۲

بہرام چوبیں: ۲۵۸

بیلا: ۴۲۸

(حافظ) بیہقی: ۸۸،۱۸۹،۳۵۹،۳۶۰،۳۶۴

(علامہ) پٹنی دیکھئے محمد طاہر

(امام) ترمذیؒ: ۱۶۵،۳۸۴،۳۹۳

(علامہ) تقی الدین احمد المقریزی: ۱۵۷

تیم: ۷۷

Thomas Carlyl: ۴۲۷

تھیوڈوس: ۲۷۰

Toynbee: ۴۲۷

ث ج

(سیدنا حضرت) ثمود علیہ السلام: ۶۳

(امام) ثعالبی: ۱۶۳

ثعلب (امام لغت): ۲۶۷

ثعلبہ بن عمرو: ۱۳۳

(حضرت) ثمامہ بن اثال: ۷۹،۲۳۴،۲۳۵

ثوبیہ: ۸۹

ثیلی (THILLY): ۳۷

(حضرت) جابر بن سمرہؓ: ۳۸۹

(حضرت) جابر بن عبداللہؓ: ۲۱۵،۲۲۰،۲۲۱،۲۲۲، ۲۴۹،۳۵۲،۳۵۷،۳۸۸،۳۹۵،۳۹۶،۳۹۸،۴۰۰

جارج: ۲۶۰

جان ڈیوینپورٹ (JOHN DAVENPORT): ۳۳۵

جانس (A.H.M. JANES): ۲۶۲

جان المونر (JOHN THE ALMONER): ۲۶۰

(حضرت) جبار بن سلمہؓ: ۲۱۳

(حضرت) جبرئیلؑ: ۲۲۸،۲۲۹،۲۳۱،۳۵۶

(حضرت) جبیر بن مطعمؓ: ۲۰۲،۳۰۳

الجدکیردس (قیدس): ۲۶۱

جریج بن مینا المقوقس: ۲۶۰

جریر (شاعر): ۴۴

(حضرت) جریرؓ: ۳۰۶

(حضرت) جعفر بن ابی طالبؓ: ۸۴،۹۲،۱۱۴،۱۱۶، ۱۱۷،۱۱۸،۱۱۹،۲۶۲،۲۶۳،۲۷۹،۲۸۳،۲۸۴،۲۸۶

(حضرت) جعفر بن صادقؒ: ۲۸۷،۲۸۸،۳۵۲

جلندا: ۲۷۱

(ڈاکٹر) جواد علی: ۵۷،۷۴،۸۴،۱۵۱،۳۲۸

(پنڈت) جواہر لعل نہرو: ۲۸

جمح: ۷۷

جوزیفس فلافیوس (یہودی مؤرخ): ۶۱،۱۴۹

جولین (JULIAN): ۲۶۲

جویریہؓ بنت حارث: ۳۷۱

جیسٹینین اول: ۲۶۲

جیفر بن جلندا: ۲۷۱

جیمس کارکرن: ۴۱۵

جیمس میکنیین: ۲۶۸

ایچ-جی-والس (H. G. WELLS): ۳۸

ح خ

(حضرت) حاتمؓ: ۳۳۹

حارث ابی زینب: ۲۸۰

حارث بن شمر غسانی: ۲۷۱

حارث بن عمیر الازدی: ۲۸۴
(حضرت) حارث بن قیسؓ: ۷۸
حارث بن کعب: ۳۳۹
حارثہ بن عمرو: ۱۳۷
(حضرت) حاطب بن ابی بلتعہ: ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵
(امام) حاکم: ۴۰۵
حالی: ۴۱۷
(حضرت) حباب بن المنذرؓ: ۱۹۰
(نواب) حبیب الرحمٰن خاں شیروانی: ۳۲۵
حجیر بن ابی اہاب: ۲۱۲
(حضرت) حذیفہ بن یمانؓ: ۲۲۵
(حضرت) حرام بن ملحانؓ: ۲۱۳
(حضرت) حسان بن ثابتؓ: ۳۳۲، ۳۷۵
(سیدنا حضرت) حسنؓ: ۲۹۳، ۳۷۸، ۳۸۰، ۳۸۳، ۳۸۹، ۴۰۸
(سیدنا حضرت) حسینؓ: ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۹، ۴۰۸، ۴۳۴۔
(شاہ) حسین: ۲۵۴
(ڈاکٹر) حسین کمال الدین: ۵۱
(حضرت) حفصہؓ: ۳۷۱
حکم بن عاص: ۱۰۹
حکم بن الحزام: ۳۱۵
(حضرت) حلیمہ سعدیہؓ: ۸۹، ۹۰، ۳۱۸، ۴۰۸
(سیدنا حضرت) حمزہؓ: ۹۵، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۲۱، ۱۳۱، ۱۶۲، ۱۹۳، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۸۳، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۹۴، ۳۹۷، ۳۹۸
حمید بن زہیر: ۷۶
حنظلیہ ام ابی جہل: ۷۹
حوذہ بن علی: ۲۷۱، ۲۷۲
حور (شاہ مدین): ۲۳۱
حیی ابن اخطب: ۲۲۲، ۲۲۷، ۳۷۱
خالد بن زید البخاری دیکھئے ابوایوبؓ: ۱۷۱
(حضرت) خالد بن ولیدؓ: ۷۸، ۲۵۰، ۲۸۶، ۲۸۷، ۳۰۰، ۳۲۸، ۳۳۹، ۳۴۰
(حضرت) خباب بن ارتؓ: ۸۲، ۱۰۴، ۱۰۹، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱۔
(حضرت) خبیب بن عدیؓ: ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۷۲
(ام المومنین) حضرت خدیجہ بنت خویلدؓ: ۷۹، ۹۳، ۹۴، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۲۳، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۸۰
خزیمہ بن مدرکہ: ۸۸
خسرو اول دیکھئے نوشیرواں عادل
خسرو دوم دیکھئے کسریٰ پرویز: ۳۳
(علامہ) خضری: ۵۷، ۷۸
(شہنشاہ) ختا اول: ۴۱۵

د ڈ

(حضرت) دحیہ الکلبیؓ: ۲۵۲
درید بن الصمۃ: ۳۰۸
دیانند سرسوتی: ۳۵
دیدروس: ۶۲
ڈی لیسی اولری: ۷۰، ۲۶۲
ڈریپر: ۲۶۹، ۴۳۳
(علامہ) ذہبی: ۸۹، ۳۷۵

ذ ر ز

رابرٹ برائیفولٹ: ۳۷، ۴۳۳
(حضرت) رافع بن خدیجؓ: ۲۰۲
راقم (شاہ مدین): ۲۳۱

رابع (شاہ مدین): ۲۳۱
(حضرت) ربیعہ بن حارث: ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۹۵
رستم: ۴۶، ۶۰
(حضرت) رقیہ: ۳۷۷، ۳۷۸
ربی (یہودی عالم): ۵۰
روح القدس، روح الامین (فرشتہ): ۹۷
(ڈاکٹر) روہلنگ: ۲۵
آر-وی-سی بوڈلے دیکھیے بوڈلے
(حضرت) ریحانہ بنت زید: ۳۷۲
زبیدی
(حضرت) زبیرؓ: ۲۹۴، ۲۹۵
(حضرت) زبیر بن عوامؓ: ۱۰۳، ۱۴۱، ۲۰۹، ۲۸۱
زردشت: ۳۱
زرقانی: ۲۹۲، ۳۲۱، ۳۲۴، ۳۹۹
(ڈاکٹر) زکی علی لاہوری: ۵۴
زمباور (مستشرق): ۸۰
زہرہ: ۷۷
(امام) زہری: ۳۵۹
زہیر بن ابی امیہ: ۱۲۳
زہیر بن ابی سلمٰی: ۸۳
(حضرت) زیاد بن سکن: ۲۰۶
(حضرت) زید (والد اسامہؓ): ۲۸۳، ۲۹۸
(حضرت) زید (نواسہ حضرت فاطمہ زہراؓ): ۳۷۹
(حضرت) زید بن ارقم: ۳۳۵
(حضرت) زید بن ثابتؓ: ۱۹۸، ۲۰۷
(حضرت) زید بن حارثہؓ: ۱۰۳، ۱۴۱، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۷، ۳۸۹
(حضرت) زید بن دثنہؓ: ۲۱۱، ۲۱۲
زید بن سعنہ: ۴۰۰
زیلعی: ۲۱۰
زید الخیل (زید الخیر): ۳۳۹
(حضرت) زینبؓ: ۱۹۷
(حضرت) زینب بنت جحشؓ: ۳۷۱، ۳۷۷
(حضرت) زینب بنت حارثؓ: ۳۷۹
(حضرت) زینب بنت خزیمہؓ: ۳۷۱، ۳۷۲
(حضرت) زینبؓ (بنت الرسول): ۳۰۴، ۳۷۷
(حضرت) زینب بنت فاطمہ زہراؓ: ۳۷۹

س

(سیدنا حضرت) سلیمان علیہ السلام: ۱۵۲، ۲۶۲
(حضرت) سارہؓ: ۳۰۴
سائی لیسا کاڈویک ہنری: ۴۲۸
(ملکہ) سبا: ۲۶۲
(حضرت) سراقہ بن مالک: ۱۴۶، ۱۴۷
سعد بن عمر: ۴۰۲
(حضرت) سعد بن ابی وقاص: ۱۰۳، ۱۸۸، ۲۰۵
سعد بن بکر: ۹۱
(حضرت) سعد بن ربیع: ۱۷۳، ۲۰۷
(حضرت) سعد بن عبادہؓ: ۲۲۲، ۲۲۸، ۲۹۹، ۳۰۰
سعد بن معاذؓ (ابوعمرو): ۴۲، ۱۳۶، ۱۳۸، ۱۸۷، ۱۸۹، ۲۰۵، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۸، ۲۳۰، ۳۲۳۔
(حضرت) سعید بن زیدؓ: ۱۰۴، ۱۱۹، ۱۲۰، ۳۹۰
سعید بن المسیب: ۱۸۳
(حضرت) سفیان ثوری: ۲۱۰، ۲۱۲، ۳۹۸
سکندر: ۴۱۸

سلام بن ابی الحقیق: ۲۴۲
سلام بن مشکم: ۲۷۹،۱۹۸
(حضرت) سلمان فارسیؓ: ۲۱۸
(حضرت) سلمہ بن ابی سلمہ: ۱۳۹
سلمۃ بن الاکوع: ۲۷۲
سلمٰی بنت عمرو: ۱۶۲،۱۳۷
سلیط بن عمرو: ۲۷۱
حضرت سلیمان: ۲۶۲
(قاضی) سلیمان منصور پوری دیکھئے محمد سلیمان: ۴۸، ۳۷۵،۳۳۴،۳۰۷۔
(علامہ سید) سلیمان ندویؒ: ۴۰۷،۶۲،۴
(حضرت) سمرہ بن جندبؓ: ۲۰۲
سموئیل (یہودی شاعر): ۲۸۱
سموئیل اسبک: ۲۳۱
سمہودی: ۱۶۵،۱۵۰
(حضرت) سودہ بنت زمعہؓ: ۳۷۳،۳۷۱
سوید بن سعید: ۹۴
سہم: ۷۷
سہیل بن ربیع: ۴۰۶
(حضرت) سہیل بن عمروؓ: ۴۰۶،۳۰۰،۲۴۵،۴۰
سہیلی: ۲۵۴،۱۸۸،۸۸
سی-وی-ودیا: ۲۸
سیڈیو: ۱۵۸
سیترر: ۴۱۸
سیف الدین قلج: ۲۵۴
(علامہ) سیوطی: ۲۶۱،۲۵۱،۹۰

ش

(سیدنا حضرت) شعیب علیہ السلام: ۳۲۲،۶۳
(امام) شافعیؒ: ۲۶۴،۲۱۰
شاہ پور (حاکم): ۳۲
شاہین مکاریوس: ۳۴
(علامہ) شبلی نعمانیؒ: ۳۲۵،۲۰۵،۹۴
شداد بن اوس: ۴۰۵
شرحبیل بن عمرو غسانی: ۳۴۱،۲۸۴
(حضرت) شریدؓ: ۳۸۹
شعث بن قیس: ۱۵۸
شقران: ۱۹۶
شیبہ بن ربیعہ: ۳۹۴،۱۹۳،۱۶۲،۱۲۷
شیث خطاب: ۲۸۷،۲۸۶
شیخین (امام بخاریؒ و مسلمؒ): ۳۲۵
شیرویہ (قباذ): ۲۶۴،۲۶۰
شیطان: ۲۳۶،۲۱۱،۱۹۰،۱۸۰،۱۳۷،۱۰۱،۶۵،۷۱، ۴۰۹،۳۶۸،،۳۵۶،۳۵۴،۳۵۳،۳۴۲،۲۳۹
شیماء: ۳۱۸

ص ض

(سیدنا حضرت) صالح علیہ السلام: ۶۳
(حضرت) صفوان ابن امیہ: ۳۰۹،۳۰۰،۲۱۲،۷۸
صفوان بن معطل: ۲۳۸،۲۳۷
(حضرت) صفیہ بنت عبدالمطلب: ۳۷۱،۲۰۹
(ڈاکٹر) صلاح الدین المنجد: ۲۶۴
صلاح الدین ایوبی: ۴۳۵
صور (شاہ مدین): ۲۳۱
(حضرت) صہیبؓ: ۱۴۱،۱۳۹،۱۰۴
(حضرت) ضمام بن ثعلبہؓ: ۳۳۸
(حضرت) ضمرہؓ: ۲۹۲

ط

(حضرت) طاہرؓ (صاحبزادے): ۳۷۷

(امام)طبرانی:۱۸۹،۳۸۵
طبری(مؤرخ):۴۴،۸۷،۲۵۹
(امام)طحاوی:۲۱۰،۲۷۰
طعیمہ:۲۰۲
(حضرت)طفیل بن عمرو دوسیؓ:۱۲۳،۱۲۴
(حضرت)طلحہ بن عبیداللہ:۱۰۳،۱۴۱،۲۰۴،۲۰۵
(امام)طیالسی دیکھئے ابوداؤد
(حضرت)طیبؓ(صاحبزادۂ گرامی):۳۷۷
(علامہ)طیبی:۲۱۹

ع

(سیدنا حضرت)عیسیٰ علیہ السلام:۱۱۷،۴۱۸
(سیدنا حضرت)عاد علیہ السلام:۶۲،۱۳۵
(حضرت)عاتکہ بنت عبدالمطلبؓ:۱۲۳
عادل زعیتر:۱۵۷
العاذر(کاہن):۲۳۲
عاص بن وائل:۹۶
(حضرت)عاصم بن ثابتؓ:۲۱۱
(حضرت)عامر بن الاکوعؓ:۲۷۴
(حضرت)عامر بن فہیرہؓ:۱۴۴،۱۴۶
(حضرت)عامر بن مالکؓ:۲۱۳
(ام المومنین حضرت)عائشہؓ:۱۰۰،۱۰۲،۱۲۵،۱۳۴، ۱۵۳، ۱۶۱، ۱۶۵، ۱۶۶،۱۶۹،۲۰۸،۲۲۳،۲۳۷، ۲۳۸،۲۴۱،۳۵۸،۳۵۹،۳۶۰،۳۶۱،۳۶۳،۳۶۴، ۳۶۵،۳۶۶،۳۶۷،۳۷۱،۳۷۲،۳۷۳،۳۷۴، ۳۷۵،۳۸۴،۳۸۷،۳۸۹،۳۹۰،۳۹۳،۳۹۴، ۳۹۵،۳۹۹۔
(حضرت)عباس بن عبادہ خزرجیؓ:۴۱
عباس محمود العقاد:۳۷۵
عبدالاشہل: ۱۲۸
عبد بن جلندا ازدی:۲۷۱
(حضرت)عباس بن عبدالمطلبؓ:۸۱،۱۳۲،۱۳۸، ۱۹۷، ۲۹۶،۲۹۷،۲۹۸،۳۱۱،۳۵۲،۳۵۳،۳۶۱، ۳۶۲،۳۹۰،۳۹۵
عبدالحی بن الکتانی:۸۱
(حضرت)عبدالرحمٰن بن بکرؓ:۳۶۴
(امام)عبدالرزاق:۳۹۳
(حضرت)عبدالرحمٰن بن عوفؓ:۱۰۳،۱۴۱،۱۷۳، ۱۹۴،۱۹۵
(حضرت)عبدالرحمٰن بن غزوانؓ:۱۹۵
عبد شمس عبدالعزیٰ دیکھئے ولید بن مغیرہ
عبدالقدوس انصاری:۲۱۸
(حضرت)عبداللہ(والد ماجد): ۸۷،۸۸،۹۱، ۳۷۷،۴۰۸
عبداللہ بن ابی:۱۰۵،۱۷۶،۱۹۸،۲۰۰،۲۰۱،۲۳۵، ۲۳۶،۲۳۷،۲۳۸،۲۳۹،۳۹۹
(حضرت)عبداللہ بن ابوبکرؓ:۱۴۴
عبداللہ بن ابی اوفی:۴۰۲
عبداللہ بن ادریس:۲۷۱
(حضرت)عبداللہ بن اریقطؓ:۱۴۲،۱۴۶
(حضرت)عبداللہ بن جبیرؓ:۲۰۱
(حضرت)عبداللہ بن جحشؓ:۱۸۲،۱۸۳،۱۸۴،۲۰۷
عبداللہ بن جدعان تیمی:۸۱،۹۴،۱۱۲
(حضرت)عبداللہ بن جعفرؓ:۲۸۸،۳۷۹،۴۰۶
(حضرت)عبداللہ بن حارثؓ:۳۸۹
عبداللہ بن حمید اسدی:۲۹۵
عبداللہ بن ذوالبجادین:۳۲۹

(حضرت) عبداللہ (صاحبزادہ گرامی): ۳۷۷
عبداللہ بن ربیع مخزومی: ۸۱
عبداللہ بن ربیعہ: ۷۹
عبداللہ بن رواحہؓ: ۱۹۶، ۲۷۸، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷
عبداللہ بن سعد: ۳۰۳
(حضرت) عبداللہ بن سلامؓ: ۱۷۹
عبداللہ بن شخیر: ۳۸۵
عبداللہ بن طارقؓ: ۲۱۲
(حضرت) عبداللہ بن عباسؓ: ۵۸، ۱۰۵، ۱۳۱، ۱۴۴،
۱۵۲، ۱۵۶، ۳۴۰، ۳۴۹، ۳۵۷، ۳۶۴، ۳۸۸، ۳۹۳، ۴۰۵
عبداللہ بن عبداللہ بن اُبی: ۲۳۶
(حضرت) عبداللہ بن عمرؓ دیکھئے ابن عمر
(حضرت) عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ: ۳۹۳، ۴۰۳
عبداللہ بن مبارک: ۳۸۶
(حکیم سید) عبدالعلی حسنیؒ: ۱۲
عبداللہ قمۂ: ۲۰۳
(حضرت) عبداللہ بن مسعود: ۱۰۴، ۱۶۲، ۳۲۹،
۳۹۱، ۳۹۳، ۴۰۶
(مولانا) عبدالماجد دریابادیؒ: ۴۸، ۴۱۲
عبدالمطلب بن ہاشم: ۶۸، ۷۲، ۷۳، ۸۲، ۸۷، ۸۸،
۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۱۳۷، ۳۱۱، ۴۰۰، ۴۰۵
(خلیفہ) عبدالملک: ۸۰
عبدمناف بن قصی: ۶۸، ۸۸
(حضرت) عبیدہ بن حارثؓ: ۱۰۴، ۱۶۲، ۱۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵
عتاب بن اسید: ۳۰۷
عتبہ بن ابی وقاص: ۲۰۳
(حضرت) عتبہ بن اسیر (ابوبصیر): ۲۴۷، ۲۴۹
عتبہ بن ربیعہ (ابوالولید): ۱۱۱، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۲۷، ۱۶۲،
۱۹۳، ۳۹۴
(حضرت) عثمان بن ابی العاصؓ: ۳۴۳
(حضرت) عثمان بن ابی طلحہؓ: ۱۴۰، ۲۳۸، ۳۰۰، ۳۰۱
(سیدنا حضرت) عثمان بن عفانؓ: ۱۰۳، ۱۰۹، ۱۴۱،
۲۴۲، ۲۴۳، ۲۹۵، ۳۲۶، ۳۷۸۔
(حضرت) عثمان بن مظعونؓ: ۱۰۴، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۴،
عدّاس: ۱۲۷
عدنان: ۶۷، ۸۸، ۱۳۷
عدی بن حاتم: ۷۷، ۳۳۹، ۴۰۳
(حضرت) عروہ بن مسعودؓ: ۱۵۳، ۱۶۱، ۲۴۴، ۳۱۹
(ڈاکٹر) عزالدین ابراہیم: ۲۶۴
(حضرت) عفراءؓ: ۱۶۲، ۱۹۵
(حضرت) عقبہؓ: ۳۹۶
عقبہ بن ابی معیط: ۱۱۲
(حضرت) عقبہ بن عامرؓ: ۲۱۰
عقبہ بن نافع: ۴۲
(حضرت) عقیل بن ابی طالبؓ: ۹۲، ۱۹۷
(حضرت) عکاشہ بن محصن: ۱۸۳
(حضرت) عکرمہ بن ابی جہلؓ: ۴۱، ۳۰۰، ۳۰۳
علاء بن حارثہ: ۳۱۵
علاءالدین خلجی: ۴۳۲
علیؓ (نواسۂ رسول): ۳۷۸
علیؓ (نواسۂ فاطمہ): ۳۷۹
علی ابن برہان الدین: ۸۹
(سیدنا حضرت) علی مرتضیٰؓ: ۹۲، ۱۰۳، ۱۳۱، ۱۴۱،
۱۴۲، ۱۴۳، ۱۶۲، ۱۸۹، ۱۹۳، ۲۰۴، ۲۰۷، ۲۱۴، ۲۲۳،
۲۴۵، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۸۳، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۶، ۳۰۱،

۳۲۷، ۳۳۶، ۳۴۰، ۳۵۰، ۳۵۸، ۳۶۱، ۳۶۴،
۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۹، ۳۹۴، ۴۳۴، ۴۰۴

(مولانا ابوالحسن) علی ندوی: ۲۳

علی بلگرامی: ۴۳۳

علی احمد گجراتی ندوی: ۲۲

(حضرت) عمار بن یاسرؓ: ۱۰۴، ۱۰۸

(سیدنا حضرت) عمر بن الخطابؓ: ۷۸، ۱۱۹، ۱۲۰،
۱۲۱، ۱۴۱، ۱۴۴، ۱۴۷، ۱۸۹، ۱۹۲، ۲۰۸، ۲۴۶، ۲۴۷،
۲۸۸، ۲۹۳، ۲۹۵، ۳۱۵، ۳۲۳، ۳۲۹، ۳۴۲، ۳۵۲،
۳۵۹، ۳۶۱، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۷۱، ۳۷۹، ۳۸۷،
۴۰۰، ۴۰۲، ۴۳۴

(حضرت) عمر بن الجموحؓ: ۱۶۱، ۲۰۶، ۲۱۴، ۲۲۶، ۲۴۲

(حضرت) عمرو بن حزمؓ: ۳۳۹

عمرو بن حضرمی: ۱۸۳، ۱۸۴

عمرو بن ربیعہ: ۱۲۳، ۱۲۶

(حضرت) عمرو بن سالم خزاعیؓ: ۲۹۱

عمرو بن سلمہ: ۱۶۶، ۳۰۷

عمرو بن شعیب: ۸۱

(حضرت) عمرو بن عاصؓ: ۸۹، ۱۱۵، ۱۱۷، ۲۵۰، ۲۶۱

عمرو بن عبدود: ۲۲۳

عمرو بن عوف: ۱۴۰، ۲۲۹

عمرو بن کلثوم: ۴۶

عمرو بن لحی الخزاعی: ۶۸، ۶۹

(حضرت) عمرو بن معدی کربؓ: ۳۳۹

عمرو بن ہند: ۴۶ ۔

(حضرت) عمیر بن ابی وقاصؓ: ۱۸۸

(حضرت) عمیرو بن حمامؓ: ۱۹۳

(حضرت) عونؓ (نواسۂ فاطمہ زہراؓ): ۳۷۹

(علامہ) عینی: ۹۴، ۱۶۳

عیسیٰ بن مریم: ۲۵۳، ۲۶۲، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۴۰۲

غ ف

غالب بن فہر: ۸۸

غیاث الدین تغلق: ۴۳۲

(سیدۃ النساء حضرت) فاطمہ زہرہؓ: ۱۱۲، ۲۰۷، ۲۰۸،
۲۸۳، ۲۹۳، ۳۰۳، ۳۷۰، ۳۸۹، ۳۹۵، ۴۰۸

(حضرت) فاطمہ بنت خطاب: ۱۱۹، ۱۲۰، ۳۷۷،
۳۷۸، ۳۷۹

فاطمہ مخزومی: ۳۰۲

فرعون: ۱۹۵، ۲۶۴

فروہ بن عمر الجذامی: ۳۳۹

فضالہ بن عمیر: ۳۰۵

(حضرت) فضل بن عباسؓ: ۳۴۹، ۲۵۸

فلب ہٹی P.K. Hitti: ۴۹

فوقس: ۲۵۷، ۲۵۹

فہر بن مالک: ۶۷، ۸۸

ق ک

(حضرت) قاسم (صاحبزادہ گرامی): ۳۷۷

قباذ: ۲۶۴

(حضرت) قبیصہ بن ذؤیبؓ: ۳۷۵

(حضرت) قتادہ بن نعمانؓ: ۱۶۵، ۲۰۵

قرطہ بن عمرو: ۲۹۲

قسطلانی: ۲۵۴، ۳۲۱

(شاہ) قسطنطین: ۲۶۹

قصی بن کلاب: ۶۷، ۷۶، ۷۷، ۸۸، ۱۴۱

قطب الدین ایبک: ۳۶

(الملک المنصور) قلاؤن الصالحی: ۲۵۴

(حضرت) قیس بن سعدؓ:۲۹۹
قیصر:۴۴، ۱۴۷، ۲۲۸، ۲۵۴، ۲۵۶، ۲۵۸، ۲۶۴، ۳۲۳
قیدس:۲۶۱
کاراڈی ووکس(CARRA DE VEAUX):۹۲
کردعلی:۳۱
کسریٰ:۱۴۷، ۲۲۸، ۲۵۴، ۲۶۴
کسریٰ پرویز (خسرو دوم):۳۳، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۳، ۲۶۸، ۴۱۵
کعب بن اسد:۲۲۷
کعب بن اشرف:۱۵۴، ۱۵۶، ۱۹۹، ۲۲۲
(حضرت) کعب بن زبیرؓ:۳۲۰، ۳۲۱
(حضرت) کعب بن زیدؓ:۲۱۳
کعب بن لوئی:۲۴۱
(حضرت) کعب بن مالک:۱۶۴، ۳۲۵، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲
کلاب بن مرہ:۸۸
کلبی:۷۰، ۸۶
کنانہ بن خزیمہ:۸۸
کنانہ بن عبد یالیل:۳۴۲، ۳۴۳
کنانی:۷۳

گ ل

گبن دیکھئے ایڈورڈ
GUSTAVE LEVON:۴۳۳
جارج راکس(Georges Roux):۷۰
گوتم بدھ:۲۸
لبید بن ربیعہ:۸۲
LUTHER:۴۳۳
لوئی بن غالب:۸۸
لیلیٰ بنت مہلہل:۴۶
لیمر ٹائن فرانسیسی ادیب(Lamartine):۵۴
ایل اوملی(L.S.S. OMALLEY):۲۸، ۲۹
لیکی(LECKY W.E.H.):۴۱۲

م

سیدنا ونبینا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، پوری کتاب۔
(سیدنا حضرت) موسیٰ علیہ السلام:۵۰، ۶۳، ۱۰۲، ۲۳۱، ۲۳۲، ۳۲۷، ۳۷۲، ۴۰۸
(سیدنا حضرت) مسیح علیہ السلام دیکھئے:۲۵
(حضرت) عیسیٰ:۴۰۸
(حضرت) مریم البتول علیہا السلام:۱۱۸، ۲۵۳، ۲۶۲
(حضرت) ماریہ قبطیہؓ(بنت شمعون):۲۶۳، ۲۷۲، ۳۷۲، ۳۷۷
مارگولیتھ:۱۵۲
(امام) مالک:۸۱، ۱۶۳، ۲۱۰، ۳۶۴
مالک بن سنان:۲۰۴
مالک بن عوف نصری:۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۲
مالک بن نضر:۶۷، ۸۸
MICAEL H.HART:۴۲۷
مانٹگمری واٹ:۱۹۹، ۲۷۳
مانی:۳۲
مجدالدین فیروز آبادی:۱۳۶، ۱۶۰
(مولانا) مجیب اللہ ندوی:۱۷۹، ۲۷۳
محسن احمد باروم:۶
محمد ابو زہرہ:۶۳
محمد احمد باشمیل:۱۹۹، ۲۳۴
پروفیسر محمد اقبال:۲۷، ۴۲

محمد اکبر خاں: ۱۹۱، ۳۳۵
(حضرت) محمد الباقرؒ: ۳۵۲
محمد بن اسحاق: ۶۸
امام محمد بن طولون دمشقی: ۱۷۱
محمد بن قیس: ۱۷
(حضرت) محمد بن مسلمہؓ: ۱۵۴، ۲۷۶، ۳۲۷
محمد حسن انصاری: ۲۲
(سید) محمد الحسنی: ۲۲
(ڈاکٹر) محمد حسین ہیکل: ۱۶۰
(ڈاکٹر) محمد حمید اللہ حیدر آبادی: ۱۷۴، ۲۰۱
محمد الخضری: ۳۳۵
(مولانا) محمد رابع ندوی: ۲۲
(مولانا) محمد زکریا کاندھلوی: ۳۴۵
قاضی محمد سلیمان منصور پوری: ۸۷، ۲۰۶
(ڈاکٹر) محمد سید طنطاوی: ۱۵۱، ۱۵۵
(پروفیسر) محمد شفیع: ۲۲
(علامہ) محمد طاہر پٹنی: ۱۶۴، ۱۶۵، ۲۲۲، ۲۶۷، ۳۲۷
محمد محمود الصواف: ۲۰
محمد فرید وجدی: ۲۶۱
محمد معاذ ندوی: ۲۲
محمود پاشاہ (مصری محقق فلکیات): ۸۷
(علامہ) محمود شکری آلوسی: ۷۰، ۸۱، ۸۶، ۱۵۳، ۱۶۱
(جنرل) محمود شیث خطاب: ۱۹۱، ۳۳۴
(سید) محی الدین: ۲۲
مخزوم: ۷۷، ۸۸
مدائنی: ۲۹۵
مدرکہ بن الیاس: ۸۸
(حضرت) مرارہ بن ربیعؓ: ۳۲۹، ۳۳۱
مرحب: ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۸۰
مرزبانی: ۲۹۵
مرہ بن کعب: ۸۸
مریم جمیلہ: ۱۵۶
مزدک: ۳۲
(امام) مسلم: ۶۸، ۹۰، ۱۰۵، ۱۶۴، ۱۸۸، ۱۹۲، ۲۶۴، ۳۲۳، ۳۸۴
مسیلمہ بن حبیب: ۱۷۱
مسیلمہ کذاب: ۳۳۸
(حضرت) مصعب بن عمیرؓ: ۱۰۸، ۱۳۳، ۱۳۸، ۱۸۹، ۱۹۶، ۱۹۷، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۹
المطلب بن عبد مناف: ۶۸
مضر: ۶۷
مضر بن نزار: ۸۸
(حضرت) مطعم بن عدیؓ: ۱۲۳
(حضرت) معاذ بن جبلؓ: ۳۳۹
معاویہ بن ابوسفیان: ۳۱۵، ۳۷۵
(حضرت) معاویہ بن حکمؓ: ۳۲۱، ۳۵۱
معاویہ بن قرہ: ۲۹۸
معد بن عدنان: ۶۷، ۸۸
حافظ مغلطائی: ۹۰
(حضرت) مغیرہ بن شعبہؓ: ۴۶، ۶۰، ۳۲۰، ۳۳۹
(حضرت) مقدادؓ: ۱۸۸
مقریزی: ۲۶۰
مقوقس: ۲۴۸، ۲۵۲، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۶۰، ۲۶۳، ۲۹۵، ۳۷۲
مکرز بن حفص: ۲۴۴

منذر بن ساوی:۲۷۱
منذری:۴۰۳
موریقس:۲۵۷،۲۵۸،۲۵۹
موسیٰ بن عقبہ:۳۲۵
مہاراجہ سندھیا (گوالیار):۲۵۶
مہاراجہ گیکواڑ (بڑودہ):۲۵۶
(حضرت) میمونہؓ:۳۵۸،۳۷۲

ن

(سیدنا حضرت) نوح علیہ السلام:۷۱،۴۰۸
نجاشی:۷۲،۷۹،۱۱۵،۱۱۷،۱۱۸،۲۴۸،۲۵۲،۲۵۳،
۲۵۴،۲۵۶،۲۶۱،۲۶۲،۲۶۳
نزار بن معد:۸۸
(امام) نسائی:۳۵۰،۳۸۴
نضر بن حارث:۳۱۵
نضر بن کنانہ:۸۸
نظام حیدرآباد:۲۵۶
نظام گنجوی:۲۶۳
حضرت نعیم بن عبداللہ:۱۱۹،۱۲۰
(حضرت) نعیم بن مسعود غطفانیؓ:۲۲۴،۲۲۵
نور عالم ندوی:۲۲
نوشیرواں عادل (خسرو اول):۴۴،۲۵۸
نوفل بن مغیرہ:۷۷،۲۲۳
نواب بھوپال:۲۵۶
(امام) نوویؒ:۱۶۳،۱۶۴،۲۶۷،۲۷۱،۳۵۲،۴۰۶
(حضرت) واقد بن عبداللہ تمیمیؓ:۱۸۴
واقدی:۸۷،۱۷۲،۲۵۱،۲۶۳،۳۲۳،۳۳۵
واقم بن الاشہل:۱۶۰
(حضرت) وحشیؓ:۲۰۳،۳۹۷،۳۹۸

ودیادھر مہاجن (VIDYADHAR MAHAJAN):۳۶
ورقہ بن نوفل:۱۰۱،۱۰۲
ولفنسن دیکھئے اسرائیل
ولید بن عتبہ:۱۶۲،۱۹۳،۳۹۴
ولید بن مغیرہ (عبد شمس):۸۱،۱۰۸،۱۰۹،۱۱۱
امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ:۱۲۸
وہب:۸۷
ویکٹر چوپارٹ (VICTOR CHOPART):۴۴
ولیم میور (SIR WILLIAM MUIR):۵۲،۵۳
ولنگٹن: ۲۳۳
ویلس: ۴۳۰

ہ

(سیدنا حضرت) ہارون علیہ السلام:۳۲۷،۳۷۲
(سیدنا حضرت) ہود علیہ السلام: ۶۲
(حضرت) ہاجرہ: ۶۴،۶۷
ہاشم بن عبد مناف: ۶۸،۷۷،۸۸،۱۳۷،۱۶۲
(حضرت) ہبار بن اسود:۳۰۴
راجہ ہرش: ۲۸
ہرقل (قیصر روم):۲۵۱،۲۵۲،۲۵۵،۲۵۶،۲۵۷،۲۵۸،
۲۵۹،۲۶۳،۲۶۵،۲۶۶،۲۶۷،۲۷۰،۲۸۵،۳۲۲،۳۲۳
ہرمز: ۲۵۸
ہشام بن عمرو:۱۲۲،۳۷۵
(حضرت) ہلال بن امیہؓ:۳۲۹،۳۳۱
ہند (والدہ عمرو): ۴۶
ہند بن ابی ہالہ: ۳۸۳
(حضرت) ہند بنت عتبہؓ:۲۰۲،۲۰۸،۳۰۴
ہیرڈٹس: ۶۱،۶۲
HAROLD LAMB:۴۲۸،۴۳۰
ہیزی فرعون: ۲۶۴

ی

(سیدنا حضرت) یعقوب علیہ السلام: ۲۴، ۴۲۲
(سیدنا حضرت) یوسف علیہ السلام: ۲۹۶، ۳۰۲
(سیدنا حضرت) یونس علیہ السلام: ۴۰۸
یاقوت حموی: ۱۶۵، ۳۲۲
یحییٰ بن سعید: ۲۹۹
یزداں (آہورمزدا): ۲۵۶
یزدگرد: ۲۷، ۳۴، ۲۶۴
یزید بن ابوسفیان: ۳۱۵
یعقوبی: ۲۷۳
یوحنہ بن رویہ: ۳۲۸
(ڈاکٹر) یوسف حنا: ۲۵
یوسف القرضاوی: ۸۱

کتابیات

قرآن مجید: ۱۳، ۳۷، ۶۴، ۷۵، ۹۸، ۱۰۰، ۱۰۲، ۱۲۴، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۲۲۵، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۵۷، ۳۲۴، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۴۰، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۵۶، ۳۷۴، ۳۷۵، ۴۰۹، ۴۱۶، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲

الف

ابن ہشام دیکھئے سیرۃ ابن ہشام
ابوداؤد دیکھئے سنن ابی داؤد
A.J CIVILIZATION ON TRIAL: ۴۲۷
اے ہسٹوری آف عباسینیہ (A HISTORY OF ABYSSINIA): ۲۶۲
A HISTORY OF INTELLECTUAL: ۴۲۷
اپولوجی فار محمد اینڈ قرآن (APOLOGY FOR MUHAMMAD AND THE QURAN): ۳۳۵
اپینڈکس (APPENDIX-C): ۲۶۱
آثار المدینۃ المنورہ: ۱۷۰، ۲۱۸
اخبار مکۃ: ۷۷، ۸۶
ادب الکاتب: ۱۶۳
الادب المفرد: ۳۸۴، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۳، ۴۰۳
ارشاد الساری (شرح بخاری): ۲۵۴
ارکان اربعہ: ۱۸۵، ۴۱۴
الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب: ۱۰۸، ۱۴۷، ۱۷۹
اسد الغابۃ: ۱۷۹، ۱۸۹، ۳۰۷
اسفار عہد جدید: ۲۴
اسفار عہد عتیق: ۲۴
اسلام ان دی ورلڈ (ISLAM IN THE WORLD): ۵۵
الاصابۃ فی تمییز الصحابہ: ۱۴۰، ۱۷۹، ۲۹۵، ۳۰۷
اعلام السائلین عن کتب سید المرسلین: ۲۷۱
الامتاع: ۱۵۷
انساب الاشراف: ۸۷
اناجیل اربعہ: ۵۰
انجیل: ۸۰، ۹۸، ۱۰۱
انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر: ۱۵، ۲۵۵
انسائیکلو پیڈیا آف اسلام: ۲۸۷
انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا (ENCYCLOPAEDIA BRITANNICA): ۲۸، ۴۸، ۳۳۵، ۴۳۳
انسائیکلو پیڈیا مذاہب واخلاق: ۲۶۸، ۲۶۹
اوستا: ۲۴
الاہرام (جریدہ): ۵۱
اہل کتاب صحابہ وتابعین: ۱۷۹

ایران بعہد ساسانیاں: ۲۷،۲۸،۳۲،۳۴،۴۳،۴۴، ۲۵۷،۲۵۹،۲۶۰،۲۶۴

اینسینٹ انڈیا(ANCIENT INDIA):۲۸،۳۵

اینسنیٹ عراق(ANCIENT IRAQ):۲۸،۳۵،۷۰

اے شارٹ ہسٹوری آف دی ورلڈ(A SHORT HISTORY OF THE WORLD):۳۱،۳۹

ایشیاٹک جنرل:۲۵۴

ب پ

بائبل:۴۷

البدایہ والنہایۃ:۶۰،۱۴۴،۱۴۵،۱۷۴

البعث الاسلامی (مجلّہ):۲۲

بلوغ الارب فی معرفۃ احوال العرب:۷۰،۸۱،۸۶، ۱۶۱،۱۶۲

بنواسرائیل فی القرآن والسنۃ:۱۵۱،۱۵۴،۱۵۵

بیہقی دیکھیے سنن بیہقی

پاپولر ہندوازم دی ریلیجن آف دی میسیز (POPULAR HINDUISM THE RELIGION OF THE MASSEGES):۲۸،۲۹

PREACHING OF ISLAM:۴۳۰،۴۳۱

ت

تاریخ ابن خلدون:۱۳۷

تاریخ اخلاق یورپ(HISTORY OF EUROPEAN MORALS):۴۱۲

تاریخ الامم الاسلامیہ:۵۷

تاریخ انحطاط وسقوط روما:۴۲۹

تاریخ ایران:۳۴

تاریخ التشریع الاسلامی:۳۳۵

تاریخ جیش النبیؐ:۳۳۳

تاریخ چین:۴۱۵

تاریخ الخمیس:۲۷۹

تاریخ دعوت وعزیمت:۴۳۱

تاریخ طبری:۳۴،۴۱،۴۷،۲۵۳،۲۶۴،۲۷۱

تاریخ العرب العام:۱۵۷

تاریخ العرب قبل الاسلام:۱۵۱،۲۷۱،۳۲۸

تاریخ عہد وسطیٰ:۴۲۹

تاریخ مکہ:۸۶

تلمود:۲۵،۶۱

تاریخ الیہود فی بلاد العرب فی الجاہلیۃ وصدر الاسلام: ۱۴۹،۱۵۰،۱۵۵،۱۵۸،۱۵۹،۱۶۳،۱۷۹،۱۸۰،۲۳۴، ۲۷۹،۲۸۱

تذکرۃ الحفاظ:۳۷۵

التراتیب الاداریہ:۸۱،۱۶۴،۱۶۶

الترغیب والترہیب:۴۰۳

(جامع) ترمذی:۱۴۳،۱۶۵،۲۱۹،۳۷۷،۳۷۹،۳۸۴، ۳۸۷،۳۸۹،۴۰۲،۴۰۷

تفسیر ابن کثیر:۱۳۵،۱۵۳،۳۵۷

تفسیر طبری:۲۵۹،۳۰۹

تفسیر ماجدی:۸۱

تمدن عرب:۴۳۳

التمہید:۸۰

توریت:۲۵،۴۹،۶۱،۹۸،۱۰۱،۱۳۵،۱۷۸،۲۳۰، ۲۳۲،۲۷۹

تھیوفی لیکٹس:۲۵۹

ج خ

جدید مفتاح التقویم:۳۲۵

جغرافیہ جزیرۃ العرب:۲۲،۴۷،۵۵،۷۰

جمع الفوائد:۴۰۲

جمہرۃ انساب العرب:۶۹

جیوش انسائیکلو پیڈیا:۲۵،۵۰

GENGHIS KHAN:۴۲۸،۴۳۰

حجۃ اللہ البالغہ:۹۰

حجۃ الوداع:۳۴۵

حدیث دفاع:۱۹۱،۳۳۵

حسن المحاضرہ:۲۶۱

حلیۃ الاولیاء:۳۸۶،۳۸۸

حماسہ دیکھئے دیوان حماسہ

الحیاۃ (جریدہ):۲۶۴

خاتم النبیین:۶۳،۱۲۵

خطبات مدراس:۴۰۸

الخصائص الکبریٰ:۲۵۱

الخضری:۸۷

خطط الشام:۳۱

د

سنن دارمی:۱۷۰

دائرۃ المعارف للبستانی:۳۲۲

دائرۃ المعارف الاسلامیہ:۸۰،۲۶۱

دائرۃ المعارف للقرن العشرین:۲۶۱

دریائے کابل سے دریائے یرموک تک:۶۹

دلائل النبوۃ:۸۸،۱۵۲

دیوان الحماسہ:۳۷،۴۶،۳۷۶

دی رومن ورلڈ:۴۴

دی لائف آف محمد:۵۳،۳۷۶

دی میسنجر۔دی لائف آف محمد (THE MESSENGER THE LIFE OF MOHAMMAD):۵۲، ۲۳۲،۲۳۳

دی میکنگ آف ہیومینٹی:۴۳۳

دی ہسٹوری آف کرسچینٹی ان دی لائٹ آف ماڈرن نالج (THE HISTORY OF CHRISTIANITY IN THE LIGHT OF MODERN KNOWLEDGE):۲۶

THE 100 A.RANKING OF THE MOST:۴۲۷

دی عرب کنکویسٹ آف اجپٹ (THE ARAB CONQUEST OF EGYPTY):۲۶،۳۱

ڈ ر

ڈسکوری آف انڈیا (DISCOVERY OF INDIA):۲۸

ڈکلائن اینڈ فال آف دی رومن امپائر:۲۵۷

Development on the Europe:۴۲۷

رحمۃ للعالمین:۸۷،۲۰۶،۳۰۷،۳۳۴،۳۷۵

الرسول القائد:۱۹۱،۲۸۷

روائع من ادب الدعوۃ فی القرآن والسنۃ:۱۱۷

روح المعانی:۱۵۳

الروض الانف:۸۸،۹۶

ز

زاد المعاد:۱۲،۴۲،۷۹،۱۲۷،۱۴۸،۱۶۹،۱۸۲،۱۸۴، ۱۸۵،۱۸۸،۱۸۹،۱۹۱،۱۹۲،۱۹۴،۱۹۸،۱۹۹،۲۰۱، ۲۰۳،۲۰۵،۲۰۷،۲۳۵،۲۴۱،۲۴۲،۲۴۳،۲۴۴، ۲۴۶،۲۴۷،۲۴۸،۲۵۰،۲۷۷،۲۷۸،۲۸۹،۲۸۲، ۲۸۴،۲۸۵،۲۸۶،۲۸۸،۲۸۹،۲۹۱،۲۹۲،۲۹۳، ۲۹۶،۲۹۷،۲۹۹،۳۰۰،۳۰۱،۳۰۲،۳۰۴،۳۰۵، ۳۰۶،۳۱۵،۳۱۷،۳۱۸،۳۱۹،۳۲۰،۳۲۱،۳۲۷، ۳۳۳،۳۳۵،۳۴۰،۳۴۱،۳۴۳،۳۴۵،۳۵۰،

۳۵۱، ۳۷۲، ۳۷۷، ۳۷۹، ۴۰۳

س

سبع معلقات: ۳۷، ۴۶
ستیارتھ پرکاش: ۳۵
سفرنامہ برنیر: ۳۵
سام (PSALM): ۴۸
سنن ابن ماجہ: ۳۹۴، ۴۰۷
سنن ابوداؤد: ۱۵۶، ۱۷۸، ۳۵۲، ۳۸۵، ۳۹۱، ۳۹۵، ۴۰۴، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۱۷
سنن بیہقی: ۱۴۴، ۱۶۹، ۱۷۱، ۲۲۰، ۳۶۵، ۳۹۸، ۴۰۰، ۴۰۲، ۴۱۷
سنن نسائی: ۲۷۶، ۳۸۵
ستیانی: ۴۱۲
سیرت ابن کثیر: ۹۴، ۹۶، ۱۰۵، ۱۱۱، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۵، ۱۶۹، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۹، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۸، ۲۲۰، ۲۲۳، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۳۸، ۲۴۱، ۲۶۴، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۸۶، ۲۹۸، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۳۹، ۳۴۱، ۳۵۰، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۹، ۳۷۲، ۳۷۹، ۳۹۷، ۳۹۸
سیرت محمدی دعاؤں کے آئینہ میں: ۱۹
السیرۃ النبویہ (سیرۃ ابن ہشام): ۱۲، ۴۲، ۶۷، ۶۸، ۷۲، ۷۴، ۸۴، ۸۶، ۸۸، ۹۰، ۹۱، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۹، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۸، ۱۲۱، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۳۰، ۱۳۲، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۶، ۱۵۰، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۶، ۱۵۸، ۱۶۲، ۱۶۸، ۱۷۰، ۱۷۲، ۱۷۴، ۱۷۶، ۱۷۹، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۸، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۳، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۷۲، ۲۷۵، ۲۸۱، ۲۸۵، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۷، ۳۰۰، ۳۰۵، ۳۰۷، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۹، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۹۸
السیرۃ الحلبیہ: ۸۹، ۳۶۶
السیرۃ النبویہ (نبی رحمتؐ): ۸۹
سیرۃ النبیؐ: ۹۴، ۲۰۶، ۲۰۸
سیویلائزیشن پاسٹ اینڈ پرزنٹ (CIVILIZATION PAST AND PRESENT): ۳۰
سلیکشن فرام دی قرآن (SELECTION FROM THE QURAN): ۲۳۳

ش

شرح السنۃ: ۳۹۹
شرح مسلم (للنووی): ۱۶۳، ۱۶۴، ۲۶۷، ۲۷۱، ۳۵۲
شرح مشکوٰۃ (طیبی): ۲۱۹
شرح معانی الآثار: ۲۱۰
شرح المواہب اللدنیہ: ۹۱، ۲۹۲
شمائل ترمذی: ۲۵۲، ۳۸۳، ۳۸۵، ۳۸۷، ۳۸۹، ۴۰۳، ۴۰۴

ص

صحابہ وتابعین: ۲۷۳
صحاح (ستہ): ۱۸۱
صحیح بخاری: ۲۹، ۴۲، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۱۳، ۱۲۵، ۱۳۰،

۱۳۲، ۱۳۶، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۶۲، ۱۶۳،
۱۶۴، ۱۶۹، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۹۵، ۲۰۱، ۲۰۳، ۲۰۵، ۲۰۸،
۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۵، ۲۱۹، ۲۲۱، ۲۲۸، ۲۲۹،
۲۴۰، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۵۲، ۲۶۷، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۸۲،
۲۸۳، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۵، ۲۹۷، ۲۹۸،
۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۱۱، ۳۱۵،
۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۷، ۳۳۰، ۳۳۲، ۳۳۴،
۳۳۹، ۳۴۰، ۳۵۲، ۳۵۶، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰،
۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸،
۳۷۰، ۳۷۴، ۳۷۹، ۳۸۵، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۹۰،
۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸،
۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۷، ۴۱۰

صحیحین: ۱۹۵، ۲۰۵، ۳۱۷، ۳۲۵، ۳۲۷، ۳۴۰، ۳۸۴،
۳۸۷، ۳۸۸، ۳۹۴، ۴۰۴

صحیح مسلم: ۴۲، ۷۹، ۹۹، ۱۶۲، ۱۶۹، ۲۰۸، ۲۱۳، ۲۲۵،
۲۲۹، ۲۳۱، ۲۳۵، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۷۲، ۲۷۴،
۲۷۶، ۳۰۳، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۵، ۳۲۳، ۳۵۷، ۳۶۶،
۳۷۷، ۳۷۸، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴،
۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۱۷

صفۃ الصفوۃ: ۳۸۶

ط

طبری دیکھئے تاریخ طبری

طبرانی: ۳۸۵، ۴۰۵

طبقات ابن سعد (کتاب الطبقات الکبیرات):
۱۰۸، ۱۰۹، ۱۹۷، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۵۱، ۲۵۳،
۳۰۱، ۳۶۹

طحاوی: ۲۱۰

الطریق الی المدینۃ: ۱۳

ع

عبقریۃ محمد: ۳۷۵

عرب و ہند کے تعلقات: ۶۲

عربوں کی فتح مصر: ۲۵۱، ۲۶۱

العقد الفرید: ۱۳۷

عمدۃ القاری: ۱۶۳

عہد نبوی کے میدان جنگ: ۲۰۱

عربس کنکویسٹ آف اجپٹ لاسٹ تھرٹی ایرس آف رومن ڈومونین (ARAB'S CONQUEST OF EGYPT AND THE LAST THIRTY YEARS OF ROMAN DOMINION): ۲۶

عربیہ بیفور محمد (عرب محمد سے پہلے): ۷۰، ۱۵۵، ۲۶۲

غ ف

غزوۃ الاحزاب: ۲۱۹

فروم کرسٹ ٹو کونٹ ٹین ٹائین: ۲۶۹

غزوۃ بنی قریظہ: ۲۳۴

غزوۃ بنی قینقاع: ۱۹۹

ق ک

فتح الباری: ۸۹، ۱۲۲، ۱۵۸، ۱۶۳، ۲۵۸، ۲۷۲، ۲۹۹،
۳۰۱، ۳۴۳، ۳۹۵

فتح البلدان: ۲۷۸

فرہنگ عمید: ۲۱۸

الفصول: ۸۸

فقہ الزکوۃ: ۸۱

فقہ اللغہ: ۱۶۳

فیوچر شاک: ۳۷۷

قدیم عراق: ۷۰

قرون وسطی کے راجگان کی تاریخ: ۳۵

قصیدہ بانت سعاد: ۳۲۰
کاروان مدینہ: ۱۳
کامل ابن اثیر: ۴۲، ۱۵۸، ۲۳۱
کتاب الاصنام: ۲۹، ۷۰، ۸۶
کتاب الاموال: ۱۷۴
کتاب الزہد: ۳۸۶
کتاب الشعر والشعراء: ۴۲
کتاب الشفاء: ۳۹۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴
کتاب مقدس: ۴۷، ۲۲۲
کتب مقدسہ: ۱۵۹، ۴۲۲
کنز العمال: ۴۱۴
الکنز المرصود فی قواعد التلمود: ۲۵
کیمبرج ہسٹوری آف اسلام: ۲۲۸

ل م

لسان العرب: ۴۴، ۲۶۷
ماذا خسر العالم بانحطاط المسلمین: ۱۵، ۲۵۵
المجسطی: ۶۱
مجمع بحار الانوار: ۱۵۳، ۱۶۲، ۱۶۵، ۱۶۶، ۲۲۲، ۲۶۷، ۳۲۲، ۳۳۷، ۳۳۸، ۴۰۰
مجموعہ مباحث علمیہ: ۱۷۴
مجموعۃ الوثائق السیاسیۃ: ۱۷۴
محمد اینڈ محمڈن ازم: ۵۳
محمد اینڈ دی رائز آف اسلام: ۱۵۲
محمد اینڈ دی جولیس: ۲۳۱
محمد بحیثیت پیغمبر اور سیاست داں: ۲۷۳
(محمد پرافٹ اینڈ اسٹیس مین): ۱۹۹، ۲۷۳
المخصص: ۱۶۳
مزامیر داؤد: ۴۷
مسلم رول ان انڈیا: ۳۶
مسند امام احمد: ۴۹، ۱۱۸، ۱۷۳، ۱۹۷، ۲۶۴، ۳۶۱، ۳۷۴، ۳۸۷، ۳۹۴، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۲، ۴۰۳
مسند ابی داؤد: ۳۸۶
مسیح سے قسطنطین تک: ۲۶۹
(FROM CHRIST TO CONSTANTIVE)
مسیحیت علم جدید کی روشنی میں: ۲۶
مشکل الآثار: ۲۷۰، ۲۷۱
مشکوۃ المصابیح: ۲۱۹، ۳۹۹، ۴۱۰، ۴۱۷
المشنا: ۲۵
مصنف ابن ابی شیبہ: ۸۰
مصنف عبدالرزاق: ۳۹۴
مصنف قرآن: ۹۲
مطالعہ قرآن کے اصول ومبادی: ۲۵۷
معجم البلدان: ۱۶۵، ۳۲۲
معجم الشعراء: ۲۹۵
معرکہ مذہب وسائنس: ۲۶۹
المغازی: ۲۸۷
المغانم المطابہ فی معالم طابہ: ۱۳۶، ۱۶۰
المفصل فی تاریخ العرب قبل الاسلام: ۵۷، ۷۴، ۸۴، ۸۵
مکہ والمدینہ فی الجاہلیۃ وعہد الرسولؐ: ۸۶، ۱۵۵، ۱۵۷، ۱۵۸
منزل الوحی: ۱۶۰
منصب نبوت اور اس کے عالی مقام حاملین: ۱۹، ۲۴، ۵۰
منوشاستر: ۳۶، ۴۴

مواہب لدنیہ: ۲۵۴، ۳۲۱، ۳۲۴

مہابھارت: ۳۵

مآثر شہداء یہود: ۲۳۱

موطا امام مالک: ۸۱، ۱۶۳، ۳۶۴

ن و

نامۂ تنسر (ایرانی دستاویز): ۳۲، ۳۳

نامۂ مبارک (فرمان نبویؐ): ۲۵۶، ۲۵۸

النجوم الزاہرۃ: ۲۶۱

نصب الرایہ: ۲۱۰

نور النبراس: ۹۴

نہایۃ الارب: ۲۷۱، ۲۸۱

نیو کیتھولک انسائیکلوپیڈیا: ۲۵، ۲۷۰

وفاء الوفاء فی اخبار دار المصطفیٰ: ۱۵۰، ۱۵۹، ۱۶۵

وید: ۲۴

ہ ی

ہستوارڈے لاترکی: ۵۵

ہسٹوری آف میڈیاول ہندو انڈیا: ۲۸، ۲۲

ہسٹوری آف سیریا: ۶۹

ہسٹوری آف فلاسفی: ۳۷

ہسٹوری آف یورپین مورلس: ۳۷

ہسٹورین، ہسٹوری آف دی ورلڈ: ۳۱

الہلال (جریدہ مصر): ۲۵۴

ہندوستانی تمدن: ۲۸، ۴۳۱

الیہود فی بلاد العرب: ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۵، ۱۵۸، ۱۵۹،
۱۶۳، ۱۷۹، ۱۸۰، ۲۳۴، ۲۷۹، ۲۸۱

یہودی تلمود کی روشنی میں: ۲۵

مقامات

الف

ابطح: ۱۴۰

الابواء: ۹۱، ۳۴۶

اٹلی: ۳۸

اجیاد: ۹۴

احد: ۲۰۱، ۲۱۰، ۳۹۶، ۳۹۷

الاحساء: ۲۷۱

الاحمراء: ۴۳۵

احمص: ۳۰۶

احقاف: ۶۲

اخمیم: ۲۵۴

آذربائیجان: ۳۱

اذرح: ۳۲۸

اردن: ۶۹، ۲۵۴

آرمینیا: ۲۵۱، ۲۵۸

اسپین: ۲۵۴، ۴۲۵

اسکندریہ: ۶۱، ۲۶۰، ۲۶۹

اسیریہ: ۳۱

اعظم گڑھ: ۱۷۹، ۲۷۳

افریقہ: ۵۹، ۷۹، ۲۵۶، ۲۵۸، ۲۶۱، ۲۶۲

اکسوم (حبشہ کا دار السلطنت): ۲۶۲

آکسفورڈ: ۲۶۲

الیریا: ۲۶۹

ام القریٰ دیکھئے مکۃ المکرمہ: ۷۵

امریکہ: ۲۳۲، ۴۲۶

اندلس:۹، ۲۷۹، ۳۷۲، ۴۳۲، ۴۳۳
اورختا:۴۲۹، ۴۳۲
اوطاس:۳۰۸، ۳۱۲
ایتھوپیا:۲۶۱
ایتھنس:۳۸
ایران:۲۷، ۳۱، ۳۴، ۳۸، ۴۲، ۸۴، ۱۶۲، ۲۴۹، ۲۵۲، ۲۵۷، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۷، ۴۱۵، ۴۲۵
ایشیاء:۳۹، ۵۷، ۷۹، ۲۵۶، ۲۵۸، ۴۱۸، ۴۳۰
ایشیاءکوچک:۲۵۸
ایلہ،ایلیا(عقبہ):۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۸

ب

بابل:۲۵
بادیۂ عرب:۶۱، ۳۷۳
بازنطینہ:۳۰، ۳۸
بتراء(بطراء):۶۹
بحرین:۵۸، ۲۷۱
بخارا:۴۳۰
بدر: ۱۸۶، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۴، ۱۹۷، ۲۱۵، ۳۷۸، ۳۹۰
برک الغماد:۴۲، ۱۸۸
برک غمدان:۱۸۸
بڑودہ:۲۵۶
بصریٰ:۹۲، ۲۵۲، ۲۵۸، ۲۸۴، ۴۰۸
بغداد:۱۵۱، ۴۲۹، ۴۳۰
بلخ:۳۱
بلقان:۳۰
بلقاء:۲۸۵، ۳۲۴، ۳۵۹
بھوپال:۲۵۶
بیرحاء:۱۶۳
بیروت:۷، ۳۴۵

پ

پاکستان:۱۹۱
پنجاب:۳۶
پولینڈ:۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰
پونہ:۲۹
پیرس:۵۵، ۲۰۱

ت ث

تاج محل:۴۳۵
تبوک: ۶۳، ۱۶۹، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۹۹
ترکستان:۴۲۵، ۴۲۹
تحتی براعظم:۴۳۲
تنعیم:۱۴۰
تیماء:۲۸۱
ثنیۃ الوداع:۱۶۹، ۱۷۰، ۳۲۷

ج

جحفہ:۳۵۰
جدہ:۳، ۵
جرباء:۳۲۸
جرف:۳۵۹، ۳۶۰
جزائر شرق الہند:۴۲۵
جزیرۃ العرب:۳۷، ۴۰، ۴۳، ۵۰، ۵۱، ۵۲، ۵۸، ۶۰، ۶۱، ۶۲، ۶۳، ۷۰، ۷۳، ۷۸، ۸۰، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۸، ۹۷، ۱۳۶، ۱۳۸، ۱۴۹، ۱۶۱، ۱۷۸، ۲۴۸، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۷، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۴، ۲۸۱، ۲۹۸، ۳۰۸، ۳۱۳، ۳۱۵، ۳۱۸، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۷، ۳۶۰، ۳۶۵، ۳۸۷

جعرانہ: ۳۱۳، ۳۱۵، ۳۱۹

جمرۂ اولیٰ: ۳۵۰

جمرۃ الکبریٰ، جمرۃ العقبہ: ۱۳۲، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۷

جمرۂ وسطیٰ: ۳۵۰

جنۃ البقیع: ۳۵۸

ح

حائط ابی قتادہ: ۱۶۴

حبش: ۷۳، ۱۵۷

حبشہ: ۷۲، ۸۴، ۱۰۸، ۱۱۴، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۸۸، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۶۱، ۲۶۲

حجاز: ۵۷، ۵۸، ۵۹، ۶۲، ۶۹، ۸۰، ۲۱۸، ۱۳۳، ۱۸۷، ۲۷۱، ۲۷۴، ۲۸۱

الحجر (حجر اسماعیل): ۶۳

حجر (دیار ثمود): ۱۸۸، ۳۲۲، ۳۲۷

حجر اسود: ۹۵، ۳۴۶، ۴۰۸

حجرۂ عائشہؓ: ۳۶۳

حدیبیہ: ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۷۳، ۲۷۴، ۳۱۱

حرات: ۱۶۰، ۱۶۴

حرم شریف: ۲۹۱

حرۂ لابہ: ۱۶۰

حرۂ واقم: ۱۳۶، ۱۶۰، ۲۱۸

حرۃ الوبرہ: ۱۳۶، ۱۵۷، ۱۶۰، ۲۱۸

حسمیٰ: ۳۲۲

حصباء: ۲۷۷

حضر موت: ۶۲

حطیم: ۱۱۰

حمراء الاسد: ۲۱۱

حمص: ۳۲۳

حنین: ۳۰۸، ۳۱۰، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۵، ۴۰۵، ۴۰۸، ۴۳۴

حیدر آباد: ۲۵۶

حیرہ: ۴۶، ۵۸، ۸۴، ۳۳۴

خ

خراسان: ۳۱، ۴۲۵

خلیج عرب: ۵۷

خلیج عقبہ: ۵۷

خلیج فارس: ۵۷

خوارزم: ۳۱، ۴۲۹، ۴۳۰

خوزستان: ۳۱

خیبر: ۱۵۲، ۲۱۴، ۲۱۷، ۲۳۴، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۳۵۹، ۴۰۸

د ذ

دار ارقم: ۱۰۸

دار الندوۃ: ۱۴۱

داروم: ۳۵۹

دائرۂ شاہ علم اللہ: ۲۳

دمشق: ۳۲۲

دوحہ: ۲۶۱

دومۃ الجندل: ۲۱۶، ۳۲۸

ذوالحلیفہ: ۳۵۰

ذی طویٰ: ۳۴۶

ر

رائے بریلی: ۲۳

ربع خالی: ۶۲

رجیع: ۲۱۱، ۲۷۳

روحاء:۱۹۶
روس:۴۲۹، ۴۳۰
روضۃ الخاخ:۲۹۴
روما:۶۹
روم:۴۲، ۶۰، ۶۳، ۷۳، ۸۰، ۲۵۲، ۲۵۴، ۲۵۷، ۲۶۷، ۲۶۸، ۳۴۰، ۴۱۱، ۴۱۲

س

سد مآرب:۱۵۷
سدرۃ المنتہیٰ:۱۹
سرخس:۳۱
سسلی:۶۲
سعودی عربیہ:۲۰
سغد:۳۱
سقیفہ بنو ساعدہ:۳۶۸
سنح:۳۶۷
سمرقند:۴۳۰
سندھ:۳۲
سندھیا (گوالیار):۲۵۶
سیستان:۳۱
سویڈن:۳۱
سیریا دیکھیے شام

ش

شام (سیریا):۲۶، ۵۹، ۶۳، ۶۹، ۴۹، ۷۰، ۷۰، ۷۳، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۱۲۵، ۱۲۹، ۱۸۷، ۱۹۸، ۲۲۰، ۲۵۰، ۲۸۱، ۲۸۴، ۳۰۴، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۴۰، ۳۵۹، ۴۲۵
شرق اردن:۶۹، ۲۵۴
شط العرب:۵۷
شعب ابی طالب:۱۲۲
شمالی افریقہ:۴۲۵

ص

صحراء بحرین:۵۷
صفہ:۴۰۸
صنعاء:۲، ۷۴، ۸۴، ۲۲۰

ط ظ

طائف:۹، ۷۵، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۶۱، ۱۸۳، ۳۰۸، ۳۱۲، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۹، ۳۲۰
طبرستان:۳۱
طیسفون (المدائن):۳۲، ۲۶۰

ع

عجم:۳۸۵، ۴۱۵
عراق:۲۶، ۳۱، ۵۹، ۷۹، ۴۲۵، ۴۲۹
عرب - عالم عربی:۳، ۷، ۲۲، ۲۸، ۲۹، ۳۷، ۴۰، ۴۱، ۴۲، ۴۳، ۴۵، ۴۶، ۴۷، ۵۰، ۵۱، ۵۲، ۵۳، ۵۷، ۵۸، ۵۹، ۶۰، ۶۱، ۶۲، ۶۳، ۶۷، ۶۹، ۷۰، ۷۸، ۸۰، ۸۲، ۸۳، ۸۵، ۸۹، ۹۱، ۹۷، ۱۰۵، ۱۱۱، ۱۱۷، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۳۰، ۱۳۷، ۱۴۹، ۱۵۱، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۵، ۱۷۸، ۲۲۳، ۲۳۲، ۲۴۸، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۸، ۲۶۰، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۷۱، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۵، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۲۲، ۳۲۷، ۳۳۲، ۳۳۷، ۳۳۹، ۳۴۳، ۳۶۴، ۳۷۳، ۳۷۹، ۳۸۶، ۳۹۴، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۵، ۴۲۵، ۴۲۷، ۴۳۰، ۴۳۴، ۴۳۷، ۴۴۴
عرج:۳۴۶
عرفات - عرفہ:۳۴۷، ۳۵۱
عروض
عسفان:۲۱۱، ۲۴۱
عقبۂ اولیٰ:۴۱، ۱۳۳
عقبۂ ثانیہ:۴۱
عقیق:۵۷
علی گڑھ:۲۲
عمان:۲۷۱
عوالی (مدینہ):۱۵۷

غ

غدیر خم:۳۵۰
غزہ:۲۶۵

غسان: ۸۴، ۳۲۳، ۳۳۲
غارثور: ۱۴۴، ۱۴۶
غارحراء: ۹۹، ۱۰۰، ۱۴۵

ف ق

فارس: ۳۱، ۲۲۰، ۲۵۴، ۲۶۴
فدک: ۲۸۱، ۲۸۲، ۴۰۸
فرانس: ۳۸
فراختائی: ۴۲۹
فلسطین: ۱۴۹، ۳۵۹
قادسیہ: ۳۳۴
قاہرہ: ۱۴۹
قبا: ۱۴۰، ۱۴۸، ۱۷۰
قبرص: ۲۶۰
قدید: ۲۳۶
قرطاجنہ (کارتھیج): ۲۵۶
قسطنطنیہ: ۲۵۸، ۲۷۰

ک گ

کاٹھیاواڑ: ۳۲
کالاپانی: ۱۸۸
کپوڈیشیا: ۲۵۶
کچھ: ۳۲
کراچی: ۱۳
کرک: ۲۸۴
کرمان: ۳۱
کیمبرج: ۴۲۹
گوالیار: ۲۵۶
گیکواڑ: ۲۵۶

ل م

لاہور: ۲۷، ۵۵
لبنان: ۲۶۴
لکھنؤ: ۶، ۱۳، ۱۵، ۲۴
لندن: ۲۷۴، ۳۷۶، ۴۲۷
لیڈن: ۲۳۵، ۲۳۷
LIEGNITZ: ۴۲۸
مالوہ: ۳۲
مدائن: ۳۴، ۲۲۰
مدیان: ۲۳۱، ۲۶۰
مدین: ۶۳
مدینہ منورہ-یثرب: ۴۱، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۴، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۱، ۲۱۶، ۲۱۸، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۱، ۲۷۴، ۲۸۴، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۳۰۰، ۳۰۴، ۳۰۶، ۳۰۹، ۳۱۷، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۲، ۳۲۵، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۳۰، ۳۳۷، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۹، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۹، ۳۸۹، ۳۹۴، ۳۹۷، ۴۰۲، ۴۰۸، ۴۲۱
مرجان: ۳۱
مرالظہران: ۲۹۵
مرو: ۳۱
مزدلفہ: ۳۴۸، ۳۴۹
مستورہ: ۹۱
مشارف: ۲۸۵
مشرقی افریقہ: ۲۶۱

مشرق وسطیٰ: ۴۱۸
مشعر الحرام: ۳۴۹
مشلّل: ۱۶۱
مصر: ۲۶، ۴۹، ۷۹، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۹۵، ۳۷۲، ۴۲۵
معان: ۲۸۵، ۳۳۹
مقام ابراہیم: ۳۴۶
مکہ مکرمہ-ام القریٰ: ۴۷، ۵۱، ۶۳، ۶۴، ۶۹، ۷۰، ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۹۴، ۹۷، ۹۹، ۱۲۳، ۱۲۵، ۱۲۹، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۵، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۷، ۱۴۹، ۱۶۱، ۱۶۴، ۱۶۶، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۲، ۱۷۴، ۱۷۸، ۱۷۳، ۱۸۷، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۱۱، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۷، ۲۴۹، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۸۳، ۲۹۰، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۷، ۲۹۸، ۳۰۰، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۱۰، ۳۱۳، ۳۳۷، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۹۷، ۴۰۰، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۲۶
منحر: ۳۵۰
منیٰ: ۳۳۶، ۳۴۱، ۳۴۵، ۳۴۹، ۳۵۰
منفوحہ: ۲۷۱
موتہ: ۲۸۴
موقف: ۳۴۸
مہروزور: ۱۵۱
میڈیا: ۳۱
مینوئی: ۳۳

ن

نجد: ۵۷، ۵۸، ۲۱۵، ۲۳۴، ۲۷۱، ۲۷۴، ۴۰۰
نجران: ۶۳، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱
نخل: ۲۱۴
نمرہ: ۳۴۷
نیقیہ: ۲۶۹
نیویارک: ۳۷۷، ۴۲۷، ۴۲۹
نئی دہلی: ۳۶

و

وادی بدر: ۱۸۹
وادیٔ بطحان: ۱۵۱، ۲۱۸
وادی بکہ-وادی مکہ: ۴۷، ۴۸، ۳۰۲
وادی حنین: ۳۱۰
وادی سرف: ۳۴۶
وادی عسفان: ۳۴۶
وادی عقیق: ۱۶۴، ۱۷۰
وادی فراط: ۶۹، ۷۰
وادی القریٰ: ۲۸۱، ۲۸۲
وادی قیقعان: ۷۶
وادی محسّر: ۳۴۹
وادی واقم: ۱۶۰

ہ ی

ہرات: ۳۱
ہندوستان: ۲۸، ۲۹، ۳۴، ۳۵، ۳۶، ۳۹، ۱۶۲، ۲۶۲، ۴۲۵
یثرب دیکھئے مدینہ منورہ: ۱۶، ۵۹، ۶۳، ۸۷، ۹۰
یرموک: ۴۱
یروشلم: ۲۷۹
یمامہ: ۵۸، ۷۹، ۲۳۴، ۲۷۱، ۲۷۲
یمن: ۳۱، ۵۷، ۵۸، ۵۹، ۶۳، ۷۳، ۷۸، ۸۴، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۵۷، ۱۶۳، ۱۸۸، ۲۲۰، ۲۶۲، ۲۶۴، ۳۰۳، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۵۰، ۳۹۷
یورپ- مغرب: ۳۷، ۳۹، ۲۵۶، ۲۵۸، ۲۱۸، ۴۲۶،

۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۳

یونان: ۴۲

متفرقات

پہاڑ، نہر، دریا، کنواں وتالاب

اُحد: ۸۵، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۹،
۳۱۰، ۳۹۶، ۳۹۷، ۴۰۵، ۴۰۸

تہامہ: ۵۷

جبل ابوقیس (اعرف): ۷۶

جبل احمر: ۷۶

جبل تنعیم: ۴۰۰

جبل قدید: ۱۶۱

جبل قعیقعان: ۲۸۲

حراء: ۹۳

حسمیٰ: ۳۲۲

شروی: ۳۲۲

صفا: ۳۰۴

طور سینین: ۷۶

کوہ قاف: ۱۸۸

مروہ: ۸۵، ۱۶۱، ۳۴۶

بحر احمر: ۵۷، ۲۶۲

بحر اوقیانوس (بحر ظلمات): ۲۹، ۴۲

بحر روم: ۶۱

بحر قلزم: ۵۷، ۳۲۲

بحر الکاہل: ۲۹

بحر ہند: ۵۷

بحیرۂ لوط: ۶۳

دریائے سندھ: ۳۲

فرات: ۴۶

بئر زمزم: ۶۴، ۳۵۰

بئر معونہ: ۲۱۳

حوض کوثر: ۳۵۸

غدیر خم: ۳۵۰

مریسیع (چشمہ): ۲۲۸

حصون و قلعے

حصن السلام: ۲۷۳

حصن الشق: ۲۷۳

حصن نطاۃ: ۲۷۳

حصن الوطیح: ۲۷۳

حصن الکتیبہ: ۲۷۳

قلعہ الابلق الفرد: ۲۸۰

قلعہ بنی حارثہ: ۲۲۳

قلعۂ ثقیف: ۳۱۴

قلعۂ دومۃ الجندل: ۲۱۶، ۲۲۸

قلعۂ قموص: ۲۷۳، ۲۷۵، ۲۷۶

قلعۂ ناعم: ۲۷۳، ۲۷۶

مساجد وعبادت گاہیں

بیت اللہ شریف–کعبہ شریف: ۲۹، ۴۱، ۴۷، ۴۸،
۵۱، ۷۱، ۷۶، ۷۷، ۷۸، ۹۵، ۱۱۰، ۱۴۰، ۱۴۳، ۱۸۰،
۱۸۱، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۶۲، ۲۹۰، ۲۹۷، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱
۳۰۲، ۳۰۶، ۳۳۴، ۳۳۷، ۳۴۴، ۳۴۶، ۳۴۷، ۴۰۸

بیت المقدس–مسجد اقصیٰ: ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۴۹، ۱۸۰، ۱۸۱

مسجد حرام–مسجد نبوی: ۷۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۲، ۱۷۲،
۲۲۹، ۲۹۸، ۳۴۲، ۳۶۲، ۳۶۷۔

مسجد حرام (حرم مکی): ۷۷، ۹۵، ۱۳۱، ۳۴۶

مسجد عقبہ:۱۳۰
مسجد قباء:۱۷۰
مسیحی کلیسا:۲۶۸، ۴۳۳
ذوالخلصہ (بت خانہ):۳۰۶
القلیس (گرجا):۷۲، ۳۴۰
کلیسا اسکندریہ:۲۶۹
کلیسا:۲۶، ۲۶۹، ۳۳۵، ۴۲۳
مصری کلیسا:۲۶۸
ملکانی کلیسا:۲۶۰
گرجا:۷۲، ۷۳
ہیکل سلیمانی:۲۶۲

درس گاہیں، ادارے اور مطابع

اترپردیش اردو اکیڈمی:۴۳۳
انجینئرنگ کالج - ریاض:۵۱
اورینٹل کالج لاہور:۲۷
پنجاب یونیورسٹی:۳۶
جامعہ عثمانیہ حیدرآباد:۱۷۴
حیدرآباد یونیورسٹی:۲۸
دارالعلوم ندوۃ العلماء:۲۲
ریاض یونیورسٹی:۵۱
مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ:۲۲
اقوام متحدہ:۴۱۵
بائیبل سوسائٹی:۲۳۲
برٹش اینڈ فارن بائبل سوسائٹی:۴۷
داراحیاء التراث العربی:۳۷۵
دارالاندلس:۳۷۲
دارالشروق - جدہ:۳، ۵، ۶
دارالقلم (الکویت):۲۵۵
دارالمصنفین - اعظم گڑھ:۱۷۹، ۲۷۳
دائرۃ المعارف العثمانیہ - حیدرآباد:۱۷۴، ۳۲۲
رابطہ عالم اسلامی - مکہ مکرمہ:۳۰
لجنۃ التالیف والترجمۃ والنشر، قاہرہ:۱۷۴
مجلس تحقیقات ونشریات اسلام-لکھنؤ:۴، ۱۵، ۲۴
مصطفیٰ البابی الحلبی مصر:۴۲
المطبعۃ الحسینیۃ:۴۵۹
المطبعۃ السّلفیہ:۳۹۳
مؤسسۃ الرسالۃ - مصر:۲۷۱

جنگیں سریے اور غزوات

جنگ بعاث - یوم بعاث:۸۳، ۱۳۴، ۱۵۰، ۱۵۸، ۱۷۶
جنگ سمیر:۱۵۸
جنگ عظیم اول ۱۹۱۴-۱۸ء:۳۳۵
جنگ عظیم دوم ۱۹۳۹-۴۵ء:۳۳۵
جنگ یرموک:۴۱
حرب الفجار:۸۳، ۹۳، ۹۷
رومی جنگ:۱۴۹
سریہ ابوعامر الاشعری:۳۱۲
سریۃ الخبط:۲۸۸
سریہ ذات السلاسل:۲۸۸
سریہ عبداللہ بن جحشؓ:۱۸۲
سریہ عامر بن مالک (بئر معونہ):۲۱۳
غزوۂ ابواء (بواط):۱۸۲، ۱۸۵
غزوۂ احد:۱۹۸، ۲۰۰، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۳۵۶، ۴۰۵، ۴۰۸
غزوۂ احزاب - غزوۂ خندق:۸۴، ۱۳۶، ۱۶۰، ۲۱۳، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۳، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۸، ۲۳۴، ۲۳۵

غزوۂ بدر: ۸۰، ۱۶۴، ۱۸۶، ۱۸۸، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۴، ۱۹۵،
۱۹۶، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۹۵، ۳۲۹، ۳۹۴، ۴۰۴، ۴۰۸، ۴۳۴
غزوۂ بنی قریظہ: ۲۲۳، ۲۲۷، ۲۳۳، ۲۳۴
غزوۂ بنی لحیان: ۲۷۲
غزوۂ بنی المصطلق - غزوۂ مریسیع: ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۴۰۰
غزوۂ تبوک: ۱۷۰، ۲۶۳، ۳۲۲، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶،
۳۲۷، ۳۳۳، ۳۳۷، ۳۹۶، ۴۲۱
غزوۂ حدیبیہ: ۳۱۹
غزوۂ حنین - معرکہ ہوازن: ۳۰۸، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳،
۳۱۵، ۳۱۸، ۴۰۵، ۴۰۸، ۴۳۴
غزوۂ خیبر: ۱۱۸، ۱۵۴، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶،
۲۷۷، ۲۷۹، ۲۸۰
غزوۂ دومۃ الجندل: ۲۱۶، ۳۲۸
غزوۂ ذات الرقاع: ۲۱۴
غزوۂ ذی الخلصہ: ۳۰۶
غزوۂ ذی قرد: ۲۷۲
غزوہ الرجیع: ۲۱۳
غزوۃ زید بن حارثہ: ۳۶۰
غزوۃ سیف البحر: ۲۸۹
غزوۃ سویق غزوۂ بنی قینقاع: ۱۹۸
غزوۂ طائف: ۳۱۴، ۳۱۷
غزوۂ موتہ: ۲۸۴، ۲۸۶، ۲۸۸، ۳۳۴، ۳۳۵

وفود قبائل عرب برائے اسلام

وفد ازد: ۳۳۹
وفد اشعریین: ۳۴۰
وفد اہل یمن: ۳۴۰
وفد بنی اسد: ۳۳۹، ۳۴۱
وفد بنی تمیم: ۳۳۸
وفد بنی الحارث: ۳۳۹
وفد بنی حنیفہ: ۳۳۸
وفد بنی زبید: ۳۳۹
وفد بنی طے: ۳۳۹
وفد بنی عامر: ۳۳۸
وفد بنی فزارہ: ۳۴۱
وفد تجیب: ۳۴۱
وفد عبدالقیس: ۳۳۹
وفد قبیلۂ بلی: ۳۴۱
وفد قبیلۂ بہراء: ۳۴۱
وفد قبیلۂ خولان: ۳۴۱
وفد قبیلۂ ذی مرّہ: ۳۴۱
وفد قبیلۂ عذراء: ۳۴۱
وفد قبیلۂ غامد: ۳۴۱
وفد قبیلۂ غسان: ۳۴۱
وفد قبیلۂ محارب: ۳۴۱
وفد قبیلۂ نخع: ۳۴۱
وفد قبیلۂ کندہ: ۳۳۹
وفد مزینہ: ۳۴۰
وفد نجران: ۳۳۹
وفد ہمدان: ۳۳۹، ۳۴۰

مذاہب وادیان - عقائد و فلسفے

ابراہیمی عقیدہ: ۵۲
ابدیت: ۲۶۶، ۲۶۸
آتش پرستی: ۲۷، ۲۵۶
اروسیت: ۲۷۱

اشتراکیت:۳۳
اسرائیلی شریعت:۲۳۱
اسلامی شریعت:۱۷، ۳۷۵
الحاد-لادینیت:۴۲۳، ۴۲۴
الوہیت مسیح:۲۵۵، ۲۶۹، ۲۷۰
باطنیت-اسرار پسندی:۳۱
بت پرستی-اصنام پرستی-شرک:۲۴، ۲۵، ۲۶، ۲۹، ۹۹، ۱۳۴، ۱۶۱، ۲۴۹
بودھ مذہب-بدھ مت:۲۸، ۲۹
ثنویت:۲۷
پروٹسٹنٹ:۹۲
جاگیردارانہ نظام:۳۳
رہبانیت:۳۰، ۳۳
سامی مذاہب:۲۹
عدنانیت:۱۳۷
عقائد اریوسین-عقیدۂ اریوس:۲۷۰
عقیدۂ تثلیث:۲۵
عقیدۂ ثنویت:۲۷
عقیدۂ تناسخ (آواگون):۴۱۸
عقیدۂ توحید:۲۴، ۲۵، ۴۷، ۵۴، ۵۵، ۶۴، ۶۸، ۷۰، ۹۴، ۱۰۷، ۱۳۳، ۱۵۱، ۱۵۶، ۱۷۷، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۴، ۱۹۴، ۲۱۲، ۲۶۸، ۲۷۰، ۳۰۱، ۳۷۸، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۷، ۴۲۶
عقیدۂ کفارہ:۴۱۸
علم الاصنام:۲۸
عیسائیت-دین مسیح: ۲۵، ۲۶، ۲۷، ۲۹، ۵۴، ۷۳، ۹۲، ۱۰۱، ۲۶۴، ۲۷۱، ۳۷۶، ۴۱۸، ۴۲۸
فلسفۂ لذتیت:۳۳
فلسفۂ مانی:۳۱
قحطانیت:۱۳۷
مجوسی:۲۷
مذہب زردشت-زردشتی:۲۷، ۳۱
مزدائیت:۳۱
مزدکیت:۳۲
مساوات:۳۲، ۴۲۵، ۴۲۶
مسیحی عقائد:۲۶۸
مہایانا مذہب:۲۸
نصرانیت:۶۳، ۳۲۸
وحدانیت:۲۶۸، ۳۴۷
ہندو مذہب:۲۸، ۲۹
یہودی مذہب-یہودیت:۲۴، ۶۳، ۷۰، ۱۳۵
یونانی فلسفہ:۳۳

سلطنتیں اور عہد

انگریزی اقتدار:۳۵
ایرانی شہنشاہی:۳۱، ۳۸، ۳۹، ۴۳، ۴۴
بازنطینی سلطنت: ۳۱، ۳۴، ۳۸، ۳۹، ۲۵۵، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۴، ۲۶۸، ۲۷۰، ۳۲۴
برطانوی عہد:۲۵۶
دولت ساسانیہ-سلطنت آل ساسان: ۳۳، ۳۴، ۳۸، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۴، ۲۶۸
رومۃ الکبریٰ-رومن شہنشاہی-رومی عہد: ۳۰، ۳۱، ۴۳، ۲۵۶
مشرقی رومی سلطنت: ۳۰، ۲۸۴
عہد ابراہیمی
عہد جاہلیت:۲۴، ۴۵
عہد خلافت حضرت ابوبکر صدیقؓ:۳۲۳، ۳۶۸
عہد خلافت حضرت عمر فاروقؓ (عہد فاروقی):۳۵، ۲۶۷، ۳۲۲
عہد خلافت حضرت عثمانؓ: ۲۹۵
عہد قطب الدین ایبک:۳۶
عہد نبوت و رسالت (محمدی):۸۰، ۸۵، ۱۵۲

نامہ ہائے مبارک

مکاتیب نبویؐ: ۲۵۲، ۲۶۳
نامۂ مبارک بنام اہل نجران: ۳۳۸
نامۂ مبارک بنام اہل شرحبیل: ۲۸۴
نامۂ بنام اہل کسریٰ: ۲۶۳
نامۂ تنسر: ۳۲
نامۂ مبارک بنام اہل مقوقس: ۲۶
نامۂ مبارک بنام نجاشی: ۲۶۲
نامۂ مبارک بنام ہرقل: ۲۵۰، ۲۵۲، ۲۵۷

فتوحات، صلح نامے وعہد نامے

فتح خیبر: ۲۷۵، ۲۷۹، ۲۸۱
فتح شام: ۳۴۱
فتح طائف: ۳۱۴
فتح قریظہ: ۲۸۲
فتح قلعۂ ناعم: ۲۷۶
فتح مصر ۲۰ھ (۶۴۰ء): ۲۶۱، ۲۵۱
فتح مکہ ۸ھ: ۲۹، ۷۳، ۱۴۰، ۱۵۷، ۲۲۸، ۲۴۹، ۲۶۳، ۲۸۸،
۲۹۰، ۲۹۸، ۳۰۶، ۳۰۸، ۳۲۲
فتح نضیر: ۲۸۲
صلح نامہ ۶۲۸ء (عیسائی): ۲۶۰
عہد نامہ صلح حدیبیہ (۶ھ): ۴۰، ۱۴۰، ۲۴۱، ۲۲۸،
۲۵۰، ۲۵۱، ۲۷۲، ۲۹۰
عہد نامہ مدینہ منورہ: ۲۲۷، ۲۲۸

بعض اہم اور تاریخ ساز واقعات

ابتلاء کعبؓ
بعثت محمدی: ۳۹، ۵۲، ۷۵، ۹۹، ۱۰۰، ۱۱۰، ۴۱۳،
۴۱۸، ۴۲۳، ۴۲۵، ۴۳۳
بیعت رضوان: ۳۱۱
بیعت عقبیٰ ثانیہ: ۴۱، ۱۳۸
بنی تغلب: ۴۶
واقعۂ افک: ۱۶۶، ۲۳۵
واقعۂ فیل: ۷۴، ۲۶۲، ۳۰۷
واقعۂ معراج: ۱۳۷، ۱۳۸